# الفرقان
لکھنؤ

مدیر

محمد منظور نعمانی

چندہ سالانہ
ہندوستان میں -/۲۰
پاکستان سے پاکستانی سکہ میں -/۵۰
بنگلادیش سے -/۲۲

ممالک غیر سے
بحری ڈاک سے ۳ پونڈ
ہوائی ڈاک سے ۶ پونڈ
ایک شمارہ کی قیمت ہندوستان میں
-/۲

جلد (۵۰) | بابت ماہ ربیع الاول ۱۴۰۳ھ مطابق جنوری ۱۹۸۳ء | شمارہ (۱)



## اگر اس دائرہ میں ◯ سُرخ نشان ہے تو

اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ کی مدت خریداری ختم ہو گئی ہے براہ کرم آئندہ کے لیے چندہ ارسال کریں یا خریداری کا ارادہ نہ ہو تو مطلع فرمائیں۔ چندہ یا دوسری اطلاع مہینے کے آخر تک آجانا چاہیے ورنہ اگلا پرچہ بصیغۂ وی پی روانہ ہوگا۔

**نمبر خریداری:** براہ کرم خط و کتابت کرتے وقت اور منی آرڈر کوپن پر اپنا خریداری نمبر ضرور لکھ دیا کریں جو پتہ کی چِٹ پر لکھا ہوتا ہے۔

**تاریخ اشاعت:** الفرقان ہر انگریزی مہینے کے پہلے ہفتہ میں روانہ کر دیا جاتا ہے اگر مہینے کے آخر تک کسی صاحب کو پرچہ نہ ملے تو فوراً مطلع فرمائیں ان کی اطلاع مہینے کی ۵ تاریخ تک آجانا چاہیے اس کے بعد رسالہ کی ذمہ داری دفتر پر نہ ہوگی۔

**پاکستان کے خریدار حضرات** بلغ ۳۰ روپے ہندوستانی سکہ میں کسی بھی ذریعہ سے دفتر الفرقان لکھنؤ کو روانہ فرمائیں یا پاکستانی سکہ میں ۵۰ روپے ناظم ادارہ اصلاح و تبلیغ آسٹریلین بلڈنگ لاہور کو بھیج دیں۔

(مولوی) محمد منظور نعمانی پرنٹر پبلشر اڈیٹر نے تنویر پریس میں چھپوا کر دفتر الفرقان ۳۱ نیا گاؤں مغربی لکھنؤ سے شائع کیا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

# نگاہِ اوّلیں

خلیل الرحمٰن سجاد ندوی

آج جب کہ یہ سطریں سپردِ قلم کی جا رہی ہیں دسمبر کی ۲۳ر اور ربیع الاوّل کی ۶ر تاریخ ہے۔ حضرت شیخ الحدیث نمبر کی روانگی کا کام آج ہی مکمل ہوا ہے، جب تک جنوری کا یہ شمارہ پہنچے گا، اکثر ناظرین کرام اسے ملاحظہ فرما چکے ہوں گے —— یہ نمبر معنوی و ظاہری لحاظ سے کیسا ہے؟ یہ فیصلہ ہمارے دائرہ کار سے باہر ہے۔ لیکن اتنی بات عرض کرنے میں کوئی مضائقہ بھی معلوم نہیں ہوتا کہ حضرت شیخ الحدیث کی نادرۂ روزگار اور یکتائے زمانہ شخصیت، ان کے مجاہدات و کمالات اور پون صدی پر پھیلی ہوئی علم و ذکر، تعلیم و تربیت اور اصلاح و تزکیہ کے حسین نقوش سے معمور ان کی مثالی زندگی پر نظر کی جائے تو یہ نمبر کچھ بھی نہیں۔ لیکن جن حالات میں اور جن مشکلات کے ساتھ۔ کم از کم ظاہری حد تک۔ یہ نمبر اس شکل تک پہنچا ہے اس سب کو دیکھتے ہوئے اسے اللہ تعالیٰ کی خصوصی تائید و توفیق کا مظہر کہنا بیجا نہ ہوگا۔

الفرقان جیسے کسی دینی رسالہ کے لیے۔ جو کسی جماعت یا ادارہ کا ترجمان نہیں۔ اس معیار کی اشاعت کا اہتمام کتنا دشوار ہے، یہ وہی لوگ جانتے ہیں جنھیں ان کاموں کا کچھ تجربہ ہے —— نمبر کی راہ میں جو مشکلات پیش آئیں اور اس نے جتنا زیر بار کیا اس کا کچھ اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ اس کی ضخامت آٹھ ماہ کے شماروں سے بھی زیادہ ہے، کاغذ نہایت اعلیٰ استعمال کیا گیا ہے اور کتابت، طباعت آفسٹ کی ہے۔

الغرض اس نمبر نے جو بار ڈالا ہے الفرقان کے ناتواں کندھوں کے لیے وہ ہلکا بار نہیں،

لیکن جس قادر مطلق اور کریم رب کے بھروسے پر یہ بوجھ اٹھایا گیا ہے وہی اس سے سبکدوشی بھی کرے گا ــــــ اور یہ کوئی نیا تجربہ نہ ہوگا، ۵۰ سالہ ماضی میں نہ جانے کتنی بار یہ تجربہ دہرایا جاچکا ہوگا، وجہ اس کی یہ ہے کہ الفرقان کو محض توفیق الٰہی کی بدولت یہ امتیاز بھی حاصل رہا ہے کہ مادی منفعت کی غرض اس سے کبھی ایک منٹ کے لیے بھی متعلق نہیں ہوئی، بلکہ دنیاوی پیمانے کے لحاظ سے وہ خسارہ ہی پر چلتا رہا۔ اور اس کے ناخدا اس خسارہ ہی کو عین منفعت سمجھ کر حالات و مشکلات کے تلاطم خیز سمندر میں اسے چلاتے رہنے کی جدوجہد کرتے رہے ــــــ اللہ کرے کہ یہ نمبر بھی اس حقیقی منفعت سے خالی نہ رہے، اور اللہ کرے کہ جب تک الفرقان زندہ رہے اسی مزاج کے ساتھ زندہ رہے۔

---

اوپر بات چل رہی تھی نمبر کے سلسلہ کے مصارف کی، سو اس سلسلہ میں یہاں ایک بات اور عرض کرنی ہے، وہ یہ کہ یہ نمبر چونکہ ستمبر تا دسمبر چار مہینوں کے شماروں کا بدل ہے اس لیے جب یہ دیکھا گیا کہ بہت سے خریدار حضرات کی مدت خریداری ان میں سے کسی مہینے میں ختم ہو رہی ہے تو منتظمین ادارہ نے ایسے حضرات سے خط کے ذریعہ یہ گذارش کی کہ وہ سال آئندہ کا زر تعاون ارسال کردیں ساتھ ہی یہ بھی لکھا کہ اگر وہ کسی وجہ سے یہ پسند نہیں کریں گے تو نمبر تو انھیں نہیں بھیجا جاسکے گا، البتہ ان چار میں سے جتنے ماہ کے شماروں کے وہ مستحق ہوں گے، آئندہ شائع ہونے والے اتنے ہی ماہ کے شمارے انھیں ارسال کردیے جائیں گے ــــــ

اس سلسلہ میں منتظمین سے ایک غلطی ہوئی وہ یہ کہ اس فہرست میں انھوں نے ان حضرات کے نام بھی درج کرلیے جن کی مدت خریداری دسمبر ۸۲ء میں ختم ہوتی تھی حالانکہ اس اعلان کے بعد کہ سابقہ خریداروں کو یہ نمبر بلا کسی اضافی قیمت کے دیا جائے گا، شرعی لحاظ سے یہ بات درست نہیں تھی۔ اس غلطی کی طرف ہمارے ایک مخلص خریدار نے متوجہ کیا جس کے بعد ہی راقم سطور کے علم میں پوری بات آئی۔ ہمیں اپنی غلطی کا اعتراف ہے اور توجہ دلانے والے بھائی کے ہم ممنون ہیں اللہ تعالیٰ انھیں اس احسان کا صلہ دے ــــــ بہرحال اس کی تلافی اس طرح کردی گئی ہے کہ جن حضرات کی مدت خریداری دسمبر ۸۲ء میں ختم ہوتی تھی ان سب کی خدمت میں نمبر ارسال کردیا گیا ہے۔

# کچھ ضروری گذارشات

از ناظم ادارہ الفرقان

(۱) جولائی و اگست کے شمارہ میں ہم نے ناظرین کرام سے یہ گذارش کی تھی کہ حضرت شیخ نمبر کو محفوظ طریقہ پر منگانے کے لیے ۳ روپے رجسٹری فیس ارسال کر دیں، چنانچہ اکثر حضرات نے ایسا ہی کیا۔ اور ان کی خدمت میں یہ نمبر رجسٹری ہی سے ارسال کیا گیا ہے۔ جن حضرات کی طرف سے ۲۲ر دسمبر تک رجسٹری فیس موصول نہیں ہوئی مجبوراً یہ نمبر ان کو سادہ ڈاک ہی سے روانہ کیا گیا ہے۔ خدا کرے کہ ڈاکخانہ کی بد انتظامی کی نذر نہ ہو جائے۔ بصورت دیگر یہ نمبر دوبارہ نہیں بھیجا جا سکے گا۔ اس لیے اس کا مطالبہ نہ کیا جائے۔ اور اس کی تعمیل سے ادارہ کو معذور سمجھا جائے۔

(۲) نمبر کی روانگی کے کام کو بہت احتیاط سے انجام دیا گیا ہے۔ ایک ایک پتہ کو چیک کر کے پیک کیا گیا ہے۔ ہمیں امید ہے کہ انشاءاللہ ہماری طرف سے کسی کو شکایت کا موقع نہ ملے گا۔

(۳) تمام رجسٹروں کے تفصیلی معائنہ سے خصوصاً بیرون ملک کے ایسے بہت سے خریداروں کا پتہ چلا جن کے ذمے دو تین سال سے الفرقان کا زرتعاون باقی چل رہا تھا۔ ہم نے ایسے تمام حضرات کو پہلے اطلاعی خطوط لکھے۔ ان میں سے جن حضرات کی طرف سے ہمیں کوئی جواب موصول نہیں ہوا مجبوراً ہم نے ان کی خدمت میں یہ نمبر ارسال نہیں کیا ہے۔ اس لیے کہ ادارہ اس نمبر کے سلسلہ میں بہت زیادہ زیر بار ہو گیا ہے۔ جس کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ صرف کاغذ پر جو خرچ ہوا وہ (آٹھ) عام شماروں کے کاغذ پر ہوتا ہے۔ محصول ڈاک پر بھی خرچ بہت زیادہ ہوا ہے۔ جو نمبر سادہ ڈاک سے بھیجے گئے ہیں ان پر ۵۰ پیسے کے ٹکٹ لگے ہیں جو کہ ۱۳ عام شماروں پر لگتے۔ —— بیرونی ممالک کے لیے اس نمبر پر خرچ ہونے والے محصول کا حال بھی یہی ہے۔ امریکہ کے لیے اٹھائیس روپے سے زائد اور برطانیہ اور یورپ کے دوسرے ممالک کے لیے بیس روپے سے زائد کے ٹکٹ لگے ہیں۔ یعنی اوسطاً ۱۰-۱۲ شماروں کے برابر خرچ صرف محصول ڈاک پر ہوا ہے —— یہی حال کتابت و طباعت وغیرہ کا ہے۔ بہر حال اس وجہ سے جن حضرات کے ذمے گذشتہ سالوں کا چندہ واجب الادا ہے ان کو نمبر نہیں بھیجا گیا ہے —— ہماری گذارش ان سے یہ ہے کہ وہ جلد از جلد اپنے ذمہ واجب الادا بقایا کو ادا کر دیں۔

# محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق و عادات

[ناظرین کرام کو یاد ہوگا، اسی عنوان کے تحت مولانا عتیق الرحمٰن سنبھلی مدظلہٗ کے ایک مضمون جولائی و اگست ۸۲ء کے مشترکہ شمارہ میں شائع ہوا تھا، ذیل میں اس کی دوسری قسط ملاحظہ فرمائی جائے۔]

## مختلف شعبہائے اخلاق کی جدا جدا جھلکیاں

### اپنوں اور پرایوں اور اچھوں اور بُروں سب کے ساتھ

#### نرم مزاجی اور خوش اخلاقی

یہود مدینہ میں سے بہت سوں کا شیوہ تھا کہ خدمت اقدس میں بظاہر حسن تعلق کے انداز میں آتے مگر باطن میں خباثت ہوتی۔ اس لیے "السلام علیکم" (PEACE BE UPON YOU) کو زبان کے پھیر سے "السام علیکم" (DEATH TO YOU) بنا کر کہتے۔ ایسے ایک موقع کی حضرت عائشہ سے روایت ہے کہ کچھ یہودی آئے اور یہی حرکت کی۔ یہ قریب ہی سن رہی تھیں۔ ان سے رہا نہ گیا۔ فرماتی ہیں "میں نے کہا اللہ تم پر لعنت، اور اپنا غضب نازل کرے۔" حضرت نے فرمایا، "نہیں عائشہ، نرمی پسند کرو اور سختی اور بدگوئی سے دور رہو"۔ میں نے عرض کی "حضور نے سنا نہیں، انھوں نے کیا کہا؟" آپ نے فرمایا "اور تم نے نہیں سنا کہ میں نے

انھیں کیا جواب دیا۔ میں نے " وعلیکم " کہہ کر ان کی بات ان پر لوٹا دی اور (اتنا کافی ہے کیونکہ) میری بات ان کے حق میں (خدا کے یہاں) قبول ہوگی۔ اور ان کی میرے حق میں نہیں ہوگی۔" اور اس حدیث کی ایک دوسری روایت میں ہے کہ آپ نے حضرت عائشہ سے فرمایا "نہیں نہیں عائشہ، اللہ کو ہر معاملہ میں نرمی پسند ہے۔" (بخاری الادب المفرد)

ایک دوسرے واقعہ کی حضرت عائشہ ہی روایت کرتی ہیں کہ " ایک شخص کی طرف سے حاضری کی اجازت طلبی آئی۔ آپ نے اُس کا نام سن کر فرمایا " اپنے قبیلے کا بُرا آدمی ہے، بُرا فرزند ہے" لیکن جب وہ آکر بیٹھا تو آپ پوری خوش اخلاقی سے پیش آئے۔ جب وہ چلا گیا تو انھوں نے (عائشہ نے) حضرت سے عرض کی" آپ نے اس کے داخل ہونے سے پہلے تو ایسا ایسا فرمایا تھا۔ مگر اس کے آجانے پر آپ نے اتنی خوش اخلاقی برتی؟" فرمایا " عائشہ تم نے مجھے کب اس کے خلاف دیکھا ہے؟ دیکھو خوب سمجھ لو کہ قیامت کے دن اللہ کی نظر میں وہ آدمی بدترین ہوگا جس کی بدخلقی کی وجہ سے لوگ اُسے چھوڑ دیں۔" (ایضًا)

انس بن مالکؓ راوی ہیں کہ ایک دن ایک بدو مسجد نبوی میں آیا۔ اور وہیں پیشاب کرنے لگا (حضرت مع اصحاب کے تشریف فرما تھے) اصحاب یہ دیکھ کر اس کی طرف لپکے۔ آنحضرت نے فرمایا " نہیں نہیں اسے روکو مت اور اب کر لینے دو۔" اس کے بعد پانی منگایا اور اُس جگہ پر بہا دیا۔" (ایضًا)

حضرت ابو درداء کا بیان ہے کہ جب کبھی کسی سے بات کرتے چہرے پر تبسم اور شگفتگی نمایاں ہوتی۔ (مسند احمد)

## شفقت و رحم دلی

(۱)

مکہ والوں سے مایوسی اور خاص کر ابو طالب کے بعد اُن کی بدسلوکیوں میں اضافے کے بعد آپ کا طائف کی طرف دعوتی سفر آپ کی پیغمبرانہ زندگی کے مشہور ترین واقعات میں سے ہے۔ وہاں آپ کے ساتھ وہ سلوک ہوا جو کبھی مکہ میں بھی نہ ہوا تھا۔ اتنے پتھر

مارے گئے کہ جسم لہولہان ہو گیا۔ خون بہہ بہہ کر جوتوں میں جم گیا اور پاؤں اس کے ساتھ چپک گئے۔ وہاں سے مایوس ہو کر واپس چلے تو ظالموں نے لڑکے اور اوباش پیچھے لگا دیے جو گالیاں دیتے اور تالیاں بجاتے تھے۔ آپ ایک باغ کے احاطے میں پناہ لینے اور سستانے کے لیے بیٹھ گئے۔ مالکان باغ نے آپ کو اس حال میں دیکھا اور اپنے ایک غلام کو کچھ انگور لیکر آپ کے پاس بھیجا۔ آپ نے "بسم اللہ" کہہ کر تھوڑے سے انگور نوش فرمائے اور طبیعت کچھ حال میں آئی۔ اس موقع پر آپ کے مجروح دل کی ترجمانی اس دعا کے الفاظ سے ہوتی ہے جو اپنے پروردگار کی طرف متوجہ ہو کر آپ کی زبان پر آئی۔

"الٰہی اپنی کمزوری، بے سروسامانی اور لوگوں کی نظر میں بے وقعتی کی تجھ سے فریاد کرتا ہوں۔ اے سب رحیموں سے زیادہ رحم کرنے والے، تو ہی کمزوروں کا مالک ہے اور میرا بھی تو ہی مالک ہے۔ تو مجھے کس کے حوالے کرتا ہے؟ آیا کسی بیگانہ بدمزاج[1] کے جو مجھ پر اپنا زور دکھائے؟ یا کسی عزیز قریب[2] کے کہ تو اس کو مجھ پر مختار بنائے؟ کچھ بھی سہی، اگر یہ سب مجھ پر تیرے غضب کی وجہ سے نہیں ہے تو مجھے اس کی کچھ پروا نہیں، البتہ تیری عافیت میں میرے لیے زیادہ وسعت (سہولت) ہے" الخ

(ابن ہشام)

اس تڑپتی ہوئی فریاد نے عرش الٰہی ہلا دیا۔ جبرئیل امین نازل ہوئے کہ اللہ نے سب کچھ سنا اور دیکھا ہے، اور پہاڑوں پر متعین فرشتے کو حکم دیا ہے کہ جو آپ اس سے کہیں وہ بجا لائے۔ اس کے بعد پہاڑوں کا فرشتہ سلام کر کے مخاطب ہوا کہ آپ مجھے حکم دیں، جو آپ چاہتے ہوں۔ آپ فرمائیں تو طائف کے دونوں طرف کے پہاڑوں کو باہم ملا دوں جس میں یہ سب پس کر رہ جائیں؟ نبی رحمت نے ارشاد فرمایا۔ نہیں میں امید کرتا ہوں کہ اللہ ان کے صلب سے وہ نسل پیدا کرے جو صرف اسی کی عبادت کرنے والی اور شرک سے دور رہنے والی ہو!

(شفا۔ قاضی عیاض ۱۲۲)

---

[1] غالباً اہل طائف مراد ہیں۔ [2] اہل مکہ

(۲)

منافقین اپنی تمام کھلی اور چھپی اسلام دشمن حرکتوں اور آنحضرت اور آپ کے مؤمن ساتھیوں کے ساتھ بزدلانہ خباثتوں کے باوجود چونکہ "مسلمان" ہی شمار کیے جاتے تھے۔ اور مسلمانوں کے لیے پیغمبر کو اللہ کا حکم تھا کہ ان میں سے کسی کا انتقال ہو جائے تو آپ اُس کے لیے دعائے رحمت و مغفرت کیجیے، نماز جنازہ پڑھائیے۔ کیونکہ آپ کی دعاء و استغفار اُن کے لیے نفع بخش ہے (ان صلوٰتک سکنٌ لھم) (سورۂ توبہ ۱۰۳) اس لیے آپ کھلے منافقوں کو بھی اس سے محروم نہیں کرتے تھے۔ عبداللہ بن اُبی رأس المنافقین تھا۔ اُس کی شرارتوں نے آنحضرت کو وہ ذاتی اور جماعتی اذیتیں دی تھیں کہ اللہ کی پناہ۔ مگر اُس کا انتقال ہوا تو آپ نے اس کی نماز جنازہ ہی نہیں پڑھائی بلکہ اپنی قمیص مبارک بھی اُس کے کفن میں شامل کرنے کے لیے دی۔ اس کی نماز کے لیے آپ بڑھے تو حضرت عمر سے نہ رہا گیا آپ کا دامن پکڑ کر کھینچا کہ حضور اس دشمن خدا کی نماز پڑھاتے ہیں؟ مگر آپ نے فرمایا کہ عمر مجھے رہنے دو۔

اس شخص کے ایک بیٹے صادق مسلمان تھے۔ ایک غزوہ کے موقع پر اس نے ایسی بات کہی کہ گویا یہ اور اس کے ساتھی معزز اور آنحضرت اور آپ کے ساتھی ذلیل ہیں۔ اور اب مدینے میں وہی رہ پائے گا جو اُس کا ہمنوا ہے۔ مسلمان بیٹے کی حرارت ایمانی جوش میں آئی وہ غزوہ سے واپسی میں آگے بڑھ کر مدینے کے ناکے پر کھڑے ہو گئے اور یہ باپ جب وہاں پہنچا تو تلوار نکال کر کہا کہ تم اسی شکل میں مدینہ کے اندر قدم رکھ سکتے ہو جب آنحضرت اجازت دیدیں۔ معاملہ حضور کو پہنچا، آپ نے فرمایا کہ یہ تمہارا باپ ہے اس کے ساتھ حسن سلوک اور ادب ہی کرو۔ چنانچہ اس رحم و کرم کی بدولت وہ مدینہ میں سلامتی کے ساتھ داخل ہو سکا۔

منافقین کے بارے میں شفقت نبوی کا کلائمکس (CLIMAX) یہ تھا کہ قرآن پاک نے آپ کو ان کے لیے دعائے مغفرت سے روکنے کے لیے کہا کہ "سواءٌ علیہم استغفرت لھم ام لم تستغفر لھم لن یغفر اللہ لھم (منافقون ۶) مگر اس میں چونکہ

---

واقعہ افک اسی شخص کی شرارت کا نتیجہ تھا۔

اللہ نے صرف اپنا فیصلہ بیان کیا تھا۔ آپ کو صاف صاف منع نہیں کیا تھا۔ اس لیے آپ نے حضرت عمرؓ جیسے صحابہ کی گرانی پر فرمایا کہ اللہ نے مجھے اختیار دیا (منع نہیں کیا ہے) اس لیے میں اس اختیار سے فائدہ اٹھا کر ان کے لیے استغفار جاری رکھنا پسند کرتا ہوں اس کے بعد سورۂ توبہ کی آیت ۸۰ نازل ہوئی "ان تستغفر لھم سبعین مرۃ فلن یغفر اللہ لھم" اس پر صحابہ نے سمجھا کہ اب تو آپ رک ہی جائیں گے۔ مگر آپ نے فرمایا کہ میں ستر سے زیادہ مرتبہ استغفار کروں گا۔ (تب شاید اللہ انھیں بخش دے) حتیٰ کہ توبہ کی آیت ۸۴ نازل ہوئی کہ "ان میں سے کوئی مر جائے تو نہ آپ اس پر ہرگز نماز جنازہ پڑھیں اور نہ ہی اس کی قبر پر جائیں۔" تب جا کر نبی رحمت نے اپنے آپ کو مجبور پایا ——— دنیا میں کوئی مثال اس شفقت و رحمت کی پیش کی جا سکتی ہے؟

جس طرح آنحضرت کی دعائے مغفرت سکون بخش اسی طرح آپ کی لعنت و بد دعا یا ناراضگی کی کوئی بھی صورت اگر کسی بدنصیب کے حصے میں آجائے تو وہ قاتل تھی۔ اوپر یہودیوں کی "السام علیکم" والی روایت میں گزر چکا ہے کہ حضور نے فرمایا کہ میرا ان کی اس بد دعا کو (وعلیکم کہہ کر) لوٹا دینا مقبول ہوگا۔ چنانچہ اس خطرے سے یہ دعائے کریمانہ آپ کے معمول میں شامل تھی کہ

> "اے اللہ میں تجھ سے ایک عہد چاہتا ہوں، اس کے خلاف ہرگز نہ فرمائیو، اور یہ کہ میں بشر ہوں۔ (اسی بشریت کے ماتحت) میں اگر کسی مومن کو ایذا پہنچا دوں، اسے برا بھلا کہہ دوں، اسے مار پیٹ دوں یا اس پر لعنت کر بیٹھوں تو میری ایسی تمام باتوں کو اس کے حق میں رحمت بنا دیجیو، اس کے لیے پاکیزگی کا ذریعہ کر دیجیو اور اس کی ایک ایسی نیکی اسے ٹھیرا دیجیو جو اسے تیرا قرب عطا کرنے کا باعث بنے۔" (۲) (مناجات مقبول۔ رحمۃ للعالمین ۱۷۰)

(۳)

یہ مشرک اور منافق دشمنوں کے ساتھ آپ کی شفقت و رحمت کا معاملہ تھا۔ رہے مومن اور مسلمان تو ان کے بارے میں تو کہنا ہی کیا؟ خود قرآن پاک کی شہادت ہے

عزیزٌ علیہ ما عنتّم حریصٌ علیکم بالمؤمنین رءوفٌ رّحیم" (توبہ ۱۲۸) اس آیت کے مفہوم کی وسعت کو پیش نظر رکھ کر اگر اتنی سب مثالیں جمع کی جائیں جن سے اس وسعت کا پورا احاطہ ہو جائے تو یہ بیان بہت طویل ہو جائے گا۔ کیونکہ اس کے ذیل میں آپ کی پیغمبرانہ زندگی کی وہ پوری جد و جہد بھی آتی ہے جو آپ نے محض جذبہ شفقت و رحمت اور بندگان خدا کی بھلائی کی حرص میں اُن کو مؤمن بنانے کے لیے کی۔ وہ چھوٹی چھوٹی باتیں بھی آجاتی ہیں جو آپ امت کی سہولت کے لیے اختیار فرماتے یا اُن کی ہدایت دیتے تھے مثلاً حکم مسواک کے ضمن میں آتا ہے کہ اگر مجھے امت کی دقت کا خیال نہ ہوتا تو میں ہر نماز کے لیے مسواک کو لازم کر دیتا (مشکوٰۃ) کسی کو بہت زیادہ نفلی روزوں اور نماز اور تلاوت قرآن کا شائق دیکھتے یا سنتے تو شفقت ہی کے خیال سے اعتدال کی ہدایت فرماتے۔ کتنے ہی صحابیوں کے ایسے واقعات حدیثوں میں آتے ہیں۔ صدقہ و خیرات میں بعض صحابہ نے سارا مال دیدینے کی اطلاع دی یا اجازت چاہی تو اس سے بھی عام طور پر روکا اور میانہ روی کا حکم دیا۔ وعظ و نصیحت تک میں اس کا خیال فرماتے کہ اتنا لمبا یا اتنی جلدی جلدی نہ ہو کہ لوگ دقت محسوس کرنے لگیں (صحیح بخاری)۔ الغرض مثالوں کا ایک دفتر اس احاطے کے لیے چاہیے اور وہ موجود ہے۔ لیکن ہم یہاں صرف ایسے مسلمانوں کے بعض واقعات کی مثالیں دیں گے جن سے کوئی خطا یا بڑا گناہ سرزد ہو گیا، کہ ایسوں کے ساتھ آنحضرت کی شفقت و رحمت کا معاملہ کیا تھا۔ ؎

یہود کے قبیلہ بنو قریظہ کے ساتھ غزوہ کا جو معاملہ پیش آیا وہ سیرت کے مشہور واقعات میں سے ہے۔ خاص طور پر دشمنان اسلام نے اُسے بہت اچھالا ہے۔ یہ قبیلہ جب محاصرے کے بعد یہ سوچنے پر مجبور ہوا کہ خود کو آنحضرت کے حوالے کر دے، تو انھوں نے ایک حلیف مسلمان قبیلے کے فرد ابو لبابہ صحابیؓ کے لیے درخواست کی کہ انھیں ہمارے پاس بھیج دیا جائے ہم اُن سے کچھ مشورہ کریں گے۔ آنحضرت نے اسے منظور فرمایا۔ ابو لبابہ مومن صادق تھے، انھوں نے ان یہودیوں سے کہا کہ ہاں غیر مشروط سپر اندازی کے سوا اب کوئی راستہ تمہارے لیے نہیں ہے۔ اور اُس کے ساتھ غلطی سے اپنے گلے کی طرف ہاتھ

؎ مشکوٰۃ

سے اشارہ کر کے، اُن پر یہ بھی ظاہر کر دیا کہ اس غیر مشروط سپردگی کے بعد تمھارا انجام قتل ہے۔ مگر یہ غلطی کرتے ہی احساس ہوا اور مارے ندامت کے وہاں سے سیدھے مسجد نبوی چلے گئے اور اپنی غلطی کے کفارے کے لیے خود کو مسجد کے ایک ستون سے باندھ دیا۔ اور عہد کیا کہ جب تک خود آنحضرت ہی مجھے معاف کر کے اپنے ہاتھ سے نہ کھولیں گے ایسے ہی بندھا رہوں گا۔ آنحضرت کو اس کی اطلاع ہوئی تو بڑا افسوس فرمایا کہ کاش وہ میرے پاس آگئے ہوتے تو میں ان کے لیے اللہ سے معافی طلب کرتا۔ مگر اب انھوں نے معاملہ میرے ہاتھ سے نکال دیا اور اللہ کے ہاتھ میں دیدیا۔ اب تو اللہ ہی کے فیصلے سے میں اُن کو ہاتھ لگا سکوں گا۔ چنانچہ وہ چھ روز اسی حال میں رہے۔ اُن کی بیوی نماز کے لیے آکر اُن کو کھول دیتی تھیں اور نماز کے بعد پھر اُسی ستون سے باندھ دیتی تھیں۔ چھ دن کے بعد قرآن کی آیت (توبہ ۱۰۲) ان کی معافی میں نازل ہوئی اور آنحضرت نے اپنے دست مبارک سے انھیں کھولا۔

زنا اسلام میں شدید ترین گناہ ہے جس کی سزا غیر شادی شدہ کے لیے سو کوڑے اور شادی شدہ کے لیے سنگساری ہے۔ قرآن پاک میں ہدایت ہے کہ (یہ گناہ جب ثابت ہو جائے تو) کسی جذبۂ رأفت و رحمت کو اس سزا کے معاملے میں دامنگیر ہونے کی اجازت نہیں دینی چاہیے۔ "ولا تأخذکم بهما رأفة في دين الله" (النور ۲) مگر جو بھی گنے چُنے واقعات اس گناہ کے حیات نبوی میں ملتے ہیں اُن سب میں اسی نبیٔ رحمت کی رأفت و شفقت ہر جائز طور سے یہ کوشش کرتی ہوئی ملتی ہے کہ معاملہ ثبوت تک نہ پہنچنے پائے۔ (غامدیہ اور ماعزؓ کے واقعات یہاں دیے جا سکتے ہیں) اور جب گنہگار آخرت کے خوف سے از خود ہی ثابت کیے بغیر نہ مانتا تو پھر اسلامی شریعت جن صورتوں میں اس سزا کو جہاں تک مؤخر کرنے کی اجازت دیتی ہے، یہ رأفت و رحمت اس اجازت کا پورا پورا فائدہ گنہگار کو پہنچائے بغیر نہیں مانتی (غامدیہ کی سزا مؤخر کرتے رہنے کی روایتیں) اور اسکے علاوہ ایسے گنہگاروں کو یہ عام مشورہ اور ہدایت کہ اگر ان کے اور خدا کے سوا کسی کو اُن کے گناہ کا علم نہیں ہے تو وہ اسے چھپا ہی رہنے دیں اور خدا سے معافی مانگ لیں اور آپ کے یا آپ کے بعد کے حاکم وقت کے سامنے نہ لائیں۔ زنا کے علاوہ چوری اور شراب نوشی

تمام ایسے گناہ جن کی سخت اور متعین سزا ہے جسے "حد" کہتے ہیں، ان سب کا ارتکاب کر بیٹھنے والوں کو آپ کی شفقت و رحمت کی طرف سے یہی صلاح تھی۔ کہ "من بُلِیَ بِھٰذہٖ القاذورات (یعنی المحرمات) فَلْیَسْتَتِر" ثبوت کے بعد ناگزیر طور پر سزا پانے والوں کے لیے آپ نے مسلمانوں کو ہدایت فرمائی کہ انھیں برائی سے یاد نہ کریں بلکہ اُن کے لیے مغفرت اور رحمت کی دعا کیا کریں۔

(۴)

جس کی شفقت و رحمت کا حال مشرک دشمنوں، مارِ آستین منافقوں اور خطاکار و گنہگار مسلمانوں کے ساتھ یہ ہو اُس کا دوسرے انسانوں کے ساتھ مسلمان ہوں یا غیر مسلمان، کیا پوچھنا؟ جو جس قدر اور جس درجہ میں اس کا حاجت مند تھا اسی درجے میں وہ اس سے فیض یاب تھا۔

**غلاموں کا طبقہ**

غلاموں کا طبقہ اُس وقت سب سے زیادہ اس کا حاجتمند تھا۔ آپ اوپر پڑھ چکے کہ اپنے غلاموں کے ساتھ آپ کا کیا معاملہ تھا۔ اور یہ آپ کی عملی مثال، نیز ترغیبات ہی کا اثر تھا کہ آپ کے ذی استطاعت اصحاب غلاموں کو آزادی دلانے کے لیے دوسروں سے خریدتے اور آزاد انسانوں کی صف میں داخل کر دیتے تھے خاص کر ایسے غلام جو اسلام قبول کر لینے کے جرم میں اپنے بے درد مالکوں کے ظلم وستم کا زیادہ نشانہ بنتے نظر آتے تھے یا انسانیت کا کوئی نمایاں جوہر رکھتے تھے۔ ابو بکر صدیق (رض) نے اس اسوۂ حسنہ کی پیروی میں خاص طور سے نام پایا ہے اور ایک طویل فہرست ایسے غلاموں کی ہے۔ جو انھوں نے خرید خرید کر آزاد کیے۔

لیکن غلامی کو یکسر ختم کر دینا اس وقت ممکن نہیں تھا۔ لہذا آپ ہدایت فرماتے تھے کہ یہ تمھارے بھائی بند ہیں جنھیں (حالات کے تحت) اللہ نے تمھارے زیر دست کر دیا ہے، پس جس کسی کا بھائی اس کے زیر دست ہو اُسے وہی کھلائے جو خود کھائے اور وہی پہنائے جو خود پہنے، اور ایسے کام اُن کے اوپر نہ ڈالو جن سے وہ دب جائیں۔ اور اگر ایسا [illegible] ڈالنا ہی پڑے تو اس میں اُن کی مدد کرو"

یہ ارشاد دراصل ایک واقعے کا ٹکڑا ہے اور وہ واقعہ یہ ہے کہ ایک مرتبہ آنحضرت نے دیکھا کہ ابو ذر غفاریؓ اپنے ایک غلام کو کچھ سخت و سست کہہ رہے ہیں۔ آپ نے ٹوکا اور فرمایا کہ "ابو ذر تم میں ابھی تک دور جاہلیت کی خو بو باقی ہے" اور اس کے بعد وہ ہدایت فرمائی جو اوپر نقل ہوئی۔

ایک اور صحابی ابو مسعودؓ انصاری کو دیکھا کہ اپنے غلام کو مار رہے ہیں۔ فرمایا کہ "ابو مسعود یاد رکھو کہ اللہ کو تم پر اس سے زیادہ قدرت ہے جتنی تمھیں اس غلام پر ہے"۔ ابو مسعودؓ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ یہ آج سے آزاد ہے"۔ اس پر آنحضرت نے فرمایا "ہاں اگر تم یہ نہ کرتے تو تم پر (دوزخ کی) آگ بھڑکتی۔ (ابو داؤد باب حق المملوک)

اسی رویے کے نتیجے میں آتا ہے کہ ایک صحابی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور دریافت کیا کہ "یا رسول اللہ میں غلاموں کا قصور کتنی دفعہ معاف کروں؟"۔ اس پر آپ نے خاموشی اختیار کی۔ صحابی نے اپنا سوال پھر دہرایا۔ آنحضرت پھر خاموش رہے۔ صحابی نے تیسری بار سوال دہرایا۔ تب آپ نے ارشاد فرمایا "ہر روز ستر بار معاف کرو"

**یتامیٰ اور خواتین** غلاموں کے بعد دو طبقے اور اس سوسائٹی میں خاص طور پر مزدور اور زیادتیوں کا شکار تھے۔ یتیم اور خواتین۔ یتیموں کی باعزت پرورش کے لیے جہاں ایک طرف یہ مؤثر ترین پیرایۂ ترغیب اختیار فرمایا کہ جنت کے اندر میں اور یتیموں کی پرورش کرنے والا اس طرح قریب ہوں گے ــــ اپنی دو انگلیوں کو کھڑا کر کے بتایا۔ جیسے یہ دو انگلیاں (ترمذی و بخاری) وہاں دوسری طرف اپنے عمل سے مثال بھی سامنے رکھی۔ ازدواجی زندگی کے بیان میں آپ پڑھ چکے ہیں کہ ام سلمہؓ نے جب آپ کے پیغام نکاح پر اپنے یتیم بچوں کا عذر پیش کیا جو چار یا پانچ تھے۔ تو جواب میں فرمایا کہ وہ بچے میرے بچے ہیں۔ چنانچہ وہ اسی انداز سے آپ کے سایۂ عاطفت میں رہے۔ حضرت ام سلمہؓ کے علاوہ بھی (ایک حضرت عائشہؓ کو چھوڑ کر) تمام بیوائیں ہی آپ کے عقد میں آئیں۔ جن میں سے بعض کے بچے بھی تھے۔ اور حضرت انسؓ جیسے خدام خاص کی شہادتیں بھی گزر چکی ہیں کہ آنحضرت اپنے اہل و عیال اور بلا تفریق تمام بیویوں کے لیے

سب سے زیادہ رحم دل انسان تھے"۔

خواتین کے ساتھ شفقت و ملائمت کا حال بھی آپ اچھی طرح آنحضرت کی "ازدواجی زندگی" میں پڑھ چکے ہیں اور جو عظیم انقلاب عورتوں کی نفسیاتی "کیفیت" میں آپ کے اس رویے کی بدولت آگیا تھا، اس کا حوالہ بھی گزر چکا ہے۔ حجۃ الوداع کے اپنے خطبے میں آپ نے جو وداعی نصیحتیں امت کو فرمائیں اُن میں بھی عورتوں کے ساتھ نرمی اور حسن سلوک کی نصیحت کو آپ نے فراموش نہیں فرمایا۔ ارشاد فرمایا "عورتوں کے معاملے میں اللہ سے ڈرتے رہنا"۔ (مسلم، ابوداؤد) "تمھارا عورتوں پر اور عورتوں کا بھی تم پر حق ہے" (ابن ہشام۔ طبری)

مشہور حدیث ہے "مجھے تمھاری دنیا میں سے تین چیزوں کی محبت دی گئی ہے، خوشبو اور عورتیں۔ اور میری آنکھ کی ٹھنڈک نماز ہے"۔ بہت سے کم سمجھوں یا بدنیتوں نے اس میں "عورتوں" کا جز و شان پیغمبری کے خلاف سمجھا اور سمجھانے کی کوشش کی ہے۔ یہاں اس پر بحث کا موقع نہیں۔ لیکن اتنا اشارہ کرتے ہوئے، کہ خوشبو اور نماز کی محبت کے بیچ میں "عورتوں کی محبت" کا حوالہ خود ہی یہ بتانے کے لیے کافی ہے کہ یہ وہ "محبت" نہیں جس پر کوئی اعتراض یا وسوسہ دل میں آئے، یہاں یہ کہنا ہے کہ یہ محبت کمزوروں کے ساتھ آپ کی شفقت و محبت کا ایک جز و تھی۔ اور یہ حقیقت جہاں ازواج کے ساتھ آپ کے برتاؤ میں پوری طرح اُجاگر ہو جاتی ہے وہاں اس کا مزید ثبوت ایسی روایتوں سے ملتا ہے جیسی حضرت انس کی والدہ اور خالہ ام سلیم اور ام حرام کے ساتھ (جو آپ سے محرمانہ رشتہ رکھتی تھیں) آپ کے نہایت محبانہ رویے کے متعلق نقل کی گئی ہیں۔ ام حرام قُبا میں رہتی تھیں۔ آپ کا معمول ہر ہفتے قبا جانے کا تھا۔ اور جب بھی جاتے ام حرام کے یہاں ضرور تشریف لے جاتے۔ اُن کا پیش کردہ کھانا بھی کھاتے اور وہیں آرام بھی فرما لیا کرتے۔ (بخاری کتاب الجہاد) ام سلیم کے یہاں بھی اکثر جاتے رہنے کا معمول تھا۔ اور بالکل ام حرام والا معاملہ ہی اُن کے ساتھ تھا۔ (ایضاً کتاب الاستیذان)

خواتین کی صنفی نزاکت کا اس عرب ماحول میں جہاں آپ سے پہلے اُن کی کسی

بات کے لحاظ کا بھی تصور نہ تھا، اس حد تک خیال فرماتے کہ ایک دفعہ سفر میں جو ازواج ساتھ تھیں اُن کے شتربان رنجشہ نے حدی خوانی کے جوش میں اس کا خیال نہ کیا کہ عورتیں سوار ہیں، زیادہ تیز رفتاری مناسب نہیں۔ آنحضرت نے دیکھا تو آواز دی کہ رنجشہ، یہ (نازک) شیشے ہیں، ذرا نرم روی رکھو (ٹوٹ نہ جائیں)

(۵)

قصہ مختصر، ہر جاندار کے ساتھ رحم و کرم آپ کی طبیعت میں ودیعت کیا گیا تھا۔ انسان ہو یا غیر انسان، نہ اس کی تکلیف دیکھ سکتے تھے اور نہ اس کی کسی حاجت کا اضطرار

حضرت عائشہ راوی ہیں کہ (گھر کی) بلی کو پانی کی طلب میں دیکھتے تو اپنے وضو والے پانی کا برتن (پیالہ) ہی اُس کے آگے جھکا دیتے اور بعد میں اُسی سے وضو فرما لیتے۔ (مواہب ج۱ بحوالہ دارقطنی) کسی بھی جاندار کے ساتھ رحم دلی کا مرتبہ خدا کے یہاں یہ بتلایا کہ "ہر ذی روح کے ساتھ حسن سلوک میں اجر ہے"[1] کتنا اجر؟ کہ بنی اسرائیل کی ایک کسبی عورت نے کہیں سفر میں ایک کتے کو گرمی کی شدت سے زبان لٹکائے ہوئے ایک کنوئیں کے پاس منڈلاتے دیکھا تو اپنا موزہ نکالا اور اوڑھنی سے اُسے باندھ کر کنوئیں میں ڈال کر پانی نکالا اور اس بے زبان جاندار کی پیاس بجھائی تو اللہ نے صرف اسی نیکی کے طفیل میں اس کی بخشش فرما دی"[2] اس کے برعکس ایک عورت کے بارے میں بتایا کہ وہ صرف اس گناہ میں داخل نار کی گئی کہ ایک بلی کو باندھ رکھا تھا نہ اُسے کھانے کو دیتی اور نہ چھوڑتی تھی کہ خود اپنی روزی تلاش کرلے۔ (بخاری و مسلم) ہدایت فرماتے کہ "جانوروں پر سواری کرو تو ان کو منزل بہ منزل سستانے کا موقع دیا کرو۔ شیطان بن کر مسلسل دوڑاتے نہ رہا کرو۔ ان بے زبان جانوروں کے بارے میں اللہ کا خوف رکھو، اچھے ڈھنگ سے سواری کرو اور اچھا کھلاؤ" (کنز العمال ج۵ ص ۱۵) حضرت عائشہ کو ایک دفعہ سفر میں دیکھا کہ اپنے اونٹ سے شوخی کرتے ہوئے اسے کبھی دائیں کو موڑتی ہیں کبھی بائیں کو۔ فرمایا کہ "عائشہ نرمی کرو۔ اور دیکھو نرمی ہر بات کو خوب اور سختی اسے بدنما دیتی ہے" (احیاء العلوم ج۳ ص ۱۶۱)

---

[1] بخاری و مسلم [2] (ایضاً)

آپ مکہ سے نکالے ہوئے مدینے میں تھے۔ اور مکہ والے اسی دشمنی کے حال میں۔ یہ ۶ھ کی بات ہے جبکہ مکہ والے اپنی دشمنی کا آخری زبردست مظاہرہ غزوہ خندق کی شکل میں کر کے ابھی ابھی نبٹے تھے۔ مکہ میں گندم اور غلہ جات کی درآمد کا خاص علاقہ یمامہ تھا۔ آنحضرتؐ نے غزوہ خندق کے بعد ایک سریہ نجد کے علاقے میں بھیجا۔ اسے واپسی میں یمامہ کا سردار "ثمامہ بن اُثال" ہاتھ لگ گیا جو خود بڑا دشمن رسولؐ تھا۔ اس کے ساتھ آنحضرتؐ کے ایک خاص حکیمانہ حسن سلوک نے (جس کا قصہ تفصیلی ہے) اس کی دشمنی کو نہ صرف ایمان بلکہ ایسی محبت نبویؐ میں بدل دیا کہ یہ مدینے سے اسلام کے ساتھ رہائی پا کر اپنا عمرہ کرنے کے لیے مکے پہنچا جس کے راستے ہی میں یہ گرفتار ہوا تھا۔ اور کفار مکہ کے سامنے اپنے اسلام کا اعلان کر کے کہا کہ "یاد رکھنا اب یمامہ کی گندم کا ایک دانہ بھی تمہارے یہاں اُس وقت تک نہ آنے پائے گا جب تک محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی اجازت نہ دیں گے۔ (بخاری کتاب المغازی) چنانچہ یمامہ پہنچ کر مکہ کا غلہ بند کر دیا۔ اہل مکہ بلبلا اُٹھے اور آخر آنحضرتؐ ہی سے التجا کرنے پر مجبور ہوئے۔ اور آنحضرتؐ نے اُن کی توقع کے مطابق ثمامہ کو لکھوایا کہ غلہ کی بندش روک دو اور حسب معمول جانے دو۔ (صحیح مسلم۔ ابن ہشام) یہ وہی "ہر ذی روح کے ساتھ حسن سلوک اور ہمدردی" کی طبیعت اور اہمیت تھی جس نے خون کے پیاسے دشمنوں کے ساتھ بھی کوئی امتیاز نہ برتا۔

صحیح بخاری میں قرآن کی سورہ الدخان کی تفسیر میں متعدد روایتوں سے بیان ہوا ہے کہ قیام مکہ کے زمانہ میں جب قریش کی حق دشمنی حد سے گزری تو (جیسے کبھی ہمدردی ہی کے تقاضے سے تکلیف دہ علاج کیا جاتا ہے) آنحضرتؐ نے اللہ سے ان کی دُمّی کھینچنے کی دعا فرمائی کہ شاید ہوش آ جائے۔ اس دعا کے نتیجے میں سخت قحط پڑا۔ بارش رک گئی اور لوگ ہڈیاں اور مردار کھانے لگے۔ چونکہ یہ اہل مکہ اس قسم کی باتوں کے مطالبے حضورؐ سے کیا کرتے تھے۔ اور گویا چیلنج کرتے تھے کہ "اگر تم واقعی رسولِ خدا ہو تو ہم پر کوئی عذاب کیوں نہیں نازل کرا دیتے۔ اس لیے سمجھ گئے کہ یہ اسی حماقت

کا نتیجہ ہے۔ چنانچہ مجبور ہوئے اور ابوسفیان نے آکر دہائی دی کہ محمد تمھاری قوم ہلاک ہو رہی ہے۔ خدا سے دعا کرو کہ یہ مصیبت دور ہو جائے۔ رحمت عالم نے فوراً دعا کو ہاتھ اُٹھا دیے۔ اور مکہ والوں کی یہ جان لیوا مصیبت دور ہوئی۔

**عفو و درگذر** جن لوگوں نے کسی کو اس قدر ستایا ہو جس قدر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اہلِ مکہ کے ہاتھوں ستائے گئے، اور اس بلا کی دشمنی اس کے ساتھ روا رکھی گئی ہو جیسی مدینہ کو ہجرت کر جانے کے بعد بھی آنحضرت کے ساتھ مکہ والوں نے آٹھ برس مسلسل برتی، اس کی طرف سے انتقام کی بھرپور قدرت کے موقع پر بھی انتقام کی جگہ عفو و کرم ایک حسین تخیل تو ہو سکتا ہے، مگر عمل میں اس کا تصور انسانی تصورات سے باہر کی بات ہے۔ مگر نبی رحمت نے اس محض تخیلاتی بات کو کس وجد انگیز پیمانے پر اپنا عمل بنا کے دکھایا؟ اس کی تصویر دیکھنی ہو تو فتح مکہ کے موقع پر جائیے اور دیکھیے کہ یہ اسی گوشت پوست کا انسان جس کے بظاہر سبھی چھوٹے بڑے انسان ہوئے اور ہوتے رہیں گے، کس سلوک کا مظاہرہ اپنے جانی اور رحم و کرم نا آشنا دشمنوں کے ساتھ کر رہا ہے؟ سردار دشمناں ابوسفیان، مکے کی سرحد پر، عمّ نبی عباسؓ کی پناہ میں حاضر خدمت کیا جاتا ہے۔ جاں نثار دوست و بازوئے رسالت عمر فاروقؓ اذن خواہ ہیں اس کی گردن مارنے کی اجازت انھیں دی جائے اور کوئی پناہ اور سفارش قبول نہ کی جائے۔ مگر نبی رحمت کے یہاں یہ وقت جوشِ رحمت اور ربّانی حکمت کا تھا۔ اجازت قتل کے بجائے جان بخشی کی سفارش قبول ہوئی۔ اور بجائے کسی انتقامی جذبے کے وہ حلم و عنایت متوجہ ہوئی کہ بالآخر اس شخص کا دل اسلام کے لیے کھل گیا اور "اشھد ان محمدًا رسول اللہ" اس کی زبان پر دل کی پوری ہمنوائی کے ساتھ آ گیا۔ آنحضرت اس شخص کی نفسیات کو پوری طرح سمجھتے تھے۔ اس لیے جمالِ رحمت کا ذائقہ چکھانے کے بعد شکوہِ لشکر کا معائنہ کرانے کے لیے حضرت عباسؓ کو ہدایت فرمائی کہ آپ اس منزل سے سپاہِ اسلام کی مکہ میں داخلہ کے لیے روانگی کے وقت انھیں جگہ لے کر کھڑے ہوں جہاں سے یہ پورے لشکر اور اس کے جوش و جلال کی کیفیت کا مشاہدہ کرے۔ اس مرحلے میں سپاہ انصار سے

علمبردار سعد بن عبادہ جب ابو سفیان کے سامنے سے گزرے تو وہ بھی اپنے قابو میں رہ سکے اور زبان پر رجز جاری ہوا کہ "آج رَن کا دن ہے، آج کعبہ کے اردگرد بھی خون حلال ہوگا اور کفار قریش ذلیل ہوں گے۔" نبی رحمت کو اطلاع ہوئی تو فرمایا سعد نے غلط کہا۔ "آج کعبہ کی عزت و حرمت کا دن ہے۔ آج قریش کو صحیح عزت نصیب ہو گی۔" اور حکم دیا کہ انصار کا علم سعد سے لیکر اُن کے بیٹے کے ہاتھ میں دیدیا جائے۔

اس جلال انگیز فضا میں اس مظاہرہ جمال کے ساتھ وادی مکہ میں داخلہ ہوتا ہے کعبہ کے اندر تشریف لے جاتے ہیں۔ بتوں کی گندگی سے اللہ کے اس گھر کو پاک کرتے ہیں۔ پھر وہیں نماز شکر ادا کر کے تہلیل و تکبیر کی آواز اس کے ہر گوشے میں بلند کرتے ہیں۔ اب دروازہ کھلتا ہے۔ صحن مسجد قریش سے بھرا ہوا ہے۔ آپ دروازے پر کھڑے ہو کر اللہ کی حمد وثنا کے بعد خطبہ دیتے ہیں۔ اور پُرمغز و مختصر خطبے کے بعد قریش سے دریافت فرماتے ہیں کہ تمہارا کیا خیال ہے، میں تمہارے ساتھ کیا کرنے والا ہوں؟۔ وہ اب تک کے رویے سے سمجھ چکے تھے اور نہ بھی سمجھے ہوں تو سوائے اس کے اور کیا اُس وقت کہہ سکتے تھے کہ "آپ بھلائی کرنے والے ہیں۔ اس لیئے آپ کریم اور ابنِ کریم ہیں۔ ہم اس کے سوا آپ سے اور کوئی امید نہیں کرتے۔" فرمایا (ہاں!) مجھے تم سے وہی کہنا ہے جو یوسف ؑ نے اپنے بھائیوں سے کہا تھا۔ کہ "لا تثریب علیکم الیوم" (میری طرف سے کوئی ملامت کی بات آج تمہارے لیے نہیں ہے) پس "جاؤ تم سب آزاد ہو" ——— خوش عقیدگی کا کوئی مسئلہ نہیں تاریخ کی کامل روشنی میں نہ اس عفو و کرم کی نظیر زمین و آسمان نے انسانوں کے بیچ میں کبھی دیکھی اور نہ بظاہر آئندہ کبھی دیکھ سکیں گے۔ اور اسی لیے کوئی ضرورت نہیں رہ جاتی کہ اس خلقِ عفو و کرم کی کچھ اور مثالیں بھی آپ کی زندگی سے پیش کی جائیں۔

(اصح السیر، عبد الرؤف دانا پوری بحوالہ صحاح سیرۃ ابن ہشام وغیرہ)

**جود و سخا**

یہ بھی، قریب قریب، عفو و کرم کے پایے ہی کی صفت ہے۔ اس میں معافی اور احسان کی داد و دہش ہے اور اس میں مال و منال کی۔ اور اتفاق سے اس صفت کا بھی سب سے بلند پایہ مظاہرہ انھیں قریش کے ساتھ اور فتح مکہ کے فوراً بعد غزوہ حُنین کے مال غنیمت میں ہوا۔ تفصیل اپنے موقع پر آ چکی ہے/ آئے گی۔ جو دکھاتی ہے کہ اپنے اصل جاں نثاروں کو بالکل نظر انداز کر کے یا بہت تھوڑا سا دیکے، اس بے شمار مالِ غنیمت کا زیادہ تر حصہ انھیں مکہ کے نومسلموں کو جو اس غزوہ کے لیے ساتھ ہو گئے تھے۔ اس طرح دے ڈالا کہ ابو سفیان کو سّو اونٹ اور چالیس اُوقیہ چاندی۔ اُنکے بیٹے یزید بن ابی سفیان کو اتنے ہی اونٹ اور چاندی۔ دوسرے بیٹے معاویہ کو اتنے ہی اونٹ اور چاندی اور اسی طرح مزید نو آدمیوں کے نام آتے ہیں جنھیں ایک ایک سو اونٹ عنایت ہوئے۔ بلکہ ایک صاحب نے سّو اور مانگے تو وہ اور سّو بھی دیے گئے۔ اور ان کے علاوہ جنھیں سو سے کم ملے اُن میں بھی سب سے کم تر تعداد چالیس کی تھی۔ اور اس چالیس پانے والے کی ناراضگی آپ کو پہنچی تو صحابہ سے فرمایا کہ جاؤ جس طرح بھی ممکن ہو میری طرف سے اس کی "زبان کاٹ لو" اور یہ زبان اس طرح "کاٹی گئی" کہ جتنے میں وہ راضی ہوا اتنا اُسے اور دیدیا گیا۔ (۲) ایضاً

اس داد و دہش کو ممکن ہے سیاسی مصلحت پر محمول کر لیا جائے۔ حالانکہ نہ تو صرف سیاسی مصلحت سے ایسی فیاضی اس وقت تک ممکن ہے جب تک طبیعت میں واقعی فیاضی اور بے پناہ فیاضی کا جوہر نہو اور اس کے علاوہ اس فیاضی کی حقیقت کے سلسلہ میں خود اس فیاضی کا سب سے بڑا حصہ پانے والے ابو سفیان اور صفوان بن امیّہ کا صاف اقرار اس موقع پر نقل ہوا ہے کہ "یہ بخشش غیر نبی سے ممکن نہیں"۔ چنانچہ صفوان جس نے اُس وقت تک اسلام قبول بھی نہ کیا تھا اس فیاضی ہی نے اُس کا دل اسلام اور آنحضرت کی صداقت پر یقین کے لیے کھولا اور وہ مسلمان ہوا۔ پھر بھی اس نمونے کے بلند ترین نمونہ ہونے کے باوجود مناسب معلوم ہوتا ہے کہ کچھ ایسے واقعات کی طرف بھی اشارہ کر دیا جائے جہاں اس گمان کی قطعاً گنجائش ہی نہو۔

حضرت جابرؓ صحابی اس بارے میں آنحضرت کی عادت شریفہ بیان کرتے ہیں کہ "آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی کسی کے سوال اور طلب پر "نہ" نہیں کیا"[۲۷] (طبری)

حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ عادت مبارکہ یہ تھی کہ جب آپ سے کچھ طلب کیا جاتا تو اگر طلب پوری کر سکتے تو "بہت اچھا" کہتے۔ اور اگر نہیں کر سکتے (یا کرنا مناسب نہ ہوتی) تو خاموشی اختیار فرما لیتے تھے "نہ" کبھی نہیں کہتے تھے۔ یہ بیانات جن مشاہدات پر مبنی تھے اُن میں سے ایک یہ ہے کہ "ایک شخص آنحضرت کی خدمت میں کچھ عطا و بخشش کا طلب گار ہو کر آیا۔ آنحضرت نے فرمایا کہ اس وقت تو میرے پاس کچھ نہیں ہے البتہ تم کسی سے (اپنی طلب کے مطابق) قرض لے لو اور پھر جب میرے پاس کچھ آجائے گا تو میں تمھیں دیدوں گا۔ حضرت عمرؓ۔ جو اس حدیث کے راوی ہیں۔ فرماتے ہیں" میں نے عرض کی کہ یا رسول اللہ جب آپ کے پاس ہو تو آپ بے شک دیں۔ مگر جب آپ کے پاس ہے ہی نہیں تو آپ پر کیا ذمہ داری ہے کہ اس طرح فکر کریں؟" ایک انصاری صحابی جو اس وقت موجود تھے انھوں نے دیکھا کہ حضرت عمر کی اس بات سے آنحضرت کے چہرے پر ناپسندیدگی کے آثار ظاہر ہوئے، اور یہ دیکھ کر انھوں نے عرض کی کہ "(نہیں نہیں) یا رسول اللہ آپ خرچ کریں۔ اور بے شک خدائے ذی العرش کے خزانے میں کسی کمی کا اندیشہ نہ فرمائیں"

حضرت عمر فرماتے ہیں۔" یہ بات سن کر آنحضرت کے چہرے پر مسکراہٹ اور بشاشت آئی۔ اور فرمایا (تم نے بالکل ٹھیک کہا) مجھے اسی کا حکم دیا گیا ہے"

(ترمذی و طبری۔ ادب المفرد۔ امام بخاری)

حضرت انس بیان فرماتے ہیں کہ (قبائل عرب میں جب اسلام کی طرف رجحان شروع ہوا تو) کوئی شخص اسلام کے ارادے سے آپ کی خدمت میں ایسا نہیں آتا تھا کہ آپ اُسے کچھ عطا نہ فرماتے ہوں۔ ایک دن ایک شخص آیا۔ صدقہ کی بکریوں کا ایک بڑا ریوڑ اسی وقت آیا ہوا وادی میں پھیلا ہوا تھا۔ آپ نے اس میں سے ایک بڑی تعداد اسے دینے کا حکم دیا۔ وہ اسے لیکر اپنی قوم کی طرف پلٹا اور پکارا کہ اے لوگو اسلام لے آؤ۔ کیونکہ محمد اس طرح دیتا ہے جیسے اُسے فاقے (اور مفلسی) کا خوف ہی نہ ہو۔ (مسند احمد)

ایک بدو خدمت اقدس میں حاضر ہوا۔ اور آپ سے عطیہ کی طلب کی۔ آپ نے اُس وقت جو ممکن تھا اُسے عنایت فرمایا۔ اور پھر بڑی نرمی سے فرمایا تم خوش ہو؟ یہ بدو تڑک کر بولا نہیں، بالکل نہیں تم نے کچھ بھی اچھا نہیں کیا۔ یہ بات مسجد کے اندر صحابہ کے مجمع میں ہوئی تھی۔ صحابہ کو غصہ آیا اور لگا کہ وہ غصہ اُتار دیں گے۔ آنحضرت نے مسکراتے ہوئے انھیں اس سے باز رہنے کا اشارہ کیا۔ اس کے بعد آپ اٹھے اور گھر تشریف لے جاتے ہوئے بدو کو نہایت خندہ جبینی کے ساتھ اپنے ساتھ آنے کو فرمایا اور وہاں دوبارہ اُسے کچھ عطا فرمایا۔ اور پھر فرمایا اب تو میں نے اچھا کیا؟ بدو اب خوش ہوگیا اور بولا ہاں، اللہ آپ کو میرے اہل اور قبیلے کی طرف سے اچھا بدلہ دے۔ اس پر آنحضرت نے فرمایا کہ دیکھو تم نے جو اس سے پہلے کہا تھا اس سے میرے اصحاب کو ناگواری ہوئی تھی۔ پس اب جب تم خوش ہو گئے ہو یہی بات جو تم نے اب مجھ سے کہی ہے میرے اصحاب کے سامنے بھی دہرا دینا تاکہ اُن کے دل سے تمھاری طرف سے غصہ نکل جائے۔ چنانچہ اگلے دن بدو پھر مسجد نبوی میں آیا جہاں آپ اصحاب کے درمیان تشریف فرما تھے۔ آپ نے اسے دیکھ کر فرمایا اس اعرابی نے کل جو کچھ کہا تھا اُس کے بعد میں نے اس کو اور دیا اور یہ کہہ کر آپ نے اعرابی کی طرف نظر اٹھائی۔ اعرابی نے کہا کہ ہاں بیشک، اور اللہ آپ کو میرے اہل اور قوم کی طرف سے بہتر بدلہ دے۔"

یہ مثال خالی فیاضی ہی کی مثال نہیں۔ فیاضی کے ساتھ حلیمی اور عالی ظرفی کی بھی قابلِ رشک مثال ہے۔ عطا و سخا کے ساتھ ایسے گنوارین کو نہ صرف برداشت کیا جائے بلکہ خندہ جبینی میں بھی فرق نہ آئے اور کوشش رہے کہ وہ گنوار راضی ہو۔ اور اصحاب کو جو اُس سے نفرت ہوئی ہو وہ بھی جاتی رہے۔ یہ پیغمبر کے سوا کسی کے بس کی بات ہے؟

یہ واقعہ سیرت نبوی کا کوئی ایک اکیلا واقعہ نہیں بلکہ بدوؤں کے ساتھ بار ہا ایسے واقعات پیش آئے ہیں۔ اور اُن سب میں یہی شانِ فیاضی و حلیمی و خوش اخلاقی بیک وقت ملی جلی نظر آتی ہے۔

## حلم اور عدل

جس طرح فیاضی کے ساتھ حلیمی کا جمع ہونا آسان نہیں ـــــ اور بظاہر اسی لیے قرآن پاک میں سورۂ بقرہ کی آیت ۲۶۲ سے ۲۶۴ تک اہل ایمان کی تربیت کے لیے صدقہ و خیرات کے ساتھ "منّ و اذیٰ" کی برائی کا مختلف پیرایوں میں ذکر کیا گیا ہے ـــــ اسی طرح عدل و انصاف کے ساتھ بھی حلیمی نبی کا جیسا جگر چاہیے۔ طبرانی، بیہقی، ابن حبان اور حاکم وغیرہ کی مشہور روایت ہے کہ مدینہ کے یہودی علماء میں سے جو لوگ اسلام لائے اُن میں سے ایک صاحب نے اپنا واقعہ اسلام لانے کے بعد بیان کیا کہ مجھے آنحضرت کا فقط چہرہ ہی دیکھ کر نبوت کی تمام علامتیں نظر آگئی تھیں، بس دو علامتیں ایسی تھیں جس کا اندازہ مجھے نہیں ہو سکا۔ ۱ یہ کہ اس کا حلم اُس کے غصّے پر غالب ہو اور ۲ اُس کے ساتھ جس قدر زیادہ جہالت کی جائے اُسی قدر اُس کی حلیمی بڑھتی نظر آئے۔ چنانچہ میں نے تدبیریں سوچیں کہ ان دونوں باتوں کے سلسلے میں آپ کو آزماؤں۔ اس سلسلے میں میں نے آپ سے کچھ کھجوروں کا سودا کیا یعنی کھجوریں اُدھار اور قیمت پیشگی، جو میں نے ادا کردی۔ اور پھر ابھی کھجوروں کی ادائیگی کے مقررہ وقت میں دو تین دن باقی تھے کہ میں تقاضہ کرنے کے لیے پہنچ گیا اور آپ کی قمیص اور چادر کو بُری طرح پکڑ کر اور خشمناک نگاہوں سے آپ کی طرف دیکھتے ہوئے میں نے کہا کہ محمد تم اپنے ذمّہ کا حق ادا نہیں کرو گے؟ قسم خدا کی تم بنی عبدالمطلب ہو ہی ٹال مٹول کرنے والے۔ حضرت عمر جو موجود تھے اس پر قابو سے باہر ہو کر بولے کہ او دشمن خدا، کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے وہی کچھ کہہ رہا ہے جو میں سن رہا ہوں؟ قسم بخدا اگر آنحضرت کی موجودگی کا لحاظ نہ ہوتا تو تیری گردن اُڑا دیتا۔ مگر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کیفیت یہ تھی کہ آپ نے بڑے سکون، وقار اور مسکراہٹ کے ساتھ حضرت عمر کی اس کیفیت کو دیکھتے ہوئے فرمایا: عمر مجھے اور اسے جس چیز کی ضرورت تھی وہ یہ تھی کہ تم مجھے بہتر ادائیگی اور اسے بہتر ڈھنگ سے تقاضے کی نصیحت کرتے۔ اچھا اب جاؤ، اور (میری طرف سے) اس کی ادائیگی کردو اور اپنے غصّے کے بدلے میں بیس صاع زیادہ دو۔ اس کے بعد صاحب واقعہ راوی کہتے ہیں کہ

میں نے عمر کو اصل بات بتائی کہ میں نے کس غرض سے یہ سب کیا تھا اور پھر کہا کہ میں تمھارے سامنے گواہی دیتا ہوں کہ "رضیت باللہ ربًا و بالاسلام دینًا و بمحمدٍ نبیًّا"

## تعلق و احسان شناسی اور اس کے حق کی ادائگی

اس وصف کا تعلق عام شرافت سے ہے۔ اس لیے ہمیں ضرورت نہیں معلوم ہوتی کہ آنحضرت کے بارے میں اس کی مثالیں پیش کریں۔ لیکن آپ کے ارشاد "میں مکارم اخلاق کی تکمیل کے لیے بھیجا گیا ہوں" کے پیش نظر آپ کے اخلاق کے بیان میں اس کا حوالہ بہرحال ضروری ہے۔

اسی طرح وفائے عہد، ایثار، ہدایا و تحائف کا بدلہ، پڑوسیوں کے ساتھ حسن سلوک، اپنے بڑوں اور دوسروں کے اکابر کی توقیر، یہ سب بھی عام شریفانہ اوصاف کے ذیل میں آتے ہیں اور ضرورت نہیں ہے کہ معلم اخلاق و شرافت کی سیرت میں ان کی نشاندہی لازمًا کی جائے۔ جہاں مذکورہ بالا مشکل ترین اوصاف کے نمونے اس بلند ترین پیمانے پر مل رہے ہوں وہاں کیا سوال ہے کہ عام شریفانہ اخلاق میں کسی پہلو سے کمی ہو۔

# رویت ہلال اور سعودی عرب

(جناب ضیاء الدین لاہوری ایم اے)

حال ہی میں یہ خبر پڑھنے میں آئی !

"سعودی عرب کے ممتاز اخبار الریاض نے یہ سوال اٹھایا ہے کہ کیا ہر ماہ نیا چاند دیکھنے کے لئے انسانی آنکھ کے بجائے کمپیوٹر کی خدمات حاصل نہیں کی جاسکتیں کیونکہ دنیا بھر کے ایک ارب مسلمانوں کی مذہبی زندگی رویت ہلال ہی کے گرد گردش کرتی ہے اور اس میں تضاد پیدا ہونے سے مسلمانوں کے مذہبی تہوار اور دیگر عبادتیں تنازعہ کا شکار ہو جاتی ہیں۔ اخبار نے یہ سوال سعودی حکومت اور وہاں کے علماء سے ہی نہیں کیا بلکہ پورے عالمِ اسلام سے کیا ہے"۔

میں اس سے قبل اسی موضوع پر اپنے مضامین میں پاکستان اور سعودی عرب میں رویت ہلال کے مروجہ جدا نظاموں کی وضاحت کے ساتھ دنیا کی عظیم ترین رصد گاہوں کے ماہرین کے حوالے پیش کر چکا ہوں کہ ابھی تک کوئی ایسا سائنسی طریقہ دریافت نہیں ہوا جو نیا چاند دیکھے جانے کا حتمی اعلان کر سکے۔ ہمارے ہاں کے بہت سے مذہبی رہنماؤں کی طرح سعودی عرب کے بیشتر علماء کرام کو بھی ابھی تک معلوم نہیں کہ سعودی عرب میں رویت ہلال کا نظام کمپیوٹر کے اعداد و شمار کے مطابق چلتا ہے، لیکن یہ کمپیوٹر دراصل چاند دیکھے جانے کا حساب کرنے کے بجائے صرف قران شمس و قمر یا اماوس کے اوقات بتلاتا ہے اور ان ہی کے مطابق رویت ہلال مان لی جاتی ہے ——— کیا واقعی وہاں ایسا ہوتا ہے ؟ ——— خوش اعتقادی اور ارضِ مقدس سے جذباتی وابستگی اسے قبول

کرنے میں زبردست مانع ہیں، مگر حقیقت یہ ہے کہ جیسے سحر و افطار کے لئے ماہرین فلکیات کے مرتب کردہ اوقات میں دقیقوں تک کو درست تسلیم کرتے ہیں اسی طرح اُن ہی کے اعداد و شمار ثابت کرتے ہیں کہ واقعتہً ایسا ہوتا ہے۔ عقیدت کے جوش میں حقائق سے انکار کیا جائے تو اس کا کوئی علاج نہیں۔ ایک بار نیوگارڈن ٹاؤن لاہور کے سعودی ثقافتی مرکز میں وہاں کے ایک پاکستانی اہل کار سے اس مسئلہ پر گفتگو ہوئی تو انھوں نے میری معلومات سے اختلاف کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ یہ سب سعودی حکومت پر بہتان ہے اور مغربی ممالک مسلمانوں میں پھوٹ ڈالنے کے لئے ایسی خبریں شائع کرتے رہتے ہیں۔ میں نے اپنی بات کے ثبوت میں فلکیاتی ماہرین کی آرا اور متعلقہ کوائف پیش کئے تو انھوں نے جھٹ سے ان ہندسوں میں اسلام دشمنی کے جذبہ کا انکشاف کر ڈالا۔ میں نے عرض کیا کہ یہ اعداد و شمار سعودی عرب والوں کی رویت ہلال کے ضعف میں تیار نہیں کئے گئے۔ یہ مسئلہ تو جدید دور کے تقاضوں کے پیش نظر آج اہمیت حاصل کر رہا ہے ورنہ میں نے انگریزوں کی صدیوں قبل کی طبع کردہ جنتریوں میں بھی آج کل کی طرح ہر مہینے کی چار قمری حالتوں کے اوقات درج پائے ہیں اور ان کا ہمیشہ سے یہ دستور چلا آرہا ہے کہ دورۂ قمر اور نظام سیارگان کے مختلف مراحل کی تفصیلی جدولیں باقاعدہ فلکیاتی فارمولوں کے تحت شائع کرتے رہتے ہیں۔ ان کے مطابق ہی وہ چاند گرہن اور سورج گرہن کے اوقات کی یہاں تک درست پیش گوئی کر دیتے ہیں کہ کس کس لمحے چاند یا سورج کا کونسا اور کتنے فیصد حصہ گرہن میں ہوگا۔ وہ بولے کہ سب تسلیم، مگر ان لوگوں کی مکاری کا یہ عالم ہے کہ مسلمانوں میں نفاق کے بیج بونے کے لئے صدیوں سے مختلف ذرائع اختیار کرتے چلے آرہے ہیں جن میں ایک طریقہ علمی اعداد و شمار کا ہیر پھیر ہے تاکہ وقت پڑنے پر انھیں ہمارے درمیان پھوٹ ڈالنے کے لئے استعمال کیا جاسکے۔ ان کے اس استدلال کے بعد میرے پاس خاموشی

کے سوا اور کوئی چارۂ کار نہ تھا۔

میں نے پاکستان میں عینی شہادت کی بنا پر اعلان کردہ رویت ہلال کے گذشتہ گیارہ برس کے اعداد و شمار اکٹھے کئے ہیں جن سے ایک واضح نتیجہ یہ برآمد ہوتا ہے کہ قران شمس و قمر اور رویت ہلال میں کم از کم بیس گھنٹہ کا وقفہ ہوتا ہے اور بعض اوقات تیس گھنٹے کے وقفہ کے لگ بھگ بھی رویت ہلال نہیں ہوتی۔ یہ نتائج گرین وچ آبزرویٹری کی تحقیقی رپورٹ کے عین مطابق ہیں کہ یہ عرصہ عموماً بیس اور تیس گھنٹوں کے درمیان ہوتا ہے۔ سعودی عرب میں گزشتہ سالوں کے کوائف حاصل کرنے کے لئے میں نے اسلام آباد اور پھر لندن کے سعودی سفارت خانوں کو کئی درخواستیں بھیجیں مگر ان کی رسید تک نہ ملی۔ اس کے علاوہ سعودی عرب میں متعلقہ حکام کو براہ راست رجسٹری خطوط روانہ کئے مگر جواب کے حصول سے محروم رہا۔ بالآخر مجھے اس عرصہ کے پرانے اخباروں کی فائلوں کو کھنگالنا پڑا اور ہر سال کی حج کی ادائیگی کی تاریخیں معلوم کرکے ان کی ان مہینوں کی رویت ہلال کی تاریخوں کا حساب لگایا جو گرین وچ آبزرویٹری کے مہیا کردہ ان ہی مہینوں کے قران شمس و قمر کے اوقات اور پاکستان میں رویت ہلال کی تاریخوں کے ساتھ درج ذیل ہیں:

| نمبر شمار | ماہ ذوالحجہ | وقت قران شمس و قمر بمطابق سعودی معیاری وقت | سعودی عرب میں تاریخ رویت ہلال | پاکستان میں تاریخ رویت ہلال |
|---|---|---|---|---|
| ۱ | ۱۳۹۲ھ | ۴ر جنوری ۱۹۷۳ء شام ۶ بج کر ۴۲ منٹ | ۴ر جنوری | ۶ر جنوری |
| ۲ | ۱۳۹۳ھ | ۲۴ر دسمبر ۱۹۷۳ء شام ۶ " " ۷ " | ۲۴ر دسمبر | ۲۶ر دسمبر |
| ۳ | ۱۳۹۴ھ | ۱۳ر دسمبر ۱۹۷۴ء " ۷ " " ۲۵ " | ۱۳ر دسمبر | ۱۵ر دسمبر |
| ۴ | ۱۳۹۵ھ | ۳ر دسمبر ۱۹۷۵ء صبح ۳ " " ۵۰ " | ۲ر دسمبر | ۴ر دسمبر |
| ۵ | ۱۳۹۶ھ | ۲۱ر نومبر ۱۹۷۶ء شام ۶ " " ۱۱ " | ۲۱ر نومبر | ۲۲ر نومبر |
| ۶ | ۱۳۹۷ھ | ۱۱ر نومبر ۱۹۷۷ء صبح ۱۰ " " ۹ " | ۱۱ر نومبر | ۱۲ر نومبر |

| | | | | | | | |
|---|---|---|---|---|---|---|---|
| ۷ | ۱۳۹۸ھ | ۳۱ر اکتوبر ۱۹۷۸ء | رات | ۱۱ر بجکر | ۶ منٹ | ۳۱ر اکتوبر | ۲ر نومبر |
| ۸ | ۱۳۹۹ھ | ۲۱ر اکتوبر ۱۹۷۹ء | صبح | ۵ر " | ۲۳ " | ۲۱ر اکتوبر | ۲۲ر اکتوبر |
| ۹ | ۱۴۰۰ھ | ۹ر اکتوبر ۱۹۸۰ء | " | " | ۵۰ " | ۹ر اکتوبر | ۱۰ر اکتوبر |
| ۱۰ | ۱۴۰۱ھ | ۲۸ر ستمبر ۱۹۸۱ء | " | ۷ " | ۷ " | ۲۸ر ستمبر | ۲۹ر ستمبر |
| ۱۱ | ۱۴۰۲ھ | ۱۷ر ستمبر ۱۹۸۲ء | شام | ۳ " | ۹ " | ۱۷ر ستمبر | ۱۸ر ستمبر |

اعداد و شمار آپ کے سامنے ہیں۔ اب آپ ان سے خود نتائج اخذ کرلیں کہ سعودی عرب میں کس قسم کی رویت ہلال ہوتی ہے اور پاکستان (و ہندوستان) میں رویت ہلال سے اس کا ہمیشہ اختلاف کیوں ہوتا ہے۔
قران شمس و قمر سے چاند کے وجود کا آغاز ہوتا ہے جو آہستہ آہستہ سورج کی براہ راست شعاعوں سے دور ہونے کے ساتھ ساتھ اپنی عمر میں اضافے کے حساب سے بڑھتا رہتا ہے اور ایک شام ہمیں دکھائی دینے کے قابل ہو جاتا ہے خواہ وہ پیدائش کے روز سے اگلی شام ہو یا اس کے بعد۔ البتہ اسی روز شام کو اس کا نظر آنا محال ہوتا ہے مگر جدول بالا میں سعودی عرب کے کوائف سے مندرجہ ذیل تین قسم کے غیر حقیقی نتائج سامنے آتے ہیں!

(۱) پہلے تین سالوں کے علاوہ پانچویں سال کے اوقات سے معلوم ہوتا ہے کہ چاند کا اپنی پیدائش کے ساتھ ہی نظر آجانا ممکن ہے۔

(۲) چوتھے اور ساتویں سالوں کی مثالوں سے پتہ چلتا ہے کہ چاند اپنی پیدائش سے بھی پہلے دکھائی دے سکتا ہے جب کہ چوتھے سال انھیں گیارہ گھنٹے قبل نظر آگیا۔

(۳) چونکہ پہلے تین سال ان اوقات میں سورج گرہن تھا اور اتفاق سے یہ تینوں اوقات سعودی عرب میں شام کو پڑ رہے ہیں لہٰذا یہ نتیجہ بھی نکلتا ہے کہ نیا چاند سورج گرہن کے دوران بھی دیکھا جا سکتا ہے۔ جغرافیہ کے مبتدی طالب علم بھی جانتے ہیں کہ ایسے موقع پر چاند اور سورج ایک سیدھ میں ہوتے ہیں۔
اسی طرح اس سال ۱۱ر جون ۱۹۸۳ء اور ۲۰ر جولائی ۱۹۸۳ء کو بھی سعودی عرب

یں تقریباً شام کے وقت سورج گرہن میں تھا لیکن وہاں اس دوران بالترتیب رمضان المبارک اور عیدالفطر کے چاند کی رویت تسلیم کرلی گئی ۔

مجھے سعودی عرب کے کسی شہر کے ان ایام کے غروب قمر کے اوقات دستیاب نہ ہو سکے ورنہ اس سے ایک اور نتیجہ سامنے آتا کہ ان کی پہلی رات کا چاند اکثر غروب آفتاب سے پہلے ہی ڈوب جاتا ہے دوسرے الفاظ میں منفی وجود رکھنے والا چاند انھیں سورج کی روشنی میں ہی نظر آجاتا ہے ۔

سعودی عرب کی حکومت ایک حد تک اسلامی حکومت ہے اور وہاں اصحاب علم اور مراکز تحقیق کی کمی نہیں ۔ میں اُن تک اور عالم اسلام کے دوسرے علماء کرام تک اپنی یہ تحقیق پہونچانا چاہتا ہوں اس گزارش کے ساتھ کہ وہ اس صورتحال کی اصلاح کے مناسب تدابیر اختیار فرمائیں —— جو حضرات یا ادارے سعودی حکومت کے ذمہ داروں اور اہل علم تک میری یہ معروضات پہونچا سکتے ہیں ان سے اس مسئلہ کی اہمیت کے پیش نظر یہ درخواست کروں گا کہ وہ اس کام کو ایک دینی وعلمی ذمہ داری کے طور پر انجام دیں —— میں ایک بار پھر اپنے اس یقین کو دہراتا ہوں کہ دنیا کے فلکیاتی ماہرین سے اس معاملہ پر رائے لی جائے تو سب کا ایک ہی فیصلہ ہوگا کہ سعودی عرب میں اعلان کردہ تاریخوں پر چاند دکھائی دینا کسی صورت ممکن نہیں ۔ اس کے علاوہ اگر حقائق کی دریافت کے لئے ذمہ دار اصحاب کی ایک جماعت وہاں جاکر متواتر چند ماہ ( خاص کر شعبان تا ذوالحجہ) باقاعدہ مختلف مقامات پر چاند دیکھنے کی کوشش کرے تو حقیقت حال بالکل واضح ہوجائے گی ۔

---

# دارالعلوم دیوبند اور مولانا محمد طیب صاحب

از محمد منظور نعمانی

اکتوبر ۸۱ء سے لیکر ستمبر ۸۲ء تک پورے ایک سال دارالعلوم کے افسوسناک اور
اور انتہائی تکلیف دہ موجودہ اختلاف کے بارے میں راقم سطور "الفرقان" میں لکھتا رہا ہے
اور خدا گواہ ہے کہ جو کچھ لکھا دارالعلوم کو برے انجام سے بچانے کے لیے اپنا فرض سمجھ کر
دلی تکلیف کے ساتھ لکھا ـــــ اب سے چار مہینے پہلے جولائی اگست کے مشترکہ شمارے
میں دارالعلوم کے اہتمام سے قاری صاحب کے استعفے کا اور مجلس شوریٰ کی طرف سے اس کے
منظور کر لیے جانے کا ذکر کیا گیا تھا اور خیال تھا کہ غالباً اب اس کے بعد اس ناخوشگوار
موضوع پر کچھ لکھنے کی ضرورت نہ ہوگی ـــــ لیکن اب اسی سلسلہ کی ایک نئی چیز سامنے
آئی جس کی وجہ سے کچھ لکھنا ضروری ہو گیا ـــــ یہ نئی چیز قاری صاحب کے قلم کی لکھی
ہوئی ایک تحریر ہے جس کی فوٹو کاپی پاکستان سے دارالعلوم کے فیض یافتہ ایک محترم
فاضل نے اس عاجز کے پاس بھیجی ہے ـــــ بہرحال آج جو کچھ لکھا جا رہا ہے اس کا
محرک قاری صاحب کی یہ تحریر ہی ہوئی ہے ـــــ واللہ یقول الحق وھو یھدی السبیل۔

---

"دارالعلوم دیوبند" کی تاریخ اور اس کے حالات سے واقفیت رکھنے والا ہر شخص جانتا ہے
کہ تمام بڑے تعلیمی اداروں اور یونیورسٹیوں کی طرح اس کا ایک دستور و آئین ہے (جو برابر چھپ کر
شائع ہوتا رہا ہے) اور ایک مجلس منتظمہ ہے جس کا نام شروع سے "مجلس شوریٰ" رہا ہے۔ دستور و آئین

کی رو سے وہی دارالعلوم کی اعلیٰ اختیاری مجلس ہے اور نظم و نسق کے سارے اختیارات اُسی کے ہاتھ میں ہیں ـــ دستور میں مجلس شوریٰ سے متعلق پہلی دفعہ کے الفاظ یہ ہیں:-

"دارالعلوم کی ایک بااختیار جماعت ہوگی جس کا نام "مجلس شوریٰ" ہوگا، دارالعلوم کا تمام نظم و نسق اسی جماعت کے ہاتھ میں ہوگا۔" (دستور و آئین دارالعلوم ص۸)

مجلس شوریٰ ہی دارالعلوم کے انتظام کے لیے کسی کو مہتمم مقرر کرتی رہی ہے۔ ۱۳۴۷ھ میں اُس وقت کے مہتمم حضرت مولانا حبیب الرحمٰن عثمانیؒ کی وفات کے بعد ان کی جگہ مجلس شوریٰ ہی نے قاری محمد طیب صاحب کو مہتمم مقرر کیا تھا اور ان کی تنخواہ سو روپئے ماہوار مقرر کی تھی (اس سے ۳-۴ سال پہلے ان کو نائب مہتمم بھی شوریٰ ہی نے مقرر کیا تھا) نصف صدی سے زیادہ کی اس مدت میں ان کا طرز عمل یہی رہا کہ دستور و آئین کے مطابق مجلس شوریٰ کی ماتحتی میں اس کی تجاویز اور فیصلوں کی روشنی میں وہ دارالعلوم کے اہتمام و انتظام کی خدمت انجام دیتے رہے۔

یہ عاجز چالیس سال سے اس مجلس شوریٰ کا رکن ہے اور موجودہ ارکان میں سب سے قدیم رکن ہے مولانا قاری محمد طیب صاحب مجھ سے بھی متقدم ہیں۔ لیکن وہ منتخب رکن نہیں بلکہ عہدۂ اہتمام کی حیثیت سے رکن تھے ـــ وہ ہر حیثیت سے بڑے اور قابل احترام ہیں اور اس عاجز کا رویہ اُن کے ساتھ ہمیشہ نیازمندانہ ہی رہا ـــ لیکن اب سے قریباً سوا سال پہلے (غالباً کبر سنی کے قدرتی اثر سے فہم و فکر کی صلاحیت مضمحل ہو جانے کی وجہ سے) وہ کچھ ناخدا ترس فتنہ پرداز لوگوں کی سازش کا شکار ہو گئے اور انھوں نے اپنے قریباً ساٹھ سالہ طرز عمل کے بھی خلاف "مجلس شوریٰ" اور دارالعلوم کے "دستور و آئین" کو کالعدم قرار دے کر دارالعلوم کے نظم و نسق کے سارے اختیارات اور سب کچھ اپنے ہاتھ میں لے لینے کی وہ جد و جہد شروع کر دی جس کا شرعاً، اخلاقاً، عرفاً اور قانوناً کوئی جواز نہیں تھا اور اس سلسلہ میں انھوں نے ایسے لوگوں کا ایک اجتماع دہلی میں کیا جن کے بارے میں ان کو امید تھی کہ وہ اس مقصد میں ان کا ساتھ دیں گے اور مجلس شوریٰ کے انیس ۱۹ ارکان میں سے آٹھ ارکان سے بھی توقع رکھتے ہوئے ان کو دعوت دی، لیکن اُن میں سے کسی ایک نے بھی اس اجتماع میں شرکت نہیں کی، بلکہ ان میں سے بعض اہم ارکان نے اخاص طور پر مولانا سید ابوالحسن علی ندوی اور مولانا سعید احمد اکبرآبادی نے اپنے خطوط اور اخباری بیانات کے ذریعہ ان کو اس اقدام سے باز رہنے کا مخلصانہ

مشورہ دیا اور صفائی سے لکھا کہ اس سے دارالعلوم میں اور جماعت میں فتنہ برپا ہوگا اور دوسرے دینی مدارس کے لیے بھی فتنوں کا دروازہ کھل جائے گا۔ لیکن اس کے باوجود انھوں نے وہ اجتماع کیا، اور اُس میں انتہائی مضحکہ خیز طریقہ سے "مجلس شوریٰ" کے متبادل کے طور پر ایک "ایڈہاک کمیٹی" بنائی۔

راقم سطور نے اس کو "مضحکہ خیز" اس لیے کہا ہے کہ اجتماع میں اُس کے دسؔ اور صرف دسؔ بنیادی ارکان نامزد کیے گئے۔ ان میں سات مجلس شوریٰ کے وہ ارکان تھے جن سے ان کو ساتھ دینے کی توقع تھی (ان میں سے کوئی بھی اجتماع میں شریک نہیں تھا) آٹھویں ایک صاحب ارشاد بزرگ حضرت مولانا مسیح اللہ خاں صاحب جلال آبادی مدظلہ تھے (وہ بھی اجلاس میں تشریف فرما نہیں تھے[1]) بہر حال ان آٹھ حضرات کو ان کی عدم موجودگی میں بطور خود اس "ایڈہاک کمیٹی" کا رکن نامزد کردیا گیا لیکن ان میں سے کسی ایک نے بھی یہ رکنیت منظور نہیں کی۔ ان کے علاوہ دوؔ حضرات وہ رکن نامزد کیے گئے تھے، جو اجتماع میں شریک تھے۔ مگر بعد میں صورت حال کو صحیح طور پر سمجھ کر انھوں نے بھی اس "ایڈہاک کمیٹی" سے بے تعلقی اختیار کرلی۔ چنانچہ چند ہی روز کے بعد جب قاری صاحب نے اس کمیٹی کا اجلاس دیوبند میں بلایا اور سب کو دعوت نامہ بھیجا تو ان دسؔ میں سے کوئی ایک بھی اس جلسہ میں شریک نہیں ہوا۔ تو محترم قاری صاحب نے چند دوسرے آدمیوں کو بلا بٹھا کر اُن کو "ایڈہاک کمیٹی" قرار دیدیا اور اس کا جلسہ کرلیا اور خود اس عجیب و غریب جلسہ کی صدارت فرمائی اور اس میں پہلی تجویز یہ پاس کی گئی کہ:۔

**"مجلس شوریٰ" کالعدم۔ اور دارالعلوم کا موجودہ دستور و آئین، منسوخ"۔** اور خود مولانا محمد طیب صاحب نے اپنی اس "ایڈہاک کمیٹی" کی یہ انقلابی تجاویز اور پوری کارروائی طبع کراکر اپنے ذاتی خطوط کے ساتھ خاص خاص لوگوں کو بھیجی ——— خدارا کوئی بتائے کہ اس ایڈہاک کمیٹی اور اس کی اس ساری کارروائی کے لیے "مضحکہ خیز" کے لفظ سے ہلکا کونسا لفظ استعمال کیا جائے؟

پھر معلوم نہیں کس طرح خود انھوں نے اور اُن کے حواریوں نے یہ سمجھ لیا کہ اُن کے اس تماشے سے وہ "مجلس شوریٰ" ختم اور کالعدم ہوگئی جس کا تسلسل دارالعلوم کے ابتدائی دور سے ابتک ہے، اور جس نے خود قاری صاحب کو مہتمم مقرر کیا تھا، اور وہ دستور و آئین ختم ہوگیا جس کے تحت ابتک دارالعلوم کا سارا نظام چلتا رہا ہے اور جس کی پابندی دارالعلوم سے تعلق رکھنے والے ہر بڑے چھوٹے ملازم کے لیے اور مجلس شوریٰ کے ارکان کے لیے بھی ضروری ہے۔ (ہاں دستور ہی کی رو سے مجلس

---

[1] راقم سطور کو ابھی حال ہی میں باوثوق ذریعہ سے معلوم ہوا کہ حضرت ممدوح کو اس بات سے اذیت پہنچی کہ ان سے استصواب کے بغیر ان کو ایڈہاک کمیٹی میں شامل کرکے اس جھگڑے میں ملوث کیا گیا۔ نعمانی

شوریٰ کو یہ حق و اختیار ہے کہ حالات کے تقاضے اور اپنی صوابدید کے مطابق وہ اس میں کوئی ترمیم و تبدیلی کرے اور یہ برابر ہوتا رہا ہے۔)

یہاں یہ بات بھی قابلِ ذکر ہے کہ اب سے اٹھارہ سال پہلے ۱۹۶۵ء میں خود مولانا محمد طیب صاحب نے کسی مصلحت سے مجلس شوریٰ سے منظوری حاصل کر کے بحیثیت مہتمم درخواست دیکر "مجلس شوریٰ" اور "دارالعلوم کے دستور و آئین" کو سرکاری قانون کے مطابق رجسٹرڈ کرایا تھا اور وہ رجسٹرڈ ہیں۔ اس کے باوجود انھوں نے یہ عجیب و غریب اور مضحکہ خیز فیصلے فرمائے ـــــ یہ سب کچھ ستمبر و اکتوبر ۱۹۸۲ء میں ہوا۔ واقعہ یہ ہے کہ قاری صاحب کی ان کارروائیوں نے دارالعلوم اور اکابر دارالعلوم سے تعلق رکھنے والی پوری جماعت کو تفرقہ اور فتنہ و فساد کی آگ میں جھونک دیا۔

بہرحال جب انھوں نے اس راستہ کی طرف چلنا شروع کیا تو راقم سطور نے اپنے طرزِ عمل کے بارے میں سوچا میری طبیعت اور ذاتی حالات کا تقاضا تھا کہ کسی جھگڑے میں نہ پڑوں، خاموشی سے بے تعلقی اختیار کر لوں ـــ لیکن "مجلس شوریٰ" کے ارکان شرعی حیثیت سے دارالعلوم کی امانت کے امین اور محافظ ہیں اور اس کی حفاظت و صیانت ان کی ذمہ داری ہے۔ ممکن حد تک ذاتی غور و فکر اور متعدد اصحابِ علم و صلاح سے مشورہ کے بعد رائے قائم ہوئی کہ ناخداترس فتنہ پردازوں کی اس سازش اور اس کے بُرے نتائج سے دارالعلوم کو بچانے کی اپنے امکان بھر کوشش کرنا ہمارا فرض ہے۔ نتیجہ کے ہم ذمہ دار نہیں، اللہ تعالیٰ جو چاہے گا وہ ہوگا ـــــ پھر اس سلسلہ میں الفرقان میں جو کچھ لکھنا ضروری سمجھا وہ لکھا، حتی الوسع احتیاط اور کوشش کی کہ کوئی بات غلط نہ لکھی جائے اور جہاں تک ہو سکے قاری صاحب کے غلط اقدامات کی بھی تاویل و توجیہ کی جائے۔ چنانچہ جب "الفرقان" میں ان کی ایڈہاک کمیٹی وغیرہ سے متعلق مذکورہ بالا غلط اور موجب فتنہ کارروائیوں کا ذکر کیا گیا تو یہ بھی لکھا گیا کہ یہ سب کچھ غالباً اس لیے ہوا کہ کبرسنی کی وجہ سے ان کے ظاہری جسمانی اعضا کی طرح ان کی فہم و فکر کی صلاحیت بھی متاثر ہو گئی ہے اس وجہ سے وہ دوسرے ناخداترس فتنہ پرداز لوگوں کی سازش کا شکار ہو گئے۔

اسی طرح جب الفرقان میں دارالعلوم ہی کے سلسلہ میں قاری صاحب کی طرف سے عدالت میں دائر کیے جانے والے اُن مقدمات کا ذکر کیا گیا جن کے عرضی دعووں میں صریح غلط بیانی کی گئی ہے (جو اگر دیدہ و دانستہ ہو تو بلاشبہ شدید ترین گناہ کبیرہ ہے ـــ "فاجتنبوا الرجس من الاوثان

واجتنبوا قول الزور") تو راقم سطور نے قاری صاحب کی طرف سے یہ تاویل و توجیہ کی کہ عرضی دعوے جوان کی طرف سے عدالت میں داخل کیے گئے ہیں معلوم ہوا ہے کہ انگریزی زبان میں ہیں قاری صاحب نے اپنے لوگوں کے اور وکیل کے کہنے سے اُن پر دستخط کیے ہوں گے اور ان کو معلوم بھی نہ ہوا ہوگا کہ ان میں کیا کیا لکھا ہے۔

اسی طرح جب انھوں نے گزشتہ شوال کی مجلس شوریٰ کے موقع پر دار العلوم کے اہتمام سے صاف صریح الفاظ میں استعفا لکھ کر بھیجا (جس کو مجلس شوریٰ نے منظور کر لیا) پھر اس کے بعد اخبارات میں قاری صاحب کی طرف سے یہ بیان شائع ہوا کہ میں نے دار العلوم کے اہتمام سے استعفا نہیں دیا بلکہ میرا وہ استعفا سوسائٹی کی رکنیت سے ہے (جو یقیناً خلاف واقعہ بات تھی) تو راقم سطور نے یہ خیال ظاہر کیا کہ یہ بیانات ان کی طرف سے اُن کے حلقہ کے دوسرے لوگ شائع کرا رہے ہوں گے، خود انھوں نے ایسی خلاف واقعہ بات نہیں کہی اور نہیں لکھی ہوگی۔

الغرض دار العلوم کے اصل نزاعی مسئلہ میں (یعنی مجلس شوریٰ اور دستور کی حیثیت کے مسئلہ میں) قاری صاحب کے موقف سے سخت اختلاف اور اُن کے مذکورۂ بالا اقدامات اور مقدمہ بازی کے سلسلہ کو قطعاً خلاف شریعت بلکہ شرافت کے بھی خلاف یقین کرنے کے باوجود اپنے نزدیک راقم سطور نے اس کی پوری کوشش کی کہ ان کی بڑی سے بڑی غلطیوں کی بھی حتی الوسع کوئی توجیہ کی جائے۔

لیکن ہماری جماعت کے ایک محترم فاضل نے دار العلوم ہی کے مسئلہ سے متعلق قاری صاحب کی ایک تحریر کی جو فوٹو کاپی بھیجی ہے ـــــ افسوس ہے کہ اس کے دیکھنے کے بعد اُن تاویلوں توجیہوں کی کوئی گنجائش نہیں رہی جو راقم سطور اب تک کرتا رہا ہے۔

## قاری صاحب کی اپنے قلم کی لکھی ہوئی یہ تحریر:-

قاری صاحب کی اس تحریر کا پس منظر یہ ہے کہ جب اُن کی غلط اور موجب فتنہ کارروائیوں ہی کے نتیجہ میں مجلس شوریٰ نے عہدۂ اہتمام سے اُن کی معطلی کا فیصلہ کیا اور پھر ایسے واقعات ہوئے جن کے نتیجہ میں وہ دار العلوم سے بے تعلق ہو گئے تو انھوں نے "حقیقی دار العلوم" کے نام سے دیوبند ہی کی جامع مسجد میں ایک نیا مدرسہ قائم کر لیا، اس کے واسطے چندہ اور فراہمی سرمایہ کے لیے انھوں نے مولوی کرار حسین نامی کسی صاحب

کر پاکستان بھیجا ہے اور سند سفارت کے طور پر اپنے قلم سے لکھ کر یہ تحریر ان کو دی ہے، تحریر خاصی طویل ہے اس میں دار العلوم کی موجودہ صورت حال کے بارے میں اور خود اپنے بارے میں قاری نے جو کچھ تحریر فرمایا ہے، قریباً انہی کے الفاظ اس کا حاصل اور خلاصہ یہ ہے کہ دار العلوم پر ایک سیاسی گروپ نے ناجائز قبضہ کر لیا ہے اور وہ سوسائٹی ایکٹ کے تحت رجسٹریشن کے ذریعہ اس کے مسلک و مشرب کو تبدیل اور اس کی سوا سو سالہ روایات کو مٹاتا چلا جا رہا ہے۔ اس رجسٹریشن سے مجلس شوریٰ قانوناً مینجنگ کمیٹی میں تبدیل ہو چکی ہے، اور دار العلوم وقف للہ رہنے کے بجائے اس کی ملک بن گیا ہے، اس کے نتیجہ میں زکوٰۃ، خیرات اور صدقات کے صحیح مصرف ہونے کی شرعی حیثیت بھی مشکوک ہو گئی ہے۔ اس لیے احقر نے اس سوسائٹی کے نظم سے استعفاء دے کر اس سے علاحدگی اختیار کر لی ہے اور صرف منصب اہتمام کو باقی رکھا ہے، لیکن قابض گروپ کی طرف سے میری تحریر میں اضافہ کرا کے منصب اہتمام سے استعفا ظاہر کر کے غلط پروپیگنڈہ کیا جا رہا ہے۔"

(اس کے آگے جامع مسجد میں قائم شدہ "حقیقی دار العلوم" کا ذکر کر کے اس کے لیے مالی امداد کی اپیل کی گئی ہے)

قاری صاحب نے اس تحریر میں دار العلوم کے اور اپنے بارے میں تین باتیں کہی ہیں (۱) ایک یہ کہ دار العلوم پر ایک سیاسی گروپ نے ناجائز قبضہ کر رکھا ہے۔ (۲) دوسری یہ کہ سوسائٹی ایکٹ کے تحت رجسٹریشن کے ذریعہ قابض گروپ اس کے مسلک و مشرب کو تبدیل اور اس کی سوا سو سالہ روایات کو مٹاتا جا رہا ہے، اور اس رجسٹریشن کی وجہ سے دار العلوم کی حیثیت میں ایسی تبدیلی آ گئی ہے کہ اب زکوٰۃ و صدقات کے صحیح مصرف ہونے کی حیثیت بھی مشکوک ہو گئی ہے ——— (۳) تیسری بات یہ کہی ہے کہ میں نے دار العلوم کے اہتمام سے استعفا نہیں دیا ہے بلکہ سوسائٹی کے نظم سے استعفا دیا ہے اور قابض سیاسی گروپ یہ غلط پروپیگنڈہ کر رہا ہے کہ میں نے دار العلوم کے اہتمام سے استعفا دیا ہے ———

## اصل حقیقت اور واقعہ:-

سمجھ میں نہیں آتا کن الفاظ میں اس حقیقت کا اظہار کیا جائے کہ ان میں سے کسی ایک بات میں بھی ذرہ برابر سچائی نہیں ہے ——— کاش یہ تحریر قاری صاحب کے قلم کی لکھی ہوئی نہ ہوتی۔

چونکہ دار العلوم کو ان غلط باتوں سے سخت نقصان پہنچ سکتا ہے اور اللہ کے بندوں کو دھوکے فریب سے بچانا ضروری ہے اس لیے جو اصل حقیقت اور واقعہ ہے اختصار کے ساتھ عرض کیا جاتا ہے:

(۱) دار العلوم پر قبضہ کی بات یہ ہے کہ دار العلوم کے دستور میں مجلس شوریٰ کے اختیارات وفرائض سے متعلق جو دفعات ہیں اُن میں ایک مستقل دفعہ یہ ہے:-

"تمام املاک واوقاف پر قبضہ کر کے ان کی حفاظت کرنا"

اس دفعہ کے مطابق ہمیشہ سے دار العلوم پر اور اس کی املاک واوقاف پر اصل قبضہ مجلس شوریٰ کا رہا ہے۔ اور اس کے قائم مقام اور اسی کے مقرر کیے ہوئے منتظم کی حیثیت سے مہتمم کا اور مہتمم کی عدم موجودگی میں قائم مقام مہتمم کا، اس بنا پر جب تک قاری صاحب مہتمم رہے، مجلس شوریٰ کے مقرر کیے ہوئے منتظم کی حیثیت سے اُن کا اور ان کی عدم موجودگی میں قائم مقام مہتمم کا قبضہ رہا اور جب وہ مہتمم نہیں رہے (جس کی تفصیل ابھی معلوم ہو جائے گی) اور ان کی جگہ مجلس شوریٰ نے مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب کو مستقل مہتمم مقرر کر دیا تو یہی حیثیت اُن کی ہے اور اُن کی عدم موجودگی میں اُن کے قائم مقام کی لیکن مہتمم یا قائم مقام مہتمم کا قبضہ بھی فی الحقیقت مجلس شوریٰ ہی کا قبضہ ہے ـــــ اور مجلس شوریٰ وہی ہے جو اس اختلاف کے آغاز سے پہلے تھی اور اُس کے تمام ارکان خاص کر وہ جنکو قاری صاحب کے اقدامات اور رویہ سے شدید اختلاف ہے جن میں یہ عاجز راقم سطور بھی ہے۔ وہ ہیں جو مختلف زمانوں میں قاری صاحب کے اتفاق رائے سے رکن منتخب ہوئے ہیں اور ان میں سے کسی کا کسی سیاسی گروپ سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ ایسی صورت میں یہ کہنا یا لکھنا کہ دار العلوم پر کسی سیاسی گروپ نے ناجائز قبضہ کر لیا ہے۔ ایسی غلط بیانی ہے جس کی کوئی تاویل و توجیہ نہیں کی جاسکتی۔ پورے خلوص کے ساتھ ہم ہر شخص کو دعوت دیتے ہیں کہ وہ خود دار العلوم آکر دیکھے کہ وہ کون لوگ ہیں جو اس کو چلا رہے ہیں۔

مجلس شوریٰ کے ۱۵ ارکان جنھوں نے قاری صاحب کے دہلی کے اجتماع، ایڈہاک کمیٹی کی تشکیل اور مجلس شوریٰ اور دستور سے بغاوت اور جنگ کے اُن کے موجب فتنہ اقدامات اور مالیات میں سخت بے احتیاطی کے ارتکاب کی بنا پر پہلے عہدۂ اہتمام سے ان کی معطلی کا فیصلہ کیا اور اُس کے بعد اُن کا استعفا آجانے پر اس کو منظور کر کے دار العلوم سے ان کی قطعی بے تعلقی کا فیصلہ کیا،

اُن کے اسمائے گرامی یہ ہیں :-

محدث عصر حضرت مولانا حبیب الرحمٰن الاعظمی ۔ جناب مولانا سعید احمد اکبر آبادی (مدیر "برہان دہلی") ـــــ حضرت مولانا عبد الحلیم صاحب جونپوری (خلیفہ مجاز حضرت مولانا شاہ وصی اللہ رحمۃ اللہ علیہ) جناب مولانا زین العابدین سجاد میرٹھی جناب نواب عبید الرحمٰن خاں شروانی (سابق وائس چانسلر مسلم یونیورسٹی علی گڑھ) جناب مولانا حکیم افہام اللہ صاحب (سابق پرنسپل طبیہ کالج علی گڑھ) جناب مولانا محمد سعید بزرگ (مہتمم جامعہ اسلامیہ ڈابھیل) جناب الحاج علاء الدین صاحب (بمبئی) جناب مولانا عبد القادر صاحب مالیگانوی جناب مولانا محمد عثمان صاحب (دیوبند) جناب مولانا معراج الحق صاحب (صدر مدرس دار العلوم) جناب مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب مہتمم دار العلوم ـــــ اور یہ عاجز راقم سطور محمد منظور نعمانی ـــــ

اِن کے علاوہ جناب مولانا سید ابو الحسن علی ندوی اور جناب مولانا حکیم محمد زماں حسینی (کلکتہ) مجلس شوریٰ کے اُس جلسہ میں شریک تھے جس میں قاری صاحب کا استعفا منظور کیا گیا اور دیگر تمام ارکان کی طرح ان دونوں حضرات نے بھی اُس سے اتفاق اور اس پر اطمینان و مسرت کا اظہار فرمایا ـــــ خدارا کوئی بتائے کہ ان میں سے کون ہے جس کا کسی ایسے سیاسی گروپ سے تعلق ہے ـــــ

## مسز اندرا گاندھی اور مولانا اسعد مدنی

راقم سطور یہاں اس سلسلہ میں اس بات کا ذکر کرنا بھی مناسب سمجھتا ہے کہ قاری صاحب نے اس تحریر میں تو دار العلوم پر قبضہ کے سلسلہ میں صرف ایک "سیاسی گروپ" کا لفظ لکھا ہے لیکن دوسرے ملکوں میں خاصکر عرب ممالک میں جو پروپیگنڈہ ان کی طرف سے بعض اخبارات و رسائل کے ذریعہ کرایا جا رہا ہے اس میں دار العلوم پر قبضہ کے سلسلہ میں ہندوستان کی حکومت، اس کی وزیر اعظم مسز اندرا گاندھی اور مولانا اسعد میاں مدنی کا نام خاص طور سے لیا جا رہا ہے۔ کویت سے ایک رسالہ "البلاغ" نکلتا ہے جو عالم عربی کے کثیر الاشاعت رسالوں میں ہے اس کے تازہ شمارے (بابت صفر ۱۴۰۳ھ نومبر ۱۹۸۲ء) میں لندن کے کسی انگریزی اخبار کے حوالہ سے قاری محمد طیب صاحب کا ایک بیان نقل کیا گیا ہے جس میں انھوں نے فرمایا ہے کہ اندرا گاندھی کی حکومت نے اسعد مدنی کے ذریعہ ہندوستان

کے سب سے بڑے اسلامی مرکز دار العلوم پر قبضہ کر لیا ہے۔ اور اس سلسلہ میں عالم اسلامی اور مسلم حکومتوں سے بڑے ہی مظلومانہ انداز میں فریاد کی گئی ہے اور کہا گیا ہے کہ وہ حکومت ہند پر دباؤ ڈالیں، اور آگے حکومت ہند کو دھمکی بھی دی گئی ہے ـــــ "البلاغ" میں شائع شدہ یہ بیان بہت طویل ہے ورنہ اس قابل تھا کہ اس پورے مضمون کا یہاں ترجمہ کیا جاتا ـــــ ایک ندوی فاضل نے اس کو پڑھ کر بے ساختہ کہا کہ جھوٹے پروپیگنڈے میں مسٹر گوبلز کی بڑی شہرت ہے لیکن اس مضمون سے معلوم ہوا کہ ہماری مولوی برادری میں بھی اس فن کے ایسے کامل موجود ہیں جن سے گوبلز کی روح بھی شرمائے۔

جب اس سلسلہ میں مسز اندرا گاندھی کا ذکر آ گیا ہے تو راقم سطور ناظرین کو یہ بتلانا بھی ضروری سمجھتا ہے کہ قاری محمد طیب صاحب تو دار العلوم کے اس اختلاف سے پہلے بھی بار بار اندرا جی کے ہاں حاضری دیتے رہے ہیں اور ان کے وزیر اعظم منتخب ہونے پر مبارکباد کے تار بھی دیتے رہے ہیں (انکے حالات سے واقفیت رکھنے والا ہر شخص اس کو جانتا ہے اور اخبارات میں بھی اس کی خبریں شائع ہوتی رہی ہیں۔) لیکن جو ارکان شوریٰ نے اُن کو عہدۂ اہتمام سے پہلے معطل کرنے اور اس کے بعد استعفا منظور کر کے ان کو دار العلوم سے قطعاً بے تعلق کیے کے خاص طور سے ذمہ دار ہیں انہیں سے غالباً کوئی ایک بھی نہیں ہے جس نے یہ "شرف" حاصل کرنے کا کبھی ارادہ بھی کیا ہو ـــــ

رہے مولانا اسعد مدنی تو نہ وہ مجلس شوریٰ کے رکن ہیں، نہ دار العلوم کے اہتمام و انتظام سے اُن کا کوئی تعلق ہے، ہاں قاری صاحب اور مجلس شوریٰ کے اس اختلاف میں دوسرے ہزاروں فرزندان دار العلوم کی طرح وہ بھی مجلس شوریٰ کے موقف کے حامی اور مؤید ہیں اور پورا تعاون کر رہے ہیں، ہم اُن کے اور سب مخلص معاونین کے شکر گزار ہیں اور ہم تو ہر مسلمان سے تعاون کے طالب ہیں۔ تَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ

**سوسائٹی ایکٹ کے تحت رجسٹریشن کا مسئلہ:**۔ قاری صاحب نے اپنی اس تحریر میں اس سلسلہ میں جو کچھ فرمایا ہے اس کا پڑھنے والا ہر شخص یہی سمجھے گا کہ دار العلوم پر جن لوگوں کا اس وقت قبضہ ہے (یعنی اس کے موجودہ ارباب اہتمام و انتظام اور مجلس شوریٰ کے ارکان) انہی لوگوں نے سوسائٹی ایکٹ کے تحت دار العلوم کو رجسٹرڈ کرا لیا ہے جو ناجائز ہے اور اس کی وجہ سے دار العلوم پر ایسی تبدیلی آ گئی ہے کہ اس کا زکوٰۃ و صدقات وغیرہ کا صحیح مصرف ہونا بھی مشکوک ہو گیا ہے۔

ناظرین کو یہ معلوم کر کے قاری صاحب کے اس بیان پر یقیناً حیرت ہو گی کہ واقعہ اور حقیقت یہ ہے کہ اب سے اٹھارہ سال پہلے ۱۹۶۳ء میں خود قاری صاحب نے مجلس شوریٰ سے منظوری حاصل کر کے بحیثیت مہتمم دار العلوم اس رجسٹریشن کے لیے خود درخواست دیکر دار العلوم کی مجلس شوریٰ اور دستور کو سوسائٹی ایکٹ کے تحت رجسٹرڈ کرایا تھا (غالباً اسلیے کہ اپنے بعض مخالفین سے انکو یہ خطرہ رہتا تھا کہ وہ کسی وقت ہنگامہ کر کے "جس کی لاٹھی اس کی بھینس" کے قانون کے مطابق دار العلوم کے نظام پر اچانک قبضہ کر لیں۔ اس رجسٹریشن کے بعد قانونی حیثیت سے اس خطرہ کا سدباب ہو جاتا ہے) ـــــ بہرحال یہ رجسٹریشن خود قاری صاحب نے اب سے ۱۸ سال پہلے درخواست دے کرایا تھا، اور اس وقت سے دار العلوم، اس کی مجلس شوریٰ اور دستور رجسٹرڈ ہیں اور الحمد للہ اس کی وجہ سے

ان کو قانونی تحفظ حاصل ہے۔ (واقعہ یہ ہے کہ اس فتنہ وفساد کے زمانے میں ہر بڑے دینی ملی ادارے کے لیے یہ رجسٹریشن ضروری ہوگیا ہے۔ "ندوۃ العلماء لکھنؤ" اور اس طرح کے تمام بڑے دینی و ملی ادارے پہلے سے اسی قانون کے تحت رجسٹرڈ ہیں)۔

اب قاری صاحب کے اس رویہ کے بارے میں ناظرین خود ہی رائے قائم کریں کہ جب تک وہ مہتمم رہے یہ رجسٹریشن جائز تھا اور اس سے دارالعلوم کی حیثیت میں کوئی فرق نہیں آیا تھا اور جب وہ کچھ فتنہ پردازوں کی سازش کا شکار ہو کر اُن غلط کارروائیوں کی وجہ سے جن کا کچھ ذکر کیا جا چکا ہے؛ دارالعلوم سے بے تعلق ہو گئے (جس کی کچھ تفصیل آئندہ سطور سے معلوم ہو جائے گی) تو خود ان کا کرایا ہوا رجسٹریشن ناجائز ہوگیا اور اس کی وجہ سے دارالعلوم کا زکوٰۃ وصدقات وغیرہ کا مصرف ہونا بھی مشکوک ہوگیا —— اللہ تعالیٰ قاری صاحب کو توفیق دے کہ وہ خود سوچیں کہ وہ کیا کہہ رہے ہیں اور کیا لکھ رہے ہیں۔ نعوذ باللہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا ولا حول ولا قوۃ الا باللہ۔

**قاری صاحب کے استعفے کا مسئلہ:** ۔ قاری صاحب نے اپنے قلم سے لکھی ہوئی اس تحریر میں تیسری بات یہ فرمائی ہے کہ "میں نے استعفا سوسائٹی کے نظم سے دیا ہے، دارالعلوم کے اہتمام سے استعفا نہیں دیا۔ مخالف تابعین گروہ پروپیگنڈہ کر رہا ہے کہ میں نے دارالعلوم کے اہتمام سے استعفا دیا ہے" —— کاش قاری صاحب ایسی صریح غلط اور خلاف واقع بات اپنے قلم سے نہ لکھتے تو ہم جیسوں کو اُن کے بارے میں عذر اور تاویل و توجیہ کی گنجائش رہتی۔

**استعفے کا واقعہ یہ ہے** کہ دارالعلوم سے متعلق قاری صاحب کے مذکورہ بالا افسوسناک اقدامات اور شدید بے ضابطگیوں، بے عنوانیوں کی بنا پر مجلس شوریٰ نے اپنے متعدد جلسوں میں ضابطہ کی کارروائی اور شرعی اور قانونی لحاظ سے اتمام حجت کے بعد آخر میں ان کو عہدۂ اہتمام سے معطل کر دیا تھا اور ایک تحقیقاتی کمیٹی مقرر کی تھی کہ اُن کے معاملات کی تحقیق کر کے وہ اپنی رپورٹ اور اپنی رائے بطور سفارش پیش کرے —— ۲۴، ۲۵ رشوال ۱۴۰۲ھ (۱۵ اور ۱۶ را گست ۱۹۸۲ء) کو مجلس شوریٰ کا اجلاس تھا جس میں تحقیقاتی کمیٹی کی پیش کی ہوئی رپورٹ کی بنیاد پر مجلس شوریٰ کو اُن کے بارے میں آخری فیصلہ کرنا تھا، اور وہ دارالعلوم کے اہتمام سے ان کی معزولی اور برطرفی ہی کا فیصلہ ہوتا جو تمام ارکان شوریٰ کے لیے ناخوشگوار بلکہ سخت کربناک تھا۔

۲۴ رشوال کو جب مجلس شوریٰ کے جلسہ میں اس مسئلہ پر غور ہو رہا تھا، اچانک بمبئی کے دو محترم حضرات جو دارالعلوم کے مخلص معاونین اور قاری صاحب کے عقیدت مندوں اور نیازمندوں میں سے ہیں (ایک جناب عزیز الحق صاحب جو وہ عربی جن کو اللہ تعالیٰ نے دینداری کے ساتھ دنیوی دولت سے بھی بھرپور نوازا ہے اور دوسرے جناب صوفی عبدالرحمان صاحب جو بمبئی کے ایک معزز تاجر خاندان کے فرد اور صوفی صافی بزرگ ہیں اور قاری صاحب کے خواص اہل تعلق میں سے ہیں) اچانک تشریف لائے اور انھوں نے قاری صاحب

کے قلم کا لکھا ہوا استعفا شوریٰ کے جلسہ میں پیش کیا بعینہٖ لفظ بہ لفظ درج ذیل ہے۔ ناظرین کرام بغور ملاحظہ فرمائیں۔

## قاری صاحب کا استعفا نامہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بگرامی خدمت فیض درجت حضرات اراکین شوریٰ دارالعلوم دیوبند دامت برکاتہم

سلام مسنون نیاز مقرون ۔ آج سے اٹھاون سال قبل حضرات اکابر رحمہم اللہ کے حسب الحکم احقر نے اپنی طالبعلمانہ افتادطبع کے برخلاف محض تعمیلاً للامر کار اہتمام دارالعلوم سنبھالا، آپ حضرات میں ابھی چند بزرگ وہ بھی بحمداللہ موجود ہیں جو اس دور کے اکابر رحمہم اللہ کے طرز تربیت و شفقت اپنے خوردوں کے ساتھ اور اصاغر کا مطیعانہ طرز عمل اپنے بڑوں کے ساتھ دیکھنے والوں میں سے ہیں، ان کو شاہد بناکر یہ کہنے میں احقر اپنے آپ کو حق بجانب جانتا ہے کہ دارالعلوم کے اس تعلق کے بارے میں از اول تا آخر یہی اعتقاد و یقین قلب میں راسخ رہا کہ یہ اپنی آخرت ہے دنیا نہیں ہے۔ اسی اعتقاد و یقین پر یہ اٹھاون سال کا زمانہ گزرا لیکن اجلاس صدسالہ کے بعد ایسے امور پیش آئے کہ جن کا تصور و خیال بھی خدام و وابستگان دارالعلوم کے وہم و گمان میں نہیں آسکتا تھا۔ فتنوں کا ایک عظیم سیلاب اٹھا جس میں بہت سی چیزیں احقر کے ذوق اور حضرات اراکین شوریٰ کے ساتھ احقر کے باحترام قدیم تعامل کے بھی خلاف پیش آئیں۔ احقر کا دارالعلوم کے ساتھ جو روحانی اور خادمانہ تعلق اور رابطہ ہے جو زندگی کی آخری سانس تک باقی رہے گا، اسی کے تحت کبھی بھی کسی ممکن خدمت سے دریغ نہ ہوگا۔ لیکن بحالات موجودہ احقر اس رسمی تعلق سے استعفا پیش کرتا ہے۔ فتنہ کے دوران جو غلطیاں ہوئیں، اور ایسے حالات میں فریقین سے ہوتی ہیں میں ان سے معذرت کرتا ہوں۔ زیادہ احترامات!

محمد طیب غفرلہٗ

از دیوبند ۹ر اگست ۱۹۸۲ء

ناظرین کرام اس استعفا نامہ کے ایک ایک لفظ پر غور فرمائیں۔ اس میں کسی سوسائٹی کو نہیں بلکہ "حضرات اراکین شوریٰ دارالعلوم دیوبند" کو مخاطب کیا گیا ہے۔ اور اس میں صرف ۴ باتیں لکھی گئی ہیں۔ اول یہ کہ احقر نے اپنی افتاد طبع کے خلاف صرف اکابر کے حکم کی تعمیل میں، اٹھاون سال پہلے کار اہتمام دارالعلوم سنبھالا تھا ـــــ دوسری بات یہ فرمائی ہے کہ دارالعلوم کے اس تعلق کے بارے میں اول سے آخر تک اعتقاد یہی رہا کہ یہ اپنی آخرت ہے دنیا نہیں ہے۔ تیسری بات یہ فرمائی ہے کہ اجلاس صدسالہ کے بعد ایسے امور پیش آئے جن کا وہم و گمان نہیں ہو سکتا تھا ـــــ آخر میں چوتھی بات یہ فرمائی گئی ہے کہ احقر کا دارالعلوم کے ساتھ جو روحانی اور خادمانہ تعلق ہے اس کے تحت کبھی کسی ممکن خدمت سے دریغ نہ ہوگا لیکن

بحالات موجودہ احقر اس رسمی تعلق سے استعفا پیش کرتا ہے۔ آخر میں یہ بھی فرمایا ہے کہ فتنوں کے دوران جو غلطیاں ہوئیں اور ایسے حالات میں فریقین سے ہوتی ہیں میں اُن سے معذرت کرتا ہوں۔

قاری صاحب کے استعفے نامے کی عبارت سیدھی سادی مولویانہ اردو میں ہے کسی اجنبی زبان میں نہیں ہے، ہر اردو پڑھ سکنے اور سمجھ سکنے والا اللہ غور کرے کہ کیا اس کا مطلب دارالعلوم کے اہتمام سے استعفے کے سوا اور جو غلطیاں ہوئیں اُن سے معذرت کے سوا کچھ اور بھی ہو سکتا ہے ؟ ـــــ اور کیا اس میں کسی طرح یہ مطلب ٹھونسا جا سکتا ہے کہ یہ کسی سوسائٹی کے نظم سے استعفا ہے۔ کیا اس میں کسی سوسائٹی کا کوئی ذکر یا اس کی طرف کوئی اشارہ کہیں ہے ؟ ـــــ اللہ ہی جانتا ہے کہ اب قاری صاحب کس حال میں ہیں جو ایسی باتیں کہہ رہے اور اپنے قلم سے لکھ رہے ہیں۔ سبحان اللہ مقلب القلوب!

## عبرت اور سبق :-

دارالعلوم دیوبند کے اس قضیہ نامرضیہ کے سلسلہ میں ابتک جو کچھ ہوتا رہا ہے اور اب سب سے آخر میں قاری صاحب کی اپنے قلم کی لکھی ہوئی اس تحریر میں جو کچھ سامنے آیا ہے اس کا سب سے بڑا سبق ہم سب کے لیے یہ ہے کہ کچھ خبر نہیں کہ کل ہمارا کیا حال ہو۔ ہم میں سے ہر ایک کو اللہ تعالیٰ سے برابر یہ دعا اور التجا کرتے رہنا چاہیے کہ ایمان سلامت رہے، خدا کے خوف اور آخرت کی فکر سے دل خالی نہ ہو۔ شیطان کے فریب یا اپنے نفس کی تسویل سے جو غلطیاں اور گناہ سرزد ہو جائیں اُن سے توبہ اور تلافی کی توفیق ملتی رہے، جب تک زندگی ہے اسی حال میں رہیں، اسی حالت میں موت آئے اور آخرت میں اللہ تعالیٰ مغفرت و رحمت کا فیصلہ فرمائے ـــــ ہمیشہ یاد رکھنے کے لائق ہے حضرت ام سلمہؓ کی روایت کی ہوئی یہ حدیث پاک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا بہت زیادہ کرتے تھے "اَللّٰهُمَّ مُقَلِّبَ الْقُلُوْبِ ثَبِّتْ قَلْبِيْ عَلٰى دِيْنِكَ" (اے دلوں کو پلٹ دینے والے خداوند! میرے دل کو اپنے دین پر ثابت و قائم رکھنا!) ایک دن میں نے عرض کیا کہ کیا بات ہے آپ یہ دعا بہت زیادہ کرتے ہیں ؟ آپ نے فرمایا "اے ام سلمہ ہر آدمی کا دل اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے، جس کا چاہے سیدھا رکھے جس کا چاہے ٹیڑھا کر دے۔ (فمن شاء اقام ومن شاء ازاغ)
رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ ۝

ممالک غیر سے
بحری ڈاک سے ۳ پونڈ
ہوائی ڈاک سے ۷ پونڈ
ایک شمارہ کی قیمت ہندوستان میں
۲/-

چندہ سالانہ
ہندوستان میں ۲۰/-
پاکستان سے پاکستانی سکہ میں ۵۰/-
بنگلادیش سے ہندوستانی سکہ میں ۲۲/-

جلد (۵۱) بابت ماہ ربیع الثانی ۱۴۰۳ھ مطابق فروری ۱۹۸۳ء شمارہ (۲)




**ایک ضروری اطلاع** الفرقان کا آئندہ شمارہ اب انشاء اللہ ماہ اپریل کے شروع میں شائع ہوگا جو مارچ اور اپریل کا مشترکہ شمارہ ہوگا۔ اور اس میں ایران کے شیعی انقلاب پر مولانا عتیق الرحمٰن سنبھلی کے قلم سے ایک مفصل تبصرہ شائع ہوگا۔ لہٰذا مارچ میں الفرقان کا انتظار نہ کیا جائے۔

## اگر اس دائرہ میں ◯ سرخ نشان ہے تو

اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ کی مدت خریداری ختم ہوگئی ہے براہ کرم آئندہ کے لیے چندہ ارسال کریں یا خریداری کا ارادہ نہ ہو تو مطلع فرمائیں۔ چندہ یا دوسری اطلاع مہینے کے آخر تک آجانا چاہیے ورنہ اگلا پرچہ بصیغۂ وی پی روانہ ہوگا۔

**نمبر خریداری:** براہ کرم خط وکتابت کرتے وقت اور منی آرڈر کوپن پر اپنا خریداری نمبر ضرور لکھ دیا کریں جو پتہ کی چٹ پر لکھا ہوتا ہے۔

**تاریخ اشاعت:** الفرقان ہر انگریزی مہینے کے پہلے ہفتہ میں روانہ کردیا جاتا ہے اگر مہینے کے آخر تک کسی صاحب کو پرچہ نہ ملے تو فوراً مطلع فرمائیں اسکی اطلاع مہینے کی ۵ تاریخ تک آجانا چاہیے اس کے بعد رسالہ کی ذمہ داری دفتر پر نہ ہوگی۔


(مولوی) محمد منظور نعمانی پرنٹر پبلشر واڈیٹر نے تنویر پریس میں چھپوا کر دفتر الفرقان ۳۱ نیا گاؤں مغربی لکھنؤ سے شائع کیا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

# میری وصیت اور کچھ معروضات

محمد منظور نعمانی

یہ عاجز راقم سطور بہت مدت سے ہائی بلڈ پریشر کا بھی مریض ہے، جس کا تعلق قلب سے بتلایا جاتا ہے اور اس کو بہت خطرناک مرض سمجھا جاتا ہے، لیکن مجھے اس کی خطرناکی کا تجربہ کبھی نہیں ہوا تھا۔ اسی مہینے ربیع الثانی کی ۱۲ اور جنوری کی ۸ تاریخ کو جمعہ کا دن تھا عصر مغرب کے درمیان "دارالعلوم ندوۃ العلماء" کے کچھ عزیز طلبہ (جو جمعہ کے دن اکثر اس وقت آجاتے ہیں) اور ایک دو استاد اور کچھ دوسرے حضرات بھی میرے پاس تشریف رکھتے تھے، میں ان حضرات سے بات کر رہا تھا اور اللہ تعالیٰ کی توفیق سے جمعہ کے دن عصر و مغرب کے درمیان کے اس وقت ہی کی فضیلت و اہمیت اور اس میں دعا اور توجہ الی اللہ ہی کے بارے میں عرض کر رہا تھا، اور اس سلسلہ میں اپنے اکابر خاصکر حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا نور اللہ مرقدہٗ کا معمول بیان کر رہا تھا کہ اچانک میری حالت غیر ہو گئی میں بات جاری نہیں رکھ سکا، مجھے محسوس ہونے لگا کہ مکان تیزی سے گھوم رہا ہے، اور زلزلہ کی سی کیفیت ہے، اور جسم سے گویا جان نکلی جارہی ہے الحمد للہ اس حالت میں بھی ہوش وحواس قائم رہے، میں نے سمجھا کہ یہ قلب کا دورہ (ہارٹ اٹیک) ہے اور غالباً "وقت موعود" آگیا اور میری زندگی کے یہ آخری لمحات ہیں اللہ تعالیٰ کی توفیق سے کلمۂ شہادت، توبہ و استغفار اور دعا وغیرہ میں مشغولیت نصیب ہو گئی۔ اسی حالت میں گھر کے لوگوں کو دو چار ضروری باتیں بتلائیں یہ بھی کہدیا کہ اگر وقت آجائے تو باہر سے آنے والوں کے انتظار میں تدفین میں تاخیر نہ کی جائے۔ مخلص ترین دوست اور محسن معالج ڈاکٹر محمد اشتیاق حسین قریشی صاحب کو

اطلاع دی گئی وہ فوراً تشریف لے آئے، بلڈ پریشر دیکھا اور بتایا کہ بہت ہی زیادہ بڑھا ہوا ہے، قلب کے دورہ کی بات نہیں ہے، دوا علاج کا سلسلہ شروع ہوا۔ ڈاکٹر صاحب نے تاکید فرمائی کہ بات کبھی بالکل نہ کی جائے، نماز بھی لیٹے لیٹے اشارہ ہی سے پڑھی جائے۔ (میں بیٹھ کر پڑھنے پر اس وقت قادر بھی نہیں تھا) چنانچہ مغرب و عشا اشاروں ہی سے پڑھیں، پھر حالت کچھ سنبھلنا شروع ہو گئی، اور بفضلہ تعالیٰ کسی نہ کسی رفتار سے بہتر ہی ہوتی چلی گئی ——— مجھ کو تو ایسا ہی محسوس ہوا کہ موت کے دروازے تک پہنچ گیا تھا، پھر کچھ مہلت دے کر واپس کر دیا گیا ہے، اللہ تعالیٰ اس مہلت کی قدر اور اس سے فائدہ اٹھانے کی توفیق عطا فرمائے۔

---

آج ربیع الثانی کی ۲۴ تاریخ ہے۔ ۱۴ دن گزر چکے ہیں لیکن اب تک ضعف کی یہ حالت ہے کہ دماغ کسی مسئلہ پر غور و فکر کے لائق نہیں ہے، چند باتیں عرض کرنے کا دل میں سخت تقاضا اور داعیہ ہے اس لیے یہ سطریں کسی طرح لکھ رہا ہوں و ما توفیقی الا باللہ۔

(۱) جن حضرات کی نظر سے یہ سطریں گزریں اُن سے عاجزانہ التجا ہے کہ وہ دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ صحت عطا فرمائے اور زندگی کے جو دن باقی ہیں وہ ایمان و عافیت کے ساتھ پورے ہوں، اللہ تعالیٰ اپنی مرضیات کی توفیق عطا فرمائے اور معاصی و منکرات سے حفاظت فرمائے، حسن خاتمہ نصیب ہو اور ارحم الراحمین اپنے رحم و کرم سے مغفرت فرما دے۔

(۲) احباب کرام دریافت حال کے لیے خط و کتابت نہ فرمائیں۔

(۳) جہاں تک یاد ہے اس عاجز پر کسی کا قرض نہیں ہے، اگر بالفرض کسی صاحب کا کوئی قرض یا کوئی بھی مالی حق ہو تو وہ مجھے مطلع فرما دیں، معلوم ہو جانے اور یقین ہو جانے پر ان شاء اللہ ضرور ادا کیا جائے گا اور میں ان کا ممنون ہوں گا۔

(۴) جن حضرات کے ساتھ زندگی میں واسطہ رہا ہے بالخصوص جن کے ساتھ کسی اجتماعی

کام میں شرکت رہی ہے جس میں اختلاف رائے کے کبھی مواقع آتے ہیں، اگر میری طرف سے ان کی کوئی حق تلفی، یا دل آزاری ہوئی ہے تو میں اُن سے عاجزانہ معافی چاہتا ہوں، وہ لوجہ اللہ مجھ کو معاف فرمادیں۔ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے اعلان فرمایا ہے کہ جو بندے دوسرے بندوں کے قصور معاف کردیں گے اللہ تعالیٰ آخرت میں اُن کے قصور وگناہ معاف فرمادیگا اور اُن کے ساتھ مغفرت ورحمت کا معاملہ فرمائے گا۔ (فلیعفوا ولیصفحوا الا تحبون ان یغفر اللہ لکم ان اللہ غفور رحیم) اور جن حضرات کی طرف سے میرے ساتھ اس طرح کی کوئی بات ہوئی ہو، تو اُن کو میں نے اللہ تعالیٰ کی مغفرت ورحمت ہی کی امید رکھتے ہوئے بری کردیا ہے۔

(۵) اس وقت تو اللہ تعالیٰ کی مشیت نہیں تھی اور کچھ مزید مہلت مل گئی لیکن بہرحال ایک وقت آئے گا کہ "کل نفس ذائقۃ الموت" کا خداوندی قانون مجھ پر نافذ ہو گا۔ اس وقت کے لیے اعزہ واقارب کو وصیت اور احباب کرام سے گزارش ہے کہ سفر کرکے تعزیت کے لیے آنے کی زحمت نہ فرمائیں، اس میں زحمت بھی ہوگی، وقت بھی ضائع ہوگا اور مصارف کا بھی بار پڑے گا، اس کے بجائے للہ فی اللہ میرے لیے دعائے مغفرت کا اہتمام اور ایصال ثواب کرکے مجھ پر احسان فرمائیں، اس سے مجھے انشاء اللہ وہ نفع پہنچے گا جس کا اُس وقت میں محتاج ہوں گا۔ سفر کرکے تعزیت کے لیے آنے والے حضرات، صدمہ زدہ پسماندگان کے لیے باعث زحمت بھی بن جاتے ہیں۔ (اس عاجز کو یہ سبق حضرت شیخ الحدیث نور اللہ مرقدہٗ کی "آپ بیتی" سے ملا ہے)

## دارالعلوم دیوبند کے اساتذہ کرام اور ارباب اہتمام وانتظام کی خدمت میں:-

دارالعلوم کے موجودہ حالات میں میرا ارادہ تھا کہ جب بھی میرے لیے ممکن ہوگا انشاء اللہ دارالعلوم جاکر چند روز قیام کروں گا اور حضرات اساتذہ کرام وارباب اہتمام وانتظام سے اور عزیز طلبہ سے بھی تنہائیوں میں کچھ باتیں کروں گا اور اس مسئلہ کی طرف خصوصیت سے توجہ دلاؤں گا جو دارالعلوم کا سب سے اہم مسئلہ ہے اور اس کے لیے بمنزلہ روح کے ہے اور خود ہم سب کا بھی سب سے زیادہ قابل فکر مسئلہ ہے لیکن اپنی موجودہ حالت میں مجھے اب امید نظر نہیں آتی کہ میری یہ

آرزو پوری ہوگی (والعلم عند اللہ) اس لیے اجمال و اختصار کے ساتھ ان چند سطروں ہی کے ذریعہ یہ کچھ عرض کر رہا ہوں اور اس کا مخاطب بخدا سب سے پہلے میں خود ہوں۔

یہ حقیقت اور واقعہ ہے جس کے اظہار میں ہرگز کوئی بے ادبی نہیں کہ ہماری جماعت کے اکابر میں و شیخین حضرت نانوتوی و حضرت گنگوہی اس کتابی علم اور وسعت مطالعہ کے لحاظ سے جس کو آجکل "علم" کہا جاتا ہے اپنے دور کے اہل علم میں سب سے فائق و برتر نہیں تھے، اُن کے معاصرین میں ایسے حضرات موجود تھے جو اس لحاظ سے بہت فائق تھے۔ مثال کے طور پر حضرت مولانا عبدالحی فرنگی محلی اور ان کے شاگرد مولانا ظہیر احسن شوق نیموی (صاحب آثار السنن) اور ان کے علاوہ بھی متعدد ایسے حضرات کے نام لیے جاسکتے ہیں جنکی تصانیف اس کی شاہد ہیں ـــــ لیکن جو علمی اور دینی فیض ہمارے ان بزرگوں اور ان کے تلامذہ و مسترشدین سے پھیلا وہ اس بات کی علامت ہے کہ ان کو عنداللہ خصوصی مقبولیت کا مقام حاصل تھا اور یہ خاص الخاص عنایت الٰہی کے مورد تھے اور اس کی وجہ ان کا اخلاص اور تقوٰی تھا، جس کے وارث ان کے اخلاف ہمارے اساتذہ اور مشائخ بھی تھے جنکو ہم نے دیکھا اور پایا، لیکن یہ عاجز محسوس کرتا ہے کہ اس دولت عظمٰی کو ہم نے ضائع کر دیا ہے۔ اور ہمارے طبقہ کی غالب اکثریت اس سے محروم ہے، اور اس سے بھی بڑی محرومی یہ ہے کہ اس محرومی کے احساس سے بھی ہم محروم ہیں۔ ؎

انچہ از من گم شدہ گر از سلیماں گم شدے ہم سلیماں ہم پری ہم اہرمن نگریستے

بلاشبہ اخلاص و تقوے کا تعلق قلب و باطن سے ہے جس پر کوئی دوسرا مطلع نہیں ہوسکتا لیکن ہم آپ سب اپنے اندرون سے یقیناً واقف ہیں "بَلِ الْاِنْسَانُ عَلٰی نَفْسِهٖ بَصِیْرَةٌ" اللہ تعالیٰ توفیق دے کہ ہم خود اپنے باطن کا جائزہ لیں اور اپنے اکابر کی طرح اپنی اصلاح کی فکر کریں۔ ـــــ یہ عاجز اس حال میں ہے کہ اس وقت اس سے زیادہ کچھ عرض نہیں کرسکتا۔ اللہ تعالیٰ کو قدرت ہے اور اس سے دعاء و التجا ہے کہ وہ ان مختصر الفاظ کو احساس و فکر پیدا ہونے کا ذریعہ بنا دے، اگر احساس و فکر صادق ہوگا تو انابت ضرور پیدا ہوگی، اور جب انابت پیدا ہوگی تو ہدایت کا یقیناً فیضان ہوگا، اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے "وَیَهْدِیْ اِلَیْهِ مَنْ یُّنِیْبُ" رب کریم اس عاجز کو بھی نصیب فرمائے اور آپ سب حضرات کو بھی ـــــ والسلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ

## نگاہِ اولیں

عتیق الرحمٰن سنبھلی (لندن)

# بانئ پاکستان کے نئے رتبے کی دریافت

## ناطقہ سر بہ گریباں کہ اسے کیا کہیئے!

۲۱ دسمبر ۷۶ء کو پاکستان پارلیمنٹ کی ایک تقریر بانئ پاکستان "قائد اعظم" محمد علی جناح کے یوم پیدائش کی تقریب سے :

"جناب اسپیکر! ۲۵ دسمبر جس کے حوالے سے ہم یہ سال منا رہے ہیں حضرت مسیح کی پیدائش کا دن بھی ہے اور ہماری قوم کے مسیحا کا یوم ولادت بھی، ایک روحانی و جسمانی بیماری کے لیے امید کا اجالا تھا تو دوسرا اپنے ہاتھوں سے تاریخ تراشنے والا، ایک نے دکھی اور گمراہ انسانیت کو حق کی راہ دکھائی تو دوسرے نے اپنی بے منزل قوم کے لیے راہ بنائی۔ مسیح کو غیروں نے صلیب پر چڑھایا، اور ہمارا مسیح اپنی قوم کی خاطر چپ چاپ ایثار و وفا کی صلیب پر چڑھا، جی ہاں! قائد کو اپنی صلیب کا علم ۱۹۴۰ء میں ہو گیا تھا جب اُن کے ایک پارسی ڈاکٹر نے ایکسرے لینے کے بعد انھیں بتایا تھا کہ اُن کے دونوں پھیپھڑے بری طرح دق کا شکار ہیں۔ کوئی دوسرا ہوتا تو آرام و علاج کی طرف توجہ دے کر زندگی کے دن بڑھانے کی کوشش کرتا۔ لیکن قائد اعظم کا ردِ عمل اس کے برعکس تھا۔ آپ نے فرمایا:

"ڈاکٹر! آج کے بعد نہ تو اس بیماری کا ذکر دینی زبان پر لانا نہ ہی یہ ایکسرے فلم کسی اور کو دکھانا۔ اسے آج ہی سربمہر کر دیا جائے۔"

. . . . . . . آج جب اُن کی بیماری کو سامنے رکھتے ہوئے اُن کی جدو جہد کے ایک ایک لمحے کا جائزہ لیتا ہوں تو یوں لگتا ہے جیسے ہمارے مسیحا نے پورے نو سال صلیب پر گزارے ہے"۔

موت کا کرب تو ایک لمحے کے لیے بھی ناقابل برداشت ہوتا ہے لیکن صرف اُن کے لیے جن کی زندگی ان کے جسم تک محدود ہو۔ قائد کی زندگی کا انحصار اُن کے جسم نہیں اُن کے مشن پر تھا۔ وہ جسم کی طرف بڑھتی ہوئی موت کو اپنے عزم سے شکست دینے کا تہیہ کر چکے تھے اور دنیا نے دیکھ لیا کہ ہمارا مسیحا اپنی موت پر بھی غالب آیا۔ قربانی ہی موت کا جواب ہے۔ اقبال نے کہا تھا

تو شب آفریدی چراغ آفریدم

اور اُس کے مرد مومن نے اپنے عزم سے ثابت کر دکھایا کہ اللہ تعالیٰ نے موت بنائی تو انسان نے ایثار و قربانی کی مثال قائم کر کے اس کا جواب مہیّا کر لیا"۔

جناب اسپیکر! یہ عجیب اتفاق ہے کہ اس برس کا یوم قائد اعظم محرم کے دن آیا ہے، کیا اتفاق ہے، قربانیوں کے سلسلے قربانیوں سے جاملے ہیں۔ جناب امام حسین اور اُن کے رفقا، جن کی قربانی ایک کائناتی سچائی ہے، ان کی یادوں کے دن بھی ۲۵ ر دسمبر کو ہوں گے، وہ مسیح جس نے اپنے وجود کو صلیب پر چڑھایا اس کا دن بھی ۲۵ ر دسمبر کو ہے۔ اور میری قوم کا مسیحا جس کی قربانی ایک تاریخی حقیقت ہے اور نو برس تک اپنی صلیب پر چڑھ کر اکیلا لٹکتا رہا اس کا یوم پیدائش بھی ۲۵ ر دسمبر ہے۔ یہ قربان ہونے والوں کا دن اپنے منظر میں مریم کی پاک ردا بھی رکھتا ہے۔ شہید کربلا کی بہن زینب کی چادر عصمت کا بھی امین ہے اور فاطمہ جناح کے اُن دکھ بھرے لمحوں کا بھی راز دار ہے جو اپنے پیارے بھائی کی جان لیوا بیماری کا بھید اپنے دل میں لیے چپ چاپ اُس کی رفیق سفر رہی۔ یہ تین میم —— مسیح، محرم، محمد علی . . . . . اس ۲۵ ر دسمبر کے مثلث کے تین کونے ہیں اور تینوں کونوں پر عظیم قربانیوں کے پرچم لہرا رہے ہیں۔ اس اتفاق نے قائد کو نیا رتبہ دیا ہے۔ . . . . . . . . ۲۵ ر دسمبر کی

تاریخ نے یہ مثلث بنا کر کہیں کوئی تاریخی فیصلہ تو نہیں کر دیا؟ یہ عبا وقبا سے بے نیاز جبہ و دستار سے محروم شخصیت جس کے ہاتھوں میں منکوں کی مالا کے بجائے تسبیح روز و شب تھی اس کو تاریخ کے اتفاق نے اس عظیم تکون کا ایک کونہ بننے کا اعزاز کیوں کر عطا کر دیا؟ شاید اس لیے کہ

کام اس فرقۂ زہاد سے اٹھا نہ کوئی
کچھ ہوئے تو یہی رندانِ قدح خوار ہوئے

مفتی صاحب! مولانا صاحب! لباسوں میں کیا رکھا ہے؟ جو کچھ (ہے) عمل ہے۔ آئیے ترک رسوم کے اس موجد کا ایک واقعہ سنیے۔ جناح مذہبی تاجر نہ تھا، مذہب کا مفکر تھا اور دنیاوی امور میں پروٹوکول کا شدت سے قائل و عامل جس کو اپوائنٹمنٹ کے بغیر ملنے کا کوئی تصور تک نہیں کر سکتا تھا، اس کی جلوت وخلوت میں اس شخص کو ہر وقت ہر لمحے تمام فارملیٹز کے بغیر حاضر ہونے کی اجازت تھی جو انھیں کلام اللہ میں تدبر کرنے کے لیے آیات قرآنی بنایا کرتا تھا وہ خود راوی ہے کہ ایک نشست میں میں نے قرآن مجید کے کسی مقام کی تشریح کرتے ہوئے کہا کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ساری عمر مبارک اپنے مقصد کے حصول میں جانکاہ مشقتیں اٹھاتے گذر گئی ایسا نظر آتا ہے کہ کسی وقت حضور کے قلبِ مطہر میں حسین و معصوم سی آرزو ابھری کہ بار الہا! میں اپنے مقصد کو اپنی آنکھوں کے سامنے حاصل ہوتے بھی دیکھ سکوں گا یا میری آرزو اسی تگ و تاز میں گذر جائے گی؟ اللہ کی طرف سے اس کا جواب یہ ملا کہ

> تیرا مقصد تیری زندگی میں تیرے سامنے آجائے یا اس سے پہلے ہی تو ہمارے پاس آجائے اس سے تجھے کچھ سروکار نہیں تیرا کام اس پیغام کو عام کیے جانا ہے یہ دیکھنا ہمارا کام ہے کہ ہمارے قانون مکافات کے مطابق اس کا نتیجہ کب سامنے آتا ہے۔

اس شخص نے لکھا ہے کہ یہ سن کر قائد اعظم کی آنکھوں میں آنسو ڈبڈبا آئے، کیوں؟ قائد ہی کے الفاظ میں سنیئے فرمایا

"جب اللہ تعالیٰ نے ایسی عظیم ہستی کے لیے بھی ذرا سی رعایت روا نہیں رکھی اور صاف کہہ دیا کہ یہ ہمارے قانون کے مطابق واقع ہوگا خواہ تمھاری زندگی میں ہو اور خواہ اس کے بعد تو ہم کس باغ کی مولی ہیں وہ ہماری خاطر اپنے قانون میں کیوں رعایت برتے گا؟ اس لیے معلوم نہیں کہ ہم اپنی آنکھوں سے پاکستان بنتے دیکھ سکیں گے کہ نہیں؟

یہ کسی صوفی یا مولوی کا ردِعمل نہیں محمد علی جناح کا ردِ عمل ہے' آپ نے بہت سی تفسیریں پڑھی ہوں گی لیکن اس آیت پر جناح جیسے عملی آدمی کا تبصرہ بھی ملاحظہ فرمالیں راوی لکھتا ہے انھوں نے کہا

"نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسوۂ حسنہ نے بات بنادی ورنہ خدا کا جواب تو بڑا خشک اور قانونی جواب تھا"

اس واقعہ کے راوی ہیں جناب غلام احمد پرویز جن سے کسی کو ہزار اختلاف ہو لیکن قائد اعظم کے ساتھ ان کی رفاقت اور تحریک پاکستان میں ان کی قلمی خدمات سے کوئی انکار نہیں کرسکتا۔

تو یہ تھا جناح، یہ تھا اقبال کا مردِ مومن' وہی مردِ قلندر جس کے خلاف بڑے بڑے صاحبانِ جبہ و دستار صف آرا تھے جسے ہیٹ پہننے سے منع کیا جاتا تھا تو جواب ملتا ہے

"ویسے تو میں شاید چھوڑ دیتا لیکن اب مسلمانوں کو متاثر کرنے کے لیے چھوڑنا تو یہ حماقت ہوگی"۔

یہی تو تھا پاکستان کا خالق، کیا اس کا بنایا ہوا پاکستان منجمد ذہنوں اور تاریک دماغ ظاہر پرستوں کا پاکستان ہوسکتا ہے؟ جو خود جنوری ۱۹۴۱ء میں حیدرآباد میں نوجوانوں کے سوالوں کے جواب دیتے ہوئے کہتا ہے

"ہمارے علماء کی ایک جماعت بغیر اس بات کے سمجھے کہ کام کی نوعیت اور تقسیم عمل اور اس کے اصل حدود کیا ہیں' ان امور کو صرف چند افراد کا اجارہ خیال کرلیتی ہے اور اہلیت و مستعدی کے باوجود مجھ میں یا آپ میں اس خدمت کے سرانجام دینے کی کوئی

صورت نہیں دیکھتی، حالانکہ اس منصب کی بجا آوری کے لیے جن اجتہادی صلاحیتوں کی ضرورت ہے انھیں یہ اس گروہ میں نہیں پاتا وہ اس شعبے میں دوسروں کی صلاحیتوں سے کام لینے کا سلیقہ بھی نہیں رکھتے۔"

یہ کہنے والے کا بنایا ہوا پاکستان ان لوگوں کا ملک نہیں ہو سکتا ہے جو رجل کی چوب خشک ہوں، سوختنی نہ فروختنی، وہ صرف ایک جدید مسلم ریاست ہو سکتا ہے جو ماضی و حال کا حسین امتزاج ہو، جو روایت و جدت کا تخلیقی آمیزہ ہو، وہ اس نظام پر کامل یقین و ایمان رکھتے تھے۔

---

یہ تقریر کا دو تہائی حصہ ہے۔ باقی ایک تہائی میں قائد کے دوسرے فضائل اور خصائص کا بیان ہے ـــــ تقریر، آپ جان چلے کہ پاکستانی پارلیمنٹ کی ہے۔ وہ پارلیمنٹ پاکستان کے دوسرے قائد ذوالفقار علی بھٹو کے دور کی پارلیمنٹ تھی۔ اور مقرر بھٹو صاحب کی وزارت میں امور مذہبی کے وزیر تھے ـــــ واقعہ میں "مولانا" تھے یا نہیں تھے لیکن ـــــ مولانا کہلاتے بےشک تھے اور اب بھی یہ اُن کے نام کا جزو ہے۔ ساتھ میں شاعر بھی ہیں اور نام کا دوسرا جزو شاعرانہ تخلص ہی ہے۔ بھٹو صاحب کا دور ختم ہونے کے بعد اب وہ ایک پاکستانی روزنامہ جنگ کے کالم نگار ہیں۔ یہ تقریر موصوف نے اسی روزنامہ کی ۲۹ر دسمبر ۸۲ء کی اشاعت کے اپنے اسی کالم میں درج کی ہے۔

ہمارے لیے یہ تقریر دو وجہوں سے قابل ذکر ہوئی ہے۔ پہلی وجہ یہ ہے کہ کیا قائد اعظم محمد علی جناح کے بجائے کسی ایسی ہی دوسری شخصیت کو، جس کے خصائص اور فضائل میں ترک رسوم مذہبی کا موجد" ہونا بھی شامل ہوتا، اگر رسولِ خدا، سیدنا مسیح علیہ السلام اور شہید کربلا، سید شباب اہل الجنۃ، حضرت حسینؓ کے ہم پلہ اور ہم مرتبہ بنا کر کوئی بیٹھ کرتا تو کیا مسلمان اور وہ بھی پاکستان کے مسلمان ـــ اسے ٹھنڈے پیٹوں گوارا کر لیتے؟ یقیناً نہیں! ایک طوفان مچتا کہ یہ کیا گستاخی ہے؟ اور جو بھی کچھ اُس کی مدح سرائی میں کہنا چاہتے ہو کہو، مگر یہ ناقابل برداشت ہے کہ اسے ایسی مقدس ہستیوں کی صف میں کھڑا کرو جن کے اور اس کے درمیان کوئی مناسبت اور قدر مشترک سوائے اس شاعرانہ

نکتہ طرازی کے نہیں ہے جو بڑی ذہنی کاوش اور جوڑ توڑ کی ریاضت سے "ایک تاریخی حقیقت" بنائی گئی ہے! ــــ جو رد عمل اس دوسری صورت میں مسلمانوں کا ہوتا، ہمارا یہی اسی موجودہ صورت میں ہے اور یہی ہمارے نزدیک ہر مسلمان کا ہونا چاہیے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ پاکستان جو اسلام کے نام پر بنا۔ اور جس کے لیے اس نام کی صداقت کی گواہی میں حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی کی دعائیں اور شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی کی عملی جد و جہد ہمارے سامنے آتی ہے، اس کے اسلام کی نوعیت اس تقریر میں یہ بتائی گئی ہے کہ یہ وہ اسلام ہوگا جس کے معاملات میں علماء اسلام کی رہنمائی تو درکنار اُن کی باتوں پر کان تک دھرنے کی جگہ اُنھیں "منجمد ذہن" "تاریک دماغ اور رحل کی چوب خشک، نہ سوختنی نہ فروختنی" قرار دے کر کباڑ خانے میں پھینک دیے جانے کے لائق ٹھیرایا جائے گا۔ اور اُن کے بجائے انگریزی کالجوں کا تعلیم یافتہ گروہ اس کا اہل اور حقدار سمجھا جائے گا کہ وہ اس "مسلم ریاست" کی جدید انداز میں صورت گری کرے۔ اور ماضی کے جن اجزائے اسلام کو وہ "حسین" خیال کرے بس اُنھیں کو اپنے "اجتہاد" کے مطابق حال کے تقاضوں سے آمیز کر کے اس جدید ریاست کا اسلام قرار دے۔

---

یہ تقریر جو پاکستان پارلیمنٹ کی تقریر ہے۔ اور وہ بھی ایک وزیر باتدبیر کی زبان سے، اُس کے اس دوسرے نکتے پر تو ہمیں صرف یہ کہنا ہے کہ اس میں نہ ہمیں کوئی چونکانے والی بات ہے اور نہ حیرت میں ڈالنے والی کیونکہ ہمیں پاکستان میں اس کے سوا کسی دوسرے اسلام کی توقع کی گنجائش کبھی نظر ہی نہ آئی تھی۔ اور مذکورہ بالا بزرگوں کی حمایت کو ہم محض ایک خوش گمانی کے سوا کچھ اور سمجھ سکنے سے قاصر تھے۔ البتہ اس دور میں ایک پاکستانی روزنامے میں دھڑتے سے اس تقریر کی اشاعت ذہنوں میں یہ سوال ضرور پیدا کرتی ہے کہ کیا پاکستان کے تصور اسلام کے بارے میں مسٹر ذوالفقار علی بھٹو اور جنرل ضیاء الحق کے دور میں بنیادی طور پر کوئی فرق نہیں ہے؟

ہاں پہلے نکتے کے بارے میں ہمیں کچھ زیادہ کہنے کی ضرورت محسوس ہوتی ہے کہ یہ پاکستانی تاریخ ہی نہیں، جدید اسلامی تاریخ کے ایک ایسے باب کا محض **ایک** نمونہ ہے جو مسلم دانشوری کی بڑی ہی یاس انگیز تصویر پیش کرتا ہے۔

**بانیٔ پاکستان محمد علی جناح صاحب سے جن لوگوں کو اُن کے کارنامۂ تخلیق پاکستان** کی بنا پر عقیدت ہے، ہم اُن کے جذبۂ عقیدت کو کوئی ٹھیس پہنچانا نہیں چاہتے۔ وہ جتنی چاہیں اس کارنامے کی عظمت بیان کریں اور جتنا چاہیں جناح صاحب کو عظیم سمجھیں۔ مگر کیا یہ ذرا بھی دانشوری کو زیب دینے والی بات ہے اور کسی درجہ کی بھی تعلیم یافتگی کے ساتھ جوڑ کھاتی ہے؟ کہ جناح صاحب جن فضائل کے آدمی نہیں تھے۔ اور نہ کبھی انھیں اس کا دعویٰ ہوا، بلکہ کوئی علامت اس بات کی نہیں ملتی کہ اُن کے حاشیۂ خیال میں کبھی کبھی اپنے بارے میں ان فضائل کا واہمہ تک گزرا ہو، اُن فضائل و مناقب سے اُن کی شخصیت کو مرصّع کیا جائے؟

وہ ایک بیرسٹر تھے اور بڑے پائے کے بیرسٹر تھے۔ ایک سیاستداں تھے اور بڑے پائے کے سیاستداں تھے، وہ ایک مضبوط ارادے کے مالک تھے۔ اور ضرور اس کا احساس رکھتے ہوں گے۔ وہ مسلمانانِ ہند کے اندر اُن کے سب سے بڑے لیڈر ہونے کا اعتماد پا جانے کے بعد بہرحال اُن کے قومی مستقبل کے لیے ایک صادق دردو فکر سے بھی بہرہ مند ہو سکتے ہیں۔ اور جتنا اس بارے میں کلام رکھنے والوں کو اپنی رائے کا حق ہے کم از کم اتنا ہی ضرور جناح صاحب کے ماننے والوں کو بھی حق ہے کہ انھیں اس دردِ قومی سے سرشار سمجھیں۔ مگر وہ حسین بن علیؓ کے برابر بٹھائے جانے لگیں اور اس سے بھی بڑھ کر مسیح بن مریم (علیہم السلام) کے ساتھ تولے جائیں۔ اور ان کی ہمشیرہ محترمہ فاطمہ جناح اُن کی مخلصانہ رفاقت کے طفیل میں ہمشیرۂ حسینؓ اور مادرِ مسیحؑ کا مرتبہ پا جائیں! یہ بجز ایسی خرافات کے اور کیا ہیں جن پر استغفر اللہ بڑھیے یا نہ پڑھیے، لیکن کسی دانشوری اور تعلیم یافتگی کے لیے ان سے زیادہ شرم انگیز اور مضحکہ خیز باتوں کا تصور مشکل ہی سے کیا جا سکتا ہے؟ —— ہاں یہ وہ شاعری ہو سکتی ہے جس کے لیے قرآن نے سورۂ شعراء میں

کہا ہے کہ اَلَمْ تَرَ اَنَّهُمْ فِی کُلِّ وَادٍ یَّھِیْمُوْنَ ۝ (کیا ان شعراء (بے مہار) کا یہ حال تمہارے سامنے نہیں ہے کہ (خیالات کی) ہر وادی میں بھٹکا کرتے ہیں؟) —— اور اسی لیے ان کی باتوں پر کان دھرنے والوں کے حق میں قرآن اسی جگہ کہتا ہے کہ یَتَّبِعُهُمُ الْغَاوٗنَ ۝ (ان کے پیچھے بہکے اور بصیرت سے عاری لوگ ہی چلا کرتے ہیں) —— چنانچہ یہ شاعری ہی کا طفیل کہا جا سکتا ہے کہ وزیر صاحب نے "مولانا" ہوتے ہوئے بھی حضرت مسیح علیہ السلام کو ایک بار نہیں بار بار اس تقریر دلپذیر میں سچ مچ سولی پر لٹکا ہوا دکھایا ہے۔ کیوں؟ اس لیے کہ انھیں اپنے "مسیحا" کا مثالی دردِ قومی ثابت کرنے کے لیے ضرورت محسوس ہو رہی تھی کہ اُسے نو سال تک "ایثار و وفا کی صلیب" پر لٹکا ہوا دکھائیں۔ یعنی محض ضرورتِ شعری کا معاملہ تھا جس کے لیے کوئی حرج اس میں نہیں سمجھا گیا کہ قرآن پاک کی "ما قتلوہ وما صلبوہ" کی کھلی اور بصد شدت نفی و انکار کے باوجود کہا جائے کہ حضرت مسیحؑ بھی صلیب پر چڑھے تھے —— اَلَمْ تَرَ اَنَّهُمْ فِیْ کُلِّ وَادٍ یَّھِیْمُوْنَ! قرآن! تیری صداقتِ بیان کے قربان! بے شک تو خدا اے علیم وخبیر کا کلام ہے۔ اور تیرے ہر بیان کی صداقت ابدی اور کائناتی!

---

بات محض ایک تقریر یا تحریر کی ہوتی تو کچھ ایسی اہم نہ تھی۔ مگر جیسا کہ ہم نے اوپر کہا یہ تو فقط ایک نمونہ ہے۔ قائد اعظم جناح صاحب کے بارے میں یہ غلو تحریک پاکستان کے اُس آخری دور سے شروع ہو گیا تھا جب ۴۶ء کے الیکشن میں جمعیت علماء ہند اور دوسرے نیشنلسٹ مسلمانوں کی جماعتیں مسلم لیگ کے بالمقابل آئیں۔ ان میں جمعیۃ علماء کا چونکہ ایک بڑا دینی وزن تھا اور وہی حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رح جیسی باوزن شخصیت کی قیادت میں اس میدان کی سب سے زیادہ سرگرم جماعت تھی۔ اور اُس کی طرف سے مجوزہ پاکستان کی اسلامیت کی تنقید میں ایک موٹی اور آسانی سے سمجھ میں آنے والی بات یہ بھی کہی جاتی تھی کہ جناح صاحب جو اس تحریک کے سب سے بڑے واحد قائد ہیں اُن کی زندگی دیکھو، ان کا سراپا دیکھو! کیا کوئی مناسبت اُن کو اور

ان کی زندگی کو، سوائے اُن کے نام "محمد علی" کے اسلام سے ہے؟ وہ اپنی زندگی اور اپنی ذات کو اسلام کے سانچے میں نہیں لاسکتے تو کیسے سوچا جاسکتا ہے کہ وہ پاکستان میں اسلامی حکومت قائم کریں گے؟ اس تنقید کے جواب میں کچھ لوگوں کو یہ سوجھی کہ جناح صاحب کے اندرونِ خانہ تعلق باللہ کے قصے گھڑے جائیں۔ اور اُن کے بظاہر غیر مذہبی طرزِ زندگی کے پیچھے بہ باطن مذہبی زندگی کا وہ نقشہ کھینچا جائے کہ وہ ایک چھپے ہوئے ولی اللہ نظر آئیں، جس کے بعد ظاہری طرزِ زندگی کی کوئی بڑی اہمیت نہ رہ جائے۔ خاص کر جبکہ عوام یونہی اُن کے لیے ہر بڑائی ماننے کو تیار ہیں۔

اس سلسلہ کا بس ایک واقعہ یہاں ذکر کر دینا، پورے سلسلے کا اندازہ کر لینے کے لیے شاید کافی ہوگا۔ اور وہ واقعہ اپنے براہ راست علم کا ہے۔ وہ زمانہ میرے والد ماجد کے بریلی (بانس بریلی) میں قیام کا تھا۔ میں (راقم سطور) بھی وہیں تھا۔ ۱۶۔ ۱۷ سال کی عمر تھی۔ ایک جلسہ مسلم لیگ کی طرف سے وہاں کے مشہور موتی پارک میں ہوا۔ جس میں ایک نظم جناح صاحب کی شان میں پڑھی گئی تھی۔ اُس کا ایک مصرع آج تک یاد ہے۔

"تو سیاست کا نبی قانون کا پروردگار"

غلو پسندی کی یہ ذہنی کیفیت اُس زمانے میں تھی۔

---

۴۷ء میں پاکستان بن گیا اور ہندوستان میں اس طرح کی باتوں کا پورا سلسلہ ہی یک لخت ختم ہو گیا۔ بظاہر پاکستان میں اس کی ضرورت نہیں ہونی چاہیئے تھی۔ مگر پاکستان بن جانے کے بعد جب نظام حکومت اور طرز حکومت کا تعین ہونے کے لیے دستور سازی کا سلسلہ شروع ہوا تو جناح صاحب تو اس کے بالکل ابتدائی دور (۱۹۴۸ء) ہی میں دوسرے عالم کے لیے رخصت ہو گئے۔ اور اُن کی جگہ اُن کے معتمد ساتھیوں نے سنبھالی۔ اور دستور سازی کی ابتداء ہوتے ہی خود مسلم لیگ کے طبقۂ علماء اور اہلِ دین پر یہ کھلا کہ یہ جانشینان قائداعظم تو واقعی وہی کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں جو پاکستان کی تحریک سے اختلاف کرنے والے علماء کہتے تھے۔ یعنی یہ کہ وہاں کمال اتاترک والا

اسلام آئے گا، حجازی اسلام نہیں۔ چنانچہ یہاں سے مسلم لیگ کے اندر کے ان دو طبقوں میں بھی صف آرائی شروع ہو گئی۔ اور باہر سے مولانا مودودی کی جماعت اسلامی نے اس موقع کو غنیمت جانا، کہ وہ تحریک پاکستان اور اس کی قیادت کے بارے میں ٹھیک ہی علماء جمعیۃ والی رائے کا اظہار کرتی رہی تھی[1] اس لیے اس کو آسان نہیں تھا کہ پاکستان کے معاملات میں دخل دے، یا دخل دے کر اثر انداز ہو سکے، مگر پاکستان کے حامی دینی طبقے نے یہ رُخ اختیار کر کے اُس کے لیے بھی موقع فراہم کر دیا کہ اُن سے ہم آہنگ ہو کر پاکستانی ارباب اقتدار سے، اپنے نظریۂ اسلام کے مطابق، مکمل سیاسی کشمکش شروع کر سکے اور اپنی اس رائے کا بھی از سر نو اظہار کر سکے جو وہ پاکستان بننے سے پہلے مسلم لیگ کی قیادت کے بارے میں ظاہر کرتی رہی تھی ـــــ یہ وہ نئی صورت حال تھی جس کے تحت پاکستان میں بھی ضرورت پیدا ہو گئی کہ بانئ پاکستان کی شخصیت کے لیے دینی عظمت کا جذبہ بھی عوام میں پیدا کیا جائے۔ اور جس طرح کی باتیں پاکستان بننے سے قبل مسلم لیگ کے مخالف علماء کی دینی تنقید کا توڑ کرنے کے لیے چلائی گئی تھیں اُسی طرح کی اب پھر سے شروع کی جائیں ـــ مع اس اضافے کے کہ جناح صاحب کے لیے ایک مستقل مفکرِ اسلام ہونے کی حیثیت بھی لوگوں کے ذہنوں میں اتاری جائے۔ تاکہ اُن کے جانشین جو کرنا چاہتے ہیں اُسے بنیادی طور

---

[1] واقعہ یہ ہے کہ ۱۹۴۶ء میں اور اس کے بعد ۱۹۴۷ء کے ابتدائی مہینوں میں جبکہ مسٹر محمد علی جناح کی زیر قیادت مسلم لیگ کی تحریک پاکستان نقطۂ عروج پر تھی، مولانا مودودی کا قلم خالص دینی بنیاد پر اُس کے خلاف اسی شدت و طاقت سے چل رہا تھا جس زور و شدت سے انھوں نے جمعیۃ العلماء اور مجلس احرار وغیرہ کے سیاسی مسلک اور طریق کار پر تنقید کی تھی۔ اسی طرح دین کے ساتھ مسلم لیگ کی قیادت کے تعلق کے موضوع پر جس طرح کی باتیں علماء جمعیۃ وغیرہ کی طرف سے تقریروں اور تحریروں میں کہی اور لکھی جاتی تھیں، مولانا مودودی بھی اپنے خاص انداز میں اسی طرح کی چیزیں لکھتے تھے، بلکہ ان کی یہ تنقیدی تحریریں زیادہ مدلل اور زیادہ طاقتور ہوتی تھیں ـــ حیرت ہے کہ جماعت اسلامی پاکستان کے بعض صف اول کے حضرات بھی اپنے بیانات میں اب اس سے انکار کر دیتے ہیں ـــ مولانا مودودی کے وہ مضامین ۱۹۴۶ء و ۱۹۴۷ء کے "ترجمان القرآن" کے فائلوں میں دیکھے جا سکتے ہیں۔

پر بانیٔ پاکستان کے فکرِ اسلام کی سند حاصل ہو جائے۔ اور ان کو پیش آجانے والی مشکل میں کمی ہو! اور یہ مشکل چونکہ آج تک ختم نہیں ہوئی، اسلام کی تعبیر کے بارے میں کش مکش کا سلسلہ بدستور وہاں جاری ہے اس لیے اس کے مقابلے کی کوشش کا یہ سلسلہ برابر چل رہا ہے۔

---

ہندوستان میں تو کم ہی لوگوں کو اس بات کے مواقع حاصل ہیں کہ پاکستانی لٹریچر اور خاص طور پر اخبارات میں اس طرح کی تحقیقات یا تفنّنات نظر سے گزریں۔ لیکن گزشتہ سات سال سے، جب سے کہ نوشتۂ تقدیر نے انگلستان میں لا ڈالا ہے، اس طرح کی چیزوں کو دیکھنے کا تقریباً اتنا ہی موقع حاصل ہے جتنا پاکستان کے کسی باشندے کو حاصل ہوگا۔۔۔۔ اور اس کے برعکس ہندوستانیات کا معاملہ وہ ہوگیا ہے جو وہاں رہتے ہوئے پاکستانیات کا تھا ۔۔۔۔ یہاں اردو کی تمام صحافت پاکستانی صحافت ہے۔ دسیوں ہفتہ وار اخباروں اور ماہناموں کے علاوہ روزنامہ جنگ کراچی کا ایک ایڈیشن بھی لندن سے نکلتا ہے۔ اور ابھی ابھی نوائے وقت لاہور کی بھی شروعات ہوئی ہے۔ ان میں سے بہت سوں میں آئے دن اس طرح کے مضامین یا کالمی نگارشات اور پاکستانی لیڈروں اور دانشوروں کی تقریریں وغیرہ دیکھنے کو ملتی ہیں۔ اور جو رُخ اور رفتار ہے اُس سے گمان ہوتا ہے کہ شاید تھوڑے ہی دن جاتے ہیں جو ہم دیکھیں گے کہ "حضرت قائدِ اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا عرس شریف" ہونے کو جارہا ہے!

پاکستانی پارلیمنٹ کی آج سے چھ سال پہلے کی ایک تقریر کا جو طویل اقتباس آپ نے اوپر پڑھا ہے اُس کے بعد آپ کو کبھی یقیناً شبہ نہ ہونا چاہیے کہ یہ گمان کوئی خواہ مخواہ کا مبالغہ ہے۔ تقریر آپ نے پڑھ لی ہے۔ اب اس کا عنوان بھی پڑھ لیجیے اور مزید اندازہ کر لیجیے:

"بانیٔ پاکستان قائدِ اعظم محمد علی جناح کے حضور ایک خراجِ عقیدت"

---

ہم اوپر کہہ چکے ہیں کہ بانیٔ پاکستان کے متجدّدانہ فکرِ اسلام کی جو ترجمانی یہ تقریر کرتی ہے اور اس فکر کو جس طرح پاکستان پر حکمرانی کا اصل حقدار بتاتی ہے ہمیں اُس کے

بارے میں کچھ کہنا نہیں ہے۔ ہمیں جس چیز سے غرض ہے وہ بانیٔ پاکستان کی شخصیت پر چڑھائے جانے والا دینی تقدس کا رنگ ہے۔ اور اس سے اس لیے غرض ہے کہ یہ جدید مسلم دانش وری کے رُلانے اور ہنسانے والے پہلوؤں میں سے سب سے بڑھا ہوا پہلو، کم از کم ہمارے احساس میں ہے! ہم نہیں جانتے کہ دانشوری اور تعلیم یافتگی کے نام کو اس سے زیادہ رسوا کرنے والی کوئی بات بھی ہو سکتی ہے کہ ایک ایسی شخصیت کو تقدس مآبی کا لباس پہنایا جائے جس نے کبھی ساری عمر اس طرح کی تقدیسات کے لیے کسی وقعت کا بھی اظہار شاید نہیں کیا؟ اور جو کسی اگلے زمانے کی بھی نہیں بلکہ کم و بیش ہم سب کے سامنے کی شخصیت ہے۔!

---

مگر یہاں پہنچ کر خیال آتا ہے کہ یہ جن دانشوروں کا معاملہ ہے انہی کا کیا گلہ کیا جائے؟ جبکہ انہی کی سرزمین پاک پر ان کے مقابل کیمپ میں جو لوگ خود ان تقدیساتی طور طریقوں سے دور بلکہ نفور تھے وہ خود اپنی سیاسی کش مکش میں اسی حربے کو اپنانے پر مجبور ہو گئے ہیں۔ جماعت اسلامی کو کون وہ شخص جس نے مولانا مودودی کا لٹریچر پڑھا ہے، نہیں جانتا کہ اسے ان تقدیسات سے کیسا بیر تھا؟ اور وہ اسے اُمّت کے اصل اسلامی مزاج کی تباہی میں کتنا بڑا حصہ دار سمجھتی تھی؟ ——— لٹریچر سے مثالوں کی ضرورت بھی نہیں کہ وہ ہر خواہش مند کی دسترس میں ہے۔ اور یہاں اسی طول طُمل کی گنجائش بھی نہیں۔ تاہم ایک چھوٹی سی قولی مثال دی جاتی ہے، جو ہمارے اس بیان کی ہاتھ کے ہاتھ تصدیق کر دے اور جماعت اور اُس کے بانی کا پورا مزاج ایک جملے کے اندر سامنے رکھ دے۔

ایک دوست جو مولانا سے بڑا اعتقاد رکھتے تھے۔ اور شاید آج بھی رکھتے ہیں، ۵۵ء یا اس کے آس پاس کسی سال میں (ہندوستان سے) پاکستان کے ایک سفر پر گئے، مولانا کی خدمت میں لاہور بھی حاضر ہوئے۔ سگریٹ کے بہت زیادہ عادی ہیں۔ مولانا کی صحبت ہی میں اس کی طلب نے ستایا تو ازراہِ ادب مولانا سے طالبِ اجازت ہوئے کہ سگریٹ پی سکتا ہوں؟ جواب نقل کرتے تھے، کہ مولانا نے فرمایا "کیوں نہیں، کیا آپ نے مجھے پیر سمجھ رکھا ہے؟"

انہی مولانا مودودی نے جب (غالباً) ۵۸ء کے اُس مجوزہ الکشن کے لیے ملک کے دورے شروع کیے جس کی بساط عین وقت پر جنرل اسکندر مرزا اور ایوب خاں کے مارشل لا نے آکر لپیٹ دی، تو جماعت کے پرچوں میں اُن دوروں کی روداد کے سلسلے میں بعض ایسے واقعات بھی بڑی قدر و منزلت اور مسرت کے ساتھ نقل کیے گئے ملتے تھے کہ مثلاً فلاں جگہ دور دراز کے دیہات سے لوگ مولانا کی آمد سن کر بڑے اشتیاق کے ساتھ آئے۔ مگر اس وقت مولانا آرام کے لیے سوئے ہوئے تھے۔ اور ان زائرین کا اشتیاق بے تاب تھا کیونکہ (شاید) زیادہ رُک نہیں سکتے تھے۔ تو انھیں ذرا سا دروازہ کھول کر ایک جھلک دیکھنے کا موقع دیدیا گیا۔ جس پر بعض بوڑھے دیہاتیوں کے منہ سے بے ساختہ نکلا کہ "کیا نور صورت پر ہے! سید ہیں نا!"

یہ ابتدا تھی۔ مولانا اس کے بعد ایک لمبا عرصہ گزار کر انتقال فرما گئے۔ اور بس اُس کے بعد ہم دیکھ رہے ہیں کہ "مولانا مودودی" کی جگہ "سید مودودی" کے لفظ کو رواج دیا جا رہا ہے۔ اور یہاں کبھی یار لوگ "بُت شکن" کو "بُت" بنا کر چھوڑنے کی فکر میں ہیں! اور اس "متصوفانہ" زبان اور طور مذاق کو رواج دیتے ہوئے انھیں بالکل یاد نہیں آرہا کہ شیخ مجدد الف ثانی اور حضرت شاہ ولی اللہ اور حضرت سید احمد شہید وغیرہ کے تجدیدی کارناموں پر تبصرہ کرتے ہوئے مولانا مودودی کو جو سب سے بڑی چوک اُن کے کام میں نظر آئی تھی۔ وہ یہ تھی کہ "انھوں نے پھر وہی غذا (تصوف کی) مریض مسلم معاشرے کو دیدی جس سے مکمل پرہیز کرانے کی ضرورت تھی"۔ یہ کیوں؟ اور کس لیے؟ — یقیناً صرف اس لیے کہ اوپر کے جیسے واقعات نے بتا دیا کہ "سید مودودی" میں (خاصکر پاکستان میں) "مولانا مودودی" کے مقابلے میں عوام کے لیے بڑی کشش ہے۔ اس کشش سے مولانا کی پسماندہ جماعت کے لیے عوام میں ایک مستقل کشش اور اپیل رکھی جا سکتی ہے!

اور اب یاد آیا کہ، یہ تو مولانا کے بعد کی بات ہے۔ خود مولانا کی اپنی زندگی میں، اور خود انھی کے زیر اہتمام جو غلاف کعبہ پاکستان میں تیار ہوا تھا، اس کی باقاعدہ شہر شہر نمائش اور زیارت کے لیے اسپشل ٹرین کا انتظام ہوا۔ اور مسلم پبلک جس طرح اس پر جگہ

ٹوٹی، اس کی دل کھول کے اور قلم توڑ کے پبلسٹی (تشہیر) جماعت کے پرچوں نے کی۔ اور خود مولانا کو نہ اہتمام نمائش کے وقت خیال آیا کہ وہ یہ کیا غضب ضعیف الاعتقادی اور حدود ناشناسی کے مریض مسلم معاشرے کے حق میں کر رہے ہیں! اور نہ ہی اس نمائش کی رپورٹنگ اپنے ہی پرچوں میں پڑھ کر اُن کا کرنا: سمجھا وا سامنے آیا کہ مجھ سے وہ غلطی ہو گئی جس سے میری اب تک کی ساری اصلاحی تشخیص اور تجویز پر خط تنسیخ پھر گیا! مجدد الف ثانی اور شاہ ولی اللہ نے تو صرف ایسی غذا دیدینے کی "غلطی" کی تھی جو آگے چل کر مضرت کا باعث ہو سکتی تھی، یا ہو جانے والی تھی۔ مگر مولانا نے اُس غذا کا دستر خوان سجا کر دروازے پھرایا، جس کی حلت اور استحسان کے قائل صرف وہ اہل بدعت ہو سکتے ہیں جو مزاروں پر چڑھائی جانے والی چادروں کا جلوس لیکر نکلتے ہیں اور اس میں عقیدت مندانہ شرکت کو کار ثواب سمجھتے اور صلائے عام دیتے ہیں!——مولانا کی اس لغزش کی کوئی قابل قبول توجیہ اس کے سوا نہیں ہو سکتی کہ الیکشنی سیاست کی ضرورت میں عوام گشتی (یا عوامی مقبولیت حاصل کرنے) کے تقاضے نے مولانا کو مغلوب کر لیا۔ ورنہ یہ کوئی ایسا معاملہ نہ تھا کہ مولانا کے اسے نہ سمجھ سکنے کا ایک لمحے کے لیے بھی تصور کیا جا سکے۔

الختصر "اب کسے رہنما کرے کوئی؟" کہ آج کی سیاست میں در آئی، خواہ دکھاوے کے اسلام کے ساتھ ہو یا سچ مچ ارادے والے اسلام کے ساتھ ہو۔ دونوں کے حال میں، تھوڑی دور چلنے کے بعد، کچھ زیادہ فرق نہیں رہنے پاتا۔ اس "کافرادا کا غمزۂ خونریز" رندوں کو تو جہاں پہنچاتا ہے وہاں پہنچاتا ہے، "اللہ والوں" کی بھی "متاع دانش" ہی نہیں "متاع دین" تک اس کے ہاتھوں لُٹ کر رہتی ہے۔ اِلّا مَا رَحِمَ رَبُّكَ!

غلط فہمی نہو۔ سیاست میں در آئی کی مخالفت مقصود نہیں۔ بس اتنا مقصود ہے کہ جن دینی اصولوں کا نام لیکر اُترئیے کم از کم اُن پر آنچ نہ آنے دیجیے۔ ورنہ پھر کسی بھی دین والے کا منہ نہیں رہتا کہ اُن لوگوں کو دین کے ساتھ مذاق یا بے رحمی پر ٹوکے جو از راہ ضرورت دین کا نام اس راہ میں لینے لگتے ہیں! اور یہی معاملہ دامن گیر ہو گیا کہ ہم جماعت اسلامی کا قصہ اس گفتگو میں لے آئے، ورنہ بات تو اُن کی تھی جو خالص

سیاسی ضرورتوں کے لیے یہاں تک غضب ڈھاتے ہیں کہ یکسر غیر دینی شخصیتوں کو دینی فضائل دیتے دیتے پیغمبران اولوالعزم کے دوش بدوش لا بٹھاتے ہیں۔

اور کہنا یہ مقصود تھا کہ یہ مصنوعی شخصیت سازی ایک طرف تو ذہن و فکر کا نہ صرف اچھا استعمال نہیں بلکہ شدہ شدہ ایک مستقل ذہنی کجروی اس سے جڑ پکڑ لیتی ہے۔ اور دوسری خرابی، جو خاص طور سے جناح صاحب کے سلسلے میں پاکستانی دانشوروں کے اس رویّہ سے خود پاکستان اور پاکستانی قوم کے حق میں پیدا ہوئی ہے وہ ایک ذہنی جبر کی فضا ہے کہ کوئی آدمی جناح صاحب اور اُن کے تاریخی کارنامے (تخلیق پاکستان) کے بارے میں آزادانہ ذہن سے اظہار رائے نہیں کر سکتا اور پاکستان کا "اونٹ" جو آج تک کسی صحیح کروٹ پر نہیں بیٹھ پاتا، اس کے اسباب کا سراغ لگانے کے سلسلے میں کسی کو یہ دیکھنے کی گویا اجازت نہیں ہے کہ اس کی تعمیر ہی میں تو خرابی کی کوئی صورت مضمر نہیں تھی؟ —— کیونکہ اس سے بانی پاکستان کی شان میں حرف بھی آسکتا ہے! —— حالانکہ اس معاملے میں غور و فکر کا یہ ایک بالکل طبعی میدان ہے۔ اور اس میدان میں فکر آزمائی کو ممنوع بنا دینا پاکستان اور پاکستانی قوم کے سوا کسی اور کا نقصان نہیں۔

درس قرآن
محمد منظور نعمانی

# سُوْرَةُ الْمَاعُوْنَ

أَعُوذُ بِاللهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ

أَرَءَيْتَ الَّذِي يُكَذِّبُ بِالدِّينِ ۝ فَذٰلِكَ الَّذِي يَدُعُّ الْيَتِيمَ ۝ وَلَا يَحُضُّ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِينِ ۝ فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّينَ ۝ الَّذِينَ هُمْ عَن صَلَاتِهِمْ سَاهُونَ ۝ الَّذِينَ هُمْ يُرَاءُونَ ۝ وَيَمْنَعُونَ الْمَاعُونَ ۝

کیا تم نے اس کو دیکھا جو روز جزا کی تکذیب کرتا (جھٹلاتا) ہے۔ تو یہ وہی ہے جو یتیم کو دھکّے دیتا ہے۔ اور مسکین (محتاج) کو کھانا دینے کی ترغیب (بھی) نہیں دیتا۔ تو بڑا خراب انجام ہے ان نمازیوں کا جو اپنی نمازوں سے غافل ہیں۔ جو ریا کاری کرتے ہیں۔ اور ماعون (زکوٰۃ) تک نہیں دیتے ہیں۔

(سورۂ ماعون)

(تشریح) اس سے پہلی دو سورتوں (الفیل اور القریش) میں قریش مکہ پر ہونے والے اللہ تعالیٰ کے بعض غیر معمولی انعامات و احسانات کا ذکر فرما کر اُن سے کہا گیا تھا کہ وہ ان انعامات کے شکر میں اُس کعبہ کے رب کی عبادت کرتے رہیں جس کے طفیل میں اُن پر ربِ کعبہ کے یہ انعامات و احسانات ہوئے اور ہو رہے ہیں ——

اور ظاہر ہے کہ اللہ کی عبادت میں سب سے پہلا درجہ نماز کا اور راہ خدا میں یتیموں اور مسکینوں وغیرہ اہل حاجت پر خرچ کرنے کا ہے جس کا اصطلاحی عنوان زکوٰۃ ہے

تو قریش مکہ کے لیے خصوصیت سے لازم تھا کہ وہ اِن خداوندی انعامات کے شکر میں اہتمام سے نماز ادا کرتے اور اس کی دی ہوئی دولت اس کے غریب و محتاج بندوں پر خرچ کرتے اور اُن کے ساتھ ترحّم کا برتاؤ کرتے۔ سورۃ الفیل اور سورۃ القریش کے مضمون کا یہ تقاضا تھا اور اُن کے جدِ اعلیٰ حضرت ابراہیم و اسماعیل کی اپنی ذریت اور نسل کو یہ وصیت بھی تھی۔

اب اس سورۂ ماعون میں بظاہر قریش ہی میں کے ایسے بدبختوں کا کردار بیان کیا جارہا ہے جنکو اللہ تعالیٰ نے دنیوی نعمتیں عطا فرمائی تھیں لیکن چونکہ وہ آخرت کی جزا سزا اور نیک و بد اعمال کے ثواب و عذاب پر ایمان نہیں رکھتے تھے بلکہ انکار و تکذیب کرتے تھے اس وجہ سے وہ بجائے اللہ تعالیٰ کے شکر اور اس کی عبادت اور اس کے محتاج بندوں کی خدمت و اعانت کے۔ اس کے بالکل برعکس شیطنت اور قساوت کا انتہائی بدبختانہ رویہ اختیار کیے ہوئے تھے ــــ یہ بدبخت کافر و منکر ہونے کے علاوہ ننگ انسانیت بھی تھے۔ انہی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اس سورۂ ماعون میں فرمایا گیا ہے۔

اَرَءَيْتَ الَّذِي يُكَذِّبُ بِالدِّيْنِ ۝ فَذٰلِكَ الَّذِي يَدُعُّ الْيَتِيْمَ ۝ وَلَا يَحُضُّ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ ۝ ــــ مطلب یہ ہے کہ کیا تم نے اس بدبخت کو یا ایسے بدبختوں کو دیکھا ہے ــــ یعنی یقیناً دیکھا ہے ــــ جن کا حال یہ ہے کہ وہ آخرت کی جزا سزا کے منکر اور اس کی تکذیب کرتے ہیں، یہی وہ ہیں جو لاوارث یتیموں کو بھی (جنکے ساتھ حسن سلوک اور ان کو کھلانا پلانا علاوہ حکم خداوندی اور نیکی ہونے کے انسانیت کا بھی تقاضا ہے، یہ بدبخت سنگدل اُن کو بھی) دھکّے دیتے ہیں۔ اور مسکینوں محتاجوں کو خود تو کیا کھلاتے پلاتے، دوسروں کو بھی اس کی ترغیب نہیں دیتے، ان کے لیے کلمۂ خیر کہنے میں بھی بخل کرتے ہیں۔ تم نے دیکھا یہ کیسے شقی اور قسیّ القلب ہیں ــــ اس میں ان لوگوں کے لیے جو اللہ پر، آخرت کی جزا سزا پر، اور قرآن پر ایمان رکھتے ہیں سبق ہے کہ وہ اس کافرانہ اور خلاف انسانیت کردار سے اپنی حفاظت کرتے رہیں۔ وہ یتیموں

مسکینوں کی دستگیری اور اعانت کریں اور ان کے ساتھ اکرام کا برتاؤ کریں۔ سورۂ فجر میں فرمایا گیا ہے کَلَّا بَلْ لَا تُکْرِمُوْنَ الْیَتِیْمَ ۝ وَلَا تَحٰٓضُّوْنَ عَلٰی طَعَامِ الْمِسْکِیْنِ ۝ (تم وہ مجرم ہو جو یتیموں کے ساتھ حسنِ سلوک نہیں کرتے اور محتاجوں مسکینوں کو کھلانے کی ترغیب بھی نہیں دیتے) ـــــ آگے ان مسلمانوں کو برے انجام کی آگاہی دی گئی ہے جن کا رویہ اس کے خلاف ہو جو نماز کی ادائیگی میں بھی غفلت کریں یا ریاکارانہ عبادت کریں۔ اور زکوٰۃ ادا نہ کریں یعنی محتاجوں مسکینوں کی امداد و اعانت میں بخل کریں۔ فرمایا گیا ہے ـــــ "فَوَیْلٌ لِّلْمُصَلِّیْنَ الَّذِیْنَ هُمْ عَنْ صَلٰوتِهِمْ سَاهُوْنَ ۝ الَّذِیْنَ هُمْ یُرَآءُوْنَ ۝ وَیَمْنَعُوْنَ الْمَاعُوْنَ ۝" مطلب یہ ہے کہ ایسے نمازیوں کے لیے بڑی خرابی ہے اور ان کا بہت برا انجام ہونے والا ہے جو اپنی نمازوں سے غفلت برتتے ہیں، نہیں پڑھتے یا کبھی پڑھتے اور کبھی نہیں پڑھتے ہیں۔ اور اگر نماز یا کوئی بھی نیک کام کرتے ہیں تو اللہ کے حکم کی تعمیل اور اس کی رضا جوئی کے مخلصانہ جذبے سے نہیں کرتے بلکہ ریاکارانہ طور پر لوگوں کے دکھاوے کے لیے کرتے ہیں، اور ماعون نہیں دیتے ـــــ بعض اکابر صحابہ اور تابعین نے ماعون کی تفسیر زکوٰۃ سے کی ہے اس بنا پر یَمْنَعُوْنَ الْمَاعُوْنَ ۝ کا مطلب یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے مال و دولت میں غریبوں محتاجوں کا جو حق مقرر کیا ہے وہ ادا نہیں کرتے ـــــ یہاں یہ بات قابل لحاظ ہے کہ یہ سورت مکی ہے یعنی ہجرت سے پہلے نازل ہوئی ہے۔ اور ہجرت سے پہلے جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قیام مکہ معظمہ ہی میں تھا نماز کی طرح زکوٰۃ کا حکم تو تھا لیکن اس کی مقدار کا تعین کہ مال کا چالیسواں حصہ ادا کیا جائے اور اس سلسلہ کے تفصیلی احکام ہجرت کے بعد آئے ہجرت سے پہلے زکوٰۃ کا مطلب بس یہ تھا کہ اپنی کمائی سے غریبوں محتاجوں ضرورتمندوں کی خدمت اور مدد کی جائے تو "ماعون" سے یہی مراد ہوگا ـــــ

سورت کی ابتدائی تین آیتوں میں اُن بدبختوں کے گھناؤنے کردار کا حقارت و نفرت کے انداز میں ذکر کیا گیا تھا جو آخرت میں اعمال کی جزا سزا اور ثواب و عذاب

کے منکر و مکذّب ہیں اور اسی وجہ سے وہ ایسے سنگدل ہیں کہ لاوارث یتیموں کو دھکے دیتے ہیں اور مسکینوں محتاجوں کے ساتھ ان کو ذرا بھی ہمدردی نہیں ہے، وہ دوسروں کو بھی ان کی مدد اور خبرگیری کی طرف توجہ نہیں دلاتے —— اور اس کے بعد کی آیتوں میں اسلام کے دائرہ میں آجانے والوں کو "حدیث دیگراں" کے انداز میں آگاہی دی گئی ہے کہ وہ اپنا رویہ درست رکھیں نماز کے بارے میں غفلت نہ برتیں۔ پورے اہتمام سے نماز ادا کریں اور ان کی نماز اور ہر نیک عمل خالص اللہ ہی کے لیے اُس کے حکم کی تعمیل اور اس کی رضا جوئی کی نیت سے ہو ریا کاری کا شائبہ بھی نہ ہو، اور ماعون یعنی غریبوں محتاجوں کا حق دینے میں کوتاہی نہ کریں بخل سے کام نہ لیں —— اگر وہ اِن جرائم کا ارتکاب کریں گے تو اُن کا انجام بہت برا ہوگا، اُن کے لیے بڑی تباہی اور ہلاکت ہوگی یعنی آخرت میں ان کو سخت عذاب بھگتنا ہوگا —— "وَیل" کا مطلب یہاں برا انجام اور آخرت کا عذاب ہے۔

بعض حضرات نے اس سورت کی اِن آخری آیتوں (فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّينَ سے يَمْنَعُونَ الْمَاعُونَ تک) کا مصداق بھی قریش اور مکہ کے اُن ہی مکذّبین مشرکین کو قرار دیا ہے جنکی بدکرداری اور قساوت قلبی کا ذکر اوپر کی آیتوں میں کیا گیا ہے —— اُن کا کہنا ہے کہ یہاں "فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّينَ الَّذِينَ هُمْ عَن صَلَاتِهِمْ سَاهُونَ" میں صلوٰۃ سے مراد مسلمانوں کی نماز نہیں ہے۔ بلکہ مکّہ کے مشرکین بھی جس طرح حج اور عمرہ کرتے تھے، بیت اللہ کا طواف کرتے تھے، قربانی کرتے تھے اور اِن سب کو ملت ابراہیمی کی عبادات سمجھتے تھے، اسی طرح وہ اپنے طریقہ پر نماز بھی پڑھتے تھے۔ لیکن ان سب اعمال کو انھوں نے مسخ کرکے لہو و لعب بنا رکھا تھا اور شرک سے ملوث کر رکھا تھا۔ قرآن مجید میں بھی اُن کی اس نماز کا ذکر اِن الفاظ میں فرمایا گیا ہے "وَمَا كَانَ صَلَاتُهُمْ عِندَ الْبَيْتِ إِلَّا مُكَاءً وَتَصْدِيَةً" (سورۃ الانفال) مطلب یہ ہے کہ بیت اللہ کے پاس ان مشرکوں کی نماز بس یہ تھی کہ منھ سے سیٹی اور ہاتھوں سے تالیاں بجاتے تھے۔ —— تو اس دوسری تفسیر کی بنا پر سورت کی ان آخری آیتوں کا مطلب یہ ہوگا کہ

بہت برا انجام ہونے والا ہے ان لوگوں کا اور بڑی تباہی اور ہلاکت آنے والی اُن پر جو اپنی نمازوں کی اصل حقیقت سے غافل ہیں، اور نماز کے نام سے سیٹیاں اور تالیاں بجاتے اور کھیل تماشا کرتے ہیں، اور یہ بھی اللہ کے لیے نہیں بلکہ عوام کو یہ دکھانے کے لیے کرتے ہیں کہ ہم ابراہیمی ملت کے عبادت گذار ہیں۔ اور ان کا دوسرا مجرمانہ کردار یہ ہے کہ وہ انتہائی درجہ کے بخیل ہیں" ماعون" دینے میں بھی بخل کرتے ہیں۔ لغت میں ماعون کے معنی ہیں روزمرہ کی ضروریات میں استعمال کی معمولی چیزیں، جو ہر شریف آدمی ضرورت کے وقت استعمال کے لیے اہلِ ضرورت کو عاریۃً دے دیتا ہے، یہ بخالت اور کنجوسی کا انتہائی درجہ ہے کہ صرف استعمال کے لیے ان چیزوں کے دینے میں بھی بخل کیا جائے۔

بہرحال ان آیتوں کی جو بھی تفسیر کی جائے، اس سورت میں اس کردار کی سخت مذمت کی گئی ہے اور اس کو قابلِ نفرت اور موجبِ ہلاکت بتلایا گیا ہے کہ یتیموں مسکینوں محتاجوں کے ساتھ بے دردی اور بے رحمی کا برتاؤ کیا جائے۔ نماز کے بارے میں غفلت اور بے پروائی برتی جائے، اور اگر ادا کی جائے تو ریاکارانہ طور پر ادا کی جائے اور اہلِ ضرورت کو استعمال کے لیے معمولی چیزیں منگنی کے طور پر دینے میں بھی بخل کیا جائے۔ مشرکینِ مکہ میں سے جو لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی دعوتِ اسلام کے سخت ترین دشمن تھے جیسے ابولہب ان کا یہی کردار تھا۔ اس سورت میں آگاہی دی گئی ہے کہ ان کا انجام بہت برا ہونے والا ہے اور بڑی ہلاکت اور تباہی اُن کا مقدر بن چکی ہے، ان کو سخت ترین عذاب بھگتنا ہوگا ——————

اس سورۂ ماعون کے بعد چھوٹی سی سورت "الکوثر" ہے مضمون کے لحاظ سے اُس کا اس سورۂ ماعون سے بہت گہرا تعلق ہے۔

## سُوْرَۃُ الْکَوْثَر

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْم　　بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اِنَّآ اَعْطَیْنٰکَ الْکَوْثَرَ ۝ فَصَلِّ لِرَبِّکَ وَانْحَرْ ۝ اِنَّ

إِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْأَبْتَرُ ﴿۳﴾

ہم نے تم کو عطا کیا کوثر ــــ تو اپنے رب ہی کی نماز پڑھو اور قربانی کرو ــــ تمہارا دشمن ہی بے نام ونشان ہونے والا ہے۔ (سورۂ کوثر)

(تشریح) جیسا کہ ابھی ذکر کیا جا چکا ہے سورۃ الفیل اور سورۃ القریش میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے قریش مکہ پر ہونے والے عظیم انعامات کا ذکر فرمایا گیا تھا اور آخر میں فرمایا گیا تھا کہ ان کو چاہیے کہ وہ رب کعبہ کے ان انعامات و احسانات کے شکر میں اس کی عبادت کریں ــــ (فَلْيَعْبُدُوا رَبَّ هَٰذَا الْبَيْتِ۔ الآیۃ) اس کے بعد سورۃ الماعون میں بتلایا گیا کہ ان ظالموں نے بجائے شکر و عبادت کے انتہائی ذلیل درجہ کے کفران کا رویہ اختیار کیا۔ آخرت کی جزا سزا کی تکذیب کی، جس کا مطلب یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی صفت عدل اور شان حاکمیت کا انکار کیا اور اس کے کمزور بندوں یتیموں مسکینوں کے ساتھ قساوت، بے دردی اور بے رحمی کا درندوں والا برتاؤ کیا ــــ آگے فرمایا گیا کہ ان لوگوں کے لیے بڑی خرابی اور ہلاکت و تباہی ہے جو نماز کے بارے میں غفلت اور کوتاہی کرتے ہیں اور نماز یا کوئی بھی نیک کام کرتے ہیں تو اللہ کے لیے اور آخرت کے ثواب کی امید میں نہیں، بلکہ ریا کارانہ طور پر کرتے ہیں۔ اور جو ماعون کے دینے میں بھی بخل کرتے ہیں۔

اب اس سورۂ کوثر میں اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اپنے ایک عظیم انعام و احسان کا ذکر فرما کر آپ کو حکم دیا ہے کہ اس کے شکر میں آپ اپنے محسن رب کے حضور میں نماز ادا کریں اور اسی کے لیے قربانی کریں۔ فرمایا گیا ہے "إِنَّا أَعْطَيْنَاكَ الْكَوْثَرَ" ہم نے آپ کو کوثر بخشدیا۔ امام بخاری نے اس کی تفسیر میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ کوثر سے مراد وہ خیر کثیر ہے جو اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا فرمائی ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے دنیا اور آخرت کی جو بھی نعمت اور خیر اور بھلائی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا ہوئی ہے کوثر کا لفظ اس سب کو حاوی ہے، اس میں آخرت اور جنت کا وہ حوض کوثر اور نہر کوثر بھی شامل ہے جن کا ذکر حدیثوں میں آیا ہے۔ روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حوض کوثر محشر میں ہوگا اور نہر کوثر جنت میں ہے، علماء نے یہ سمجھا ہے

کہ کوثر کا اصل چشمہ اور نہر جنت میں ہے اور اسی کا پانی محشر کے حوض کوثر میں آتا رہے گا۔
بہرحال حضرت ابن عباس کی اس تفسیر کی بنا پر حوض کوثر اور نہر کوثر بھی کوثر کے وسیع مفہوم میں شامل ہیں۔ اُن کے علاوہ نبوت، رسالت، ہدایت، قرآن پاک اور حکمت اور اعلاء کلمۃ اللہ اور جہاد فی سبیل اللہ کی توفیق، اور اُن کے نتیجہ میں اللہ کی مرضی کے مطابق نظام حکومت کا قیام اور خاص کر بلد اللہ الحرام مکہ مکرمہ پر اقتدار اور بیت اللہ کی تولیت اور بتوں کی نجاست سے اُس کی تطہیر، اور وہ امت جس میں لاتعداد صدیقین اور شہداء اور صالحین اور اولیاء اللہ ہوئے ہیں اور قیامت تک ہوں گے، اور پھر آخرت میں مقام محمود اور شفاعت کبریٰ یہ سب ہی چیزیں حضرت عبداللہ بن عباس کی تفسیر کے مطابق کوثر کے مفہوم میں شامل ہیں — اور یہ بات بھی قابل لحاظ ہے کہ یہ سورت مکی ہے، ہجرت سے پہلے نازل ہوئی ہے، اس میں "اِنَّا اَعْطَیْنٰكَ الْكَوْثَرَ" فرما کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مکہ مکرمہ کی مظلومانہ زندگی ہی میں اُن سب نعمتوں کی بشارت دی گئی ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ کے لیے دنیا یا آخرت میں مقدر ہو چکی ہیں۔ اس طرح یہ فتح مکہ اور اسلام کے غلبہ کی پیشینگوئی بھی ہے۔

بہرحال سورت کی اس پہلی آیت کا مطلب یہ ہے کہ ہم نے آپ کو خیر کثیر بخشدیا، آگے فرمایا گیا ہے "فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ" مطلب یہ ہے کہ آپ اس انعام و احسان کا شکر اس طرح ادا کریں کہ کامل اخلاص کے ساتھ اپنے خداوند کے حضور نماز ادا کیا کریں اور اُسی کے لیے قربانی کیا کریں۔ "نحر" عربی زبان میں زیادہ تر اونٹ کی قربانی کے لیے استعمال ہوتا ہے، لیکن دوسرے جانوروں کی قربانی کے لیے بھی بولا جاتا ہے — یہاں نماز کے ساتھ عبادات میں سے قربانی کا ذکر کیا گیا ہے، شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ مشرکین اپنے بتوں اور معبودان باطل کے لیے قربانی والی عبادت زیادہ کرتے تھے، اس لیے صرف اللہ کے لیے قربانی اُن کے اس شرک کے خلاف عملی جہاد بھی تھا — اور ہجرت سے پہلے جب تک زکوٰۃ کے تفصیلی احکام نہیں آئے تھے اور اس کا نصاب بھی مقرر نہیں کیا گیا تھا، تو اس وقت زکوٰۃ کا مطلب صرف یہی تھا کہ اپنی کمائی سے غریبوں پر بھی خرچ کیا جائے، ان کو کھلایا پلایا جائے۔ اس طرح مکی دور میں قربانی بھی زکوٰۃ کے وسیع مفہوم کے تحت آجاتی تھی — الغرض اس آیت میں رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم کو حکم دیا گیا کہ اللہ تعالیٰ کے اس عظیم انعام کے شکر میں کہ اُس نے آپ کو کوثر بخشدیا ہے، آپ کامل اخلاص کے ساتھ اُس رب کریم کے حضور میں نماز ادا کیجیے اور اسی کے لیے قربانی کیجیے ـــــ آگے فرمایا گیا ہے "اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ" شَانِئ کا مطلب ہے دشمن، بدخواہ، اور ابتر وہ ہے جس کا نسلی سلسلہ منقطع ہو جائے اور پھر کوئی اس کا نام لیوا نہ رہے۔

روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ مشرکین مکہ میں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض بدطینت دشمن آپ کی نرینہ اولاد نہ ہونے کی وجہ سے کہا کرتے تھے کہ ان کا نسلی سلسلہ منقطع ہے، کوئی لڑکا بیٹا نہیں ہے جس سے آگے ان کا سلسلہ چلے، اس لیے (معاذ اللہ) ان کے بعد کوئی ان کا نام لیوا بھی نہیں رہے گا ـــــ اس سورت میں اللہ کی طرف سے فرمایا گیا۔ کہ ہم نے تو آپ کو کوثر یعنی دنیا اور آخرت کی ساری خیر اور بھلائی بخش دی ہے (جس میں آپ کی دختری اولاد اور روحانی اولاد ساری امت بھی شامل ہے) آپ کو تو ہم نے وہ بخشا ہے جو کسی کو بھی نہیں ملا۔ پھر آپ کا سلسلہ کیسے منقطع ہو سکتا ہے، بلکہ ہماری طرف سے یہ مقدر ہو چکا ہے کہ آپ کے ان دشمنوں بدخواہوں کا سلسلہ بالکل منقطع ہو گا، ان کا کوئی نام لیوا نہ ہو گا۔

ہجرت سے پہلے مکی دور میں جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ سورت نازل ہوئی اور اُس میں واشگاف طور پر یہ اعلان فرمایا گیا کہ "اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ" (کہ آپ کے ان دشمنوں بدخواہوں کا سلسلہ منقطع ہو گا اور ان کا کوئی نام لیوا نہ رہے گا) تو یہ بات بظاہر بالکل قرین قیاس نہیں تھی، آپ کے یہ بدطینت دشمن سب صاحب اولاد تھے۔ اس وقت دنیا میں پھل پھول رہے تھے، لیکن وہی ہوا جس کا اعلان اس آیت میں فرمایا گیا تھا۔ آج ہی نہیں بلکہ صدیوں سے ان کی اولاد اور نسل کا کہیں نام ونشان نہیں۔ ہم کو ان کا نام بھی تفسیری روایتوں ہی سے معلوم ہوتا ہے۔ بلاشبہ یہ قرآن مجید کی ان پیشینگوئیوں میں سے ہے جو قرآن کے کتاب اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بھی برحق ہونے کی روشن دلیلیں ہیں۔

اس سورت میں اگرچہ خطاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا گیا ہے لیکن آپ کے ساتھ یقیناً آپ کی امت کو بھی یہ ہدایت ہے کہ وہ اللہ کی روحانی وجسمانی اور دنیوی ودینی ہر قسم کی نعمتوں کا شکر ادا کرتی رہے۔ خاص طور سے اخلاص کے ساتھ نماز کا اور

قربانی کا اہتمام کرے۔ اس کے ساتھ یہ بھی اشارہ ہے کہ اگر امت اس پر عامل رہے گی تو اللہ تعالیٰ کی مدد و نصرت اس کو دنیا میں بھی حاصل رہے گی "ان شانئك هو الابتر" کا ظہور ہوگا، اس کے دشمن اور بدخواہ ناکام رہیں گے۔ اللہ تعالیٰ اس پر یقین اور عمل کی توفیق دے۔

اس سورۂ کوثر میں جس طرز عمل کی ہدایت فرمائی گئی ہے وہ اُس کافرانہ کردار کے بالکل برعکس ہے جس کا ذکر اس سے پہلی سورت ماعون میں کیا گیا تھا ــــــ اس کے آگے سورۂ "الکٰفرون" اور اُس کے بعد "سورۂ النصر" ہے ان دونوں سورتوں کا بھی اس مضمون سے خاص تعلق ہے۔ جیسا کہ انشاء اللہ معلوم ہو جائے گا۔

# محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق وعادات

مولانا عتیق الرحمٰن سنبھلی ——— (تیسری اور آخری قسط)

## حیاء وعفت

حیاء کو آپ نے اسلام کے امتیازی اخلاق میں بتایا ہے۔ ہر دین کا کوئی ایک امتیازی خُلق ہوتا ہے اسلام کا امتیازی خلق حیا ہے (مؤطا امام مالک)، اس لیے اس خاص وصف میں چند اشارے مناسب ہیں۔ شمائل ترمذی میں حضرت ابوسعید خدری کا بیان ہے کہ "آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حیاء کے معاملے میں کنواری لڑکیوں سے بھی بڑھے ہوئے تھے"۔ اور یہ حیا صرف جسمانی مفہوم میں نہیں تھی بلکہ اسی حدیث کا اگلا ٹکڑا ہے کہ "اگر آپ کو کسی بات سے ناگواری ہوتی تو (زبان سے کچھ نہ فرماتے بلکہ) ہم اس کو آپ کے چہرے سے بھانپا کرتے تھے"۔ اور حیا کے اسی وسیع مفہوم کی شہادت قرآن نے بھی دی ہے کہ ملاحظہ ہو سورۂ احزاب آیت ۵۳ (اِنَّ ذٰلِکُمْ کَانَ یُؤْذِی النَّبِیَّ فَیَسْتَحْیٖ مِنْکُمْ الخ)

عفت کی بھی اہمیت یہ ہے کہ عام شرافت کے ساتھ بھی اسے پوری طرح نبھانا آسان نہیں۔ شریف انسان پر بھی اس کا نفس غالب آجاتا ہے ——— رسول اکرم کا حال اس معاملہ میں یہ تھا کہ اللہ نے بالکل بچپنا ہی سے آپ کی اُن چیزوں سے بھی حفاظت فرمائی جو عفت کے کسی ادنی تقاضے سے بھی آپ کو ہٹا سکتی تھیں۔ سیرت کی تقریباً سب ہی کتابوں میں آپ کا یہ بیان کہیں تفصیل اور کہیں اجمال سے موجود ہے کہ نو عمری میں میں نے صرف دو دفعہ ہی اہل جاہلیت کی رنگ و رباب کی شبانہ مجلسوں میں شرکت کا ارادہ کیا۔ لیکن اللہ نے دونوں مرتبہ میرے اور ان کے پروگراموں کے درمیان نیند کا پردہ حائل کر دیا۔ اس کے بعد میرے دل میں کبھی ایسی مجلسوں میں شرکت کا ارادہ ہی پیدا نہیں ہوا۔ (طبری)

اسی ضمن کی یہ بات ہے کہ آپ نے کبھی عورتوں سے مصافحہ نہیں کیا۔ (مسند احمد عن ابن عمرؓ) عورتوں سے بیعت اسلام لیتے وقت بھی آپ اُن کے ہاتھ سے اپنا ہاتھ مس نہیں کرتے تھے۔ اور اسی کے اتباع میں آج بھی مشائخ تصوف کا طریقہ بیعت کے وقت اس سے پرہیز ہی کا ہے۔

اور حیا و عفت دونوں ہی کے ضمن کی یہ بات ہے جو ازواج مطہرات (خصوصاً حضرت عائشہ) سے نقل ہوئی ہے کہ آپ کی نظر ہمیشہ شرمگاہ سے بچ کر رہی۔

## اخلاق و عادات نبوی کا جامع بیان

بعض صحابہ سے ایسی روایات بھی کتب حدیث میں منقول ہوئی ہیں جن میں آنحضرت کے اخلاق حسنہ کے عنوانات کا جامع بیان ہے۔ آخر میں ایسی تین روایات ملاحظہ ہوں۔

(۱) حضرت عائشہ فرماتی ہیں" آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کی عادت کسی کو بُرا بھلا کہنے کی نہ تھی برائی کے بدلہ میں برائی نہیں کرتے تھے بلکہ درگذر کرتے تھے اور معاف فرما دیتے تھے[1] آپ کو جب دو باتوں میں اختیار دیا جاتا تو ان میں جو آسان ہوتی اس کو اختیار فرماتے، بشرطیکہ وہ گناہ نہ ہو ورنہ آپ اس سے بہت دور ہوتے، آپ نے کبھی کسی سے اپنے ذاتی معاملہ میں انتقام نہیں لیا، لیکن جو احکام الٰہی کی خلاف ورزی کرتا خدا اس سے انتقام لیتا تھا[2] (یعنی خدا کی طرف سے بموجب احکام ربانی آپ اس پر حد جاری فرماتے تھے) آپ نے کبھی کسی غلام کو، لونڈی کو، کسی عورت کو، جانور کو اپنے ہاتھ سے نہیں مارا، آپ نے کسی کی کوئی درخواست رد نہیں فرمائی، لیکن یہ کہ وہ ناجائز ہو[3]۔ آپ جب گھر کے اندر تشریف لاتے تو نہایت خنداں ہنستے اور مسکراتے ہوئے، دوستوں میں پاؤں پھیلا کر نہیں بیٹھتے تھے[4] باتیں ٹھہر ٹھہر کر اس طرح فرماتے تھے کہ کوئی یاد رکھنا چاہے تو رکھ لے[5]

(۲) حضرت علی رضی اللہ عنہ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تربیت یافتہ تھے آغاز نبوت سے

---

[1] جامع ترمذی و شمائل ترمذی [2] صحیح بخاری و مسلم و ابوداؤد کتاب الادب [3] یہ تفصیل مسلم و ابوداؤد وغیرہ احادیث کی مختلف روایات میں حضرت عائشہ سے مروی ہے۔ [4] حاکم بر سند متصل۔ اس کے بعض ٹکڑے صحیح مسلم میں بھی ہیں۔ [5] ابن سعد [6] صحیح بخاری و مسلم و ابوداؤد۔

آخر عمر تک کم از کم ۲۰ برس آپ کی خدمت اقدس میں رہے تھے۔ ایک دفعہ حضرت امام حسین نے ان سے آپ کے اخلاق و عادات کی نسبت سوال کیا تو آپ نے فرمایا "آپ خندہ جبیں، نرم خو، مہربان طبع تھے۔ سخت مزاج اور تنگ دل نہ تھے بات بات پر شور نہیں کرتے تھے، کوئی برا کلمہ منہ سے کبھی نہیں نکالتے تھے، عیب جو تنگ گیر نہ تھے کوئی ایسی بات ہوتی جو آپ کو ناپسند ہوتی تو اس سے اغماض فرماتے تھے کوئی آپ سے اس کی امید رکھتا تو نہ اس کو مایوس بناتے اور نہ منظوری ظاہر فرماتے تھے یعنی صراحتہً انکار و تردید نہیں کرتے تھے بلکہ خاموش رہتے تھے اور مزاج شناس آپ کے تیور سے آپ کا مقصد سمجھ جاتے تھے۔ اپنے نفس سے آپ نے تین چیزیں بالکل دور کر دی تھیں، بحث و مباحثہ، ضرورت سے زیادہ بات کرنا اور جو بات مطلب کی نہ ہو اس میں پڑنا، دوسروں سے متعلق بھی تین باتوں میں پرہیز کرتے تھے کسی کو برا نہیں کہتے تھے، کسی کی عیب گیری نہیں کرتے تھے، کسی کے اندرونی حالات کی ٹوہ میں نہیں رہتے تھے، وہی باتیں کرتے تھے جن سے کوئی مفید نتیجہ نکل سکتا تھا جب آپ کلام کرتے صحابہ اس طرح خاموش ہو کر اور سر جھکا کر سنتے گویا ان کے سروں پر پرندے بیٹھے ہیں، جب آپ چپ ہو جاتے پھر وہ آپس میں بات چیت کرتے۔ کوئی دوسرا بات کرتا، تو جب تک وہ ختم نہ کر لیتا، چپ سنا کرتے، لوگ جن باتوں پر ہنستے آپ بھی مسکرا دیتے، جن پر لوگ تعجب کرتے، آپ بھی کرتے، کوئی باہر کا آدمی اگر بیباکی سے گفتگو کرتا، تو آپ تحمل فرماتے، دوسروں کے منہ سے اپنی تعریف سننا پسند نہیں کرتے تھے لیکن اگر کوئی آپ کے احسان و انعام کا شکریہ ادا کرتا تو قبول فرماتے، جب تک بولنے والا خود چپ نہ ہو جاتا۔ آپ اس کی بات درمیان سے نہیں کاٹتے تھے[1] نہایت فیاض، نہایت راست گو، نہایت نرم طبع، اور نہایت خوش صحبت تھے۔ اگر کوئی دفعتاً آپ کو دیکھتا تو مرعوب ہو جاتا لیکن جیسے جیسے آشنا ہوتا جاتا آپ سے محبت کرنے لگتا[2]

(۳) ہند ابن ابی ہالہ جو گویا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے آغوش پروردہ تھے وہ بیان کرتے ہیں[3] کہ آپ نرم خو تھے، سخت مزاج نہ تھے کسی کی توہین روا نہیں رکھتے تھے چھوٹی چھوٹی باتوں پر اظہار شکر فرماتے تھے کسی چیز کو برا نہیں کہتے تھے، کھانا جس قسم کا سامنے آتا تناول فرماتے اور اس کو برا بھلا نہ کہتے کوئی اگر کسی امر حق کی مخالفت کرتا تو آپ کو غصہ آجاتا اور اس کی پوری حمایت کرتے لیکن خود اپنے ذاتی معاملہ پر کبھی آپ کو غصہ نہیں آیا اور نہ کسی سے انتقام لیا[4]۔ صلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ محمد و آلہ و صحابہ اجمعین

---

[1] پوری تفصیل شمائل ترمذی بیان اخلاق میں ہے [2] یہ کل شمائل ترمذی بیان حلیہ مبارک میں ہے [3] شمائل ترمذی
[4] اخلاق و عادات کے متعلق یہ جامع بیان سیرۃ النبی ج ۲ صفحہ ۲۹ تا صفحہ ۷۹ سے ماخوذ ہے۔

خلیل الرحمن سجاد ندوی

# تبلیغی کام کے کچھ اہم اصول

یہ ناچیز گذشتہ ماہ جنوری میں ڈھاکہ کے اجتماع میں شریک ہوا تھا، اس سفر میں کلکتہ بھی ۲۔۳ دن رکنا ہوا، وہاں کے مرکز میں تبلیغی کام سے وابستہ کچھ ذمہ دار حضرات کے سامنے تبلیغی دعوت کے اصول سے متعلق کچھ گفتگو کی تھی، جسے بعض رفقائے سفر نے قلم بند کر لیا تھا، ذیل میں اسی گفتگو کے کچھ اہم اجزاء پیش کیے جا رہے ہیں۔

حمد و صلاۃ کے بعد،

محترم بزرگو! بڑوں کا یہ حکم ہوا ہے کہ یہ چھوٹا اپنے بڑوں کے سامنے اور یہ نیا پرانوں کے سامنے اس دعوت کے اصول بیان کرے ــــــ ایسے مواقع جب آتے ہیں تو مجھے وہ واقعہ یاد آجاتا ہے کہ جب امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ بیت المقدس کی فتح کے لیے مدینہ منورہ سے اپنے غلام کے ساتھ روانہ ہوئے تھے ــــــ سواری کا جانور (اونٹ) ایک ہی تھا۔ باری باری اس پر حضرت عمرؓ اور غلام سوار ہوا کرتے تھے ــــــ منزل جب قریب آئی تو اس وقت سوار ہونے کی باری غلام کی تھی اور حضرت عمر کی پیدل چلنے کی، غلام نے حضرت عمر سے عرض کیا کہ، اب اس وقت میرا سوار ہونا مناسب نہیں ہے، منزل قریب آگئی ہے ــــــ مقامی لوگ یہ دیکھ کر کیا محسوس کریں گے کہ آپ تو پیدل چل رہے ہیں اور میں سوار ہوں ــــــ لیکن حضرت عمر نے اسے منظور نہ کیا، اور اس حال میں آپ بستی میں داخل ہوئے کہ خود پیدل چل رہے تھے اور غلام سوار تھا ــــــ تو جس طرح حضرت عمر کے مقام اور عزت میں پیدل چلنے کی وجہ سے کوئی کمی نہ آئی اور غلام کے مرتبہ میں محض سوار ہو جانے کی وجہ سے کچھ بلندی نہ آئی ویسے ہی اگر کوئی چھوٹا بڑوں کے سامنے کسی دینی

مذاکرہ کے لیے بیٹھ جائے تو نہ اس سے بڑوں کی بڑائی میں کوئی کمی آتی ہے اور نہ چھوٹا اس کے نتیجہ میں بڑا بن جاتا ہے۔

محترم بزرگو! اللہ تعالیٰ کا یہ نظام ہے کہ دین کے بارے میں جب تک بندہ اپنے کو ناقص سمجھتا رہتا ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کی ترقی کے فیصلے ہوتے رہتے ہیں۔ لیکن جب کوئی اپنے کو کامل سمجھنے لگتا ہے تو اس کی ترقی بند ہو جاتی ہے بلکہ انحطاط شروع ہو جاتا ہے —— یہ نظام دین کے ہر شعبہ کے بارے میں ہے۔ ایمان و یقین عبادات، اخلاق، ذکر، علم، تفقہ، اخلاص، حکمت غرض کہ تمام امور میں بندہ حقیقۃً اپنے کو ناقص اور ترقی و اصلاح کا محتاج سمجھتا رہے —— کبھی کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ایک انسان جب مکمل غفلت، جہالت اور دین سے بے تعلقی کے ماحول سے نکل کر کچھ دینی اعمال میں لگتا ہے اور اسے اپنے اندر تغیر اور بہتری محسوس ہوتی ہے تو کچھ دن کے بعد وہ اپنی طرف سے مطمئن ہو جاتا ہے۔ اور اپنے کو کامل سمجھنے لگتا ہے —— دراصل یہ شیطان کی ایک نئی چال ہوتی ہے، اس لیے کہ اس طرح اس شخص کے اندر سے تواضع اور ترقی کرنے کا جذبہ اور اپنے محتاج ہونے کا احساس نکل جاتا ہے —— اور اس کی جگہ کبر پیدا ہو جاتا ہے اور اپنے کو مکمل اور دوسروں کو ناقص سمجھنے اور ان کی کمزوریاں تلاش کرنے کی عادت پڑ جاتی ہے جو سیکڑوں بیماریوں کا لازمی سبب اور محرومی کا یقینی ذریعہ ہے۔ شیطان کی اس چال سے بچنے کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو تدبیریں بتائیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ دین کے سلسلہ میں ہمیشہ ان لوگوں کی طرف نگاہ رکھنی چاہیے جن کی عالی مقامی بالکل عیاں ہو —— اسی حکمت سے اس دعوت میں صحابہ کرام کی قربانیوں اور ان کی سیرت کے ہر گوشے کا بار بار مذاکرہ کیا جاتا ہے تاکہ اپنے بارے میں کسی کو خوش فہمی نہ پیدا ہو سکے۔

دین کی دعوت کا کام جس سے اللہ تعالیٰ نے ہمیں آپ کو کسی درجہ کا تعلق نصیب فرما رکھا ہے دراصل بہت بلند اور نازک کام ہے۔ اس کی نزاکتوں کا پورا اندازہ باہر رہ کر ہو ہی نہیں سکتا۔ اس کام کا میدان پوری امت ہے۔ اور امت کے مختلف طبقات ہیں۔

اور ہر طبقہ کا مزاج مختلف ہے۔ اس لیے کام اس انداز سے ہونا چاہیے کہ ہر طبقہ اس سے جڑ سکے ـــــ ورنہ اگر کوئی ایک طبقہ بھی کام سے مانوس نہ ہوا تو پوری امت کا مزاج اسلامی نہیں بن پائے گا اور اس سے باطل کو قوت پہنچے گی ـــــ اسی وجہ سے اہل علم و فہم حضرات اس پر زور دیتے ہیں کہ ہمیں اس کام کی گہرائیوں، نزاکتوں اور اس کے اصول و قواعد کو ہمیشہ سیکھتے رہنا چاہیے۔ ورنہ ہو سکتا ہے کہ ہماری محنت رائیگاں جائے اور خدا نخواستہ ہم جوڑ، محبت اور یگانگت کے بجائے انتشار اور تفرقہ کا سبب بن جائیں۔

اس دعوت کے اصولوں میں سے یہ تین اصول سب سے پہلے سمجھنے اور ہمیشہ برتنے کے ہیں اخلاص، استخلاص، اور عدم استخفاف۔

اخلاص سے مراد یہ ہے کہ ہماری نظر ہمیشہ آخرت کے نتیجہ اور اللہ تعالیٰ کی رضا پر رہے۔ دنیا میں اگر لوگ قدر افزائی یا مدح سرائی کریں تو اس سے ہم مطمئن نہ ہو جائیں، بلکہ یہ فکر رہے کہ معلوم نہیں ہمارا یہ عمل اور ہماری یہ جد و جہد اللہ تبارک و تعالیٰ کے نزدیک قابلِ قبول ہے یا نہیں؟۔ اسی طرح لوگوں کی مذمت اور مخالفت سے ہم ناراض اور بد دل نہ ہوں اور یہ سمجھیں کہ اگر ہمارا اللہ ہم سے راضی ہو جائے تو چاہے پوری مخلوق ناراض ہو جائے ہم کامیاب ہیں۔ غرض یہ کہ لوگوں کی تعریف یا مذمت کا خیال دل سے بالکل نکل جائے اور سو فیصد توجہ اللہ تعالیٰ کی رضا پر لگ جائے۔ اگر اخلاص کی صفت حقیقۃً اندر اتر جائے گی تو اس سے اعمال کی قیمت بہت بڑھ جائے گی۔ دلوں میں انشراح بھی پیدا ہوگا، اور کسی کی طرف سے شکایت نہیں ہوگی ـــــ دعوت کے اس کام کا ایک بہت اہم مقصد یہ ہے کہ ہم ہر چھوٹے سے چھوٹا کام نیت کے پورے استحضار کے ساتھ کرنے والے بن جائیں۔ مثلاً ہم کسی کو سلام کریں، یا خیریت پوچھیں یا چائے پلائیں تو اگر یہ کام ہم محض عادتاً کریں گے تو اس کا اثر خود ہمارے اپنے اندرون پر بھی بہت کم پڑے گا، اور اس سے باہمی محبت و الفت بھی پیدا نہیں ہوگی جو اس طرح کے معاملات کا مقصد ہے۔ اور اگر اس بات کو ذہن میں تازہ کرتے ہوئے کریں گے کہ یہ ہمارا دینی بھائی ہے ـــــ یہ ایمان والا ساری دنیا سے زیادہ قیمتی ہے اس کا اکرام در اصل ایمان و اسلام کا اکرام ہے۔ اس کی محبت و

اکرام سے مجھے فائدہ ہوگا، اور میرا یہ بھائی بھی دعوت کی جد و جہد سے مانوس ہو کر اپنی صلاحیتوں کو دین کے لیے استعمال کرنے والا بن جائے گا ـــــــ ان باتوں کو ذہن میں رکھ کر اور نیت کے اہتمام کے ساتھ اگر ہم صرف وہی کام کریں جو کچھ عادتاً ہم کرتے رہتے ہیں تو بلا کسی خاص مشقت کے ہم خود اپنے اندر بہت ترقی محسوس کریں گے۔

محترم بزرگو، اخلاص صرف بدنیتی سے بچنے کا نام نہیں ہے بلکہ بے نیتی سے بچنا بھی اس کے لیے ضروری ہے اور اس کی مشق کی طرف پوری توجہ ہونی چاہیے کہ بغیر خصوصی اہتمام کے مستقل طور پر اس صفت کا حاصل ہونا آسان نہیں۔

استخلاص سے مراد یہ ہے کہ جب کسی کو اللہ تعالیٰ دعوت کی جد و جہد سے تعلق نصیب فرمادے اور اس کی ضرورت اور نافعیت کا اسے تجربہ ہو جائے تو اسے چاہیے کہ اسے اپنی زندگی کا سب سے اہم مشغلہ اور اپنے اوقات اور صلاحیتوں کا سب سے بڑا مصرف قرار دے اور اس راہ میں استقامت اور قربانی کے ساتھ چلتا رہے۔ اپنے لیے اسی کو بہتر سمجھے کہ زیادہ سے زیادہ اشتغال دعوت کے کام میں رہے۔ اور دوسرے وقتی اور جزئی تقاضوں کی وجہ سے اپنے اس مستقل کام میں کمی نہ آنے دے۔ دوسرے تقاضے ہو سکتا ہے کہ بعض پہلوؤں سے افادیت رکھتے ہوں لیکن داعی کو اپنا دعوت کا میدان چھوڑ کر دوسرے میدانوں میں نہیں اترنا چاہیے۔ بالکل جیسے کہ ٹریفک کنٹرول کرنے والے سپاہی کو کسی وقتی تقاضے کی وجہ سے اپنی ڈیوٹی چھوڑ کر کہیں نہیں جانا چاہیے ورنہ ہو سکتا ہے کہ تھوڑی سی دیر میں کئی حادثے پیش آجائیں ـــــــ بعض وقت ایسا ہوتا ہے کہ بعض حضرات دوسرے تقاضوں اور دوسرے کاموں کی طرف اس کام سے وابستہ ساتھیوں کو متوجہ کرتے ہیں اس صورت میں ہمارے ساتھیوں کو چاہیے کہ وہ ان کاموں کی ضرورت یا افادیت کے متعلق ہرگز کوئی گفت گو نہ کریں۔ بلکہ صرف یہ کہہ کر عذر کریں کہ ہم نے اپنے کو آزمایا ہے، اور ہمارا تجربہ ہے کہ اگر ہم کچھ چل سکیں گے تو دعوت کے اس میدان میں چل سکیں گے ـــــــ غرض یہ کہ انداز معذرت کا ایسا ہو کہ اس میں ان کاموں کی تحقیر کی بو نہ ہو۔

بہر حال اس اصول کا مقصد یہ ہے کہ ہمارے پاس جو کچھ وقت اور جانی و مالی استطاعت ہے

ہم اسے ایمان اور ایمانی صفات پیدا کرنے والی اور اپنے اور پوری امت کے رخ کو صحیح کرنے والی اس بنیادی جدوجہد پر صرف کریں۔

تیسرا اصول جو میں نے شروع میں عرض کیا تھا وہ ہے عدم استخفاف ـــــ اس کا مطلب یہ ہے کہ دین کے بہت سے شعبے ہیں۔ دور اسلام اور اُمت کی خدمت کے بہت سے طریقے اور مختلف میدان ہیں۔ اور وہ سب اپنی اپنی جگہ ضروری اور مفید ہیں ـــــ ہم نے اپنے بارے میں یہ فیصلہ تو کر لیا کہ ہم دعوت کی اس جدوجہد میں لگے رہیں گے۔ لیکن اس کی وجہ سے ایسا نہیں ہونا چاہیے کہ ہمارے دل میں دوسرے دینی کاموں کی تحقیر یا تنقیص آجائے۔

محترم بزرگو! یہ اصول بے حد قیمتی اور اہم ہے۔ اور واقعہ یہ ہے کہ یہ جتنا ضروری ہے اسی قدر اس کو اپنے اندر اتارنے اور مضبوطی سے اس پر جمے رہنے کے لیے مسلسل فکر و اہتمام اور اپنے محاسبہ کی ضرورت ہے۔

ایسا ہوتا ہے کہ جب ایک شخص اس راستہ میں نکل کر دین کی عوامی دعوت اور رب طلبوں میں چل پھر کر ایمان کی بنیادی جدوجہد کے فوائد و منافع دیکھتا ہے، خود اپنے اندر اور بہت سے اللہ کے بندوں کے اندر اعمال کے لحاظ سے، صفات کے لحاظ سے، کیفیات اور جذبات کے لحاظ سے ترقی دیکھتا ہے تو اس کا جی چاہنے لگتا ہے کہ ہر شخص اس نظام دعوت سے جڑ کر فائدہ اٹھائے۔ یہاں تک تو بات ٹھیک ہے۔ لیکن جب یہ جذبہ حکمت اور اعتدال کے حدود سے آگے بڑھ جاتا ہے اور دوسرے دینی کاموں کی تحقیر پر آمادہ کرنے لگتا ہے تو یہ شیطانی حربہ میں تبدیل ہو جاتا ہے جس کا مقصد ایک طرف تو خود اس شخص کو کبر و عجب جیسے رذائل میں مبتلا کرنا ہوتا ہے اور دوسری طرف دوسرے ہزاروں بندگانِ خدا کو اس دعوت سے دور کر دینا ہوتا ہے۔

اس کام میں صحیح طرح لگے رہنے کے لیے ضروری ہے کہ آدمی اپنے کو دوسروں سے کمتر سمجھتا رہے اور خصوصاً ان لوگوں کو انتہائی محبت و احترام کے قابل سمجھے جو مختلف طریقوں سے دین کی خدمت میں لگے ہوئے ہیں۔ ہمیں تو ان لوگوں کی محبت و اکرام کی بھی سکھائی جاتی ہے جن کے پاس اسلام کے نام کے سوا کوئی اور اسلامی عمل بظاہر نہیں ہوتا، ظاہر ہے کہ ان لوگوں کی محبت

کتنی ضروری ہوگی جنھوں نے اسلام کی خدمت سے اپنے کو وابستہ کر رکھا ہے ـــــــ اس طرح اپنے دلوں کی کبر و عجب اور دوسروں کی تحقیر جیسے سنگین گناہوں سے حفاظت بھی ہوگی اور دوسرے حضرات دعوت کے کام اور مزاج سے مانوس بھی ہوں گے۔ اور جب وہ عملی طور سے اندر سے اس کام کو دیکھیں گے تو وہ سب ان کی سمجھ میں آجائے گا جو باہر سے سمجھ میں نہیں آسکتا ـــــ اس دعوت کا مزاج ہی ایسا ہے کہ باہر سے اس کے بارے میں بہت کم سمجھا جا سکتا ہے۔ ہمارے آپ کی سمجھ میں جو دو چار باتیں آگئی ہیں، کام سے عملی تعلق سے پہلے ہماری سمجھ میں بھی وہ باتیں نہیں آتی تھیں کذٰلک کنتم من قبل فمن اللہ علیکم (پہلے یہی حال (ناسمجھی اور ناقدری کا) تمھارا بھی تھا، لیکن اللہ نے تمھیں ہدایت کی دولت سے نواز دیا) یہ آیت ایسے ہی ایک موقع پر نازل ہوئی تھی جب بعض صحابہ کو کفار کے ایمان نہ لانے پر اور حق کی دعوت قبول نہ کرنے پر تعجب ہونے لگا تھا۔

حضرت مولانا محمد الیاس رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں ایک مرتبہ کچھ ایسے حضرات آئے جو سیاسی میدان میں ہندوستانی مسلمانوں کے مفاد کے لیے جد و جہد کر رہے تھے۔ حضرت نے ان سے جو گفتگو فرمائی اس کا خلاصہ یہ ہے کہ مجھ پر آپ حضرات کے دو احسانات ہیں۔ پہلا احسان تو یہ ہے کہ آپ مسلمانوں کی دنیاوی حالت کے سدھار کی کوشش کر رہے ہیں۔ اور صرف ایک مسلمان کے کچھ کام آجانا ہی بہت بڑی نیکی ہے ـــــ تو ایک مسلمان کی حیثیت سے میں بھی آپ کا ممنون ہوں ـــــ دوسرا احسان یہ ہے کہ آپ حضرات نے انگریزوں کی توجہ اپنی طرف لگا رکھی ہے اور ہم کو کام کرنے کا موقع ملا ہوا ہے ـــــ اللہ تعالیٰ سے میں ہمیشہ دعا کرتا ہوں کہ آپ کو ان دونوں احسانات کا صلہ دے ـــــ صرف ایک گذارش آپ حضرات سے یہ ہے کہ آپ کے جلسوں اور اجتماعات میں جو ہزاروں مسلمان آتے ہیں آپ ان سے یہ فرما دیا کریں کہ دنیا کے ساتھ ساتھ آخرت کی فکر بھی کرنی چاہیے۔ وہاں کامیابی کیسے ملے؟ اس بارے میں نظام الدین کی مسجد میں (اور کچھ اور مقامات پر) کچھ مشورہ ہوتا رہتا ہے وہاں بھی آپ لوگ چلے آیا کریں۔

محترم بزرگو! کوئی مسلمان ایسا نہیں جس میں کوئی اچھی صفت نہ ہو۔ حکمت کا تقاضا

یہ ہے کہ ایک پہلو اگر اچھا ہو اور ننانوے (۹۹) پہلو برے ہوں، تو اس ایک پہلو کے ذریعہ آپ اسے اپنے سے قریب کر لیں۔ آج شیطان کے بہکانے سے اور نفس کے فریب اور جہالت کی وجہ سے یہ ہو رہا ہے کہ اگر کوئی ایک پہلو ایسا ہوتا ہے جو ہمارے ذوق و مزاج سے مختلف ہوتا ہے اور ننانوے (۹۹) پہلو اچھے اور قابل قدر ہوتے ہیں تو ہم اس ایک پہلو کی وجہ سے اس شخص کو اپنے سے دور کر دیتے ہیں۔

محترم بزرگو! اس دعوت کا یہی مزاج ہے ــــ اسی اصول کو برت کر اس میں مختلف مزاجوں اور حلقوں کے لوگوں کو جوڑا گیا ہے ــــ اس طرف سے بہت فکرمند رہنے کی ضرورت ہے اور اپنا جائزہ لیتے رہنے کی ضرورت ہے کہ کہیں ایسا تو نہیں کہ یہ حکیمانہ اصول ہم سے ترک ہو رہا ہو اور ہمیں خبر ہی نہ ہو۔

حضرت مولانا الیاس رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ دین کی خدمت کے بہت سے شعبے ہیں۔ ہم چونکہ ایک شعبہ میں لگے ہوئے ہیں اس لیے ان شعبوں کا حق نہیں ادا کر پا رہے ہیں ہمارے احباب کو ہمیشہ اپنی اس تقصیر کا اعتراف کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے معافی مانگتے رہنا چاہیے۔

میرے بزرگو! ہم آپ غور کریں گے اور اپنا محاسبہ کریں گے تو ہم میں سے اکثر اپنے اندر ان تینوں اصولوں کے لحاظ سے بہت کمی پائیں گے ــــ اس کی پوری کوشش کریں کہ ہم سے کوئی بے اصولی نہ ہو جس کی وجہ سے ہم اس عظیم جد و جہد کی طرف سے بدگمانیاں پھیلانے کے ذمہ دار قرار دے دیئے جائیں ــــ پوری توجہ اور کوشش کے ساتھ ساتھ لجاجت و الحاح سے اللہ تعالیٰ سے مدد اور دستگیری کی دعائیں کریں ــــ جب امکانی کوشش ہو گی اور مخلصانہ دعا ہو گی تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہدایت اور سداد کے فیصلے ہوں گے۔

دعوت کے میدان میں کامیابی کے لیے اخلاص اور درد و فکر کے ساتھ اصولوں کی پابندی اور "حکمت اور موعظہ حسنہ" کا التزام بھی ضروری ہے ــــ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی درمندی، دلسوزی اور فکر و بے چینی کا اور انسانوں کی ہدایت کے لیے آپ کے قلب مبارک کی تڑپ کا تصور بھی ہمارے آپ کے بس سے باہر کی چیز ہے ــــ اس کے باوجود اللہ تعالیٰ

نے حکمت، موعظہ حسنہ اور بالتی ہی احسن کے التزام کا آپ کو قرآن مجید میں جا بجا حکم دیا، اور ایک جگہ تو یہ بھی فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت نے آپ کو نرم (دم گفتگو) بنا دیا ہے۔ ورنہ اگر آپ سخت مزاج اور شدت پسند ہوتے تو لوگ آپ سے دور ہو جاتے۔ (فبما رحمۃ من اللہ لنت لھم، ولو کنت فظاً غلیظ القلب لانفضوا من حولک) اسی سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ دعوت کے کام میں کتنی اہمیت ہے حکمت کی اور انسانوں کی نفسیاتی اور طبعی کمزوریوں اور مزاجوں اور تجربات کے اختلاف کی رعایت کی! —— اسی اہم صفت۔ صفتِ حکمت کے حصول کے لیے بہت سے اصولوں کی پابندی کروائی جاتی ہے —— اس لیے بہت ضروری ہے کہ ہم آپ اپنے اکابر علماء سے جو انہی نازک اصولوں کی رعایت کے ساتھ اس کام کو چلا رہے ہیں وقتاً فوقتاً ان اصولوں کو سنتے، اخذ کرتے اور سیکھتے رہیں —— اور ان کی روشنی میں اپنے مزاج، اپنے طرز عمل اور اپنی فہم کا جائزہ لیتے رہیں اس کا بہت اچھا موقع مارچ کے مہینے میں گودھرہ (گجرات) میں ہونے والے مشورہ میں ملے گا جو صرف اسی اصولی تربیت کے لیے اور عالمی پیمانے پر کام کے جائزے کے لیے ہو رہا ہے —— دعوت کی نزاکتوں اور اس کے اصول و آداب کے سلسلہ میں بہت سے نئے اور اہم گوشے اس قسم کے اجتماعات سے سامنے آتے ہیں۔ اس اجتماع کی اسی اہمیت کے پیش نظر اس کی کوشش ہر جگہ کی جا رہی ہے کہ دعوتی جد و جہد سے تعلق رکھنے والے سب حضرات اس میں شریک ہوں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اخلاص اور حسن عمل نصیب فرمائے۔

ماہنامہ
# الفرقان لکھنؤ

**چندہ سالانہ**
ہندوستان میں ۲۰/-
پاکستان سے پاکستانی سکہ میں ۵۰/-
بنگلا دیش سے ہندوستانی سکہ میں ۲۲/-

**ممالک غیر سے**
بحری ڈاک سے ۳ پونڈ
ہوائی ڈاک سے ۷ پونڈ
اس شمارہ کی قیمت ہندوستان میں ۴/-

جلد (۵۱) | بابت ماہ جمادی الاولیٰ والثانیہ ۱۴۰۳ھ مطابق مارچ و اپریل ۱۹۸۳ء | شمارہ (۳ و ۴)




**اگر اس دائرہ میں ◯ سُرخ نشان ہے تو**

اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ کی مدت خریداری ختم ہوگئی ہے براہ کرم آئندہ کے لیے چندہ ارسال کریں یا خریداری کا ارادہ نہ ہو تو مطلع فرمائیں۔ چندہ یا دوسری اطلاع مہینے کے آخر تک آجانا چاہیے ورنہ اگلا پرچہ بصیغۂ وی پی روانہ ہوگا۔

**نمبر خریداری:** براہ کرم خط و کتابت کرتے وقت اور منی آرڈر کوپن پر اپنا خریداری نمبر ضرور لکھ دیا کریں جو پتہ کی چٹ پر لکھا ہوتا ہے۔

**تاریخ اشاعت:** الفرقان ہر انگریزی مہینے کے پہلے ہفتہ میں روانہ کر دیا جاتا ہے اگر مہینے کے آخر تک کسی صاحب کو پرچہ نہ ملے تو فوراً مطلع فرمائیں۔ اس کی اطلاع مہینے کی ۵ تاریخ تک آجانا چاہیے اس کے بعد رسالہ کی ذمہ داری دفتر پر نہ ہوگی۔

**پاکستان کے خریدار حضرات** مبلغ ۔سو روپے ہندوستانی سکہ میں کسی بھی ذریعہ سے دفتر الفرقان لکھنؤ کو روانہ فرمائیں یا پاکستانی سکہ میں ۵۰ روپے ناظم ادارۂ اصلاح و تبلیغ آسٹریلین بلڈنگ لاہور کو بھیج دیں۔


محمد حسان نعمانی پرنٹر و پبلشر نے تنویر پریس میں چھپوا کر دفتر الفرقان ۳۱ نیا گاؤں مغربی لکھنؤ سے شائع کیا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

# نگاہِ اولیں

خلیل الرحمٰن سجاد ندوی

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کی اس سنت کو متعدد مقامات پر بیان کیا گیا ہے کہ حق کی دعوت کے ساتھ ساتھ باطل کی دعوت بھی اپنی تمام فتنہ انگیزیوں، فریب کاریوں اور ملمع سازیوں کے ساتھ چلتی ہے۔ حق کی دعوت انبیاءؑ اور ان کے سچے وارثین چلاتے ہیں اور باطل کی دعوت شیاطینِ انس و جن اور ان کے اولیاء و انصار چلاتے ہیں ــــــ اور حق و باطل کی اس کشمکش کی حکمت یہ بیان کی گئی ہے کہ جو حق کو اختیار کرے وہ بھی اختیار اور تمیز کے ساتھ کرے اور جو باطل کی طرف جانا چاہے وہ بھی سمجھ بوجھ کر اور اتمام حجت کے بعد جائے۔ اور یہ مقصد باطل کے پوری طرح سامنے آجائے بغیر حاصل نہیں ہوسکتا، جس طرح کہ سفیدی کا پورا تصور سیاہی کے مشاہدہ کے بغیر اور دن کی روشنی کی قدر رات کی تاریکی کے تجربہ کے بغیر نہیں ہوسکتی۔ پس اسی حکمت سے اللہ تعالیٰ حق کے مقابل میں باطل اور اہلِ باطل کو بھی زور آزمائی کا موقع دیتا ہے ــــــ لیھلک من ھلک عن بینۃ و یحیی من حی عن بینۃ،

اہلِ بصیرت جانتے ہیں کہ ہر باطل کا باطل ہونا بالکل کھلا نہیں ہوتا، بلکہ بسا اوقات باطل اس قسم کا ہوتا ہے کہ وہ اوپر سے حق ہی حق نظر آتا ہے، اور خاصی تعداد میں اسے حق کہنے والے لوگ ہر طرف دکھائی دیتے ہیں۔ اس پر حق کا لیبل چڑھا ہوتا ہے اور بظاہر اس میں حق کے سوا اور کچھ نہیں ہوتا جبکہ فی الحقیقت وہ خالصۃً باطل ہوتا ہے۔

قرآن و حدیث کی زبان میں ایسے باطل کو زخرف، فتنہ اور دجل سے تعبیر کیا گیا ہے۔

سورۂ انعام میں ارشاد ہوا ہے "کذلک جعلنا لکل نبیٍ عدواً شیاطین الانس والجن یوحی بعضھم الی بعض زخرف القول غروراً ولو شاء ربک ما فعلوہ فذرھم وما یفترون ولتصغی الیہ افئدۃ الذین لا یؤمنون بالآخرۃ ولیرضوہ ولیقترفوا ما ھم مقترفون۔ (اور اسی طرح ہم نے انسانوں اور جنوں کے اشرار کو ہر نبی کا دشمن بنایا۔ وہ ایک دوسرے کو پُر فریب باتیں" القا کرتے ہیں دھوکا دینے کے لیے، اور اگر تمھارا رب چاہتا تو وہ یہ نہ کر پاتے۔ تو تم ان کو ان کی ان افترا پردازیوں میں پڑے رہنے دو، اور ایسا اس لیے ہے کہ اس کی طرف ان لوگوں کے دل جھکیں (گے) جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے اور تاکہ وہ اس کو پسند کریں اور جو کچھ انھیں کمانا ہے وہ کما لیں)

اس آیت کے مرکزی مضمون کو ہم مختصراً یوں بیان کر سکتے ہیں۔

۱۔ جب بھی کوئی نبی (یا کسی داعی حق) کی دعوتِ حق بلند ہوتی ہے تو اس کی مخالفت کے لیے شیاطین انس و جن اپنی باطل دعوت پر حق کا لیبل چڑھا کر دعوت حق کے مقابلے کے لیے میدان میں اتر آتے ہیں، اہل باطل کو یہ چھوٹ اللہ تعالیٰ کی بے بسی کی وجہ سے نہیں ملتی (ولو شاء ربک ما فعلوہ) بلکہ یہ سب اس کی مشیت و حکمت اور اس کے قانون امتحان و ابتلاء کے تحت ہوتا ہے۔

۲۔ شیاطین و اشرار کی چلائی ہوئی یہ حق نما باطل دعوتیں انہی لوگوں کو اپیل کرتی ہیں جن کی نگاہیں آخرت کے انجام اور جنت و دوزخ پر نہیں بلکہ اس دنیاوی زندگی کی چمک دمک اور یہاں حاصل ہونے والی شوکت و عزت پر ہوتی ہیں، جس کی وجہ سے دنیا میں غلبہ و قوت ہی ان کو معیارِ حق نظر آنے لگتا ہے۔ اسی سے یہ بات بھی

---

لہ یہ مفہوم ہے "زخرف القول غروراً" کا۔ اصل میں زخرف ہر اس چیز کو کہتے ہیں جو اندر سے اتنی چمکیلی نہ ہو جتنی باہر سے نظر آتی ہو۔ اسی مناسبت سے یہاں یہ لفظ قرآن مجید نے ایسے باطل کے لیے استعمال کیا ہے جسے ملمع سازی کے ذریعہ جاذبِ نظر بنا دیا جائے۔ تمام علمائے لغت و تفسیر نے یہی مفہوم مراد لیا ہے۔ مثلاً ملاحظہ ہو لسان العرب مادۂ زخرف، مفردات القرآن للاصفہانی۔

معلوم ہو گئی کہ اس کے برعکس وہ لوگ جو انبیاء علیہم السلام کے مزاج کے مطابق آخرت میں نجات ہی کو اصل معیار اور حقیقی مقصود سمجھتے ہیں وہ ایسے باطل پروپیگنڈوں سے متأثر نہیں ہوتے ــــــــ

اسی قسم کے مضمون کی ایک آیت سورۂ حج میں بھی ہے۔

وما أرسلنا من قبلك من رسولٍ ولا نبيٍ الا اذا تمنّى القى الشيطان فى امنيته فينسخ الله ما يلقى الشيطان ثم يحكم آياته ، والله عليم حكيم ، ليجعل ما يلقى الشيطان فتنةً للذين فى قلوبهم مرض والقاسية قلوبهم و ان الظالمين لفى شقاقٍ بعيد ، وليعلم الذين اوتوا العلم انه الحق من ربك فيؤمنوا به فتخبت له قلوبهم وان الله لهاد الذين آمنوا الى صراط مستقيم

اس آیت کے مرکزی مضامین کا خلاصہ یہ ہے :۔

۱۔ نبی کے کام اور اس کے ارادوں و منصوبوں میں طرح طرح کی رکاوٹیں ڈالنا اور رخنہ اندازی کرنا شیطان کا مستقل مشغلہ ہے۔

۲۔ اس کشمکش کا انجام صرف یہ ہوتا ہے کہ شیاطین کے اٹھائے ہوئے فتنوں کو تو اللہ تعالیٰ مٹا دیتا ہے اور حق کو رسوخ و قرار بخشتا ہے۔

۳۔ ان شیطانی فتنوں سے متأثر صرف وہ لوگ ہوتے ہیں جن کے دل میں دنیا کی محبت اور آخرت سے بے توجہی کا روگ ہوتا ہے اور جن کے دل سخت ہوتے ہیں۔

۴۔ وہ لوگ جو دین کی صحیح سمجھ رکھتے ہیں وہ قطعاً متأثر نہیں ہوتے، بلکہ ان کے ایمان میں ان فتنوں سے اور تازگی و قوت آتی ہے۔

۵۔ جو لوگ صحیح ایمانی ذوق رکھتے ہیں اللہ تعالیٰ انھیں صحیح راہ پر خود چلاتا ہے اور ادھر اُدھر بھٹکنے سے ان کی حفاظت فرماتا ہے۔

---

اللہ تعالیٰ کے اس قانون فتنہ وابتلاء کی مزید وضاحت فرماتے ہوئے خاتم النبیین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اتمام حجت اور کمال نصح و خیر خواہی کے طور پر امّت کو

آنے والے تمام بڑے فتنوں سے آگاہ فرما دیا تھا، اس سلسلہ کے آپ کے سیکڑوں ارشادات کتب حدیث میں اور عام طور سے فتن، ملاحم اور علامات نبوت کے ابواب کے تحت محفوظ ہیں۔ ان احادیث میں سے ایک حدیث کے یہ الفاظ ملاحظہ ہوں۔

قال صلی اللہ علیہ وسلم "لا تقوم الساعۃ حتی یخرج ثلاثون کذابا دجالا کلہم یزعم أنہ رسول اللہ"[1]

ترجمہ: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:۔ قیامت سے پہلے پہلے ۳۰ کذاب و دجال ظاہر ہوں گے جن میں سے ہر ایک اللہ کا رسول ہونے کا دعویٰ کرے گا۔

یہاں اس حدیث کی مفصل تشریح مقصود نہیں ہے۔ ہمیں اس کے ذیل میں جو بات عرض کرنی ہے وہ یہ ہے کہ: دجل کے معنی ہیں (۱) خلط ملط کر دینا (۲) تلبیس، یعنی شیطانی چالوں سے دوسروں کو دھوکے اور التباس میں ڈال دینا (۳) تمویہ یعنی ملمع سازی کرنا اور حقیقت کو چھپانا اور باطل کو حق بنا کر پیش کرنا[2]

اس حدیث میں یہ آگاہی دی گئی ہے کہ امت کو وقتاً فوقتاً ایسے دجالوں[3] سے

---

[1] یہ ایک طویل حدیث ہے راوی حضرت ابو ہریرہ ہیں۔ اسے امام بخاری نے علامات نبوت میں، امام مسلم اور امام ترمذی نے فتن میں، امام ابو داؤد نے ملاحم میں روایت کیا ہے۔ تقریباً تمام کتب حدیث میں یہ حدیث موجود ہے۔ سنن ابی داؤد میں اس حدیث کی ایک روایت کے الفاظ تھوڑے سے مختلف ہیں یعنی یہ کہ کلھم یزعم أنہ رسول اللہ کے بجائے یہ الفاظ ہیں کلھم یکذب علی اللہ و رسولہ (ان میں سے ہر ایک اللہ و رسول کی طرف جھوٹی باتیں منسوب کرے گا)، دجالی فتنوں کا دائرہ ان الفاظ کی رو سے صرف دعوے نبوت تک محدود نہیں رہتا، بلکہ اس کے علاوہ جھوٹ کی دوسری شکلیں بھی اس میں آجاتی ہیں۔

[2] ملاحظہ ہو لسان العرب مادہ 'دجل'، الفائق للزمخشری: ۱/۴۰۲ طبع قاہرہ ۱۹۴۵ء، النہایۃ لابن الاثیر: ۲/۱۰۲، طبع المکتبۃ الخیریۃ قاہرہ، فتح الباری ۶/۶۱۱ توزیع دار الافتاء ریاض

[3] بہت سے لوگوں کے ذہن میں دجال نامی صرف ایک شخص کا تصور ہے۔ جسے احادیث کے بیان کے مطابق حضرت عیسیٰ علیہ السلام قتل کریں گے ـــ صحیح یہ ہے کہ دجال کسی ایک شخص کا نام نہیں بلکہ کذاب کی طرح ایک صفت ہے۔ البتہ مسیح دجال آخری دجال ہوگا اور دجالوں کے سلسلہ کا امام و خاتم!

سابقہ پڑے گا جو ملمع سازی کر کے اور دجل و فریب کے ذریعہ باطل کو حق قرار دے کر اس کی جانب لوگوں کو دعوت دیں گے۔ یہی وہ بات ہے جو مذکورہ بالا دونوں آیتوں میں کہی گئی ہے۔

امت کی چودہ سو سالہ تاریخ در اصل ان دجالوں کے دجل و فریب اور داعیان حق کی دعوت و عزیمت کی کشمکش کی تاریخ ہے —— جس میں مدوجزر کا تسلسل صاف نظر آتا ہے۔

عصر حاضر میں جس میں کہ پروپیگنڈے، پبلسٹی اور اشتہار بازی کے فن نے غیر معمولی ترقی کر لی ہے اور مکاری و فریب دہی ہر شعبۂ حیات میں ترقی کا زینہ بن گئی ہے۔ اہل باطل کی دجالی شان کچھ زیادہ ہی ابھر کر سامنے آئی ہے، آج کے باخبر آدمی کو ہر طرف سے عدل و انصاف، نا وابستگی، داخلی مسائل میں عدم مداخلت، حریت فکر، آزادی رائے، عالمی امن، انسانیت کی خیر خواہی، معاشی مساوات اور سماجی عدل و انصاف، غریبوں اور کمزوروں کے حقوق، یہاں تک کہ جانوروں کے حقوق" اتحاد و اتفاق، رفاہ عام اور اس طرح کے سیکڑوں حسین و جمیل اور "مقدس" نعرے سنائی پڑتے ہیں —— اور جب اسے یہ نظر آتا ہے کہ جو لوگ جتنے زور سے یہ نعرے بلند کر رہے ہیں وہ لوگ شقاوت قلبی انسانی اقدار سے محرومی، بے رحمی اور درندگی کی اتنی ہی بڑی مثال قائم کر رہے ہیں۔ اور جس کا ظاہر جتنا حسین و جمیل اور پُرکشش ہے اُس کا کردار اتنا ہی زیادہ سیاہ اور وحشتناک ہے —— تب اور اس تجربہ کے بعد اسے "دجالیت" کی حقیقت سمجھ میں آنے لگتی ہے۔

لیکن شاید اس لیے کہ چودھویں صدی ہجری کے آخر میں تلبیس اور دجالیت کی یہ شکلیں پرانی ہو چلی تھیں اور اب لوگ ان خوشنما عنوانات کے پردے میں چھپے ہوئے غلاظت کے ڈھیروں کو پہچاننے لگے تھے تو اب اس نے ایک نیا لبادہ اوڑھا اور وہ لبادہ تھا اسلامی انقلاب کا۔ اور یہ بھی عجیب بات ہے کہ سرزمین ایران جو تاریخ کے متعدد فتنوں کا مرکز رہی ہے، ایک بار پھر اس "اندھے فتنہ" نے اسی سرزمین کا انتخاب کیا۔ ایک ایسی قوم کو جو مدتوں سے اپنی اصل دولت کی بے قدری اور اپنے مقصد کو

چھوڑ کر لہو و لعب میں لگ جانے کی وجہ سے منصبِ امامت سے منجانب اللہ معزول کر دی گئی ہو، اور اس منصب کو دوبارہ حاصل کرنے کے لیے نہ جانے کیسے کیسے ارمان اس کے جوانوں کے سینوں میں مچل رہے ہوں۔ جب دنیا میں کسی خطہ سے اسلامی انقلاب اور حکومتِ الٰہیہ کی آواز سنائی دے، تو اس کا اس آواز کی جانب بے ساختہ دوڑ پڑنا ظاہری طور پر بعید از قیاس نہیں معلوم ہوتا ——— لیکن ہم نے اور سب نے بھی، مذکورہ تمام لوگ جن کے بارے میں کم از کم اپنے تجربہ و مشاہدہ کی حد تک یہ کہا جا سکتا ہے کہ وہ آخرت پر ایمان اور اس کے دور رس اثرات اور تقاضوں اور ذوقِ ایمانی اور منہجِ نبوت کے فہم اور اس پر استقامت سے بہرہ مند تھے۔ ایک سکنڈ کے لیے بھی اس آواز کی "جاہلیت" کے بارے میں متردد نہیں ہوئے۔ شیعیت کی تاریخ سے قدرے تفصیلی واقفیت بھی اس گمراہی سے بچنے میں بہت سے لوگوں کے لیے معاون ثابت ہوئی۔

لیکن ایک تعداد ان حضرات کی بھی تھی جنھیں اگرچہ اس انقلاب کی صحیح اسلامیت سے دوری کے بارے میں تو پہلے دن سے کوئی شک نہیں تھا، البتہ وہ اس کے ظاہری قابلِ قدر پہلوؤں کو نقطۂ اشتراک قرار دے کر مثبت انداز سے اس کی خامیوں کو دور کرنے کی رائے اور اسی سے نفع کی امید رکھتے تھے ——— اور ان کی اس رائے میں منفی اسلوب کی مضرت رسانی کے سلسلہ میں ان کے ذوق و تجربہ کو دخل تھا، جو فی نفسہ صحیح ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ امت کے بیشتر اختلافات اسی نوعیت کے ہیں، اور ان کی اصلاح کا صحیح طریقہ بھی یہی ہے۔ لیکن یہ ایک بدیہی حقیقت ہے کہ ہر اختلاف اور ہر فتنہ کی نوعیت یہ نہیں ہے۔ بسا اوقات کسی جزوی اختلاف کے پس پردہ پورے نظامِ شریعت کے خلاف اور نبوتِ محمدی کے خلاف بغاوت ہوتی ہے اور اس صورت میں طریقۂ اصلاح بھی مختلف ہوتا ہے۔ مانعینِ زکوٰۃ کے بارے میں حضرت ابو بکر صدیقؓ اور بالآخر تمام صحابۂ کرام کا رویہ، خوارج کے ساتھ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا طرزِ عمل، عباسی دور میں ابھرنے والے کتاب و سنت سے استغناء و استخفاف کے اور عقل پرستی کے رجحان، نیز یونانی تمدن و فلسفہ کی مرعوبیت کے نتیجہ میں پیدا ہونے والے فتنۂ خلقِ قرآن کے سلسلہ میں امام احمد

ابن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کا موقف۔ تصوف و روحانیت کا لبادہ اوڑھ کر ابھرنے والی باطنیت اور مشرکانہ اطوار و عادات کے خلاف ائمۂ اسلام ابن جوزی، ابن تیمیہ اور ابن قیم کا جہاد، قادیانیت و بہائیت وغیرہ دجالی فتنوں کے بارے میں پوری امت کا موقف، اور روز اول سے آج تک شیعیت کے بارے میں تمام مجددین و مصلحین اور اہل علم و ذکر کا اتفاقی موقف، ہندوستان ہی میں ابھرنے والی تحریک خاکسار کے بارے میں اہل علم و بصیرت کا رویہ۔ غرض کہ ایسے تمام فتنوں کے بارے میں امت کے تمام اہل حل و عقد کا یکساں رویہ اختلافات کی اس تقسیم کی کم از کم اجمالی وضاحت کے لیے کافی ہے۔

بہرحال ایسے حضرات کے سامنے جس رفتار سے مشیتِ الٰہی کے مطابق ایرانی انقلاب کی نا اسلامیت واضح ہوتی گئی، اسی رفتار سے ان کی رائے میں تغیر آتا گیا۔

اسی طبقہ میں ان سطور کے راقم کے برادر معظم مولانا عتیق الرحمٰن سنبھلی بھی ہیں۔ بھائی صاحب مدظلہ کی افتاد طبع سے جو لوگ واقف ہیں وہ جانتے ہیں کہ ان کے مزاج کا ایک اہم وصف تثبت و احتیاط ہے۔ اسی وجہ سے ایرانی انقلاب کے بارے میں انھوں نے کسی رائے کے اظہار میں عجلت نہیں کی بلکہ خاموشی سے اس کے مطالعہ میں مصروف رہے۔ ——— ناظرین کرام یہاں یہ بات ذہن میں رکھیں کہ ان کا قیام ۱۰ سال سے لندن میں ہے۔ اور وہاں کے رہنے والے کسی شخص کے لیے اس بارے میں معلومات حاصل کرنے کے دو ذریعے تھے۔ مغربی ذرائع ابلاغ اور اسلامی حلقوں کی طرف سے شائع ہونے والے اخبارات و رسائل ——— اور جیسا کہ ان دونوں کا مطالعہ کرنے والے حضرات بخوبی جانتے ہیں کہ یہ دونوں اس انقلاب کو خالص اسلامی قرار دینے میں زمین و آسمان کے کیسے کیسے قلابے ملا رہے تھے ——— اول الذکر تو اس جذبہ سے کہ اس انقلاب کی خونریزیوں کو اسلام سے جوڑ کر اسلام کی تصویر کو زیادہ سے زیادہ مسخ کر کے مغربی دنیا کے مادیت زدہ کروڑوں عوام کو اسلام سے دور کیا جائے جو مختلف اسباب و عوامل سے قابل لحاظ رفتار سے اسلام کی طرف آ رہے ہیں، اور ثانی الذکر یا تو اس وجہ سے کہ ان کا تصور اسلام

ایران والوں کے تصوّر اسلام سے بہت زیادہ مختلف نہیں۔ یا یوں کہیئے کہ جب انھوں نے ایک طاقت کو دنیا کے ایک بڑے ظالم گروہ (امریکی بلاک) سے پنجہ آزمائی کرتے ہوئے دیکھا تو ایک مظلوم کی نفسیات کے عین مطابق انھیں یہ پنجہ آزمائی کرنے والی طاقت اپنی ہمدرد اور دوست نظر آنے لگی۔ اور بسا اوقات مظلوم سے یہ غلطی ہوتی ہے کہ وہ اپنے دشمن سے لڑنے والے ہر انسان کو اپنا دوست سمجھ بیٹھتا ہے خواہ فی الحقیقت وہ خود بھی اس کا دشمن ہو۔ اور براہ راست پہلے اس سے الجھنے کے بجائے اس کی حکمت عملی کا تقاضا یہ ہو کہ وہ اس کے دشمن سے لڑنے لگے اور اسے اپنی جانب سے مطمئن کر کے بعد میں نسبتہً زیادہ سہولت کے ساتھ اپنا ہاتھ اس پر صاف کرے۔

میرے خیال میں ان دونوں ذرائع ہی کی بنا پر شروع میں بھائی صاحب مدظلہٗ کے سامنے تصویر کا ایک رخ زیادہ ابھر کر آیا ——— اگرچہ ذہن تصویر کے دوسرے رخ کو بھی "دریافت" کرتا رہا ——— پھر تقدیر الٰہی نے دستگیری کی اور ایک لطیفۂ غیبی کے طور پر بھائی صاحب مدظلہٗ کا سفر ایران ہوا ——— اس سفر میں انھوں نے جو کچھ دیکھا اور اس سے جو کچھ اخذ کیا اور اس کے بعد سے اب تک جو حقائق سامنے آئے اور ان کی روشنی میں جو رائے قائم ہوئی وہ سب آئندہ صفحات میں آپ انہی کے قلم سے ملاحظہ فرمائیں گے۔

اپنے اس مضمون میں بھائی صاحب نے شہادت کی ذمہ داری کی کامل ادائیگی اور تصویر کے ظاہری و باطنی دونوں رخوں کی وضاحت کے لیے مشاہدات و تاثرات کے ان پہلوؤں کو بھی قدرے تفصیل سے بیان کر دیا ہے جن سے دور کے اندازوں کی بظاہر تصدیق ہوتی تھی۔

---

یہاں سلسلۂ کلام کو تھوڑا سا روک کر ایک بات کہہ دینا مناسب معلوم ہوتا ہے۔ بالکل ممکن ہے کہ راقم سطور کی اس تحریر کو جس میں ایران کی موجودہ قیادت کے انقلابی عمل کے متعلق فتنہ و زخرف اور دجل جیسے الفاظ کا استعمال کیا گیا ہے بعض حضرات مبالغہ اور بے اعتدالی پر محمول فرمائیں ———

ایسے حضرات کی خدمت میں پورے احساس ذمہ داری کے ساتھ عرض ہے کہ

توازن و اعتدال۔ جس کی ضرورت کا احساس ولی اللہی گلستاں کے خوشہ چینوں اور تربیت دعوتی کام کے میدان میں زندگیاں کھپا دینے والے عاشقان پاک طینت کی طرف نسبت کے طفیل بحمد اللہ ہم اطفال مکتب کو بھی ہے۔ کے تمام تقاضوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے ایران کے موجودہ انقلاب اور اس کی پشت پر کام کرنے والی شیعہ ذہنیت کے بارے میں ان الفاظ سے زیادہ مناسب اور معتدل کوئی اور لفظ کم از کم ہمارے علم میں نہیں ہے۔

آئندہ صفحات میں جو مضمون آپ ملاحظہ فرمائیں گے اس میں ایرانی انقلابیوں کے متعلق جن امور کی طرف توجہ دلائی گئی ہے ان میں سے ہر امر فی نفسہ اتنا اہم ہے کہ اس کے بعد اس کو اسلام کی طرف منسوب کرنا اور اس کے کرنے والوں کو اسلام کی نشاۃ ثانیہ کا علمبردار قرار دینا دجل کے سوا اور کچھ نہیں۔

مثال کے طور پر غور فرمائیے کہ ایک ایسے انقلاب کو جس میں توحید کا شعبہ سب سے زیادہ متروک اور بے توجہی کا شکار ہو؟ اور جس میں قبر پرستی، تصویر پرستی، شخصیت پرستی وغیرہ شرک کی تقریباً تمام شکلیں زور و شور سے رائج ہوں اور جس میں نماز جیسے بنیادی رکن کے ساتھ "سرکاری طور پر" تغافل برتا جا رہا ہو۔؟ اور جس کے قائدین کے زیر سرپرستی بنی اسرائیل کے متعلق نازل ہونے والی قرآنی آیتوں سے مہدی منتظر کے "ورود مسعود" کی بشارت اخذ کی جا رہی ہو یعنی قرآن کی کھلم کھلا تحریف کی جا رہی ہو؟ نیز جس میں ایک طرف تو آج کی دنیا میں سب سے بڑی طاغوتی طاقت روس اور اس کے تمام حلیفوں کے ساتھ دوستی اور رفاقت کے تعلقات نبھائے جا رہے ہوں اور دوسری طرف اسرائیل کے ساتھ بھی پس پردہ سلام و دعا ہو رہی ہو بلکہ وہاں سے اس انقلاب کے لیے آب حیات بھی سپلائی کیا جا رہا ہو اور اس کا اصل نشانہ حرمین شریفین پر تسلط اور وہاں شیعیت کا نفاذ ہو اور اس سب کے ساتھ ثورۃ اسلامیۃ لاشرقیۃ ولا غربیۃ ولاشعیہ ولاسنیہ کے پُرکشش اور پُرفریب نعرے فلک شگاف آواز میں لگائے جا رہے ہوں تو ایسے انقلاب کو اگر اسلامی کہا جائے اور اس کا سلسلہ نسب ذات نبوی اور اہل بیت نبوی کے ساتھ باصرار جوڑا جائے تو کیا یہ "دجل" اور فتنہ انگیزی کے سوا

کچھ اور ہے؟ اگر ہاں تو دجل آخر کس شے کا نام ہے؟؟؟
ایرانی انقلاب کے یہی وہ پہلو ہیں جو اس مضمون میں آپ کے ملاحظہ سے گذریں گے۔

---

یہاں ایک اور بات کی وضاحت بھی ضروری معلوم ہوتی ہے۔ ہمیں اپنے دائیں بائیں بکثرت ایسے لوگ ملیں گے جو اب تک ایران کے انقلاب کو اسلامی سمجھتے یا کہتے یا لکھتے رہے ہیں ــــ ہماری اس تحریر کا منشا ہرگز یہ نہیں ہے کہ ہم اس دجل کو ان کی طرف منسوب کرتے ہیں اور اس کی ذمہ داری میں انھیں شریک سمجھتے ہیں اور اس وجہ سے انھیں طعن و تشنیع کا ہدف بنانا چاہتے ہیں حاشا و کلّا! حقیقت یہ ہے۔ اور اس پر ہمیں پورا یقین ہے کہ اگر مسئلہ کے وہ تمام پہلو اسی تناسب سے ان حضرات کے سامنے واضح ہو جائیں جس تناسب سے توفیق الٰہی نے ہمارے سامنے کر دیے ہیں تو صحیح بات کے قبول کرنے میں انھیں کوئی تردد نہ ہوگا ــــ حق کو غالب اور باطل کو مغلوب دیکھنے کی تمنا ہی کی وجہ سے جو یقیناً ایک مبارک تمنا اور ایمان کی علامت ہے ہمارے بہت سے بھائیوں کو ایران کے انقلاب کے ساتھ ہمدردی ہوئی ــــــــــ
لیکن جب یہ بات ان حضرات کے سامنے اطمینان بخش طریقہ پر آجائے گی کہ ایران میں ایک باطل کی جگہ حق نہیں بلکہ ایک دوسرا باطل ہی آیا ہے جو دو رُخا ہونے کی وجہ سے زیادہ خطرناک ہے تو انھیں اس کی تائید سے ہرگز کوئی دلچسپی نہ رہے گی۔
جس طبقہ کا ان آخری سطور میں ذکر کیا گیا وہ۔ خصوصاً ہمارے نوجوان بھائیوں میں۔ بڑی تعداد میں موجود ہے اور اس کا حق ہے کہ ہمیں جو کچھ معلوم ہے اس سے اسے باخبر کریں اور اللہ تعالیٰ سے ہدایت اور توفیق کی امید رکھیں کہ وہ مقلب القلوب ہے!!

---

آخر میں ایک بات یہ عرض کرنی ہے کہ اس شمارہ میں جو مضمون آپ ملاحظہ فرمائیں گے اس سے بنیادی نتیجہ یہ اخذ ہوتا ہے کہ ایران کا انقلاب جس کو اپنے اصل

بدقت کے اعتبار سے بہت وسیع ذہن کا حامل کلیۃً اسلامی انقلاب قرار دیا جارہا ہے وہ واقعہ میں ایسا نہیں بلکہ اس کے برعکس خالصتہً شیعی ذہن اور ارادوں کا حامل ہے یعنی مختصراً یہ کہ وہ اسلامی نہیں بلکہ شیعی انقلاب ہے۔

رہی یہ بات کہ شیعی انقلاب اسلامی کیوں نہیں ہوسکتا؟ اس کو سمجھنے کے لیے ضرورت ہے کہ ہم شیعیت کے اصول و عقائد، اُس کے مقاصد و اغراض اور اُس کی تاریخ سے واقف ہوں۔

ناچیز راقم سطور کے ذہن میں اس سلسلہ میں الفرقان کی ایک جامع اور خصوصی اشاعت کی تجویز اور ابتدائی خاکہ ہے اپنے محترم ناظرین سے دعاؤں کی درخواست ہے کہ جس میں خیر ہو اللہ تعالیٰ اس جانب رہنمائی فرمائے۔ اس سلسلہ میں جن حضرات کے ذہنوں میں کوئی تجویز ہو اسے تحریر فرمائیں تاکہ بنام خدا اس کام کا آغاز کیا جاسکے۔

---

(درس قرآن صفحہ ۱۶ کا بقیہ)

فتح مکہ اور غلبۂ حق کا واضح بیان ہے۔ یہ بھی اس کا واضح قرینہ ہے کہ یہ سورۂ "کافرون" مکہ معظمہ کے آخری زمانہ قیام میں ہجرت سے کچھ ہی پہلے نازل ہوئی، اور اسی میں ہجرت کا اشارہ فرمادیا گیا ـــــ واللہ اعلم

## اس سورہ کی عظمت و فضیلت:-

اس سلسلۂ درس میں یہ بات کبھی بار بار بیان کی جاچکی ہے کہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہونے کی حیثیت سے قرآن مجید کی ہر آیت اور ہر سورت کی عظمت و فضیلت یکساں ہے۔ اس کے باوجود مضمون کے لحاظ سے بعض آیات اور بعض سورتوں کو خاص فضیلت حاصل ہے، یہ سورۃ کافرون اور سورۂ اخلاص (قل ھو اللہ احد) بھی انھی سورتوں میں سے ہیں جنکی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خاص فضیلت بیان فرمائی ہے ـــ روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فجر کی اور مغرب بعد کی سنتوں میں اکثر پہلی رکعت میں سورۂ کافرون اور دوسری میں سورۂ اخلاص پڑھتے تھے ـــ ایک صحابی نوفل بن معاویہ نے آپ سے دریافت کیا کہ میں سوتے وقت کیا پڑھا کروں؟ تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ سورۂ کافرون پڑھ لیا کرو۔ اس میں شرک سے قطعی براءت ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو اخلاص توحید اور شرک کی نفی سے زیادہ کوئی عمل محبوب نہیں۔ اسی لیے "لا الٰہ الا اللہ" افضل الذکر ہے ـــ اور اس سورۂ کافرون میں اسی کی وضاحت اور تشریح ہے ـــ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اخلاص توحید، شرک سے بیزاری اور اُس پر استقامت نصیب فرمائے۔

## درس قرآن

محمد منظور نعمانی

# سورۃ الکٰفرون

حمد و صلوٰۃ کے بعد

أَعُوذُ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ ۔ بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَٰنِ الرَّحِيمِ

قُلْ يَا أَيُّهَا الْكَافِرُونَ ۝ لَا أَعْبُدُ مَا تَعْبُدُونَ ۝ وَلَا أَنتُمْ عَابِدُونَ مَا أَعْبُدُ ۝ وَلَا أَنَا عَابِدٌ مَّا عَبَدتُّمْ ۝ وَلَا أَنتُمْ عَابِدُونَ مَا أَعْبُدُ ۝ لَكُمْ دِينُكُمْ وَلِيَ دِينِ ۝

کہہ دیجیے، (صاف اور واشگاف اعلان کر دیجیے!) کہ اے منکرو۔ میں عبادت (پرستش اور پوجا) نہیں کرتا اُن (معبودانِ باطل) کی جنکی تم عبادت کرتے ہو ـــ اور تم عبادت کرنے والے نہیں ہو اُس (معبود برحق) کی جس کی میں عبادت کرتا ہوں ـــ اور میں (کبھی اور قطعاً) عبادت کرنے والا نہیں تمہارے معبودوں کی ـــ اور تم (کبھی بھی) عبادت کرنے والے نہیں میرے (وحدہٗ لا شریک) معبود کی ـــ تمہارے لیے تمہارا دین، اور میرے لیے میرا دین۔

(**تفسیر و تشریح**) اتنی بات تو ہم آپ سب کو معلوم ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں پیدا ہوئے، وہیں پلے بڑھے، جب عمر کے چالیس سال پورے ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو نبوت و رسالت سے سرفراز فرمایا، پھر آپ کو حکم ہوا کہ دوسرے لوگوں کو دین حق کی دعوت دیں ـــ آپ کی بنیادی دعوت اور تعلیم یہ تھی کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت اور پرستش کے لائق نہیں، صرف اسی کی عبادت اور پرستش کی جائے۔ اور قیامت اور آخرت اور وہاں اعمال کی جزا سزا، اور عذاب و ثواب برحق ہے۔ اس کا یقین کیا جائے اور مجھے اللہ نے اپنا رسول بنا کر بھیجا ہے تاکہ میں اس کی عبادت کا طریقہ اور آخرت میں نجات کا راستہ بتلاؤں۔

آپ کی اس دعوت کے اولین مخاطب اہل مکہ اور خاص طور سے قریش تھے ـــ شروع میں دو چار ازلی سعادتمندوں کے سوا سب ہی نے اس کے ماننے اور قبول کرنے سے انکار کیا، اور مخالفت اور تکذیب

پر کمربستہ ہو گئے، کسی نے کہا کہ (معاذ اللہ) یہ خبط ہے، جنون اور دیوانگی ہے، کسی نے کہا کہ جن بھوت یا جادو کا اثر ہے، کوئی بولا کہ بڑائی اور سرداری حاصل کرنے کے لیے یہ روپ بھرا گیا ہے۔ اس کے علاوہ بھی طرح طرح کے بہتان لگائے گئے، لیکن آپ اللہ کے حکم کے مطابق صبر و استقامت اور حکمت و موعظت کے ساتھ دعوت دیتے رہے، اور اس سلسلہ میں ہر طرح کی تکلیفیں اٹھاتے اور مصائب جھیلتے رہے۔ شروع میں دعوت کو قبول کرنے اور ایمان لانے کی رفتار ایسی صبر آزما تھی کہ روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ چھ سال تک قریباً چالیس ہی حضرات ایمان لائے۔ اس کے بعد اس تعداد میں ایسا اضافہ ہونے لگا کہ منکرین اور مخالفین نے غالباً سمجھ لیا کہ ہم اپنی موجودہ مخالفانہ منفی کوششوں سے دین کی اس دعوت کو ختم کر دینے یا روک دینے میں کامیاب نہیں ہو سکتے اس لیے ایک مرحلہ پر انھوں نے "کچھ لو اور کچھ دو" کی بنیاد پر مصالحت اور مفاہمت کی بات سوچی۔ قرآن مجید سورۂ "ن" میں فرمایا گیا ہے "وَدُّوا لَوْ تُدْهِنُ فَيُدْهِنُونَ" (یعنی یہ منکرین مشرکین چاہتے ہیں کہ آپ کچھ ڈھیلے پڑیں اور اپنے موجودہ موقف سے کچھ نیچے اتریں تو وہ بھی ڈھیلے پڑیں اور نیچے اتریں) روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی طرف سے اس طرح کی تجویز رکھی گئی کہ آپ ہمارے معبودوں کا احترام کریں اور ان کی کچھ تعظیم و عبادت کر لیا کریں کم از کم ان کو ہاتھ ہی لگا دیا کریں اور آپ جس معبود کی عبادت کرتے اور دعوت دیتے ہیں ہم اس کا احترام کریں اور اس کی بھی عبادت کر لیا کریں۔ اس طرح ہمارا آپ کا یہ اختلاف اور جھگڑا ختم ہو سکتا ہے (کیونکہ اختلاف کی بڑی بنیاد اور ان منکرین مشرکین کے لیے ناقابل قبول بلکہ ناقابل برداشت، آپ کی دعوت توحید ہی تھی، اس کے علاوہ وہ سب کچھ ماننے اور قبول کرنے کے لیے تیار ہو سکتے تھے) — روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اسی موقع پر یہ سورۂ "کافرون" نازل ہوئی — اس کے تیور اور اس کا انداز خطاب غیر معمولی ہے۔ جہاں تک مجھے یاد ہے قرآن پاک میں کسی دوسری جگہ دعوت حق کے منکرین و مکذبین کو "یا ایھا الکفرون" (اے منکرو کافرو) کہہ کر مخاطب نہیں کیا گیا ہے، اور جس طرح دو ٹوک اور دو ٹوک انداز میں بات یہاں کہی گئی ہے مجھے معلوم نہیں کہیں دوسری جگہ بھی کہی گئی ہو فرمایا گیا ہے "قُلْ يَا أَيُّهَا الْكَافِرُونَ" یعنی اے ہمارے پیغمبر آپ کہہ دیجیے اور صاف صاف اعلان کر دیجیے کہ اے کافرو منکرو! — لَا أَعْبُدُ مَا تَعْبُدُونَ ۝ وَلَا أَنْتُمْ عَابِدُونَ مَا أَعْبُدُ ۝ مطلب یہ ہے تم اپنے جن خود ساختہ معبودوں کی عبادت کرتے ہو میں اُن کی عبادت اور پرستش نہیں کرتا اور نہیں کروں گا اس کی کوئی امید نہ کی جائے، یہ معاملہ کم یا زیادہ اور لین دین کا نہیں ہے یہ دین کا سب سے اہم بنیادی مسئلہ ہے۔

اور میں جس وحدہٗ لاشریک معبود حق کی عبادت اور پرستش کرتا ہوں، تم اسکی عبادت اور پرستش کرنے والے نہیں (کیونکہ اسکی عبادت وہی معتبر ہے جو اُس کے سوا ہر ایک کی معبودیت کا انکار اور ہر قسم کے شرک سے بیزاری کا اظہار کر کے کی جائے" اور تم اس کے لیے تیار نہیں ہو۔ لہٰذا اس صورت میں اس کا کوئی امکان نہیں کہ تم میرے اُس معبود حق کی عبادت کرو جسکی میں عبادت اور پرستش کرتا ہوں) آگے اسی مضمون کو معمولی لفظی فرق کے ساتھ مکرر ارشاد فرمایا گیا ہے "وَلَآ اَنَا عَابِدٌ مَّا عَبَدْتُّمْ ۝ وَلَآ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَآ اَعْبُدُ ۝" یعنی پھر سن لو اور لوح دل پر نقش کر لو کہ میں کبھی عبادت کرنے والا نہیں ہو سکتا تمھارے خودساختہ معبودوں کی، اس کا کوئی امکان نہیں، اور اسی طرح تم میرے معبود حق کی عبادت کرنے والے نہیں ہو سکتے، (کیونکہ اس کی عبادت کیلیے شرک اور دوسرے معبودوں سے بیزاری شرط ہے اور تم اسکے لیے تیار نہیں ہو)۔۔۔ آگے ارشاد فرمایا گیا ہے "لَكُمْ دِيْنُكُمْ وَلِيَ دِيْنِ ۝" یعنی ہمارا اور تمھارا راستہ بالکل جدا ہے، تمھارے لیے تمھارا دین ہے (جس کی بنیاد خودساختہ معبودوں کی عبادت اور شرک پر ہے) اور میرے لیے میرا دین ہے (جسکی بنیاد ہر طرح کے شرک سے بیزاری، توحید خالص اور وحدہٗ لاشریک معبود حق کی عبادت پر ہے۔) اب دیکھو اور انتظار کرو، ہم میں سے ہر ایک کے سامنے اس کا انجام اور نتیجہ آجائے گا، میں نے تم کو اللہ کا پیغام پہنچا دیا اور اپنے امکان بھر سمجھانے کی اور تمھارے دلوں میں اتارنے کی کوشش کی، اب میں بری الذمہ ہوں ۔۔۔۔ یہ ہے اس سورت کا حاصل اور پیغام۔

**عبادت کیا ہے؟** اس سلسلۂ درس میں یہ بات بار بار بیان کی جا چکی ہے کہ کسی واقعی یا فرضی ہستی کو نفع و ضرر اور بناؤ بگاڑ کا مالک و مختار سمجھ کر عجز و نیاز کے اظہار کے ساتھ ظاہر و باطن سے اسکی آخری درجہ کی تعظیم کرنا، اُس سے اپنی حاجتیں طلب کرنا، اس کے لیے چڑھاوے چڑھانا، نذریں ماننا یہ سب صورتیں عبادت کی ہیں اور مشرکین عرب اپنے خودساختہ معبودوں کے ساتھ یہ سب معاملات کرتے تھے، یہی اُن کا شرک فی العبادت تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت و تعلیم کا پہلا سبق ان کو یہ تھا کہ یہ شرک سب سے بڑا اور ناقابل معافی گناہ ہے، اس سے باز آجاؤ، "لَا تَعْبُدُوْا اِلَّا اللّٰهَ" عبادت صرف اللہ وحدہٗ لاشریک کی کرو، اس کے سوا کسی کی نہیں، اور قرآن مجید سے معلوم ہوتا ہے کہ سب پیغمبروں کا پہلا سبق یہی رہا ہے۔ (اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ۝) یہی کلمہ لا الٰہ اِلَّا اللّٰہ" کا مطلب اور پیغام ہے لیکن اہل شرک کے لیے ہمیشہ یہی بات سب سے زیادہ

ناگوار رہی ہے۔ روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ مشرکین مکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت و تعلیم کے سلسلہ کی دوسری بہت سی باتیں ماننے کو تیار تھے لیکن شرک کے خلاف سننا بھی نہیں چاہتے تھے آج بھی یہی حال ہے، دوسروں کا کیا ذکر خود مسلمان کہلانے والوں میں جو تعزیہ پرست اور قبر پرست جیسے گرفتارانِ شرک ہیں جو تعزیوں پر اور مزارات پر چڑھاوے چڑھاتے، سجدے کرتے اور اُن سے مرادیں مانگتے ہیں ان کا بھی یہی حال ہے، ان سے نماز روزے کی بات کہی جائے یا دوسرے نیک کاموں کے لیے اور گناہوں سے بچنے کے لیے کہا جائے تو وہ چاہے عمل نہ کریں مگر بُرا نہیں مانیں گے، لیکن اگر تعزیہ پرستی اور قبر پرستی کی قباحت ان کو بتلائی جائے اور اس انتہائی درجہ کی گمراہی اور گندگی سے نکالنے کی کوشش کی جائے تو بسا اوقات وہ لڑنے مرنے پر تیار ہو جائیں گے اور خود آپ کو بددین سمجھیں گے —— وہ اسی کو دین و ایمان سمجھتے ہیں۔

اس سورۂ "کافرون" کے بارے میں ایک بات یہ بھی قابلِ ذکر ہے، کہ کسی روایت سے تو مجھے متعین طور سے اس کا زمانۂ نزول معلوم نہیں ہو سکا لیکن اس کے مضمون سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ حضور کے مکہ معظمہ کے قیام کے آخری دور میں نازل ہوئی ہے جبکہ اہلِ مکہ پر قطعی طور پر حجت تمام ہو گئی اور اُن سے دعوتِ حق قبول کرنے کی طرف سے قطعی مایوسی ہو گئی۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے اس سورت کے ذریعہ آپ سے شرک اور اہلِ شرک اور ان کے معبودانِ باطل سے برات اور بیزاری اور قطعی بے تعلقی کا اعلان کرایا، جس طرح آپ کے جدِ امجد حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ہجرت فرمانے سے پہلے اپنے قبیلہ اور عام اہلِ وطن کے شرک اور اُن کے باطل معبودوں سے برات اور بیزاری کا اعلان فرمایا تھا جس کا ذکر سورۂ ممتحنہ کی اس آیت میں فرمایا گیا ہے۔

قَدْ كَانَتْ لَكُمْ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِي إِبْرَاهِيمَ وَالَّذِينَ مَعَهُ إِذْ قَالُوا لِقَوْمِهِمْ إِنَّا بُرَآءُ مِنْكُمْ وَمِمَّا تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ۔ الآیہ

تمہارے لیے اچھا قابلِ تقلید نمونہ ہے ابراہیم اور ان کے ساتھیوں میں، جب انھوں نے اپنی قوم والوں سے صاف کہہ دیا کہ ہم تم سے اور تمہارے معبودانِ باطل سے بری اور بیزار ہیں۔

اس بنا پر کہا جا سکتا ہے کہ اس سورت میں مشرکین کے پیش کیے ہوئے مصالحت کے فارمولے کو قطعی طور سے مسترد کر کے اور ہر قسم کے شرک اور اہلِ شرک سے برات کا اظہار کر کے اُس ہجرت کی طرف اشارہ فرمایا گیا جو آپ کی فتح اور دینِ حق کے غلبہ کا مقدمہ اور پیش خیمہ بننے والی تھی —— ہمارے بزرگوں میں مولانا عبید اللہ سندھیؒ فرمایا کرتے تھے کہ اس سورۂ "کافرون" میں اعلانِ جنگ مضمر ہے —— اس سے پہلے قرآن پاک میں سورۂ کوثر ہے، اُس کے درس میں میں نے کہا تھا کہ اس سورہ کوثر میں فتحِ مکہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے لائے ہوئے دینِ حق کی تمام فتوحات کی بشارت دیدی گئی ہے۔ گویا پہلے آپ کو فتوحات اور غلبۂ دین کی بشارت دیدی گئی اس کے بعد ہجرت کا حکم آیا —— اور اس سورہ کافرون کے بعد متصلاً سورۂ "نصر" ہے، جس میں

(باقی صـ۱۲ پر)

مولانا عتیق الرحمٰن سنبھلی

# انقلابِ ایران اور اُسکی اسلامیت

## سفرِ خیال کی سرگزشت

اس فروری (۱۹۸۲ء) میں ایک سال ہوگیا کہ سرزمینِ "انقلاب اسلامی" ایران پر قدم رکھنے کا موقع ملا تھا۔ اور بارہ دن مہمانِ انقلاب کی حیثیت سے وہاں قیام رہا ——— یہ انقلاب کی تیسری سالگرہ کا موقع تھا۔

سفر سے واپس آکر ایک خط کچھ سرسری مشاہدات و تأثرات کا حامل اپنے ایک بھائی کو لکھنؤ لکھا تھا، جو ادارۂ قومی آواز (لکھنؤ) کے ایک رکن کی دلچسپی کی بدولت قومی آواز میں شائع بھی ہوگیا۔ اس خط میں عام اشاعت کے قابل لحاظ پہلوؤں کی رعایت پیش نظر ہونے کا سوال نہ تھا۔ اس لیے اس سے کچھ ایسا تأثر بھی میری رائے کے بارے میں پیدا ہوا جو اصل واقعہ سے مختلف تھا۔ اسی بنا پر سوچا تھا کہ ایک تفصیلی مضمون اب لکھنا ہوگا۔ اور یہ بات قومی آواز کو لکھ کر بھی بھیجدی تھی جو مراسلات کے کالم میں شائع ہوئی۔ مگر مختلف وجوہ سے اس ضرورت کو پورا کرنے کی نوبت نہ آسکی! اب فروری کا مہینہ اس سال سامنے آنے لگا تو اس گئی گزری بات کی یاد تازہ ہوگئی۔ اور قلم آمادہ ہوا کہ یہ قرضہ اُتار دیا جائے۔ ذیل کی سطروں میں یہی پیش نظر ہے۔ اور چونکہ ایک سال کے عرصے میں اور بہت کچھ سامنے آگیا ہے اس لیے یہ مضمون اب سال گزشتہ کے مشاہدات و تأثرات تک محدود نہیں رہے گا۔ بلکہ اس کے بعد سے جو کچھ مزید سامنے آیا ہے اُس پر بھی تبصرہ ہوگا۔

اور سال گزشتہ کی جن باتوں کا ذکر اب غیر ضروری ہوگا وہ کم بھی ہو جائیں گی۔

---

سال گزشتہ کے مشاہدات کا تاثر یہ تھا کہ انقلاب، ایران کی عام زندگی کے نمایاں اور اُن ظاہر و باہر پہلوؤں کے اعتبار سے جو ایک مسافر کے سامنے بھی آتے ہیں، واقعی پوری طرح ایک اسلامی انقلاب کا تاثر دینے والا ہے۔ اس کی اسلامیت کا جو پہلو سب سے زیادہ پکڑ لینے والا تھا، وہ عورتوں کی چادر پوشی تھی۔ ایران میں عورتوں کی چادر کو سمجھنے کے لیے اپنے یہاں کا وہ برقعہ ذہن میں لانا ہوگا جو آجکل کے دوجزوی (یا دو منزلہ) برقعے سے پہلے اکہری شکل میں رائج تھا۔ اُس برقعہ میں اور ایرانی چادر میں بس یہ فرق ہے کہ یہ اُس سے بہت زیادہ ڈھیلی ڈھالی اور نیچی ہوتی ہے۔ اور اُس میں جو بخیہ کاری سے سر پر ٹوپی سی بن جاتی تھی، چادر اس سے خالی ہے، جیسا کہ چادر کا مفہوم ہے۔ اور دوسرے اُس میں منہ پر نقاب ہوتی تھی چادر میں وہ نہیں ہے۔ یہ اُس کے استعمال کرنے والی پر موقوف ہے کہ اُسے منہ پر بھی اس طرح لپیٹ لے کہ صرف آنکھ ناک اور پیشانی کھلی رہے، اور یا پورا چہرہ کھلا رہنے دے۔

یہ ایرانی چادر پہلی مرتبہ حرمین کی حاضری میں دیکھی تھی۔ اور سچ یہ ہے کہ آنکھوں میں گھر کر گئی تھی، کیونکہ ایک طرف تو اس کے طول و عرض میں صحیح معنیٰ کی پردہ پوشی اور باوقاری تھی اور دوسری طرف ہزار ہا ایرانی خواتین میں سے کوئی خاتون اس کے بغیر وہاں نظر نہ آتی تھی —— لیکن اس مشاہدے کے ساتھ ساتھ یہ بھی معلوم تھا کہ یہ چادر ایران کے ترقی یافتہ شہروں کا عام رواج نہیں ہے بلکہ تہران جیسے شہروں میں تو پردہ داری سے یکسر آزاد خالص یورپین لباس اور وضع قطع کا راج ہے۔ لیکن دل باغ باغ ہو گیا جب تہران کے کوچہ و بازار میں بھی اسی چادر کی عملداری دیکھی۔ یہ بلاشبہ اس انقلاب ہی کی دین تھی چادروں کے اندر چہرے زیادہ تر کھلے ہی ہوئے تھے۔ مگر بالکل سادہ وحیا، دار او رغازہ و لپ اسٹک سے بے نیاز۔ خال خال کہیں عورتیں صرف لمبے کوٹ میں نظر آئیں اور اُن کی بھی پنڈلیوں پر لمبے موزے۔ جن کے متعلق یہ بھی سمجھا جا سکتا تھا کہ شاید ایرانی نہوں۔

شراب خانوں اور جوئے خانوں کی قسم کی کوئی چیز کہیں نظر نہ پڑی، سینما ہاؤس البتہ نظر آئے، مگر ان کے سامنے کہیں، اور کسی وقت بھی شائقین کے ہجوم اور قطاریں نظر نہ آئیں۔ گویا بازار سرد تھا۔

شاہی اور وہ بھی رضا شاہ کی "شہنشاہی" اس میں اعلیٰ اور ادنیٰ غریب و امیر کی جو تفریق عام رہی ہوگی وہ ظاہر ہے۔ مگر اب کہیں یہ تفریق و امتیاز دیکھنے میں نہیں آیا علماء کے خاص لباس عبا اور عمامہ کے سوا پاسداران (نیشنل گارڈز) سے لیکر کسی بڑے بڑے عہدے اور درجے والے آدمی کے لباس اور وضع نیز باہمی معاملت میں کوئی ایسا فرق نظر نہ آیا جو دونوں کو الگ کرتا اور کسی امتیاز کا پتہ دیتا۔

مہمان خانہ، بزرگ استقلال (کبھی کا ہلٹن ہوٹل) جس میں ہم لوگوں کا قیام تھا، وہاں جو اشخاص صدر گیٹ پر آمد و رفت کے محتسب اعلیٰ تھے۔ ان میں ایک بہت ہی سادہ اور خلیق برادر...... ؎ جو سائنس کے گریجویٹ تھے۔ ان سے ایک دن میرے رفیق سفر اور رفیق کمرہ اصغر علی عابدی صاحب (سابق ایڈیٹر دعوت (ہند)) نے انٹرویو کیا، تو انقلاب کی لائی ہوئی چیزوں میں جہاں اعلیٰ اور ادنیٰ کی تفریق کے خاتمے کی بطور خاص نشاندہی انھوں نے کی، وہاں دوسری مجھے یاد رہ جانے والی چیز امام خمینی کی یہ مہم تھی کہ شادیاں نہایت سادہ، سیدہ زہرا رضی اللہ عنہا کے انداز پر کی جائیں۔ اور شادیوں کی گرانباری کے سبب سے جو غریب لڑکیاں عمر چڑھی بیٹھی رہتی ہیں یہ لعنت یکسر ختم کی جائے۔ چنانچہ ان کے بقول اس قدر کثرت سے اس ہدایت پر عمل ہوا اور ہو رہا ہے کہ شادی اب کوئی بڑا مسئلہ نہیں رہی۔

عوام اور خاص کر نوجوانوں میں اسلام سے شیفتگی کا جو اندازہ انقلاب سے پہلے تحریک کے مرحلے کی خبروں میں تحریک کے نعروں اور شعاروں اور ان نعروں پر جاں سپاریوں کی حیرتناک خبروں سے ہوتا رہا تھا۔ وہی شیفتگی انھی مظاہر کی روح کے ساتھ اس وقت بھی دیکھنے میں آئی۔ راگ و نغمے کی الفت جو انسان کی جذباتی زندگی کا ایک حد تک جزو اور ایرانی مزاج کی تو خصوصیت بھی ہے، اور جسے جدید جاہلیت کے عروج نے ساری

---

؎ نام اب یاد نہیں آرہا ہے۔

دنیا، بشمول مسلم دنیا، میں جائز و ناجائز سے بے نیاز کر دیا ہے۔ اس فطری الفت کی تسکین اور اس کے ذریعہ جذباتی جوش کی سطح برقرار رکھنے کے لیے یہاں اسلامی بلکہ خالص دینی شعارات کو نغمات کی لے میں ڈھال لیا گیا ہے۔ لا الٰہ الا اللہ وحدہٗ، نصر عبدہٗ، انجز وعدہ، جیسے کلمات نبوی کو سادہ جذباتی لے میں آواز سے آواز ملا کر پڑھا جاتا ہے۔ اسی طرح کے بیسیوں ملفوظات نبوی اور ان کے رنگ میں خود اپنے بنائے ہوئے شعاروں اور ترانوں کو زبانیں بھی یک آواز دہراتی ہیں اور ان کے کیسٹ بھی تیار کر لیے گئے ہیں۔ یہی کیسٹ ریکارڈروں کے ذریعہ بسوں اور کاروں اور ٹیکسیوں میں بجتے ہیں۔ اسی طرح قرأت قرآن کے ریکارڈ بھی عام ہیں۔ اور اس کی بدولت آج کے ایران کی سرزمین اسلامی نعروں، دینی ترانوں اور قرآن کے نغموں سے گونج رہی ہے۔

ایک اور اسی زمرے کی چیز، جو اپنی معلومات میں بالکلیہ اضافہ کا درجہ رکھتی ہے، وہ یہ دیکھنے میں آئی کہ قرآن پاک اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی سے بظاہر جو بہترین تعلق کسی مسلمان قوم کو ہو سکتا ہے وہ ایرانی قوم کو ہے۔ یہ تاثر ایک حد تک تحریک انقلاب کے دوران اور اس کے بعد کے حالات کی خبروں سے بھی تھا۔ مگر ہم اب تک مذہب شیعیت سے آشنا تھے اس کے اثر سے یہ بات ذہن میں نہ آتی تھی کہ اہل بیت اور ائمہ اطہار اور ان کے اقوال وارشادات کے مقابلے میں قرآن پاک اور آنحضرتؐ کی ذات گرامی سے تعلق کا پلہ بھاری ہوگا۔ لیکن بارہ دن کے قیام میں وہاں جو کچھ دیکھا اس کے بعد اس جدید تاثر کے بارے میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نظر نہیں آتی۔ۃ

عوام اور خاص کر نوجوانوں کی زبانوں پر جاری نعروں اور ترانوں، شعاروں کا ذکر ابھی آچکا ہے علماء اور قائدین وخطباء کی جتنی تقریریں اور خطبے سنے ان میں ائمہ کرام اور اہل بیت کے اقوال وارشادات کے حوالے بہت کم اور قرآن وحدیث کے بہت وافر تھے۔ امام خمینی کے خطاب خاص میں شریک ہوئے، صدر جمہوریہ حجۃ الاسلام علی خامنئی

---

ۃ شیعہ مذہب کی کتابوں سے قرآن پاک اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نیز ائمہ کے درجے کے بارے میں جو بات سامنے آتی ہے وہ ایک الگ بات ہے، یہاں صرف ایرانی قوم کے اس ظاہری حال سے بحث ہے جو سامنے آیا۔

کی ملاقاتی تقریر سنی۔ پارلیمنٹ کے اسپیکر حجۃ الاسلام ہاشمی رفسنجانی اور ایک دوسرے عالم کا خطبہ جمعہ سنا۔ ان کے علاوہ اور بھی کئی ایسے مواقع ہوئے۔ جہاں تک یاد ہے سب جگہ یہی حال تھا۔ ایرانی علماء کا عربی سے لگاؤ اور عربی میں تقریر و بیان پر ان کی قدرت یہ بھی معلومات میں ایک اضافہ تھا۔

---

اسلام کے ساتھ قائدین انقلاب کے واقعی خلوص کا تأثر پہلے بھی تھا۔ مگر یہاں آکر ایک وہ بات دیکھی جو اس تأثر میں کسی خلل اور شبہ کا راستہ بند کرتی ہے۔ یوں دلوں کا حال اور آگے کے معاملات اللہ ہی جانے۔ یہاں تقریروں اور بیانات و خطبات کے علاوہ دیکھا کہ قوم کی اسلامی تعلیم و تربیت کے لیے تہران کے در و دیوار کو مکاتب و مدارس کے تختۂ سیاہ (بلیک بورڈ) میں بدل دیا گیا ہے۔ یہاں اس کی وضاحت اپنے الفاظ میں کرنے کے بجائے روزنامہ جنگ کراچی کے شعبۂ ادارت کے رکن جناب محمد خالد فاروقی کے الفاظ مستعار لینا اچھا لگ رہا ہے؛ جو اس موقع پر تہران آئے تھے اور واپسی پر انھوں نے جنگ میں اپنے تأثرات و مشاہدات قلم بند کیے تھے۔ انھوں نے لکھا :-

"تہران میں قیام کے دوران ہم جس سڑک اور گلی سے گزرے ہمیں دیواروں پر قائد انقلاب امام خمینی اور دوسرے ممتاز رہنماؤں کے اقوال اور مقبول نعرے لکھے ہوئے دکھائی دیے۔ یہی حال دفتروں، کارخانوں اور درسگاہوں کا تھا۔ دوکانوں اور مکانوں کی دیواروں کا شاید ہی کوئی حصہ ہو جو ان اقوال سے خالی رہ گیا ہو۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ تہران انقلاب کی درسگاہ ہے اور اس کی دیواریں کتاب انقلاب کے صفحات بنی ہوئی ہیں۔ ایک سیاح اگر تہران کی سڑکوں پر نہایت خاموشی سے گزر جائے اور کسی ایرانی سے کچھ نہ پوچھے تب بھی وہ تہران کی منہ بولتی دیواروں سے یہ سمجھ سکتا ہے کہ ایرانی عوام نے کس طرح کا انقلاب برپا کیا ہے، مختلف شعبوں کے بارے میں اسلامی ایران کی پالیسی کیا ہے۔ ملت ایران کیا پسند کرتی ہے اور کیا ناپسند کرتی ہے اور وہ کسے

---

؎ یہ واضح رہنا چاہیے کہ اس "اسلام" سے مراد شیعہ تصور والا اسلام ہے نہ کہ مطلق۔

آئندہ عزائم کیا ہیں، اس کی کن طاقتوں سے لڑائی اور کن سے دوستی ہے۔ شاید ہی دنیا کے کسی انقلاب کے دوران دیواروں کو اتنے بڑے پیمانے پر استعمال کیا گیا ہو!!

ان الفاظ پر بس اتنا اضافہ کرنے سے میرا مدعا پورا ہو جائے گا کہ اس عوامی تعلیم و تربیت کی انوکھی اور چپہ چپہ پر "کھلی کتاب" میں نہ صرف یہ کہ کوئی بات ایسی نظر نہیں پڑی جو اسلام کے نعرے کے ساتھ بے جوڑ ہو، بلکہ انقلاب کی حفاظت سکھانے والی ہدایات اور اس سلسلے میں جوش اور احساس ذمہ داری کو زندہ رکھنے والے اقوال کے علاوہ اس "کتاب" کے "صفحات" کا غالب حصہ کسی نہ کسی پہلو سے ایسی ہی ہدایات اور تعلیمات پر مشتمل نظر آیا! جن سے دل و دماغ کو بڑی حد تک اسلام کی جامع تربیت حاصل ہو۔ اور عوام سمجھ لیں کہ اسلام اور "اسلامی انقلاب" کیا ہے اور کیا نہیں ہے؟

جن لوگوں نے یہ طریقہ اختیار کیا ہے اُن کے بارے میں یہ خیال کرنا مشکل نظر آتا ہے کہ ان کے مذہبی اور دینی خلوص کے اظہار میں کوئی کھوٹ ہو سکتی ہے، کیونکہ اگر ایسا ہے تو انھوں نے یہ سب کر کے اپنے لیے کوئی ایسا راستہ نہیں چھوڑا ہے جس سے وہ دین کے برخلاف کچھ کرنے کو جا سکیں۔ اور ایسی نادانی کی توقع ایسے لوگوں سے نہیں کی جا سکتی جو اپنی زیرکی اور پختہ کاری کا لوہا دوست دشمن ہر ایک سے منوا چکے ہیں۔

قائدین کے اس خلوص پر اعتماد کا یہ نتیجہ معلوم ہوتا ہے کہ جو لوگ اُن کے ساتھ ہیں، یا کہیے دست و بازو ہیں۔ وہ اگر نوعمر و نوجوان ہیں تو ایسے جوش و جذبہ سے سرشار کہ آسمان کے تارے توڑ لائیں گے اور بقولِ اقبال اُس "عقابی روح" کا پیکر جسے اپنی منزل آسمانوں سے کہیں نیچے نظر نہیں آتی۔ اور اس کا بڑا کھلا ہوا ثبوت عراق کے ساتھ جنگ ہے کہ اس جنگ کے ابتدائی دنوں میں فوجی لحاظ سے دوالیہ اور اندر کے مخالفین سے دوچار ہونے کی وجہ سے شکستوں پر شکستیں کھائیں مگر حوصلہ ہارنے کی بات کہیں اوپر سے نیچے تک نہیں پیدا ہوئی۔ اور تقریباً دو سال تک حالت شکست کو جھیلتے رہ کر دشمن کو حوصلہ ہارنے پر مجبور کر دیا۔ اور پھر جب پہیہ اُلٹا کر چلنا شروع ہوا تو چند ماہ کے اندر

خود ایرانی عراق کی سرحدوں میں جا گھڑے ہوئے ہیں اور عراق سراپا مدافعت بنا ہوا ہے۔

---

یہ مشاہدات و تاثرات کے وہ پہلو تھے جن سے دور کے اندازوں کی بھرپور تصدیق ہوئی اور دل خوش ہوا۔ مگر ان کے پہلو بہ پہلو کچھ وہ نئے رخ بھی سامنے آئے اور ان میں بعض اور زیادہ کھلتے جارہے ہیں، جن نے ساری خوشی پر اوس ڈال دی۔

۱۔ اسلام کا نعرہ اور ساری اسلامی دنیا کو ٹھیٹھ اور مکمل اسلام پر کھڑے ہو جانے کی پکار؛ مگر اسلام کی پہلی اساس توحید کا جو حشر عوامی خرافات میں صدیوں سے چلا آرہا تھا اس کی اصلاح، بلکہ موزوں تر الفاظ میں اس کے معاملہ میں انقلاب کی کوئی فکر اور حرکت دیکھنے میں نہیں آئی۔ ایران اور ایرانی انقلاب کے مرکز دینی "قُم" جانے کا ہم لوگوں کو موقع ملا۔ وہاں امام موسیٰ رضا (مدفونِ مشہد) کی بہن سیدہ معصومہ کا مقبرہ ہے۔ کیا عظمت و شان اس مقبرہ کی ہے، کچھ نہ پوچھیے اور اس میں اس وقت اور تعمیری اضافہ ہو رہا تھا۔ اس مقبرے میں جس کے اندر مسجد بھی ہے اکابر علماء و مشائخ کی معیت میں ہم مہمان گئے اور وہ تمام مشرکانہ رسوم ہوتی ہوئی دیکھیں کہ وحشت سے دم گھٹنے لگا۔

اگر اور کچھ نہیں تو نوٹوں کے چڑھاوے کی رسم تو پہلے ہی ہاتھ پر روکی جا سکتی تھی۔ کہ ایسی اصلاحات کے لیے ایک ہمہ گیر انقلابی تحریک میں نہایت آسانی سے اتر کر جانے کی طاقت ہے۔ مگر وہاں انقلاب کے تین سال بعد بھی نوٹوں کے ڈھیر لگے ہوئے تھے۔ جنگ زدہ علاقوں پر نظر کے لیے ہم لوگوں کا ایک پروگرام ہوا تھا۔ جو فوجی جہاز سے سفر کی بنا پر اور بعض دیگر پہلوؤں سے بھی قدرے تفصیل سے قابلِ ذکر ہے۔ مگر یہ گفتگو اس کا محل نہیں۔ بس یہ ذکر کرنا ہے کہ ان علاقوں میں شہر شوش بھی جانا ہوا ہے۔ یہاں ایک خاص چیز حضرت دانیال پیغمبر کی قبر بتائی گئی۔ ہم لوگ مقبرہ کے اندر قبر پر گئے تو پیغمبر کی قبر کے ساتھ بھی یہی نوٹوں کے چڑھاوے کی لعنت پائی۔ اگر یہ واقعی ایک پیغمبر کی قبر ہے تو بس اسی کی روح جانتی ہوگی کہ ان چڑھاووں سے اس پر کیا گزر رہی ہوگی۔

اس خرافاتی اور مشرکانہ عوامی مزاج کی اصلاح تو ایک طرف رہی۔ افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ اسے کچھ اور غذا ہی بہم پہنچائی جا رہی ہے، چاہے اس ارادے کے ساتھ نہ ہو۔ میرا اشارہ امام خمینی کے ساتھ شخصیت پرستی کی اس فروغ دہی کی طرف ہے، جسے شیعہ ذہن کی شخصیت پرستی کو نظر میں رکھتے ہوئے بھی، اسلامی عقائد اور تعلیمات کے ساتھ جوڑنا مشکل ہے۔ شیعیت کی ابتدا سیدنا حضرت علیؓ کے ساتھ ایک طرح کی "شخصیت پرستی" ہی کے معاملے سے ہوتی ہے۔ اور یہ بات صاف ہے کہ امام خمینی اور ان کے پیرو شیعہ ہیں۔ اور ان کے اسلامی انقلاب کا تصور کم از کم ایران کی حد تک "شیعہ اسلام" ہی کے تصور پر مبنی ہونا چاہیے۔ مگر جس طرح نعرۂ تکبیر کے جواب میں "اللہ اکبر" کے ساتھ "خمینی رہبر" کا جوڑ لازم بنا ہوا ہے۔ اُن کی تصویر (فوٹو) سے لگاؤ جس طرح "اسلامی انقلاب" سے وفاداری کا ہم معنی بنا ہوا ہے۔ یہ بات شیعہ تصور اسلام کو بھی قبول کر کے اسلام کے ساتھ جوڑ نہیں کھاتی۔ اس احساس کو بیان نہ کرنا دیانت داری کے خلاف ہوگا کہ جس طرح اللہ کا نقش توحید، میرے مشاہدے اور تاثر کے مطابق (جسے قدرے تفصیل سے قومی آواز کے محولہ مکتوب میں لکھا گیا ہے) دلوں میں اتار اجا رہا ہے، بالکل اسی طرح امام صاحب کی رہبری اور اُس کی وحدانیت دل و دماغ میں بٹھائی جا رہی ہے۔ "امام" کا منصب شیعہ عقیدے کی رو سے "رہبر معصوم" کا منصب ہے۔ لہٰذا اُس کے ساتھ ایسا معاملہ سمجھ میں آسکتا ہے۔ مگر امام صاحب کا نہ اپنا نہ ان کے لیے دوسروں کا یہ دعویٰ ہے کہ وہ بایں معنیٰ امام ہیں۔ بلکہ اس معنیٰ میں جو امام ابھی تک غائب ہیں ـــــ بارھویں امام، امام مہدی ـــــ امام صاحب کو اُن کی نیابت کا منصب، ولایت فقیہ کے فلسفے کے ماتحت دیا گیا ہے۔ جس کی رو سے انھیں سربراہی حکومت کے اختیارات تو حاصل ہوتے ہیں مگر مقام معصومیت نہیں ـــــ پھر یہ بات کیسے چل رہی اور چلائی جا رہی ہے؟ یہ بالکل سمجھ میں نہ آسکا! اور اگر کسی درجہ کی معصومیت بھی اس نیابت کے ضمن میں حاصل ہو جاتی ہے تب بھی یہ تصویری پرستش "بت شکنی خمینی" کے شعار کے ساتھ جوڑ نہیں کھاتی ـــــ شاہ کا زندہ مجسمہ گرانے اور پھر اُس کے اور اُس کے باپ دادا کے مجسمے توڑے جانے پر امام صاحب کو "بت شکن" کا خطاب دیا جائے اور ساتھ ہی

ساتھ امام صاحب کے تصویری بت بنائے اور عام کیے جائیں۔ یہ قیامت کی بوالعجبی ہے! اور اس سے اور بڑھ کر یہ کہ "بت شکنی خمینی" کا جو شعار ابھی نقل کیا گیا وہ ہیں نے کسی دیواری نقش یا کتبے سے دیکھ کر اپنی یادداشت میں نوٹ کیا تھا۔ یہ دراصل پورے شعار کا دوسرا حصہ ہے۔ پورا شعار یوں ہے "روحِ منی خمینی۔ بت شکنی خمینی"۔ جو بات دوسرے حصے میں کہی جا رہی ہے اُس کی روح کے بالکل ہی خلاف پہلا حصہ جا رہا ہے۔ بالفاظ دیگر پہلے امام صاحب کو خود اپنے دل و روح کا بت بنایا گیا اور پھر اُسی سانس میں اُن کی تعریف "بت شکنی" سے کی گئی۔ یا للعجب! یہ کیا تماشہ ہے؟

امام صاحب کی تصویر پرستی کی بات یہاں تک پہنچی ہوئی ہے کہ ۵ر فروری کو پہلا جمعہ پڑھنے کے لیے جب ہم تہران یونیورسٹی کے میدان میں گئے، جہاں شہر کا جمعہ ہوتا ہے (اور موجودہ صدر جمہوریہ علی خامنئی یہیں کے امام جمعہ تھے) تو یہ دیکھ کر آنکھیں پھٹی رہ گئیں کہ میدان جمعہ روسٹرم (منصّۂ خطاب) کی پچھلی دیوار پر امام صاحب کی بہت بڑی تصویر آویزاں ہے۔ اور پھر اسی پس منظر میں اُس دن کے خطیب جمعہ (جن کا نام مجھے یاد نہیں رہا) خطبہ دینے کے لیے آکر کھڑے ہوئے۔ اور ہم کان خطبہ پر لگا کر اُنہی پھٹی ہوئی نگاہوں سے خطیب کے ساتھ ساتھ امام صاحب کی تصویر اُن کے پس منظر میں دیکھتے رہے۔

امام صاحب کی تصویر پرستی اس حد کو پہنچی ہوئی ہے کہ اس میں خود شیعی نظر سے بھی ایک جو بڑی حیرتناک بات پیدا ہو چکی ہے وہ بھی لوگوں کو چونکانے سے قاصر ہے۔ اور وہ یہ کہ حضرت علی رضؓ کی خیالی تصویریں کہیں کہیں ملتی ہیں۔ خاص کر ہم نے بسوں میں آگے پیچھے لگی دیکھیں۔ جیسے ہندوستان میں کرشن جی اور گرو نانک جی وغیرہ کی تصویریں بعض ہندو اور سکھ ڈرائیوروں کی بسوں میں ملا کرتی ہیں تو یہ حضرت علی کی تصویریں بھی امام صاحب کی تصویروں کے آگے بالکل دب کر اور قطعاً بے وقعت ہو کر رہ گئی ہیں۔ امام صاحب کی تصویروں کے ساتھ دلی تعظیم اور لگاؤ کا معاملہ ہے جبکہ حضرت علیؓ کی تصویروں کا مصرف صرف "برائے زینت" معلوم ہوتا ہے۔ یہ چیز ہماری دوگونہ تکلیف کا باعث بنی۔ ایک طرف امام صاحب کی تصویر پرستی میں شرک پروری کا سامان، دوسری طرف حضرت علیؓ کی تصویر اگرچہ وہ فرضی ہی ہو اُس کی بے وقعتی!

۲۔ اسلام کے عملی اساسات میں پہلا درجہ نماز کا ہے۔ حدیث میں اسے "عماد الدین" (دین کا ستون) اور کفر و اسلام کے درمیان خط امتیاز کہا گیا ہے۔ اور یہی حیثیت قرآن پاک سے ظاہر ہوتی ہے مگر افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ ایک جمعہ کی نماز کے سوا اس کا کما حقہٗ اہتمام نہیں دیکھا۔ اور مسجد کی تو تہران کے پورے قیام میں ایک دو کے سوا کہیں صورت ہی دیکھنے میں نہیں آئی۔ ہمارے ہوٹل میں لگ بھگ ایک ہزار مہمان تھے۔ نماز کے لیے جگہ اگرچہ ایک طرف بنی ہوئی تھی۔ مگر اذان کی آواز کسی ایک وقت سنائی نہیں دی۔ یعنی اگر ہوتی تھی تو اس کے پورے ہوٹل میں پہنچنے کا کوئی انتظام نہ تھا۔ اور اگر اب یادداشت غلطی نہیں کرتی تو ہر چیز کا ٹائم ٹیبل لگا تھا مگر جماعت کے اوقات کا کوئی ٹائم ٹیبل نہ تھا۔

جمعہ کی نماز جس کا اہتمام ہوتا تھا۔ اُس کا ایک وحشت ناک پہلو تو اوپر آگیا۔ اس کا دوسرا پہلو تھا جلسوں کی سی نعرہ بازی۔ اور اس کی وضاحت کے لیے تھوڑا سا بیان خطبہ جمعہ کی نوعیت کا ضروری ہے۔

یہ تو ہم پہلے ہی سے جانتے آئے تھے کہ انقلاب کے بعد سے ایران میں خطباء جمعہ کا خطبہ "عصا در دست" کے بجائے "رائفل بر دوش" ہو کر دیتے ہیں، چنانچہ خطیب صاحب اسی شان سے سامنے آئے۔ مگر خطبہ کی نوعیت کا یا تو پہلے سے علم نہ تھا اور یا ذہن سے نکل گئی تھی۔ بہرحال خطبہ حمد و ثنا اور صلوٰۃ و سلام اور ایک آدھ آیت (یا سورۂ قرآنی) کے بعد تمامتر اور بحد طوالت کے ساتھ خالص حالات حاضرہ سے متعلق (با لفاظ دیگر تمامتر انقلابی) تھا۔ "رائفل بر دوش" خطیب سے اس طرح کا خطبہ ظاہر ہے کہ کوئی خلاف توقع بات نہ ہونی چاہیے تھی۔ مگر یہ بات بالکل خلاف توقع اور باعث حیرانی تھی کہ خطبہ کی اس نوعیت کے ساتھ بالکل وہی نعرے بازی پورے خطبہ میں ہوتی رہی، جس کی تفصیل قومی آواز میں شائع شدہ "سفرنامہ" میں دی جا چکی ہے۔ اور اُسی دھڑا دھڑی سے کیمرے چلتے رہے جیسے ایران کے ہر جلسے میں دیکھے تھے۔ ہمارے علم و تصور کے مطابق جمعہ کا خطبہ جمعہ کی نماز ہی کا ایک جزو ہے۔ اور اس کا کام تقریباً وہی ہے جو فرائض سے پہلے سنتوں کا، کہ

آدمی میں توجہ الی اللہ اور خشوع و خضوع کی کیفیت پیدا کریں۔ تاکہ فرض نماز پوری طرح ان کیفیات کے ساتھ ادا ہو۔ یہاں اس کے برعکس انقلابی شورش کی کیفیات پیدا ہو رہی تھیں۔ ہمارا اور ہم جیسے تمام لوگ جن سے اس بارے میں بات ہوئی اُن کا اس نعرے بازی اور کیمرے بازی کی بدولت یہ حال خطبہ کے دوران ہو گیا کہ نماز نماز ہی نہ معلوم ہوئی، ذہن یکسر پراگندہ اور بدمزہ تھا اور نہ جانے کہاں کہاں گھوم رہا تھا۔ بس قیام و قعود اور رکوع و سجود یعنی ارکان نماز ادا ہو گئے، نماز کی روح اس نعرے بازی کی نذر ہو گئی۔ نتیجہ میں ہم دوسرے جمعہ کی نماز میں جانے کی ہمت نہ کر سکے اور مسافری کا عذر لیکر کمرے ہی میں ظہر پڑھ لی۔

حالیہ حج کی طرح گزشتہ حج کے موقع پر ایرانی حجاج کی نعرے بازی نے جو مسئلہ حرمین میں پیدا کیا تھا۔ جس کی بڑی خبریں لندن کے اخبارات میں بھی آئیں۔ اس سلسلے میں شاہ خالد مرحوم نے امام خمینی کو ایک شکایتی خط لکھا تھا اور خواہش کی تھی کہ وہ اپنے ملک کے حجاج کو سمجھائیں کہ یہ موقع اس طرح کی نعرے بازی کا نہیں اور حرمین کے ادب کے خلاف اور روح حج کے منافی ہے۔ یہ خط میں نے ایران ہی کے ایک رسالے میں مع اس کے جواب کے پڑھا تھا۔ اور اسی جواب کی بنا پر کوئی فائدہ نہ معلوم ہوا کہ جمعہ میں جو کچھ ہم نے دیکھا اُس کے بارے میں کسی سے وہاں بات کریں۔ اندازہ ہو گیا کہ اس انقلاب میں نعرۂ تکبیر اور ترانۂ توحید تو ضرورت سے بھی کچھ سوا ہے۔ مگر عبدیت کے خشوع و خضوع اور عجز و نیاز کو کم از کم وقتی طور پر ہی (شاید انقلابی مصالح اور مسائل کے تحت) خارج از ضرورت کر دیا گیا ہے۔ تاہم ہم اپنے آپ کو کسی ایسی اسلامی سلطنت کا تصور کرنے سے قاصر پاتے ہیں جس کے لیے روحِ نماز اور روحِ حج سے بے نیاز ہو جایا جائے۔

---

انقلاب کے شروع میں میرا تأثر کافی دن تک اچھا ہی اچھا بلکہ بہت اچھا رہا۔ سب سے پہلی چیز جو شاید بلا تفریق سب کو متاثر کر رہی تھی وہ انقلابی قیادت کی استقامت اور مہارت تھی۔ ملک سے باہر ہوتے ہوئے اہل ملک پر خمینی صاحب کی ایسی گرفت کہ

"ملک بادشاہ کا اور حکم کمپنی بہادر کا" کا سماں بندھ رہا تھا۔ شاہ کی سخت ترین خونریزیوں سے بھی ادنیٰ لرزش اُن کے پائے استقامت میں نظر نہیں آتی تھی۔ اعصاب کی مضبوطی اور دماغ کی صحیح کارکردگی کا اس ہوش ربا عالم میں بھی یہ حال تھا کہ جو اگلا قدم وہ قوم کے لیے تجویز کرتے تھے صحیح ہی پڑتا اور حریف کے پاؤں اُکھاڑتا تھا۔ حتیٰ کہ باہر ہی بیٹھے بیٹھے اُنھوں نے شاہ کو ملک چھوڑ دینے اور ان کے لیے جگہ خالی کرنے پر مجبور کر دیا۔ اور شاہ کی متروکہ حکومت کے ہوتے ہوئے بھی وہ اپنے شرائط پر ایران میں اُترے۔ اور پھر اس حکومت کے ہتھیار ڈالدینے میں بھی کچھ دیر نہ لگی۔

یہ تو وہ پہلو تھا جس سے کم و بیش سب ہی لوگ، چاہے موافق ہوں یا مخالف، متاثر ہوئے ہوں گے۔ دوسری چیز بطور خاص خوش کرنے والی، انقلاب کا دینی رُخ و رنگ بلکہ اُس کی دینی اساس تھی، کہ ہر چند یہ انقلاب شیعہ دینی تصور کے ماتحت ہے۔ مگر ایک تو دین کے نام اور دین (یعنی اسلام) کی اساس پر انقلاب، یہ بہر حال دوسرے اسلامی ملکوں کی دینی تحریکوں اور عناصر کو ایک نیا ولولہ اور امید عطا کرنے والی اور ان ملکوں کی حکومتوں کو عقل و ہوش کی راہ دکھانے والی چیز ہے کہ اسلام سے انحراف یا نفاق چھوڑ دیں۔ دوسرے خمینی صاحب بلا قید شیعیت دین کے نقیب نظر آرہے تھے۔ اور اُن کے زیر اثر ایرانی طالب علموں اور نوجوانوں کا جو طبقہ دوسرے ملکوں، برطانیہ وغیرہ میں، تھا وہ اپنے عمل اور مطلب سے اس کا ثبوت بہم پہنچا رہا تھا کہ خمینی صاحب کی قیادت نے ملکی نظام ہی میں انقلاب کی بنیاد نہیں ڈالی ہے بلکہ قوم کے ذہن کو بھی بدل کر بڑی وسعت اور فرقہ واریت سے بلندی عطا کر دی ہے۔ تو اس طرح یہ ایرانی انقلاب بالاثر ہی نہیں بالارادہ بھی وسیع معنیٰ میں عالمی اسلامی انقلاب کا ذریعہ اور پیش خیمہ بن سکے گا۔

---

ان اچھے تاثرات میں اگر کافی مضبوطی نہ ہوتی تو خمینی صاحب کے برسر اقتدار آجانے کے بعد جلدی ہی ان میں فرق پڑنا شروع ہو جاتا۔ کیونکہ رضا شاہ جہاں کہیں پناہ

---

ملہ اس تاثر کے ساتھ ہی ساتھ خود میرا اپنا ایک شبہ اس بارے میں تھا جو آگے ایک موقع پر بیان میں آئے گا۔

کے لیے پہنچے خمینی صاحب نے اُن کی واپسی کا بڑے ہی بے رحمانہ انداز میں مطالبہ شروع کیا۔ مطالبے میں کوئی مضائقہ نہ تھا مگر اس بے رحمی کا انداز کسی دینی طبیعت کا اچھا نمونہ نہیں نہیں تھا ــــــ اور اگر برطانوی اخبارات کی اطلاعات صحیح ہیں تو ــــــ حد ہوگئی کہ جب حکومتوں پر بس نہ چلا تو اُنھوں نے اُن کے اہل خاندان بہن اور بیوی سے کہنا شروع کیا کہ وہ اگر شاہ کو قتل کردیں یا زہر دیدیں تو اُن کے گناہ معاف کردیے جائیں گے۔ پھر وہ بیچارہ ــــــ کتنا ہی وہ ظالم اور بدکار رہا ہوتا ہم اپنے اس آخری حال میں بیچارہ ہی کہلائے گا ــــــ اس دربدری اور اندرونی ہموم کے اثر سے کینسر میں مبتلا ہوگیا تو اُس کو علاج تک کرانا محال کردیا گیا۔ اسی حالت میں یہاں سے وہاں جان بچاتا بھاگتا پھرتا تھا۔ اور ادھر کھلے عام یہ کوشش تھی کہ اُسے اپنی موت بھی نہ مرنے دیا جائے۔ جبکہ کسی ایرانی کو اُس کے خون سے پیاس بجھانے کا موقع ملے۔ بہرحال کچھ خصوصیات میں خمینی صاحب کا ہم پلّہ سادات اُسی غریب کے کام آیا اور اُسے قدرے اطمینان سے مرنے کا موقع مصر میں مل گیا۔

اسی طرح کی بے رحمی شاہ کے اُن تمام اعوان و انصار کے ساتھ بڑی تیزی سے کی جاتی رہی جو ایران ہی میں ہاتھ آگئے تھے۔ کہنے کو عدالت میں ان پر مقدمہ چلایا گیا مگر عدالتی کارروائی جس انداز کی ہوتی تھی اُس سے تو اُن کے قتل کا جواز ہرگز نہیں بنتا تھا۔ البتہ اُن کے جرائم عموماً الم نشرح اور گویا ثابت شدہ تھے اس لیے کہا جاسکتا تھا کہ کچھ غلط نہیں ہوا۔

---

ملے سفر ایران کے دنوں میں ایک دن ہم لوگوں کا پروگرام تہران کی ایوِن جیل کے معائنہ کا رکھا گیا تھا۔ اسی جیل کے اندر تہران کے چیف جج سید علی گیلانی کی عدالت بھی تھی۔ پروگرام کا پہلا جز چیف جج سے ملاقات ہی کا تھا۔ اس ملاقات میں جج صاحب نے ان خبروں ہی کے پس منظر میں جو ایران کی عدالتی کارروائیوں کے متعلق دنیا میں عام پھرتی رہی تھیں اپنے عدالتی طریق کار پر روشنی ڈالی۔ اور اس میں انھوں نے ان خبروں کی صداقت کو تسلیم کیا کہ بعض ملزموں کے معاملے میں معروف عدالتی طریق کار کے معیار پر ثبوت جرم پہنچائے بغیر سزا دی گئی۔ مگر اس کو صحیح قرار دینے کے لیے انھوں نے اسلام کی عدالتی تاریخ سے کچھ نظائر کا حوالہ دیا ــــــ اور یہ نظائر حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے متعلق تھے۔ مگر مجھے ان توجیہات میں کوئی جان نظر نہیں آئی۔ اور بس اس کا ثبوت ملا کہ خبریں صحیح تھیں۔ اور

(باقی اگلے صفحے پر)

بس اس طرح کی تاویلیں اپنے اچھے اور گہرے تاثرات کے زیر اثر کر کے ایسی باتوں کا اثر دور کیا جاتا رہا، مگر ایک طرف تو یہ باتیں بڑھتی ہی چلی گئیں اور دوسرے قسم کے ملزموں کے ساتھ بھی ایسی کارروائیاں مسلسل عمل میں آتی رہیں، جن سے متعلق الزامات اگرچہ اُن کے ساتھ کوئی ہمدردی نہیں ہونے دیتے تھے۔ مگر عدالتی کارروائیاں اسلامی عدل کی رو سے قطعًا ناکافی اور سزائیں ظلم معلوم ہوتی تھیں۔ دوسری طرف امریکن سفارتخانے کے یرغمالیوں کا مسئلہ وجود میں آیا، جو ایک منزل پر جا کر ہر معقولیت اور جواز سے خالی ہو کر صرف اس مصرف کا محسوس ہونے لگا کہ قوم کا ذہن اُن بے اطمینانیوں کے ردّ عمل سے ہٹا کر جو مابعد انقلاب کے سخت معاشی اور کاروباری بحران سے پیدا ہو رہی ہوں گی، جب تک ہو سکے اس جذباتی ڈرامہ میں اٹکائے رکھا جائے اور مخالف عناصر کو موقع نہ ملنے دیا جائے کہ وہ قوم کی اس کسل مندی سے فائدہ اُٹھائیں۔

تاثرات کی اچھی موٹی اور مضبوط دیوار میں پہلی دراڑ اسی یرغمالی مسئلہ کے لایعنی طول سے پڑی۔ اصل اقدام واقعی دبنگ پن کا اور پوری تیسری دنیا (THIRD WORLD) کے لیے نفسیاتی طور پر غیر معمولی ہمت بخش ہونے کے لحاظ سے بڑا قیمتی تھا۔ امریکہ نے اپنی ساری عظیم طاقتوں کے باوجود جس ٹُک ٹُک دیدم کے انداز میں اسے برداشت کیا، اُس نے اِسے اس جواز کا سرٹیفکیٹ بھی عطا کر دیا تھا جو جواز اس کا ایرانی بتاتے تھے۔ یعنی سفارتخانے کے نام سے جاسوسی اور تخریبی گھونسلے کا کام۔ مگر اسے چودہ مہینے کا طول اس طور پر دینا کہ سارے ایران کی بیشتر توانائیاں اور توجہات اسی طول کو بنائے رکھنے پر مرکوز ہو کر رہ گئیں۔ امریکہ کی

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ)

---

آج تو ایران کی عدالتی کارروائیوں کی بے عنوانیاں کسی بھی ثبوت سے بے نیاز ہیں کہ پچھلے ہی مہینے امام خمینی صاحب نے بہ نفس نفیس اس کا نوٹس لیا ہے اور ایک اعلیٰ تر اختیارات کا جینل تمام عدالتوں سے متعلق انکوائری اور اُن کی نگرانی کے لیے مقرر فرمایا ہے۔ یہ نوٹس صرف عدالتوں کی بے عنوانیوں ہی کا نہیں ہے۔ بلکہ اُن تمام انقلابی عناصر کی بدعنوانیوں کا بھی ہے جو لوگوں کے جھوٹے سچے کیس عدالتوں تک پہنچوانے کا ذریعہ بن رہے ہیں، اور اس طرح انھوں نے ایران کو ایک جاسوسی نظام کا جہنم بنا دیا ہے۔

عظیم طاقتیں کی وجہ سے ہر وقت یہ خطرہ کہ پتہ نہیں کدھر سے کیا اقدام ہو جائے، اور اس خطرے کے مقابلے کے لیے ہر وقت ذہنی چوکسی اور عملی کارروائیاں۔ قوم اس حال میں انقلاب کی منزل سے ہمکنار ہوئی ہے کہ ملک کی پوری معیشت کا ڈھانچہ چور چور ہو گیا ہے۔ فوری طور پر نئی تعمیر اور بحالی کے کاموں کی ضرورت ہے۔ مگر یرغمالوں کی حفاظت کا مسئلہ کہاں اس کا موقع دے رہا ہے؟۔ پوری قیادت اور اس کے دست و بازوؤں کو بس یہی دیو پکڑ لینے کا مسئلہ گھیرے ہوئے ہے۔ تہران کی اس وقت کی بحرانی کیفیت کی خبروں کو ذہن میں تازہ کیجیے تو یہ بات یاد آ جائے گی کہ بس ایک ہی مسئلہ سارے ایران پر چھایا ہوا تھا۔ اور معلوم ہوتا تھا کہ کوئی دوسرا مسئلہ وہاں اس وقت قابل توجہ نہیں رہ گیا ہے ——— امریکہ اپنے دبے ہوئے ہاتھ کو چھڑانے کے لیے طرح طرح کی مصالحانہ کوششیں کر رہا ہے۔ اقوام متحدہ کے سکریٹری جنرل تہران کے چکر کاٹ رہے ہیں۔ مگر یہاں انداز یہ ہے کہ گویا مسئلہ حل کرنا ہی نہیں ہے۔ اور یہ جو دوسرے تمام کاموں کو روک کر بیٹھ جانے والا آزار پالا ہے، یہ گویا کوئی آزار ہی نہیں بلکہ کوئی بڑی خوشگوار شے ہے، جس سے چھٹی منظور نہیں! اس مرحلہ پر طبیعت انتہائی کھٹی ہونے لگی۔ اور اس تاثر کو اپنے آپ سے دور کرنے کا کوئی راستہ نہیں رہا کہ گویا ہے

ایک ہنگامے پہ موقوف ہے گھر کی رونق
نوحۂ غم ہی سہی نغمۂ شادی نہ سہی

یعنی قوم میں حالات سے ناراضگی کے سر اٹھانے کو معقول طریقوں سے روکنے کی کوئی صورت نہیں بن پا رہی تھی، تو کوئی بھی ہنگامہ خیز مسئلہ کھڑا کر لیا جائے اور وہ کارگر نظر آئے تو پھر جب تک جی سکے اسے چلائے رکھا جائے۔ چاہے اس کے نتیجہ میں حالات بد سے بدتر ہی کیوں نہ ہوتے جائیں۔ حتیٰ کہ کوئی نیا مسئلہ اسی ڈھب کا مل جائے۔ چنانچہ یہی ہوا کہ دس مہینے اس مسئلہ کو کھینچ لینے کے بعد اس سے کہیں بڑا اور واقعی مسئلہ، خدا کی دین بن کر آ گرا۔ یعنی عراق کو حماقت سوجھی کہ ایران کے اندرونی حالات کی ابتری اور اس مسئلہ میں الجھاؤ سے فائدہ اٹھا کر شط العرب کا جھگڑا اپنی مرضی کے مطابق حل کرا لیا جائے۔ اور اس احمقانہ خیال کے ساتھ جس کے پیچھے دوسری اور بیرونی تحریکات بھی یقیناً کارفرما تھیں، ایران پر

فوجی دھاوا بول دیا جس کے لیے بہانہ پیدا کرنے کا ذمہ دار یقیناً ایران ہی اپنی کچھ کارروائیوں
کی بنا پر تھا؎۔ اب اس نئے اور واقعی مسئلہ کے پیدا ہوتے ہی ایرانی انقلاب کو یرغمالی مسئلہ
سے پیچھا چھڑانے کی ضرورت محسوس ہونے لگی۔ اور وہ جو ایسے سخت شرائط اب تک اس کے لیے
لگا رکھے تھے جن پر امریکہ کے راضی ہو جانے کا کوئی سوال نہ تھا، ان میں سے کچھ تو بالکل
ہی غائب ہو کر اور کچھ اپنی اصلیت کے اعتبار سے بہت کچھ بدل کر چار مہینے کے اندر
اندر سمجھوتہ ہو گیا۔ اور یہ چار مہینے بھی اس لیے لگے کہ اصل شرائط تو پورے ہو نہیں رہے تھے
اس لیے بظاہر قوم میں حتی الامکان بات بنائے رکھنے کے پیش نظر سمجھوتے کی کارروائی
میں بڑی سخت جد وجہد اس بات کی کرنا پڑی کہ یہ نہ سمجھا جائے کہ ہار مان لی گئی ہے۔ خیر کسی
طرح یہ قصہ الجزائر کی درمیانی خدمات سے پاک ہوا۔ اور چودہ مہینے کا وہ ڈرامہ جو مدت
سے معمہ بن گیا تھا خاتمہ کو پہنچا۔

اب اس خود ساختہ مسئلے کی جگہ عراق کا عائد کردہ مسئلہ پہلے ہی سے آچکا تھا۔ اور
اچھا خاصہ لمبا چوڑا علاقہ اور وہ بھی ایرانی معاشیات کی شہ رگ یعنی تیل کی دولت کا،
اتنے دنوں میں عراق نے قبضا لیا تھا۔ یہ مسئلہ واقعی ایسا نہیں تھا کہ ایران اس سے کسی
بھی طرح پیچھا چھڑانے کی بات سوچے اور داد دینی چاہیے ایرانی قیادت کی مضبوطی
اعصاب اور ہمت کی کہ ان ابتدائی مہینوں میں اپنی پتلی حالت اور ہر محاذ پر شکست کے
باوجود جنگ جاری رکھنے اور دشمن کو پسپا کرنے کے عزم و حوصلہ میں کوئی ادنیٰ کمزوری نہیں
دکھائی۔ حالانکہ ان دنوں میں یرغمالوں کا مسئلہ الگ مطعونیت اور رسوائی "کمبل" بنا ہوا
تھا۔ بہرحال پھر داد دیجیے اور مضبوطی اعصاب و ہمت کا سبق ایرانی انقلاب کے قائدوں
سے سیکھیے کہ انھوں نے کسی گھبراہٹ اور پریشانی کا شائبہ بھی اپنے رویہ میں نہیں آنے
دیا۔ اور بالآخر اپنی فوج کی تمام پراگندگی اور ابتری کے باوجود، قوم کو ایک نئے جوش
سے بھر کر دو سال کی مدت میں جنگ کے پہیہ کو الٹا گھما ہی دیا۔ اب ایرانی رضا کار اور
ملیشیا گارڈ پیچھے پیچھے اور عراقی فوج آگے آگے۔ اور یہاں بھی چار ہی مہینے مشکل سے لگے کہ

---

؎ اس مجمل اشارے کی تفصیل آگے ایک موقع پر آئے گی

ایک تھوڑی سی پٹی کو چھوڑ کر نہ صرف ایران کے تمام اہم علاقے اور شہر عراقی فوج سے خالی ہو گئے۔ بلکہ بڑی تعداد میں انھیں ایرانیوں نے گرفتار بھی کر کے خود اُن کی سرحدوں کے اندر ڈیرہ جا جمایا ہے۔

---

یہ عراق ایران کی جنگ کا قصہ اپنی اس وقت تک کی صورت حال تک، صرف سلسلۂ کلام کے جوڑ سے اس جگہ پر آ گیا، ورنہ ابھی اس کا موقع نہ تھا۔ اور کہنا یہاں صرف یہ تھا کہ یرغمالوں کے مسئلہ کا وہ طول جس میں نہ صرف یہ کہ کوئی معقولیت سمجھ میں آنے والی نہیں تھی بلکہ مابعد انقلاب کے اُن قومی مسائل پر توجہ میں زبردست رکاوٹ ڈال دینے والا بھی تھا جن پر توجہ کی ضرورت ملک کی سب سے بڑی ضرورت تھی، اس طول لاینعنی کے اثر سے راقم سطور کے اچھے تاثرات میں فرق آئے بغیر نہیں رہ سکا۔ اور وہ جو خمینی صاحب کی ایک سنجیدہ اور مخلص قائد کی حیثیت سے دل میں وقعت تھی مجروح ہوئی، کہ یہ تو اقتدار کی مسند پر پہنچ کر اُنھیں باتوں کے روادار ہونے لگے جن کے لیے ارباب اقتدار وسیاست بالعموم بدنام ہیں۔ ورنہ اس لاینعنی طول کا کیا جواز تھا جس سے وہ باتیں تو بدیہی طور پر حاصل ہونے والی نہیں تھیں جن کا مطالبہ امریکہ سے کیا جا رہا تھا۔ اور ساتھ ہی ساتھ قوم و ملک کے سلسلے میں جو اُن کے اولین فرائض تھے وہ بالکل پس پشت ہو رہے تھے؟

پھر اس تاثر کو عراق کی جنگ کے سلسلے میں بھی اُن کے شرائط کی فہرست نے اور پختہ کر دیا۔ اور ان شرائط کے معاملے میں اُن کے اس رویّہ نے کہ اسلامی دنیا کے منتخب نمائندے بار بار تہران کے چکّر کاٹ رہے ہیں کہ عراق جب جنگ ختم کرنے پر علی الاعلان تیار ہے اور وہ آخر میں خود ہی اس اعلان کے ساتھ اپنے قبضے کے اکثر باقیماندہ ایرانی علاقے بھی چھوڑ کر اپنی سرحدوں میں واپس چلا گیا ہے۔ بعض شرائط بھی ماننے کو تیار ہے، عالم اسلامی کی کھلی ہوئی ضرورت بھی ہے کہ دو اسلامی ملکوں کی یہ طویل باہمی جنگ ختم ہو، تو ایران کو بھی کچھ اپنی سختی میں کمی کر دینی چاہیے۔ مگر یہاں وہی ایک رٹ کہ، مناسب اور نامناسب، ہر شرط جو آیت اللہ خمینی صاحب کی زبان سے نکل گئی ہے وہ حرف بحرف

پوری ہونی چاہیے، اس کے بغیر جنگ نہیں بند ہو سکتی۔ یہ رویّہ اپنے احساس میں اس سے بھی زیادہ نامعقول اور مہمل تھا جو امریکی یرغمالوں کے مسئلہ پر برتا گیا تھا۔ اور اس بنا پر اس کی بھی کوئی وجہ سوائے اس کے سمجھ میں آنے والی نہیں تھی کہ ایک طرف تو یہ مسئلۂ جنگ امریکی یرغمالوں کے مسئلہ سے کہیں زیادہ جذبات خیز ہے۔ اور اس لیے قومی مسائل کے سلسلے میں جو ضروری کام اب تک نہیں کیے جا سکے ہیں۔ اور اس لیے بے اطمینانی اور ناآسودگی کے مظاہر کا باعث ہو سکتے ہیں، اُن کے معاملے میں حامیوں پر خود فراموشی کی کیفیت طاری رہے درمیانی عناصر کو ایسے وقت میں لب کشائی سے حجاب ہو اور مخالفین کے اعتراضات کے مقابلے میں فرائض کو پورے نہ کر سکنے کا ایک اچھا عذر رکھا جا سکے۔ بلکہ اُنھیں الٹا مجرم بنایا جا سکے کہ کیسے وقت میں کس قسم کی باتیں اُٹھا کر قومی محاذ کو کمزور اور دشمن کو فائدہ پہنچانے کا ارتکاب کر رہے ہیں۔

دوسری وجہ اس رویّہ کی، جو اقرار و اعلان کے ماسوا تمام قرائن سے ظاہر ہو رہی ہے اور اس پہلی وجہ سے بدرجہا زیادہ افسوسناک ہے۔ اور زیادہ یقینی بھی، وہ یہ ہے کہ عراق شاید پہلے دن سے ایرانی انقلاب کا نشانہ تھا۔ جنگ سے پہلے ایران ہی کی طرف سے اس کا بہانہ فراہم کر دینے کی جو بات اشارۃً اوپر آئی ہے۔ اس کی شرح یہ ہے کہ عراق میں بعثی حکومت کے قیام کے بعد سے اسلام وہاں اس حکومت کے جبر و استبداد کا بطور خاص نشانہ بنا ہوا تھا۔ جیسا کہ شام کی بعثی حکومت کا حال ہے۔ عراق میں شاید برابر سرابر سنّی اور شیعہ آبادی ہے۔ یا جیسا کہ کہا جاتا ہے شیعہ آبادی کی تعداد کچھ زیادہ ہی ہے بعثی حکومت کے اسلام دشمن رویّہ میں شیعہ سنّی کا کوئی فرق نہ تھا۔ لیکن وہاں کے شیعوں کا ایران سے بہت گہرا تعلق ہے۔ خود امام خمینی نے اپنی انقلاب سے پہلے کی جلاوطنی کے پندرہ سال وہاں گزارے تھے، جس سے یہ رشتہ خاص طور سے انقلاب ایران کے ساتھ اور مضبوط ہوا۔ وہاں ایران کی طرح پہلے ہی سے شیعوں میں اسلامی انقلاب کی تحریک حالات کی اجازت کے بقدر چل رہی تھی۔ ایرانی انقلاب نے ارد گرد کی تمام ہی شیعہ آبادیوں میں جس طرح ایک غیر معمولی امنگ اور جذبے کی روح پھونکی، عراق میں قدرتی طور پر اس کا اثر اور

زیادہ ہوا۔ اور اسی لیے بعثی حکومت کے جور و جبر کا تختۂ مشق بھی شیعوں کے مقابلے میں وہی زیادہ بننے لگے۔ اس صورت حال کو ایران کی انقلابی قیادت قدرتی طور سے ہضم نہیں کر سکتی تھی۔ اس لیے عراق کی بعثی حکومت کو کمزور کرنے اور شیعہ عنصر اور اس کے جذبے کو ممکن طریقوں سے تقویت پہنچانے کا عمل قدرتی طور سے شروع ہوا۔ یہی تھی عراقی حکومت کو بہانے کی فراہمی! —— راقم سطور کی نظر میں ایرانی قیادت کا یہ رویّہ قدرتی اور اسلامی نقطۂ نظر سے ناقابل اعتراض تھا۔ مگر اس رائے کی بنا یہ تھی کہ یہ رویّہ محض اسلامی جذبہ پر مبنی ہے۔

لیکن جنگ کو ختم کرنے اور نہ کرنے کے سلسلے میں ایرانی قیادت کے جس رویّہ کا ذکر اوپر کیا گیا اس رویّہ نے اس رائے اور خیال کو غلط محسوس کرانا شروع کیا کہ ایرانی قیادت عراق کے معاملے میں محض اسلامی جذبہ اور نقطۂ نظر رکھتی ہے۔ کیونکہ یہ رویہ خالص اسلامی جذبے اور نقطۂ نظر سے کوئی جوڑ نہیں کھاتا۔ بلکہ اس کے برعکس اسلامی جذبے اور نقطۂ نظر کا تقاضہ یہ ہے کہ اب اس جنگ کو ختم کیا جائے۔ عراق بہ زبانِ حال اپنی غلطی مان چکا ہے۔ ایک دو کو چھوڑ کر تمام ہی مسلم حکومتیں خوشامد کر رہی ہیں کہ جتنی معقول شرائط ہیں وہ سب پوری کرا دی جائیں گی، جنگ بند کرو اور ہماری مصالحتی خدمات پر بھروسہ کرو۔ مگر وہاں اس سب کے باوجود ہی تمام شرائط چل رہی ہیں کہ مصالحت کے زیر عنوان اس قسم کی شرائط دنیا میں کبھی نہیں سنی گئیں۔ جن میں سر فہرست یہ ہے کہ صدام "خودکشی" کریں اور بعثی حکومت عراق کا چارج اسلامی عناصر کو دے۔ دنیا میں کوئی شخص بھی مصالحت کی ایسی شرائط کو معقول سمجھ سکتا ہے؟ اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ جنگ بعثی حکومت سے نہیں ہے عراق سے ہے اور سمجھوتہ جب ہوگا جب عراق کی طرف سے اپنی موجودہ حکومت ختم کر کے ایران کی مرضی کی حکومت قائم کر دی جائے! یہ مطلب اگر نہیں نکلتا تو پھر عراق کی جس حکومت سے جنگ بندی کے سمجھوتے کا معاملہ درپیش ہے اس سے اُس کے وجود ہی کے خاتمے کی شرط کے ساتھ، سمجھوتے کے کیا معنی رہتے ہیں؟ اور اس شرط کی رو سے اگر غور کیا جائے تو جب تک یہ حکومت باقی رہنے پر اصرار کرے گی، اور ظاہر ہے کہ جب تک ہو سکے گا

کرے گی۔ اُس وقت تک اس کے جرم کی پاداش میں عراق کو اپنی حکومت کے نہ چاہنے کے باوجود جنگ کا عذاب بھگتتے رہنا پڑے گا! یہ کون سی اسلامیت اور اہلِ عراق کے ساتھ اسلامی اخوت ہوئی؟

کہا جاتا ہے۔ اور حیرت ہوتی ہے کہ کیسے اب تک اسے کہا جا رہا ہے؟ — کہ صاحب ہم تو ایک اسلامی حکومت ہونے کی بناء پر قرآنی حکم کی رو سے اس کے لیے مجبور ہیں کہ جب تک یہ شرط پوری نہ ہو جنگ بند نہ کریں۔ وہ کون سا قرآنی حکم ہے؟ وَإِنْ طَائِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ اقْتَتَلُوا فَأَصْلِحُوا بَيْنَهُمَا فَإِنْ بَغَتْ إِحْدَاهُمَا عَلَى الْأُخْرَىٰ فَقَاتِلُوا الَّتِي تَبْغِي حَتَّىٰ تَفِيءَ إِلَىٰ أَمْرِ اللَّهِ (۴۹-۹) یہ آیت بتائی جاتی ہے جس کا ترجمہ یہ ہے:- (اور اگر مسلمانوں میں کے دو گروہ آپس میں لڑیں تو (اے مسلمانو!) ان کے درمیان صلح کرا دو۔ پھر اگر ان میں سے کوئی اُس مصالحت کے خلاف سرکشی کا ارتکاب کرے تو تم (سب) اس سے جنگ کرو، یہاں تک کہ وہ اللہ کے حکم پر واپس آجائے۔) کوئی باریک بات نہیں بہت کھلی ہوئی بات ہے کہ یہ آیت ایران کے موجودہ رویہ کے حق میں جا رہی ہے یا اسے قطعاً غلط ٹھہرا رہی ہے؟ جنگ عراق کی بعثی حکومت اور ایران کے درمیان ہے۔ آیت مسلمانوں سے کہتی ہے کہ جب دو مسلمان گروہوں اور جماعتوں میں جنگ ہو تو ان میں صلح کرا دو اور پھر اگر ان میں سے کوئی مصالحت کی طے شدہ شکل اور شرط کی خلاف ورزی پر آمادہ ہو اور اس طرح مصالحت کے حکمِ الٰہی سے سرکشی دکھائے، تو سب دوسری جماعت کے ساتھ مل کر اس کے خلاف جنگ کرو اور مجبور کر دو کہ مصالحت کی طے شدہ شرط و شکل کی تابعداری پر واپس آئے۔ اس کے بعد آیت کے مزید الفاظ یہ ہیں:- فَإِنْ فَاءَتْ فَأَصْلِحُوا بَيْنَهُمَا بِالْعَدْلِ وَأَقْسِطُوا إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ ۝ (پھر اگر گروہ واپسی پر آمادہ ہو جائے تو از سرِ نو ان دونوں میں انصاف کے مطابق صلح کرا دو اور (دیکھو) عدل و انصاف کو سامنے رکھو کہ اللہ عدل و انصاف کی بات کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔)

اس آیت قرآنی کا صاف حکم ایرانی قیادت کو یہ ہے کہ مسلمان تو ہیں اگر اس کے اور عراقی حکومت کے درمیان صلح کرانے آ رہے ہیں تو اسے قبول کیا جائے۔ اور پھر

اگر خدا نخواستہ عراقی حکومت اس صلح کے شرائط سے انحراف کرے تو ان سب مسلمانوں کی ذمہ داری ہے کہ ایران کے ساتھ مل کر عراقی حکومت کی عقل ٹھکانے لائیں۔ البتہ یہاں بھی یہ پیش نظر رکھیں کہ خود فریقانہ جذبات کا شکار نہ ہو جائیں بلکہ عراقی حکومت کو اگر عقل آ جائے اور وہ پھر پچھلی صلح کی متابعت پر راضی ہو، یا اگر خلاف ورزی کے دوران میں اس نے مزید کوئی زیادتی کی ہے اور اب اس کی بھی مزید تلافی پر راضی ہے تو خود شریک جنگ ہو جانے کی وجہ سے یا اس فریق کے ساتھ کسی سابقہ رشتے ناطے کی وجہ سے اس دوسرے فریق کو کوئی بیجا سزا دینے یا غیر منصفانہ مطالبات عائد کرنے کی زیادتی کے شیطانی جذبہ کا شکار نہ ہوں بلکہ اب بھی عین انصاف کے مطابق صلح بحال کرائیں۔

اس حکم قرآنی میں پتہ نہیں کہاں سے وہ کوئی باطنی نکتہ دریافت کر لیا گیا ہے جس کی رو سے اس آیت کی اسپرٹ (روح) کے بالکل خلاف ایرانی قیادت کے ایسے شرائط کا بھی جواز ہی نہیں وجوب نکلتا ہے جو صلح کو بالکل ناممکن بناتے ہیں؟ جبکہ شاید صحیح بات یہ ہے کہ اس آیت میں اگر کوئی دوسرا نکتہ ہے تو وہ یہ ہے کہ اگر متحارب فریقین میں سے ایک فریق امت مسلمہ کی ساری کوشش اور دوسرے فریق کی آمادگی بلکہ خواہش کے باوجود مصالحت نہیں بلکہ انتقامی کارروائی کو انتہا تک پہنچانے پر مصر ہو تو امت کو چاہیے کہ اس غیر مصالحت پسند فریق کی عقل ٹھکانے لانے کی کارروائی کرے اور اسے مصالحت پر مجبور کر دے کیونکہ یہ مصالحت کرانا اور مسلمانوں کا بھائی بھائی بن کر رہنا اللہ کا حکم ہے۔ اس آیت کے بعد کی متصل آیت میں مزید فرمایا گیا ہے: اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ فَاَصْلِحُوْا بَيْنَ اَخَوَيْكُمْ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ۝ (خوب یاد رکھنا چاہیے کہ) مسلمان باہم بھائی بھائی ہیں پس اپنے دو بھائیوں میں (جن میں لڑائی بھڑ اٹھی ہو) صلح کرا دیا کرو اور اللہ کا ڈر ذہن میں رکھو تاکہ تم پر رحم فرمایا جائے۔

مگر آج کی دنیا میں ایسی کھری مسلمانی کہاں؟ اور نہ امت مسلمہ کے باہمی حالات ہی ایسے ہیں کہ وہ کوئی ایسا اقدام عملاً کر سکے۔ وہ تو اپنے اور اسلام کے متفقہ دشمن اسرائیل،

کے خلاف بھی ہاتھ پاؤں ہلانے سے روز بروز معذور ہوتی چلی جارہی ہے۔ بس زبانی جمع خرچ ہی سے کچھ حقِ مسلمانی ادا کرتی ہے۔

---

بات لمبی ہوگئی، کہیں اصل مدعائے گفتگو ہی ناظرین نہ بھول گئے ہوں، جو یہ تھا کہ عراقی حکومت سے جنگ بندی کے معاملے میں جو قطعی غیر مصالحت پسندانہ رویہ ایرانی قیادت نے اختیار کر رکھا ہے۔ اس کے کوئی اور معنی سوائے اس کے سمجھ میں نہیں آتے ہیں کہ عراقی حکومت کی طرف سے جنگ کی صورت پیدا کرنا ایرانی قیادت کی عین مراد تھی۔ اگرچہ اس کی توقع اُسے نہ رہی ہو۔ یا جس وقت یہ مراد پوری ہوئی وہ اُس کے حالات کے لحاظ سے بے وقت رہا ہو۔ اسی لیے شروع میں وہ بڑے نقصان کا شکار ہوئی۔ مگر جب ایک چیز مطلوب ہی تھی اور اعصاب، ماشاء اللہ مضبوط تھے اور اب تک کی جانداری اور لا انا ولا غیری (ہمچو من دیگرے نیست) کی شہرت کو کبھی داغ لگانا پسند نہیں کیا جاسکتا تھا تو طے کر لیا گیا کہ کچھ بھی ہو اب تو اس عین مراد بر آری کے موقع کو ہاتھ سے نہیں جانے دینا ہے۔ لہٰذا اتحاد اسلامی کی ہمہ وقتی دعوت اور احکام اسلام کی متابعت، بلکہ انھیں احکام کو زندہ کرنے کے لیے انقلاب برپا کرنے کے دعوے کے باوجود اس دعوت اور دعوے کے یکسر برخلاف۔ اور ہر طرف سے اس دعوت اور دعوے کا واسطہ دیے جانے کے علی الرغم کھلا اعلان چل رہا ہے کہ عراقی حکومت سے مصالحت پر جنگ بندی نہیں ہوسکتی۔ یہ بس اُسی شکل میں بند ہوگی کہ صدام اور ان کی پارٹی اپنا بوریا بڑھائے اور عراق میں ایران کی مرضی کی حکومت قائم ہو!

اور یہ چیز "عین مراد" کیوں تھی؟ کیونکر ایسا سمجھا جاسکتا ہے؟ اس لیے کہ عراق کی جس اسلامی تحریک کی حمایت ایران کی طرف سے عراقی حکومت کے مقابلے میں کی جارہی تھی۔ اور قولاً تو علی الاعلان کی جارہی تھی، کوئی وجہ نہیں کہ عملاً بھی جس حد تک ممکن ہو خفیہ طور سے نہ کی جارہی ہو۔ اس لیے مزید اور مؤثر حمایت و امداد کی شکل یہی ہوسکتی تھی کہ ایران کو اُن کی حمایت میں کھلی کارروائی اور اُن کے دوش بدوش کھڑے ہونے کا

موقع مل جائے! اور اس کی بہترین اور مناسب شکل یہی ہو سکتی تھی کہ عراقی حکومت اس کا موقع اور جواز فراہم کر دے۔ اس لیے عراقی حملہ کو اگر عین مرادی کی ایک شکل سمجھا جائے تو کیا غلط ہے؟ اور جس طرح اس جنگ کو اُس وقت تک جاری رکھنے پر اصرار ہو رہا ہے جب تک کہ عراق کی موجودہ حکومت تخت سے دستبرداری دے کر اسے ایران کی حمایت یافتہ اسلامی تحریک کے حوالے نہ کر دے' اس کو سامنے رکھتے ہوئے تو یہ خیال یقین میں بدل جانے کا حق رکھتا ہے۔ اِلّا یہ کہ ایرانی قیادت اس کا کوئی دوسرا معقول جواز بتائے۔ بغیر وہ جواز جو "جواز نہیں وجوب" کے عنوان سے بتایا جاتا ہے، اس کا حال ابھی دیکھا جا چکا کہ کس قدر بے معنی ہے اور قرآن کی آیت کا کس قدر اُلٹا استعمال!

---

یہ دوسری چیز ہوئی جس نے ایرانی انقلابی قیادت کے بارے میں نہایت اچھے ابتدائی تاثرات کو بُری طرح خراب کر دیا ——— اور یہ واقعی ترتیب میں دوسری چیز نہیں۔ بلکہ جیسا کہ اوپر کہا گیا تھا' امریکی یرغمالوں پر سلسلۂ کلام کی مناسبت سے اس کا تذکرہ یہاں آگیا ورنہ واقعی ترتیب میں اس سے پہلے کئی چیزیں اور ہیں اور وہ یہ ہیں:-

۱۔ سن ۱۴۰۱ھ مطابق ۱۹۸۱ء کے حج کے موقع پر یہ خبریں آئیں کہ اس دفعہ ایرانی حجاج نے حرمین کے اندر اور باہر وہ خاص نعرے اجتماعی شکل میں لگائے جو انقلاب کے بعد سے اُن کے خاص نعرے اور انقلابی شعار بن گئے ہیں یعنی "اللہ اکبر خمینی رہبر" "اللہ واحد، خمینی قائد" ——— "مرگ بر امریکہ، مرگ بر صدام، مرگ بر اسرائیل" ——— "الموت لامریکا، الموت لاسرائیل، الموت لصدام"۔ اور یہ چونکہ بالکل ایک نئی اور عجیب سی چیز تھی' اسی لیے سعودی حکام نے اس سے منع کیا اور نہ ماننے پر داروگیر کی اور بعد میں پھر ان لوگوں کو چھوڑ بھی دیا جو پکڑے گئے تھے ——— یہ خبر آئی تو دنیا زور کا جھٹکا ذہن کو لگا کہ اُس کا صحیح صحیح بیان مشکل ہے اس وقت تک اچھے تاثرات پر صرف یرغمالی مسئلے اور عدالتی بے ضابطگیوں کے اثرات پڑے تھے اور طبیعت صرف منغض ہوئی تھی یعنی انشراح جاتا رہا تھا۔ اس خبر کے جھٹکے نے تاثرات کی دنیا بالکل

تہ و بالا کر دی۔ اور ہم خیال دوستوں کی ایک مجلس میں اس وقت کا نیا تاثر ان الفاظ میں نکلا کہ "یہ تو دوسرا اسرائیل پیدا ہو رہا ہے!" غیر فرقہ وارانہ اسلام اور اخوت و اتحادِ اسلامی صرف لبادہ ہے، ورنہ اصل میں مکمل شیعیت ہے۔ اور عزائم کا آخری نشانہ مدینہ منورہ (بوجہ روضۂ اقدس و جنت البقیع) ہے۔ جو اسرائیلی عزائم کا بھی اصل نشانہ (بنو قریظہ اور بنو نضیر وغیرہ کی یہودی بستیوں کی یاد کی بنا پر) ہے۔

اس تاثر نے پچھلے اچھے تاثرات کو یک لخت ختم کر دیا۔ مگر وہ بھی بہرحال ایک دو دن کے نہیں تھے۔ دو سال وہ ذہن میں متمکن رہے تھے، اس لیے کچھ وقت کے بعد پھر سے سوچ بچار کی کیفیت شروع ہوئی کہ کیا سمجھا جائے؟ یہ اکتوبر ۸۱ء کی بات ہے۔ ذہن اسی سوچ بچار کی کش مکش میں پڑا ہوا تھا کہ دسمبر ۸۱ء میں ایک ایرانی رسالہ نظر سے گزرا جس میں حج کے اس واقعہ سے متعلق شاہ خالد کا امام خمینی کے نام خط اور امام خمینی کی طرف سے اس کا جواب چھپا تھا۔ اس جواب نے تاثرات کی اس کش مکش کو ایک بار پھر ختم کر دیا۔ اور جیسے حج والی خبر سے ایک اشتعال انگیز جھٹکا لگا تھا، امام خمینی صاحب کے جواب سے اس بار ایسا ہی یاس انگیز جھٹکا ملا۔ کہ انا للہ و انا الیہ راجعون۔ اب اس کی بھی گنجائش نہیں رہی کہ حرمین میں ایرانی حجاج نے جو نعرہ بازیاں کیں اُن سے خمینی صاحب کو دور رکھ کر بس عوام کی ایک ترنگ اسے سمجھ لیں! ——— خمینی صاحب نے زوردار طریقے پر اپنے حجاج کے اس عمل کی وکالت کی اور اسے عین قرنِ اول کا اسلام ٹھیرا دیا۔ اور نہ صرف یہ، بلکہ شاہ خالد کے انتہائی شائستہ متین اور دھیمے الفاظ اور لہجے کا جواب ایسے انداز اور الفاظ میں دیا جو ایک "امام" کی شان کے برعکس سیاست بازوں ہی کو زیب دے سکتا ہے۔ ایسا جواب جو سائل یا شاکی کو مطمئن یا اس کی غلطی کو محسوس کرانے کی شائستہ سی کوشش کے بجائے اس کے خلاف پروپیگنڈے کی غرض سے دیا جاتا ہے۔ بالکل ایسے جیسے ایٹمی ہتھیاروں کے مسئلہ پر امریکہ اور روس کے سربراہوں کے درمیان خط و کتابت اور بیان بازی ہو رہی ہے۔ [1]

---

[1] شاہ خالد مرحوم اور امام خمینی کے ان خطوط کا متن اس مضمون کے آخر میں درج کیا جا رہا ہے۔

یہ دسمبر ۱۹۸۱ء کے آخر یا جنوری ۱۹۸۲ء کے شروع کی بات ہے۔ اور بس جنوری کے آخر ہی میں ایک دن نئے نئے متعارف ہونے والے ایک مہربان کا ٹیلیفون آیا کہ فروری میں (۱۱ر فروری کو) ایران کے انقلاب کی تیسری سالگرہ ہے۔ کیا آپ اس میں شرکت کے لیے تہران کا سفر پسند کریں گے؟ یہ مہربان لندن میں ایک ایسے مسلم ادارے کے ذمہ دار ہیں جو انقلابِ ایران دوست اور وہاں کے متعلقہ ایرانی ذمہ داروں کا معتمد ہے۔ مجھے یہ نوعیت اس وقت تک معلوم بھی نہ تھی، اُن کے اس کہنے سے اندازہ ہوا کہ "سفارت خانے سے ایسے اصحاب کے نام مانگے گئے ہیں، اگر آپ آمادہ ہوں تو ہم آپ کا نام بھیجنا چاہتے ہیں"۔ مجھے کچھ تامل ہوا، اس لیے بعض سوالات کیے۔ اور اُس کے بعد یہ سوچ کر اسے قبول کر لینے میں زیادہ دیر نہیں لگائی کہ میں آج کل خیالات کی جس کش مکش میں پھنسا ہوا ہوں یہ اس سے نکلنے کا بہترین موقع ہے۔ ورنہ اُن دنوں میں میری طبیعت اور صحت اس قدر خراب تھی کہ ایک اجنبی جگہ اور ایک سراپا ہنگامہ ماحول (جشنِ سالگرۂ انقلاب) میں شرکت کے سفر کا تصور بھی مشکل تھا۔

بہرحال ۲ر فروری کو یہ سفر ہو گیا۔ اور ۱۴ر تک وہاں قیام رہا، ۱۵ر کو واپسی تھی۔ بارہ دن کی اس مدت میں خراب صحت اور طبیعت کے ساتھ جو کچھ دیکھنا سننا اور مطالعہ کرنا ممکن تھا، اس میں ادنیٰ دریغ نہیں کیا۔ تقریباً روزمرہ کے صبح و شام بھرے ہوئے پروگرام تھے۔ مشکل ہی سے کوئی پروگرام چھوڑا جس کی بنا پر بعض وقت اپنے کو زبردستی گھسیٹنے کی سی کیفیت ہوتی تھی۔ بارہ دن کے اس قیامِ ایران کے، اس گفتگو کے سیاق وسباق کی مناسبت سے، جن مشاہدات اور تجربات کا ذکر ضروری تھا، وہ مع اپنے تأثرات کے زیادہ تر شروع میں آگئے ہیں اور اُن سے رائے کا جھکاؤ بے اطمینانی ہی کی طرف ظاہر ہوتا ہے۔ البتہ انقلاب اور اُس کی قیادت کے بارے میں جو ایک قطعی رائے اور فیصلہ اس سفر کا مقصود تھا وہ آخر تک حاصل نہیں ہو سکا۔ جس کی وجہ طبیعت کی کچھ بہت ہی بڑھی ہوئی خرابی سے اکثر ہی معاملات میں، ذہن کی بغیر فیصلہ کن کیفیت تھی۔ چنانچہ ایک خیص بیص کی کیفیت ہی میں واپسی ہو گئی۔ وقت گزرا اور طبیعت بھی کچھ بہتر ہی کی

طرف مائل ہونا شروع ہوئی۔ حتیٰ کہ اللہ کا پورا ہی کرم کچھ دنوں کے لیے ہو گیا تو اس مطالعے کی یادداشت کے اوراق جو حافظے میں لپیٹے پڑے تھے انھیں کھولنا اور دیکھنا شروع کیا پوری تصویر مرتب ہو گئی اور ذہن کو ایک قطعی فیصلہ بھی مل گیا، جو وہی تھا جو حرمین میں ایرانی حجاج کی نعرہ بازیوں سے پیدا ہوا تھا کہ "ایران کا انقلاب بے شک "اسلامی انقلاب" ہے۔ مگر مطلق اسلامی نہیں بلکہ خاص "شیعہ اسلامی" شیعیت والا اسلام بھی قائم کرنا مقصود ہے اور خود شیعیت کو عالم اسلام، اور ہو سکے تو اس سے بھی آگے تک، پر حاوی کرنا بھی! اس فیصلے میں اُن مشاہدات اور مطالعہ میں آنے والے حالات کے علاوہ جن کا ذکر اوپر آگیا ہے کچھ دوسرے مشاہدات و مطالعات بھی دخیل تھے جن کا ذکر نہیں آیا اور اب یہاں آجانا چاہیے۔

۱۔ ایران کے سالگرہی پروگراموں میں اگرچہ شیعیت کی کوئی بات بطور اظہارِ شیعیت کے سننے یا دیکھنے میں نہیں آئی۔ مگر مزارات و مقابر پر رائج جن مشرکانہ (یا نیم مشرکانہ) رسوم کو آج بھی جو کھلی چھوٹ ملی ہوئی ہے ـــــ جس کا ذکر اوپر آچکا ہے ـــــ نیز "بہشت زہراء" نامی قبرستان تہران پر جو منظر دیکھا، جس کی زیارت سالگرہ کے پروگراموں میں سے ایک مستقل پروگرام تھی، وہ بھی شیعیت کے اس رنگ و رُخ کو خوب خوب فروغ دینے کا تأثر دے رہا تھا جسے ابتداءً کی اصل شیعیت کے مقابلے میں (جو محض ایک سیاسی وابستگی کا مسلک تھی) اگر کسی مثال سے سمجھا یا جائے تو شاید ایک اچھی مثال اصل مسیحیت کے مقابلے میں پال کی ایجاد کردہ مسیحیت کی ہو گی جس کے اثر سے مسیحیت بھی خرافاتی عقیدوں اور مشرکانہ رسوم و اعمال کا مجموعہ ہو گئی ہے۔ ہم بہشت زہرا پہنچے تو واقعی یہ فارسی زبان کی "بہشت" (باغ اور چمن) ہی نظر آئی۔ اور مسلمانوں کے قبرستان والی حیاتِ دُنیا کی انجامی خزاں رسیدگی اور وحشت انگیزی کی شان کا اس بہشت میں گزر ہی مشکل پایا۔ یہ یوں تو تہران کا قدیم قبرستان ہے ہی۔ نئی اہمیت اسے یہ حاصل ہو گئی ہے کہ انقلابی حرکت کے دنوں میں جو ہزاروں ایرانی، زیادہ تر نوعمر و نوجوان شاہی مزاحمت کا نشانہ بنے وہ بھی یہیں دفن ہیں۔ قبرستان میں پختہ فرش کی سیکڑوں قطاریں

دورویہ انداز میں ہیں۔ ان ہی میں تھوڑے تھوڑے تناسب فصل کے ساتھ قبریں بنی ہوئی ہیں۔ اور قطاروں کے کنارے کنارے کچی زمین پر نیز قبروں پر اندر سرہانے پر گلاب اور دوسرے خوشنما پھولوں کے پودے اس پورے قطعے کو "بہشت" اور گل و گلزار بنا رہے ہیں۔ ہر جمعرات کی شام کو یہ سرزمین زیارت گاہ بن کر مُردوں کے ساتھ زندوں سے بھی بھر جاتی ہے۔ موتیٰ اور شہداء کے عزیز و اقارب فاتحہ اور ایصال ثواب اور درد بھری یادیں "تازہ کرنے کے لیے پہنچ جاتے ہیں۔ ہماری زیارت کا دن بھی جمعرات ہی کا تھا۔ سینکڑوں تو ہم خود (مہمان) ہی تھے۔ سینکڑوں بلکہ شاید ہزاروں آنے والے اعزہ و اہل خانہ ہوں گے اور مزید سینکڑوں ہی میں ہم لوگوں کی وجہ سے ایک خاص موقع بن جانے کی بنا پر آنے والے رہے ہوں گے۔ اس طرح ہزارہا ہزار کے مجمع سے یہ لق و دق قبرستان اس جمعرات کی شام کو بھر گیا تھا۔ شہدائے انقلاب کے عزیزوں خصوصاً ماؤں بہنوں کی اشک ریزی اور سسکیوں سے اس وقت منظر بار بار رقت انگیز ہو جاتا تھا۔

بہرحال، یہ اور سب تو برسبیل "تذکرہ آگیا ورنہ، جو بات کہنی تھی وہ یہ تھی کہ یہ قبرستانوں میں عورتوں کا ہفتہ وار ہجوم اور فاتحہ و نیاز کی مخصوص رسمیں جو انقلاب کے بعد کچھ زیادہ ہی فروغ پا رہی ہیں سب اُسی بعد میں بنائی گئی شیعیت ہی کے اجزاء تو ہیں جسے قرآن اور پیغمبر قرآن کے اسلام کے ساتھ زبردستی ہی جوڑا جا سکتا ہے۔ اور اس جوڑ میں قرآن اور اُس کے پیغمبر کا اسلام توڑ کا شکار ہوتا ہے!

۲۔ یہ مقابر پرستی وغیرہ تو اپنے آپ کو سنی کہنے والوں میں بھی بہت رواج پاگئی ہے۔ اور اگرچہ اس رواج پذیری میں بہت کچھ دخل شیعیت ہی کا نظر آتا ہے تاہم یہ صورت حال ایسی ہے جس کی وجہ سے ایران کے اس مشاہدے کو شیعیت ہی کی فروغ دہی کی علامت کے اعتبار سے بہت زیادہ اہمیت نہیں دی جا سکتی۔ البتہ ان علامات میں سے بہت نمایاں اور ایک طرح سے قطعی درجے کی کہلا سکنے والی علامت انقلاب کے سلسلے میں امام غائب (امام مہدیؑ) کا طرح طرح سے دہرائے جانے والا حوالہ ہے ـــــــ انقلاب کے بعد سے ایران کے "انقلابی" لٹریچر کی اشاعت اور مفت تقسیم تدریج بڑھتی چلی جا رہی ہے۔ اخبارات

رسالے، کتابچے اور پمفلٹ، ہر شکل میں یہ لٹریچر دستیاب ہے۔ پس جن حضرات کی نظر اس لٹریچر پر ہو گی انھیں تو کچھ خاص ضرورت اس کی مثالوں کی نہیں ہے۔ البتہ دوسرے لوگوں کے لیے یہ چند مثالیں اپنے مشاہدات کی ہیں۔

(الف) ہمارے پروگراموں میں ایک دن ایک "عالمی مقابلہ حسن قرأت" کے افتتاح میں شرکت بھی تھی۔ اس افتتاحی جلسے میں افتتاحی نوعیت کی دوسری چیزوں کے ساتھ عربی اور فارسی کے دو ترانے بھی سامنے آئے جنھیں نو عمر طلبہ کی دو پارٹیوں نے پیش کیا۔ ان میں سے ایک کا بس پہلا شعر کچھ ادھورا سا اس وقت یاد آ رہا ہے۔ اقبال کے ترانے

چین و عرب ہمارا، ہندوستاں ہمارا
مسلم ہیں ہم وطن ہے سارا جہاں ہمارا

کے رنگ میں تھا الشرق لنا والغرب لنا، القدس لنا والمصر لنا۔ والعز لنا والمجد لنا ........

دونوں بڑے جاندار اور ولولہ انگیز تھے۔ اور تربیت یافتہ پارٹیوں کا ہم آواز ہو کر پڑھنا انھیں اور اثر خیز بنا رہا تھا۔ ان دونوں ترانوں کے درمیان میں جا بجا یہ پارٹیاں یکایک اپنا ٹون بدل کر اور دعا کے سے ہاتھ اٹھا کر بڑے اونچے آہنگ میں یہ دعائیہ نغمہ بلند کرتیں۔

الٰہی، الٰہی، تا انقلاب مہدی، خمینی را نگہدار[1]
الٰہی، الٰہی، حتیٰ ظہور مہدی، احفظ لنا الخمینی[2]

(ب) جن دیواری کتبات کا اوپر کہیں ذکر آیا ہے، اُن میں بھی جا بجا ایسے کتبے دیکھنے میں آئے جو موجودہ انقلاب کو امام مہدی (امام غائب) کی آمد سے جوڑتے اور اسے "انقلاب مہدی" کا پیش خیمہ اور اس کے آغاز ہونے کا تصور دیتے تھے۔

(ج) اس سلسلے کی سب سے زیادہ واضح اور مکمل چیز قم کے سفر میں جناب آیت اللہ المنتظری کے دولتکدہ پر سامنے آئی۔ یہ ایک منقش کتبہ تھا جو وزارت تعلیم کی طرف سے

---

[1] اے اللہ، اے اللہ امام مہدی کا انقلاب آنے تک خمینی کی حفاظت فرما۔ [2] اے اللہ مہدی کے ظہور تک خمینی کو سلامت رکھ۔

شائع کیا گیا تھا۔ منتظری صاحب جب وقت مہمانوں سے خطاب فرما رہے تھے، تو یہ خطاب جب بہت طویل ہوگیا اور میں بہت خستہ ہو رہا تھا تو گوشۂ آرام ڈھونڈنے کی غرض سے اپنی نشست والے کمرے سے ملحق پچھلے کمرے میں چلا گیا جو کچھ خالی سا تھا۔ یہاں داخل ہوتے ہی سامنے ایک محرابی کارنس پر ایک نقش دار کتبہ نظر آیا جو توجہ کش ہوا۔ یہی وہ کتبہ تھا۔ اس کتبہ کی عبارت اور اس پر بنے نقش کی صورت اس وقت نوٹ کر لی تھی۔ جو اس طرح تھی۔

تا انقلابِ مہدی
انقلاب ادامہ دارد

اَللّٰہُ اَکْبَرْ

خانۂ کعبہ کا نقشہ
یا کہیئے فوٹو

تولدِ امام زمان (عج)
بر مستضعفانِ جہاں
مبارک باد

وزارتِ فرہنگ و آموزش عالی
ادارۂ کل فرہنگ سیستان و بلوچستان

[جو ناظرین فارسی بالکل ہی نہیں جانتے اُن کے لیے اس کتبہ کی تینوں فارسی عبارتوں کا ترجمہ یہ ہے۔ (۱) یہ انقلاب، انقلاب مہدی تک باقی رہنے والا ہے۔ (۲) امام زمان (امام مہدی) کی ولادت دنیا کے تمام کمزور اور دبے ہوئے طبقوں اور قوموں کو مبارک ہو۔ (۳) (شائع کردہ) وزارتِ تعلیم و تربیتِ عُلیا ___ ڈائرکٹریٹ شعبۂ تعلیم سیستان و بلوچستان۔]

کتبہ کی مذکورہ عبارتوں میں سے نمبر ایک میں "انقلاب مہدی" کا لفظ آیا ہے، جیسے کہ

کتبہ سے پہلے والے نمبر (الف) میں یہی لفظ یا اس کا ہم معنی "ظہور مہدی" کا لفظ آیا تھا۔ مگر عبارت نمبر ۲ میں "تولد امام" کا لفظ ہے۔ امام مہدی کے ظہور یا اس ظہور کے نتیجے میں رونما ہونے والے انقلاب سے تو اس وقت کے انقلاب (انقلاب خمینی) کا جوڑ سمجھ میں آجاتا ہے۔ مگر ولادت مہدی کے حوالے کی کیا مناسبت ہے؟ اس کی شرح اگلے نمبر میں آتی ہے۔

(۳) اس سلسلے کے مشاہدات و معلومات سفر سے تو یہی دو مثالیں قابل ذکر تھیں۔ تیسری مثال معلومات و مشاہدات سفر سے باہر کی ہے۔

سفر کے تین ماہ بعد ۳ مئی ۱۹۸۰ء کے انگریزی روزنامے تہران ٹائمز میں پڑھا کہ ایرانی کیبنٹ نے آیت اللہ منتظری کی تجویز پر ۱۵ شعبان (مطابق ۳۰ جون ۱۹۸۰ء) کو ــــــ جوکہ امام مہدی کا یوم ولادت ہے ــــــ مستضعف ڈے کے طور سے منائے جانے کا فیصلہ کر کے ایک بین الاقوامی کانفرنس اس موقع پر منعقد کرنا طے کیا ہے۔ چنانچہ اسی اخبار کی ۳۰ جون کی اشاعت کے مطابق ۱۰۱ ملکوں کے ۳۵۰ نمائندہ وفود پر مشتمل یہ مستضعف ڈے (OPPRESSED DAY) کانفرنس (۳۰ جون کے بجائے ۲۹ جون ۱۹۸۰ء/ ۱۵ شعبان کو تہران میں ہوئی۔

امام زماں کے یوم ولادت کو "یوم مستضعفین" کے طور سے منائے جانے کی مناسبت یا معنویت کیا ہے؟ اسی اخبار تہران ٹائمز نے اپنے ۳۰ جون کے اداریہ میں خوب وضاحت سے اس پر روشنی بھی ڈالی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ امام زماں امام مہدی جو کہ اس وقت پردۂ غیبوبت میں ہیں جب ظاہر ہوں گے تو ان کا ظہور چونکہ عالم انسانی کے نجات دہندہ کی حیثیت سے ہوگا اور ایک انقلاب عظیم وجود میں آئے گا جو ظلم وستم کی ماری ہوئی دنیا کو عدل و انصاف کی نعمت سے مالا مال کرے گا" اس لیے ایسے مسیحا کا یوم ولادت بہت ہی بجا طور پر اس کا مستحق ہے کہ اسے کل عالم انسانی آج کے ستم رسیدہ ماحول میں عدم و انصاف سے محروم انسانوں کی خوشخبری کے لیے "مستضعف ڈے" کے طور پر منایا کرے۔

---

بس ایک طرف تو امام غائب کا حوالہ اس طور پر آرہا ہے کہ موجودہ انقلاب (انقلاب

خمینی) انھیں کے ذریعہ برپا ہونے والے انقلاب کا فی الحقیقت فقیہ اور آغاز ہے۔ اُن کا کام اسکی تکمیل ہو گا۔ حتیٰ کہ ایرانی کیبنٹ یا کسی دوسرے شعبۂ قیادت کے ایک ذمہ دار کا بیان اسی تہران ٹائمز میں امام صاحب کی خرابیٔ صحت یا ریٹائرمنٹ کی قیاس آرائیوں کی تردید میں پڑھا تھا ـــــ جس کی کٹنگ اس وقت باضابطہ حوالہ کے لیے نہیں مل رہی ـــــ اس تردید کے سلسلہ میں انھوں نے فرمایا تھا کہ امام صاحب توان شاء اللہ انقلاب کا جھنڈا (امام زماں کے حوالے کر کے اس امانت سے دست بردار ہوں گے۔ اور اب دوسرا پہلو اس حوالے کے لیے یہ پیدا کیا گیا ہے کہ اُن کے یوم ولادت کو ہر سال "مستضعفین ڈے" کے طور پر بنایا جائے!

ان تمام باتوں کے پس منظر میں، جن میں سے کچھ نمبروار ابھی عرض کی گئیں، اور کچھ اپنی اپنی جگہ پہلے آ گئی ہیں، ایک دن تہران کے مہمان خانۂ بزرگ استقلال ہوٹل میں، جہاں دیواروں پر تو نہیں لکھا جا سکتا تھا اس لیے انقلاب کے مزاج اور عزائم کا اظہار کرنے والے اور اسی مزاج کی طرف کھینچنے والے بینر اکیڑوں کے کتبات) جگہ جگہ آویزاں تھے، ایک دن ایک اچھی طرح نمایاں نئے بینر کا اضافہ ہم نے دیکھا۔ اور یہ اپنے انداز کا بالکل ہی منفرد اور یکتا تھا۔ اس کی عبارت (عربی میں) تھی۔

سَنَتَّحِدُ وَ سَنَتَقَاتِلُ حَتَّى نَسْتَرِدَّ مِنْ أَيْدِي الْمُغْتَصِبِينَ
أَرَاضِيَنَا الْمُقَدَّسَةَ اَلْقُدْس وَ الْكَعْبَة وَ الْجولان۔

جس کا ترجمہ ہوتا ہے "ہم متحد ہوں گے اور جنگ آزما ہوں گے۔ یہاں تک کہ غاصبوں کے قبضے سے اپنی مقدس زمینیں، بیت المقدس، کعبہ اور گولان واپس لے لیں۔"

اس کے کافی دن لگنے کی وجہ کیا تھی؟ جو کچھ بھی واقعہ میں ہو لیکن ایک گمان تو بہرحال یہ کیا جا سکتا تھا کہ چند دن گزر جانے پر مہمانوں کے مجمع کی فضا کا اندازہ یہ کیا گیا کہ نظر قبول و پسند ہی سے دیکھا جائے گا۔ اور جو مجمع تھا واقعی اُس میں کوئی ہلچل تو کیا سراہٹ بھی نہیں دیکھنے میں آئی۔ ویسے اپنے اندازے میں، جو بہت وسیع مطالعے اور جائزے پر مبنی نہ تھا، پچاسوں آدمی تھے جو اس پر ہل جاتے۔ مگر ان میں اکثریت عربی نہ جاننے

والوں کی تھی اور جو ایسے عربی داں میری نظر میں تھے وہ اتفاق سے جیسا کہ بعض طبیعتیں ہوتی ہیں، کچھ مغفل قسم کے۔ بہرحال اس بینر کے آویزاں ہونے کے بعد جوں ہی میری نظر اس پر پڑی، حجاج ایران کی نعرہ بازی "حرمین" یاد آگئی اور خمینی صاحب کا شاہ خالد کو جواب۔ اور اب "اوپر کے بیان کردہ پورے پس منظر کو اس بینر کے ساتھ رکھتے ہوئے" کسی ہلکے سے ہلکے شبہے کی بھی گنجائش اس میں نہیں رہی کہ حرمین، بشمول کل عالم اسلام، پر شیعی تسلط اس انقلاب کا ایک قطعی ہدف ہے۔ اور دوسری بات یہ کہ انقلاب "اسلامی" تو ہے مگر خالص شیعی اسلام کے معنیٰ میں —— نہ صرف ایران کے لیے، بلکہ پورے عالم اسلام کے لیے —— نہ کہ ایسے مطلق اور وسیع اسلام کے معنیٰ میں جس میں شیعیت کے دوش بدوش سنی اسلام کو بھی اپنے علاقوں میں برسر اقتدار آنے کی اجازت ہو —— یہ دوسری بات —— اس آخری چیز (بینر) کے سامنے آنے سے پہلے ہی صاف ہو چکی تھی جس کا اظہار اوپر کیا جا چکا ہے۔

اور اب اس دوسری چیز کی صفائی و قطعیت روز بروز زیادہ ہی ہوتی چلی جا رہی ہے —— اسی ۲؍جون ۸۲ء کے تہران ٹائمز کے اداریہ کے جتنے حصے کا خلاصہ اوپر دیا گیا ہے اس میں بھی یہ بات موجود ہے۔ اور اس کے علاوہ اور بھی اس طرح کا کافی مواد اس اداریے میں پایا جاتا ہے۔

اس اداریے کے سلسلے میں یہ بات ذہن میں رکھنے کی ہے کہ یہ ایک سو ایک (۱۰۱) اسلامی اور غیر اسلامی، ایشیائی اور افریقی ملکوں کے تین سو پچاس نمائندہ وفود کی تہران کے اندر موجودگی میں اور ان کو سامنے رکھ کر لکھا گیا ہے۔ اس کے جس حصہ کا خلاصہ اوپر دیا گیا اس میں امام مہدیؑ کی بابت ان کی غیبوبیت اور پھر غیبوبیت سے ظہور کا حوالہ موجود ہے جو صرف شیعی تصور ہے، جو اہل سنت کو قطعاً قبول نہیں۔ پھر اسی حصے میں جو ان کے ظہور کی خبر

---

بقیہ) اور اس تاثر کے بعد ذہن کے لیے عراق سے جنگ بند نہ کرنے، اور اس کو جاری رکھنے پر اصرار میں اس کی بھی پروا نہ کرنے کی وجہ، کہ کس قدر غیر معقول اور قطعاً غیر اسلامی پوزیشن میں اس اصرار نے ایرانی قیادت کو رکھ دیا ہے، صرف یہی نہیں رہ گئی کہ عراق پر شیعہ تسلط مقصود ہے، بلکہ اس کے ساتھ یہ بھی کہ عراق پر تسلط ہی سے حجاز اور اس کے قرب و جوار پر تسلط کا راستہ کھلتا ہے، جو آخری اور وسیع تر نشانہ بنے۔

کو مستضعفینِ عالم کے لیے ایک مژدہ و بشارت بتایا گیا ہے۔ اُس کی دلیل قرآن پاک کی یہ آیت ٹھیرائی گئی ہے۔

| | |
|---|---|
| وَنُرِیْدُ اَنْ نَّمُنَّ عَلَی الَّذِیْنَ | اور ہم نے فیصلہ کیا تھا کہ اُن لوگوں پر |
| اسْتُضْعِفُوْا فِی الْاَرْضِ وَنَجْعَلَهُمْ | احسان کریں جو زمین میں کمزور بنائے |
| اَئِمَّةً وَّنَجْعَلَهُمُ الْوٰرِثِیْنَ ۝ | گئے ہیں اور ان کو امام بنائیں اور وارث |
| (القصص۔ ۵) | بنائیں۔ |

اہل سنت کے یہاں اس آیت کا امام مہدی کے ظہور (بہ معنیٰ تولد جس کے وہ قائل ہیں، یا بہ معنیٰ ظہور بعد از غیبوبت، جو شیعہ عقیدہ ہے) سے نہ صرف یہ کہ کوئی تعلق نہیں بلکہ انکی نظر میں یہ استدلال شیعہ تفسیری خرافات کا ایک افسوسناک نمونہ اور تفسیر قرآن میں ایک ایسی جسارت ہے کہ اللہ کی پناہ۔

---

ہمارے موضوع کی نظر سے تو آیت کے بارے میں اہل سنت کے موقف کا بس اتنا مختصر بیان ہی کافی تھا۔ مگر کلام الٰہی کی اہمیت وعظمت کے پیش نظر ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اتنی مختصر بات پر اکتفا نہ کیا جائے بلکہ آیت کے مفہوم اور اُس کے متعلقہ موضوع پر اس حد تک روشنی ڈالدی جائے کہ ایک قاری پورے اطمینان اور بصیرت کے ساتھ فیصلہ کرسکے کہ واقعی مفہوم اور موضوع کیا ہے! اس لیے گزارش ہے کہ:

یہ آیت سورۂ قصص (۲۸) کی پانچویں آیت ہے۔ اس سورہ میں، جیسا کہ اس کا نام "قَصَص" بھی بتارہا ہے، گزشتہ زمانے کا ایک قصہ بیان ہوا ہے اور وہ قصہ حضرت موسیٰ اُن کی قوم، فرعون اور آل فرعون کا قصہ ہے۔ پہلی چار آیتیں یہ ہیں:

طٰسٓمّٓ ۝ تِلْكَ اٰیٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِیْنِ ۝ نَتْلُوْا عَلَیْكَ مِنْ نَّبَاِ مُوْسٰی وَفِرْعَوْنَ بِالْحَقِّ لِقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ ۝ اِنَّ فِرْعَوْنَ عَلَا فِی الْاَرْضِ وَجَعَلَ اَهْلَهَا شِیَعًا یَّسْتَضْعِفُ طَآىِٕفَةً مِّنْهُمْ یُذَبِّحُ اَبْنَآءَهُمْ وَیَسْتَحْیٖ نِسَآءَهُمْ اِنَّهٗ كَانَ مِنَ الْمُفْسِدِیْنَ ۝

(ترجمہ) طٰسٓمٓ ۔ یہ آیتیں ہیں روشن کتاب (قرآن) کی۔ ہم تمھیں موسیٰ اور فرعون کی سرگزشت کا کچھ حصہ ٹھیک ٹھیک سناتے ہیں۔ فرعون نے ملک میں بڑی سرکشی اختیار کر لی تھی اُس نے اُس کے باشندوں کو طبقوں میں بانٹ دیا تھا۔ (اور) اُن میں سے ایک طبقے کو دبا تا تھا (اس بری طرح) کہ اُن کے بچوں کو قتل کر ڈالتا اور ان کی عورتوں کو زندہ رہنے دیتا تھا۔ کیا شبہ ہے کہ وہ فساد برپا کرنے والوں میں سے تھا۔

یہ اُس زیر بحث پانچویں آیت سے پہلے کی چاروں آیتیں ہیں جس کا ترجمہ تھا:۔ (اور ہم نے ارادہ کیا تھا کہ اُن غریبوں پر احسان کریں جنھیں دبا لیا گیا تھا اور اُن کو ائمہ (پیشوا) اور وارث بنائیں۔) اور اسی کے ساتھ آگے کی چھٹی آیت اور اُس کا ترجمہ بھی پڑھ لیجیے جو در اصل پانچویں آیت کا تتمہ ہے اور بات اسی پر پوری ہوتی ہے۔

| | |
|---|---|
| وَنُرِيَ فِرْعَوْنَ وَهَامَانَ | اور دکھائیں ہم فرعون وہامان اور اُن |
| وَجُنُودَهُمَا مِنْهُمْ مَا كَانُوا | دونوں کی فوجوں کو، ان (غریبوں) کی طرف |
| يَحْذَرُونَ ۝ | سے وہ بات جس کا انھیں ڈر تھا۔ |

آیتوں کا یہ پورا سلسلہ پڑھنے کے بعد کیا اس میں کسی بھی شبہے اور تردد کی گنجائش رہ جاتی ہے کہ یہ ایک انتہائی حیرت انگیز جسارت اور جرأت ہے کہ ان آیتوں میں کسی امام غائب کا اور آئندہ کسی زمانے میں اُس کے ظہور اور ظہور کی برکتوں کا تذکرہ اور بشارت و مژدہ بتایا جائے؟ ــــــ "مستضعفین" مانے سے کون منع کر رہا ہے؟ مگر کیا اس کے لیے شیعی احادیث کے ذخیرے کی روایات کافی نہیں ہیں؟ اور "امام مہدی" کے مشترک نام کو لیکر کیا خود سنیوں کے یہاں کے روایات سے بھی یہ فائدہ اس مقصد کے لیے نسبتہً آسانی سے نہیں اُٹھایا جاسکتا کہ قرآن کے ساتھ ایسی ناروا جرأت کا ارتکاب کیا جائے؟

---

اب اصل گفتگو کی طرف واپس آجائیے، کہ ایران ہی نہیں عالم اسلام اور کل عالم انسانی کے دائرے میں بھی اسلام اور اسلامی انقلاب کی بات خالص شیعی تصورات کی زبان میں اور اس طرح کی جاتی ہے جیسے کہ یہی واحد یا کم از کم مستند، اسلام اور اسلامی

انقلاب کا تصور ہو۔ اور ایران کی رہنمائی میں دنیا بھر کے مسلمانوں اور کل دیگر انسانوں کو اسی کے مطابق گامزن کرنا مقصود اور مطمحِ نظر ہو ــــــ اور ظاہر ہے کہ یہ کام کسی نہ کسی مرحلے پر حقائق کی غلط اور مغالطہ آمیز ترجمانی بھی چاہے گا۔ چنانچہ اس سے بھی گریز نہیں ہے۔ لہٰذا تہران ٹائمز کا یہی اداریہ اس کی بھی ایک مثال اپنے دامن میں لیے ہوئے ہے۔ کہا گیا ہے کہ :۔

"It can be safely concluded that almost all sects unanimously agree to and believe in formation of a single world government under the leadership of Saviour Mahdi".

پورے اطمینان کے ساتھ یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ تقریباً تمام ہی (اسلامی) فرقے اس بات پر متفق اور اس کے قائل ہیں کہ پوری دنیا کا ایک واحد نظامِ حکومت امام مہدی، نجات دہندۂ عالم، کی سربراہی میں قائم ہو۔

یہ بات مسلمانوں کے قابلِ لحاظ فرقوں کی حد تک بالکل ٹھیک ہے۔ لیکن کیا ان فرقوں کا "مہدی" ایک ہی ہے ؟ کیا حقیقت یہ نہیں ہے ؟ کہ اہلِ سنت کو اہلِ تشیُّع کے "مہدی" سے کوئی سروکار نہیں اور نہ وہ ایک منٹ کے لیے اس میں عقیدہ رکھتے ہیں ! اور علیٰ ہٰذا نہ اہلِ تشیّع کو اہلِ سنت کے "مہدی" سے مطلب ہے جو ۲۵۵ھ ہی میں پیدا ہو کر کسی غار میں غیوبت کی زندگی اپنے وقتِ ظہور کے انتظار میں نہیں گزار رہا ہے۔ بلکہ وہ اپنے ظہور (بہ معنیٔ خروج) اور اپنے مشن کی انجام دہی کے قریبی زمانے ہی میں پیدا ہو گا ! پھر نام اور لقب کے اشتراک سے فائدہ اُٹھا کر اس اختلافی حقیقت کو کیوں چھپایا جا رہا ہے ؟ جو مبیّنہ "اتفاق" کو بالکل بے حقیقت کر دیتی ہے !

اسی مغالطہ آمیزی کا سہارا لیکر اور محض شیعہ تصور کے مہدی کے حق میں کُل مسلمانوں کا ذہن استوار کرنے ــــــ اور بایں طور اُنھیں ایرانی دعوتِ انقلاب کی خدمت و نصرت پر کھڑا کرنے ــــــ کے لیے یہ اداریہ مزید کہتا ہے کہ ــــــ ترجمہ :۔

اب ہر مسلمان پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ اپنی ذات اور اُس کی خواہشات

پر فتح پانے کا لازمی فریضہ پورا کرے اور (پھر) جباروں کے خلاف ایک مسلسل جنگ میں کود پڑے تاکہ سوسائٹی میں انسانیت کے نجات دہندہ، امام مہدی کے ظہور کی راہ ہموار ہو سکے۔"

ایرانی انقلاب اور اس کی عالمی توسیع کی دعوت کا منتہائے مقصود، اس اداریہ کی روشنی میں واضح طور پر صرف یہی قرار پاتا ہے کہ امام مہدی (امام غائب) کے ظہور کی راہ ہموار کی جائے ——— اور یہی بات "مستضعف ڈے" منانے کی قرارداد میں بھی کام کر رہی ہے (اس کا اشارہ جناب آیت اللہ منتظری کے دولتکدہ پر ملنے والے کتبے سے بھی ملا تھا اور اس کے علاوہ امام مہدی کے حوالے کے جن دوسرے طریقوں اور موقعوں کا ذکر اوپر آچکا ہے، ان سے بھی۔) چنانچہ ابھی گزرے اقتباس کے علاوہ یہ اداریہ مزید کہتا ہے کہ:

"مسلمانانِ عالم اور محروم و ناآسودہ عوام کو چاہیے کہ (امام مہدی کے یوم ولادت کے) ایسے مسرت آفریں موقع پر حضرت امام مہدی کے الٰہی (DIVINE) انقلاب کے اس اساسی مرکز[1] (BASE) کے ماتحت ایک چھتری کے نیچے متحد ہو جائیں اور نجات دہندہ کی آمد کے لیے زمین تیار کرنے میں انتھک طریقے کوشاں ہوں۔"

اگلے پیرے میں اوپر والے پیرے کا مدعا بالکل ہی کھول کر رکھ دیا گیا ہے، لکھا ہے:۔

"روئے زمین کے تمام گوشوں میں بسنے والے انسانوں کو چاہیے کہ ایران سے (جس کے ولی و مولیٰ ——— MASTER ——— جیسا کہ ہمارے انقلاب کے لیڈر کا ارشاد ہے، امام زماں حضرت مہدی ہیں) سبق حاصل کریں اور اس ملک کو اس امر میں امنگ و حوصلے کی فیضان بخشی کا سرچشمہ تصور کریں کہ ذاتِ قدس اور قدسی صفات[2] (DIVINE) کی طاقت اور مدد پر تکیہ کر کے کس طرح بدی کی طاقتوں کا جماؤ توڑا جا سکتا اور نوعِ انسانی کے نجات دہندہ کی آمد کے لیے میدان ہموار کیا جا سکتا ہے۔"

---

[1] ایران مراد ہے۔　[2] (اگلے صفحہ پر)

تہران ٹائمز کے اس اداریہ کو پڑھ کر، بالخصوص اس کا موقع و محل بھی ذہن میں رکھتے ہوئے کہ دنیا بھر کے مسلم اور غیر مسلم نمائندوں کے تہران میں اجتماع کے موقع پر لکھا گیا ہے یہ حقیقت بظاہر کسی کبھی شک وشبہ کے قابل اور مزید تحقیق کی محتاج نہیں رہ جاتی کہ ایران کا "اسلامی انقلاب" جو شروع میں اپنے اصل ہدف کے اعتبار سے بہت وسیع ذہن کا حامل اور فرقہ وارانہ تصورات سے بالاتر نظر آتا تھا، واقعہ میں اس کے برعکس خالص اور مکمل طور سے شیعی ذہن کا حامل ہے۔ اور اس کی عالمی توسیع کی دعوت و جد و جہد بھی بلا کسی فرق کے اپنے اندر یہی ذہن رکھتی ہے!
اس اداریہ کو سامنے لائے جانے سے پہلے جن قرائن و شواہد کی نشاندہی کی گئی تھی وہ بھی اس حقیقت کو سمجھا دینے کے لیے اپنی حد تک کچھ کم نہ تھے۔ لیکن اگر کسی کے لیے کچھ کمی تھی وہ اس اداریے نے ضرورت سے بھی زیادہ پوری کر دی ہے۔ اور اب اس معاملے میں غور و فکر اور تحقیق و تجسس کی بساط قطعی طور سے لپیٹ کر رکھی جا سکتی ہے۔

---

سے (حاشیہ صفحہ گذشتہ) اس لفظ کا جو ترجمہ یہاں کیا گیا ہے اس کے پیچھے امام خمینی صاحب کے خطابات میں نظر پڑنے والی یہ بات ہے کہ وہ ایسے موقعوں پر صرف خدا ہی کی مدد کا حوالہ نہیں دیتے ہیں بلکہ امام زماں کی مدد کا بھی۔ اور اداریے میں چونکہ سیدھے سیدھے لفظ GOD یا ALLAH کے بجائے DIVINE استعمال کیا گیا تھا جس میں اللہ اور امام صاحب دونوں آجاتے ہیں اس لیے میں نے یہی سمجھا ہے کہ لفظ کا یہ انتخاب امام صاحب کی لائن ہی میں رہنے کا ایک انداز ہے۔ امام غائب کے بارے میں جو بات کہی گئی، اگر اس کے لیے کسی حوالے کی ضرورت ہو تو فی الوقت میرے سامنے یکم مئی ۸۲ء کا بھی تہران ٹائمز ہے جس میں امام صاحب کے ایک خطاب (انٹرنیشنل لیبر ڈے، یکم مئی، کے موقع پر مزدوروں سے خطاب) کا ترجمہ چھپا ہے۔ اسی میں ایک جملہ ہے:

"And I hope by trusting in the blessed and Supreme Lord, and by getting support from the absent Ruler of this nation, the absent Imam of our time (May God expedite his appearance) you will succeed in reaching this goal, and you will."

(ترجمہ) اور میں امید کرتا ہوں کہ اللہ تبارک و تعالیٰ پر اعتماد سے اور اس قوم کے حاکم غائب یعنی ہمارے عہد کے امام غائب (اللہ ان کے ظہور کو معجل فرمائے) کی مدد سے آپ لوگ یقیناً اس مقصد کو حاصل کرنے میں کامیاب ہوں گے۔

## انقلاب کے کچھ اور پہلو

اور اب اس پہلو سے ہٹ کر اس انقلاب اور اس کے کردار کے کچھ اور پہلوؤں پر ہم نظر کرنا چاہتے ہیں۔

۱۔ ان دوسرے پہلوؤں میں "مستضعف ڈے" کے ذکر کی مناسبت سے، جو ابھی ہوا سب سے پہلے خبر پر اس بات کو لے لینا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہ "اسلامی" انقلاب جو عملاً اگرچہ نہیں، مگر قولاً روس اور روس کے اشتراکی حلقے کا بھی اتنا ہی دشمن نظر آتا ہے جتنا امریکہ اور اس کے سرمایہ دارانہ اور ملوکانہ حلقے کا۔ اس کی آغوش کمیونسٹ ملکوں (بشمول خود روس) کے لیے کیونکر اور کیسے اس قدر وسعت اور اپنائیت کے ساتھ کھلی ہوئی ہے کہ مختلف اور پے درپے تقریبات میں جس طرح اسلامی دنیا کے وفود کو دعوت دی جاتی ہے بالکل اسی طرح کمیونسٹ اور اشتراکی دنیا کے وفود بھی بلائے جاتے ہیں؟

"مستضعف ڈے" کے سلسلے میں ایک سو ایک ملکوں کے وفود کا ذکر ابھی اوپر گزر چکا ہے۔ اس کی خبر میں تصریح ہے کہ یہ صرف "اسلامی" نہیں بلکہ اُن کے ماسوا بھی "ایشیائی اور افریقی" ملکوں سے تعلق رکھتے تھے۔ اور یہ یقین کرنا غلط نہ ہوگا کہ صرف ایشیائی اور افریقی غیر مسلم ہی نہیں بلکہ یورپ اور جنوبی امریکہ کے کمیونسٹ اور سوشلسٹ ملکوں یا ان میں سے جہاں حکومت کمیونسٹ یا سوشلسٹ نہیں ہے وہاں کی ایسی تحریکوں کے وفود بھی رہے ہوں گے۔ کیونکہ یہ تو "انٹرنیشنل لیبر ڈے" کے وزن پر ایک "انٹرنیشنل مستضعف ڈے" کی تقریب تھی جو اس وسیع دعوت کے لیے عین موزوں تھی، ہم نے گزشتہ سال جس تقریب "انقلاب کی تیسری سالگرہ کے جشن" میں شرکت کی تھی، اس میں بھی اسی وسعت کے ساتھ مدعو وفود اور افراد پائے گئے تھے۔ اُن دنوں کے جو ایرانی اخبارات آج بھی فائل میں رکھے ہوئے ہیں اگر ورق گردانی کی جائے تو ان میں سے بہت سے ملکوں کے وفود کا حوالہ وہاں مل جائے گا۔

بہر حال یہ کمیونسٹ اور سوشلسٹ ملکوں یا تحریکوں کے وفود دنیا کے کس خطے کے ہوں اور کس کے نہ ہوں، اصل کھٹک اس سے تو ہے نہیں، بلکہ صرف اس سے ہے کہ یہ وفود بھی مسلمان دفود کی طرح ایرانی انقلاب کی تقریبوں میں بار پاتے ہیں۔ گزشتہ سال کی تقریب کے موقع

کے کمیونسٹ رومانیہ، بلغاریہ، یوگوسلاویہ اور خود روس کے وفود سے ملنا آج تک اچھی طرح یاد ہے۔ اور رومانیہ کے وفد کے ایک رکن کا تو کارڈ بھی، اس وقت کی ملاقاتی یادگاروں کے کارڈوں میں پڑا ہوا ہے، جو صیغۂ امور مذہبی کے ڈائریکٹر JON POPESEU تھے۔ اسی طرح یونان کی مزدور تحریک کے نمائندہ مسٹر ...... کا کارڈ۔

یہ بھی غلط فہمی نہ ہو کہ ان وفود کے سرے سے بلائے جانے ہی پر اشکال ہے۔ نہیں! اس میں بڑی اچھی، خالص اسلامی مصلحت اور حکمت بھی ہو سکتی ہے۔ اور وہ یہ کہ انھیں "اسلامی انقلاب" کو قریب سے دیکھنے اور سمجھنے کا موقع فراہم کیا جائے۔ اور خاص طور پر اُن کی نظر میں جس انسانی مسئلہ کی سب سے زیادہ اہمیت ہے، یعنی نوع انسانی کی اونچے اور نیچے، بے وزن و بدحال اور باوزن و خوشحال اور بے آواز اور بااختیار طبقوں میں عام طور سے پھیلی ہوئی تقسیم اور اُس مٹا دینے کی کوشش۔ یہ لوگ آئیں اور دیکھیں کہ ایران کا اسلامی انقلاب اس مسئلہ کو کس قدر اہمیت دے رہا ہے۔ اور مذہب سے جوان لوگوں کو اِس خیال کی وجہ سے بھی دوری اور چڑھ ہو گئی ہے کہ یہ اس تفریق و تقسیم کا حامی و مددگار ہے، کم از کم اسلام کے بارے میں انھیں معلوم ہو کہ حقیقت اس کے بالکل برعکس ہے۔ اسلام کسی سے بھی کم غریبوں اور مزدوروں کا حامی نہیں ہے!

یہ بلاشبہ بڑی اچھی حکمت و مصلحت ہے۔ مگر کیا اسلام کے لیے بھی یہی مسئلہ سب سے اہم ہے، جیسے کہ کمیونزم اور سوشلزم کے لیے ہے؟ اور کیا یہ اسلامی انقلاب کا صحیح تصور ہوگا جو ہم غیر مسلموں کو دیں؟ ہمارے نزدیک اس کا جواب قطعی نفی میں ہے! اور یہی باعث اشکال ہے کہ ایک "اسلامی انقلاب" کیونکر اس کو صحیح سمجھتا ہے کہ اسلام کے بارے میں اس تصویر کا موقع لوگوں کو دیا جائے؟ خاص طور پر ان لوگوں کو جو پہلے ہی سے اسے انسان اور انسانیت کا سب سے اہم کیا، واحد مسئلہ سمجھنے پر مطمئن ہو چکے ہیں!

ہمیں نہ ایران میں اس طرح کے مہمانوں کے ساتھ قیام اور ہر طرح کے پروگراموں میں شرکت کے موقع پر یہ محسوس کرنے کا کوئی موقع مل سکا کہ اسلام اور اسلامی انقلاب کی اصل روح اور اُس کا سب سے زیادہ اہم اور بنیادی مقصد ان لوگوں کے سامنے لانے کی کوشش

کی گئی ہو، اور نہ اس طرح کے دوسرے مخلوط اجتماعات کی خبروں اور رودادوں سے کبھی ایسا اندازہ ہو سکا۔ اس طرز عمل کا نتیجہ ظاہر ہے کہ اسلام اور اسلامی انقلاب کے ایسے تعارف کی شکل میں ہی ظاہر ہو سکتا ہے جو بالکل ناقص اور اس بنا پر گمراہ کن ہے۔

امام خمینی صاحب کے جو خطابات آئے دن ہوتے رہتے ہیں۔ اور ایرانی اخبارات میں اُن کا پورا متن شائع ہوتا ہے[۱]، اُن میں یہ تو حقیقت ہے کہ اللہ پر توکل، اُس کی کارسازی اور کامل ومطلق قدرت پر یقین، اُس کی اطاعت اور تقویٰ وطہارت پر حسب موقع بڑا زور ہوتا ہے اور کوئی کہنا چاہے تو کہہ سکتا ہے کہ انھوں نے اپنی مسند ولایت (اقتدار) سے جس اونچے پیمانے پر اللہ کا کلمہ (لغوی معنیٰ میں) بلند کیا، اور جس شدومد اور کثرت سے اس کلمے کو دہرایا ہے، اور اطاعتِ خدا ورسول ہی کو ہر کامیابی کی کلید بتایا ہے، اس کی مثال آج کی مسند ہائے اقتدار میں کہیں بھی نہیں ملتی ——— لیکن تقویٰ وطہارت اور اطاعتِ خدا ورسول کے اس پرزور حوالے سے اُن اعمال وعادات کی تلقین جن کی تعیین اور مشرح ومفصل طور سے تعلیم وتلقین ہمیں اُسوۂ رسالت میں ملتی ہے، اور جن سے انسان کی روزمرہ زندگی میں تقویٰ وطاعت کی باطنی کیفیات کو عملی اور ظاہری شکل حاصل ہوتی ہے، ہماری محدود نظر سے اُن متعین اعمال وعادات کا حوالہ یاد نہیں آتا کہ کبھی امام صاحب کے خطابات میں گزرا ہو۔ اور اتنا تو پورے اعتماد کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ عام طور سے بہرحال نہیں ہوتا۔ بلکہ اس پرزور دعوتِ طاعت اور تلقینِ توکل علی اللہ اور گرمجوشیٔ اسلام وایمان کی تان بالعموم سامراجی طاقتوں، خصوصاً امریکہ اور اُس کے حلقۂ اثر والی حکومتوں کے خلاف اور اب جب سے صدام نے فوج کشی کی حماقت کی ہے اُس وقت سے زیادہ تر اُس کے اور اُس کی فوج کے خلاف سرگرمیٔ عمل، اور استقامت وجانبازی دکھانے اور انقلاب کی حفاظت میں ہمہ دم مستعد رہنے پر ٹوٹتی ہے۔ اور یا "مستضعفان جہاں" کا غم کھانے اور اپنے ساتھ انھیں بھی کندھے سے کندھا ملا کر کھڑا کرنے اور جبارانِ عالم کے خلاف ایک نئی عالمی تحریک پیدا کرنے پر ۔ اب رہے وہ اعمال وعادات جنھیں وحیٔ الٰہی اور پیغمبرانِ حق اور اُن کے خاتم

---

[۱] اور برطانیہ میں دستیاب ہونے والے ایران کے انگریزی اخبارات ان خطابات کا پورا ترجمہ شائع کرتے ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انسانی زندگی (انفرادی اور اجتماعی) کے لیے صلاح و خیر کا سرچشمہ اور اس کے ترکیب اور درستی رُخ کی اساس قرار دے کر اول و آخر انھیں کو سب سے زیادہ یاد دلایا۔ اور کسی بھی حالت میں اُن کی تذکیر و یاد دہانی کا پلّہ نہ دبا کر یہ اچھی طرح بتا اور جتا دیا کہ ان کے بغیر اسلام اور دین کوئی معنیٰ نہیں رکھتا، اور انبیاء (علیہم السلام) جس اصلاح اور انقلاب کے لیے آتے ہیں اُس کا، ایک لمحہ کے لیے بھی، ان اعمال و عادات کی فکری اور عملی اہمیت ملحوظ رکھے بغیر تصور نہیں کیا جا سکتا۔ ان اعمال و عادات کی تلقین و ترغیب کا تحسینی صاحب کے خطابات میں پتہ ہی نہیں چلتا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری مدنی زندگی جس ہمہ دم رزم و پیکار اور چوطرفہ دشمنوں سے معرکہ آرائی میں گزری اُس سے کون وہ شخص ناواقف ہے جو اس دور کے اوراق سیرت سے اجمالی آشنائی بھی رکھتا ہے۔ مگر میدان جنگ ہو یا مسجد نبوی کا منبر جہاں خطبہ ارشاد فرمایا، ایک ایک خطبہ کو، جو آج ملتا ہے، پڑھ کر دیکھ لیجیے۔ ان سطروں کے راقم کو تو (اپنی کم علمی کے پورے اعتراف کے ساتھ) مشکل سے کہیں خیال آتا ہے کہ آپ نے دشمنوں کے خلاف جذبات انگیزی کا کوئی جملہ فرمایا ہو۔ جبکہ یہ خطبے اپنے اندر کے دشمن کے خلاف ــــ جو غفلت بھی ہو سکتی ہے، اور سستی بھی اور شیطان کی اثر اندازی سے لاپروائی بھی ــــ آگاہی سے اور انذار سے بھرے ہوئے اور اُن ایمانیات اور مثبت و منفی عملی اور اخلاقی فرائض (اوامر و نواہی) کی یاد دہانی سے لبریز ملتے ہیں جن کے دھیان اور اہتمام پر انسان کی اپنی ذاتی صلاح و خیر اور کامرانی آخرت بھی موقوف ہے اور اجتماعی زندگی اور پورے نظام عالم کا صحیح رُخ بھی۔

ان خطبوں میں میدان حشر کی تصویر کشی ہے۔ جنت و دوزخ کا بیان ہے۔ اُن اعمال و اخلاق کی تذکیر ہے جو جنت یا دوزخ کا وارث بنائیں گے۔ عموماً سب سے پہلے نمبر پر نماز پھر روزہ، زکوٰۃ، حج اور مجموعی طور سے عبادات، ڈھکے اور کھلے میں اللہ سے خوف کی تلقین، امانت داری کی اہمیت، انسانی اور غیر انسانی تمام مخلوقات کے بارے میں احساس ذمہ داری کی یاد دہانی، پڑوسیوں کی خبر گیری کے فرائض، صدقات و خیرات کے فضائل،

حسن اخلاق کی ترغیب، حسن اخلاق کے اُن خصوصی مظاہر کا بیان جن کی اللہ کے یہاں خاص قدر ہے۔ سنت پر کاربند اور بدعات سے دور رہنے کی تاکید۔ بدعات اور مشرکانہ اعمال کی قباحت اور اس کے بُرے اخروی نتائج سے تخویف۔ ذکر اللہ کے فضائل، کلمات ذکر کا میزان الٰہی میں وزن۔ غیبت، بہتان، چغلی، شراب خوری، سود وغیرہ کبائر میں مبتلا ہونے کے خلاف آگاہی۔ اللہ کی راہ میں جہاد اور کلمۂ حق کی خاطر قربانی کی ترغیب اور ایمان اور ایمانی صفات توکل، تقویٰ، خشیت و محبت، صبر و شکر، علم و ذکر، عبودیت و انابت، دعا و تضرع وغیرہ تمام ایمانی شعبوں میں مسلسل ترقی و تکمیل کی جد و جہد کی تشویق نیز رذائل اخلاق کا اور اُن کے برے نتائج کا بھی مفصل بیان اور ان سے تزکیہ و تطہیر کے لیے سعی و کوشش کی تلقین اور تمام ہی اعمال کے خالصۃً للہ رکھنے پر زور۔

مگر یہاں —— جہاں کی بات چل رہی ہے —— ایمان، طاعت، تقویٰ، طہارت اور جہاد و نصرت جیسے تفصیل اور تشریح طلب عنوانات کی تکرار اور ترغیب کی تو بے شک کوئی کمی نہیں، لیکن اس تکرار و تاکید و ترغیب کے ساتھ نبوی انداز کی اس تشریح و تفصیل کا کہیں گزر نہیں جس سے ان عنوانات کا اسلامی مفہوم اور روزمرہ کی عملی شکل سامنے آتی ہے۔ اور جس پر زور دینا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے وقت کے مسلمانوں کے لیے بھی اس قدر اہم سمجھتے تھے۔

ممکن ہے کہ اہل ایران کو اُن کے قائدین کے نزدیک اس تشریح و تفصیل کی حاجت نہ ہو۔ اور یہی بات دوسرے مسلمان مخاطبوں کے بارے میں صحیح سمجھی جاتی ہو۔ مگر ان خطابات میں بہ یہ جو دوسرے (غیر مسلم) مدعوئین شریک ہوتے ہیں، یہ کہاں سے ان عنوانات کا واقعی اسلامی مفہوم اور روزمرہ کی عملی شکل اخذ کر سکتے ہیں؟ یہ تو ان عنوانات کو اگر یاد بھی رکھیں گے تو ان کے مفہوم میں بس وہی امپیریلزم کی مخالفت اور معاشی و سماجی مساوات و آزادی کے لیے بہر طور جد و جہد اپنے ساتھ لیکر جائیں گے جس پر ان عنوانات کے تحت زور دیا گیا ہے۔ اور جو گویا اُن کے اپنے عین خیالات ہیں۔

تب اس صورت میں تو اُن کو دعوت کسی طرح بھی اسلامی مصلحت نہیں ہو سکتی بلکہ

یہ اسلام کا غلط تصور دینے کی قیمت پر ان کی حمایت ونصرت حاصل کرنے کی ایک صورت ہے۔ کہ گویا ایران کے "اسلامی انقلاب" کو ان کے الحاد و اباحیت اور انکارِ مذہب سے کوئی مطلب نہیں، اس کی دلچسپی اور توجہ کا مرکز تو وہی مسائل ہیں جو اُن کے ہیں۔ اور اس لیے یہ انقلاب اُن کی حمایت اور اعانت کا حقدار ہے۔

چنانچہ یہ حمایت ہماری نظر میں بطورِ واقعہ حاصل ہے۔ اور پہلے دن سے حاصل ہے۔ امریکہ کا اپنے سفارتخانے کے معاملے پر چودہ مہینے تک انتہائی درجے کی ذلت ایسی بے بسی کے انداز میں برداشت کرتے رہنا جیسے کہ وہ ایران کے برابر کی طاقت کا کبھی ملک نہیں ہے، درانحالیکہ اُس کا اور ایران کا کوئی مقابلہ ہی سرے سے نہیں تھا اور نہ ہے ———— اس کی مکمل اور اطمینان بخش توجیہہ اگر ہو سکتی ہے تو صرف اس طرح ہو سکتی ہے کہ امریکہ کو کسی کارروائی کی صورت میں کسی برابر کی طاقت کے سامنے آجانے کا خوف تھا۔ اور برابر کی وہ واحد طاقت ایران کی سرحد سے ملی ہوئی روس کی کمیونسٹ حکومت تھی جس نے ایران کی انقلابی تحریک کے مذہبی رنگ اور نعروں کے باوجود، جب کہ کمیونسٹ فلسفے کی رو سے مذہب ہی وہ افیون ہے جو سرمایہ دارانہ راج اور ایسی تمام لعنتوں کے لیے میدان ہموار کرتا اور پھر اُن کی حفاظت کرتا ہے، شاید ہی کبھی کوئی لفظ آج تک ایرانی انقلاب کے خلاف کہا ہو گا ———— اور یہ اس کے باوجود ہے کہ ایرانی قیادت جس سانس میں امریکہ پر تبرّا کرتی ہے اُسی سانس میں روس اور کمیونزم پر بھی لعنت بھیج جاتی ہے۔ بشرطیکہ اُس وقت سامنے کے مجمع میں کمیونسٹ مہمان نہ ہوں۔ ابھی گزشتہ سال یکم مئی کو ایران میں لیبر ڈے (یوم مزدور) منایا گیا۔ اور امام صاحب نے ایرانی مزدوروں اور محنت کاروں سے خطاب فرمایا۔ اس خطاب کی سرخی تہران ٹائمز میں امام صاحب کا یہ جملہ تھا:۔

"سرمایہ داری اور کمیونزم دونوں، مزدوروں کو اپنے مفاد میں استعمال کرتے ہیں۔"

"Capitalism, Communism use workers in their own interest".

لیکن اس تبرّے کے باوجود، جو اخباروں میں چھپتا بھی ہے، نہ روس کی پیشانی پر کوئی بل

پڑتا ہے اور نہ اُس کے حلقۂ ارادت کی طرف سے دوستانہ دعوتیں کبھی رد ہوتی ہیں ــــ یہ کیا امام صاحب کا اقبال ہے؟ یا روس کا یہ اطمینان؟ کہ یہ "بے لاگ" اسلامیت کا بھرم رکھنے کی باتیں ہیں، ورنہ ہم سے کوئی جھگڑا نہیں ہے۔ ہم نے اوپر ایک جگہ حاشیہ میں کہا تھا کہ ایرانی انقلاب کی قیادت نے شاہی حکومت اور تحریک کے ٹکراؤ کے آخری دور میں جس مہارت اور اعتماد کا مظاہرہ کیا اُس کے بارے میں ہمیں ایک شبہ پہلے ہی دن سے رہا۔ وہ شبہ یہ تھا کہ اس کے پیچھے روسی قیادت کی تجربہ کار ذہانت کی بھرپور سرپرستی اور حمایت ضرور کام کر رہی ہے، مادی اعانت چاہے ہو یا نہو۔ مگر تحریک انقلاب کی کامیابی کے بعد جس زور شور سے امریکی سامراج پر لعنت کی گئی ویسے ہی کیونزم اور روس سے بھی مسلسل بیزاری۔ اس نے اس شبہ کو دبا دیا۔ مگر اب کیونسٹوں کے ساتھ اپنی آنکھوں سے جو کھلا ملا جشن سالگرہ میں دیکھا اور روسی اور امریکی جھنڈوں کو یوم انقلاب کی فوجی پریڈ میں ایک ساتھ پامال کیے جانے کے لیے بچھانے کے بعد جس طرح تھوڑی ہی دیر میں (روس کے فوجی اتاشی کے احتجاج پر) روسی جھنڈا اٹھا لیا گیا اس سے وہ شبہ بالکل یقین میں بدل گیا اور اپنی حد تک صاف معلوم ہوگیا کہ روس پر تبرا محض تقیہ کا ایک روپ ہے۔ اندرونی طور پر اس میں کوئی حقیقت نہیں۔

۲ــ صرف اور "اول و آخر اسلام" کے نعرے کے ساتھ یہ بھی ایک عجیب سی صورت حال ہے کہ عالم اسلام میں اخوت و دوستی یا کم از کم نرم گوشہ رکھنے کے قابل حکومتیں اگر ایران کو ملی ہیں تو وہ شام، لیبیا اور الجزائر کی حکومتیں ہیں، جن میں شام کی حکومت اُسی دین و مذہب کی (بعثی) حکومت ہے جو عراق کی (بعثی) حکومت کا دین ہے۔ یعنی دین و اسلام سے دشمنی۔ بلکہ شام کی حکومت نے ثابت کر دیا ہے کہ وہ اس معاملے میں عراق کی حکومت سے بہت آگے ہے۔ لیبیا کی حکومت دین اور اسلام کا نام ضرور لیتی ہے۔ مگر اس کے معنی وہ بیان کرتی ہے جس میں ہر گمراہی اور زندقہ کو ڈیرا جمانے کی سہولت مل جائے۔ الجزائر کی حکومت شام یا لیبیا جیسی خصوصیات کا اظہار تو نہیں کرتی، لیکن صاف طور پر سیکولرزم کی قائل ہے۔ اور اگر دین، سیکولرزم کے قائم کردہ حدود سے باہر قدم رکھنے کی کوشش کرنے لگے تو پھر وہ

اس بارے میں غلط فہمی کی گنجائش نہیں دیتی کہ وہ اس قدم کو پیچھے ہٹانے کے لیے وہی سب کچھ کرے گی جو ایک سیکولرزم کی قائل حکومت سے متوقع ہے۔ اور جس کی ایک شکل ہم ترکی کی موجودہ حکومت کے عمل میں دیکھ رہے ہیں؎۔ غرض ان تینوں حکومتوں میں سے کسی کو بھی آجکل کی چلی ہوئی ایک اصطلاح میں "اسلام پسند" بہرحال نہیں کہا جاسکتا۔ اور کوئی مثبت چیز ان میں قدر مشترک کے طور پر نکالنی ہو تو وہ اشتراکیت پسندی ملے گی۔ تینوں اشتراکیت کی قائل ہیں اور تینوں روس دوست!

قصۂ مختصر، یہ سمجھنا مشکل ہے کہ ایک علمبردارِ اسلام حکومت کو ان حکومتوں کی مذکورہ بالا خصوصیات کی موجودگی میں کیا بنیاد ان کے ساتھ اخوت و دوستی یا نرم گوشہ رکھنے کی ملی ہے؟

۳۔ "مستضعفؔین" قسم کی تقریبات کا اہتمام خود بتا رہا ہے کہ دنیا کے دبائے ہوئے اور مظلوم لوگوں کے لیے دردمندی کی ایرانی انقلاب کے دل میں بڑی خاص جگہ ہے۔ مزید برآں ایران کے سفر میں باقاعدہ اس طرح کے کتبے نظر آتے تھے کہ "ما غمگساران مستضعفان جہانیم"۔ پھر جب وہ مظلوم و مقہور مسلمان ہی نہوں بلکہ اسلام کے احیا یا اس کی بقا کے لیے جدوجہد کرنے والے بھی ہوں تب تو ان کے لیے جیسی دردمندی اس انقلاب میں پائی جانی

---

؎ موجودہ ترکی حکومت جس فوجی انقلاب کے بعد برسراقتدار آئی ہے۔ اگر کسی کو یاد ہوگا تو یہ انقلاب ترکی پارلیمنٹ کے ایک واقعہ کا نتیجہ اور اُس کے فوراً بعد تھا۔ یہ واقعہ اس بات کی کھلی علامت نظر آیا تھا کہ پارلیمنٹ کی اکثریت کا رُخ ترکی کی مکمل اسلامیت کی طرف ہے۔ فوجی حکومت نے اس واقعہ کو وجود میں لانے والی اسلامی پارٹی کو خاص طور سے اپنے مضبوط شکنجے میں لیا اور آج تک وہ لوگ پھانسی یا طویل ترین سزائے قید دیے جانے کے خطرے میں ہیں۔ اور اسلامی رجحان کا سر کچل ڈالنے کے لیے یہ حکومت جو دوسرے اقدامات مسلسل کر رہی ہے انھیں کی ایک تازہ کڑی لندن کے روزنامہ گارڈین مورخہ ۵ فروری کی خبر کے مطابق یہ ہے کہ یونیورسٹیوں میں داڑھی اور خاتون ٹیچروں اور اسٹوڈینٹ لڑکیوں (طالبات) کے لیے اسلامی وضع کا لباس ممنوع قرار دیدیا گیا ہے۔ اور اس کے مطابق کئی ٹیچر داڑھی رکھنے کے جرم میں برطرف بھی کر دیے گئے ہیں۔

چاہیے وہ ظاہر ہے۔ چنانچہ اسی نام پر عراق کے مسلمانوں (یا شیعہ مسلمانوں) کی جیسی مدد ہو رہی ہے وہ سامنے ہے اور اُن کے لیے سینہ کوبی تو ایران کے ہر پروگرام کا جزو نظر آتی۔ فلسطینی مسلمانوں کا بھی برابر ذکر رہتا ہے۔ فلپائن کے مسلمانوں کے ساتھ بھی اظہار ہمدردی و حمایت ہم نے دیکھا۔ پولیساریہ کے محاذ آزادی کی حمایت بھی ہم نے دیکھی اور سنی۔ افغان مسلمانوں کی ہمدردی میں "مرگ بر شوروی" (کمیونسٹ روس مردہ باد) کے نعرے بھی خوب لگا کرتے تھے۔ مگر ٹھیک انہی دنوں میں جبکہ ہمارا وہاں قیام تھا شام کے شہر حماۃ کے مسلمان باشندے اپنی حکومت کے ہاتھوں خاک اور خون میں لوٹ رہے تھے۔ اور اُن کا جرم ٹھیک وہی تھا جو ایران کی انقلابی تحریک کا جرم شاہ ایران کے مقابلے میں۔ مگر یقین نہ آنے والی بات ہے کہ ان مظلوموں کے حق میں ہمدردی کا ایک کلمہ یا شام کی حکومت کے لیے مذمت یا احتجاج کا کوئی جملہ کسی انقلابی زبان سے ہمارے سننے میں نہیں آیا! اس کی کیا وجہ کوئی شخص اس کے سوا سمجھ سکتا ہے کہ یا تو شامی حکومت کا اشتراکی اور روس دوست ہونا آڑے آرہا تھا اور یہ نہیں تو اس حکومت کا شیعہ اور اس کے مظلوموں کا سنّی ہونا؟

جگہ جگہ سے پر جوش حامیانِ انقلاب اس موقع پر آئے ہوئے تھے اور ساتھ اٹھنا بیٹھنا تھا۔ اُن سے پوچھا گیا کہ بھائی یہ کیا ہے؟ نہ "غمگساریٔ مستضعفان" کا اصول کام کر رہا ہے اور نہ اسلام اور صرف اسلام کی علمبرداری؟ ان کا جواب یہ تھا کہ عراق سے جنگ کی حالت ہے اور عالم اسلام میں واحد حکومت جو اس جنگ کے معاملے میں ایران کی ہر طرح حامی اور مددگار اور عراق سے سیاسی طور پر برسرِ پیکار ہے وہ بھی عراق کے پڑوس کی شامی حکومت ہے۔ اس حکومت سے لڑائی مول لینا اور اس کی حمایت کھونا کہاں کی عقلمندی ہو سکتی ہے؟۔ مگر اس عذر کو ماننے کے لیے ضرورت ہے کہ ایرانی انقلاب کے اصولی نعروں کو بالکل بے معنیٰ اور بے حقیقت سمجھنا چاہیے۔ ورنہ اُن اصولوں کے ساتھ ایسے عذر کی بات شرمناک ہے۔

بہر حال اس رویہ کی وجہ شام کی اشتراکیت اور روس دوستی ہو، یا شیعہ سنّی کی تفریق یا محض سیاسی مصلحتِ وقت، ان میں سے ہر بات سوال پیدا کرتی ہے کہ انقلاب کی "اسلامیت" کے معنی کیا ہیں؟ اور ان میں سے کوئی بھی بات اس نعرے اور دوسرے نعرے "ہمدردیٔ مظلومانِ جہاں"

کی سچائی کے ساتھ کیسے جمع ہو سکتی ہے؟

۴۔ افغان مسلمانوں کے ساتھ ہمدردی اور ان کی حمایت میں نعروں کا ذکر ابھی کیا گیا ہے۔ اس ہمدردی و حمایت کی عملی شکل یہ نظر آئی کہ افغان مظلوموں کے جو نمائندے جشن سالگرہ میں بلائے گئے تھے وہ سب کے سب ایک ایک کر کے شیعہ حضرات تھے۔ جبکہ افغانستان سنی اکثریت کا ملک ہے۔ وہ جس تنظیم کے نمائندے تھے وہ بھی سنی افغانیوں سے الگ ان حضرات کی اپنی تنظیم ہے! اور اس حقیقت کو دیکھ کر لندن کے ایک سنی افغان کی بات یاد آئی کہ ہمارا کوئی وفد آج تک ہزار کوشش کے باوجود امام خمینی کی بارگاہ میں بار نہیں پا سکا ہے۔ آنکھوں کے سامنے کی صورت حال اس شکایت یا حکایت میں پوری صداقت بتا رہی تھی۔ اور اس کی کوئی وجہ سوائے اس کے نہیں سمجھی جا سکتی تھی کہ شیعہ مسلمان جہاں اپنا مفاد سنی مسلمانوں سے الگ رہنے میں پاتے ہوں وہاں یہ "اسلامی انقلاب" اس علیحدگی اور امتیاز کا عملاً پورا سرپرست بننے اور صرف شیعہ عنصر سے سروکار رکھنے کو تیار ہے۔ اور اس کے ساتھ ساتھ اس منافقت میں بھی کوئی حرج نہیں سمجھتا کہ نام سب افغانیوں کا لے اور کام صرف خاص افغانیوں کے آئے!

اور کیوں نہیں یہ خیال بھی کیا جا سکتا کہ اس تفریق کی راہ پر شیعہ افغانیوں کو لگانے والا اور اس کو بڑھاوا دینے والا یہی انقلابی ایران ہو؟ اور کیوں یہ نہیں سوچا جا سکتا کہ اس تفریق کے پیچھے انقلاب کی اندرونی شیعیت ہی نہیں بلکہ روس سے اندرونی دوستی بھی کام کر رہی ہے۔ کیونکہ مزاحمت صرف سنی افغانوں کی طرف سے ہے۔ اور اس طرح افغان دوستی کا اظہار کرتے ہوئے اور مرگ بر شوروی کا نعرہ لگاتے ہوئے بھی اس روس دوستی کا عملی حق ادا کیا جا سکتا ہے؟ اور مزید برآں کیونکر یہ خیال نہ پیدا ہو کہ اقوام متحدہ کے ذریعہ کابل حکومت کے ساتھ پاکستان کی گفتگو سے اپنے آپ کو علیحدہ رکھنے کے لیے ایران جو یہ "کھراپن" دکھا رہا ہے کہ وہ کابل کی کٹھ پتلی حکومت سے کسی طرح بھی کوئی بات نہیں کرے گا۔ اس کی تہ میں فی الحقیقت افغانستان کے شیعہ عنصر کا مفاد اور اپنا مفاد ہے جو چاہتا ہے کہ یا تو حالات موجودہ روسی قبضے ہی کے ساتھ معمول پر واپس آ جائیں یا کم از کم

روسیوں کی واپسی کی یہ شکل نہ ہو کہ اقتدار مجاہدین (اہل سنت) کے ہاتھوں میں منتقل ہو جائے یا اُس کی بناء پڑ جائے، بلکہ ببرک کارمل ہی کی جیسی کوئی روس کی زیر اثر حکومت وہاں رہے۔ کہ ان دونوں صورتوں میں شیعہ عنصر کو روسی اعتماد کی بناء پر حکومت میں زیادہ دخیل ہونے اور ملکی معاملات میں نفوذ حاصل کرنے کا موقع ملے گا۔ اور اس دخل و نفوذ کے ذریعہ ایران بھی دخیل رہ سکے گا۔

غرض افغانستان کے بارے میں ایران کی موجودہ پالیسی کے اندر اس کے واضح قرائن پائے جاتے ہیں کہ اس میں بس افغانی شیعوں کا اور اپنا مفاد پیش نظر ہے، جو روسی مفاد سے بھی بہت کچھ ہم آہنگ ہے۔ افغانستان کے معاملے میں انقلابی ایران کا یہ رویہ اس بات کا ایک مزید ثبوت ہے کہ روس کے ساتھ ایرانی انقلاب کی مکمل مفاہمت یا دوستی ہے۔ اور یہ نتیجہ اسی مفاہمت اور مفاداتی ہم آہنگی کا ہو سکتا ہے کہ روس کے جو خشمگیں تیور پاکستان کے لیے دیکھنے میں آتے ہیں اور کابل کی حکومت جس زبان میں پاکستان کے لیے بات کرتی ہے، ان دونوں باتوں کا کبھی کوئی مظاہرہ ایران کے حق میں نہیں ہوتا۔ حالانکہ پاکستان کی حکومت ایران کے مقابلے میں بہت محتاط زبان روس اور اس کی قائم کردہ حکومت کے لیے استعمال کرتی ہے۔

۵ — اسرائیل کے لیے ایران اپنے نمبر ایک دشمن ہونے کا اظہار کرتا ہے۔ ہر وقت بلند کیے جانے والے مستقل نعروں میں "مرگ بر اسرائیل" (اسرائیل مردہ باد) مستقل طور سے شامل ہے۔ مگر اس نعرہ بازی کے علاوہ ہمارے سامنے آج تک کوئی ٹھوس چیز ایسی نہیں آئی ہے جو اس نمبر ایک دشمنی کا عملی ثبوت بنتی ہو۔ جبکہ اس درمیان میں وہ وقت بھی آکر گزر گیا کہ دشمنی تو کیا[1]، ملت[2] اور[3] کو بھی کچھ کر کے دکھائے بغیر نہ رہنا چاہیے تھا ——— ہمارا اشارہ سبھی سمجھ گئے ہوں گے، گزشتہ سال کے لبنان پر اسرائیلی حملے اور بیروت کے ۶۰ روزہ محاصرے کی طرف ہے جس میں جنوبی لبنان اور مغربی بیروت فلسطینی پناہ گزینوں کا مقتل اور مشہد بن کر

---

عله یہاں تیل کی سپلائی بند کرنے کا حوالہ دیا جاسکتا ہے۔ مگر جنوبی افریقہ کے معاملے میں ثابت ہو چکا ہے کہ ایسے اعلانات لازمی طور پر قابل اعتبار نہیں ہوتے۔ امریکہ اور برطانیہ وغیرہ اقوام متحدہ کی قراردادوں کے مطابق اپنے آپ کو پابند کر چکے ہیں کہ جنوبی افریقہ کو تیل نہ دیں۔ مگر دنیا جانتی ہے کہ اندرونی عمل اس کے خلاف ہو رہا ہے۔

رہ گیا۔ ایران کی اسرائیل دشمنی کا سبب فلسطین اور اس کے یہ ستم زدہ باشندے ہی ہیں۔ مگر جس وقت اسرائیل ان مظلوموں پر اپنے ظلم و ستم کا نقطۂ عروج دکھا رہا تھا ایران کی حربی طاقت عراق کی سرحدوں پر "القدس آپریشن" کا بگل بجا رہی اور زور دکھا رہی تھی۔ کون وہ عقل کا دشمن ہوگا جو یہ مان لے کہ فلسطینیوں ہی کے معاملے میں اسرائیل کے دشمن نمبر ایک کا یہی کام اس وقت ہونا چاہیے تھا؟ ایران نے اس موقع پر فلسطینی مہاجروں کو اپنی مدد کی جو خیرات دی وہ چند سو (یا اس سے کچھ اور زیادہ سہی) رضا کار تھے جو شام بھیج دیے گئے۔ شام میں پہنچ کر انھیں کیا کرنا تھا؟ شام تو خود لبنان کے اندر اپنے لاؤ لشکر رکھتے ہوئے ہاتھ باندھے کھڑا فلسطینیوں کی تباہی کا تماشہ دیکھ رہا تھا تاکہ اس کی خیر رہے۔ وہ کیا ان رضا کاروں کو اپنے علاقے سے کوئی کارروائی کرنے کی اجازت دینے والا تھا؟ اور بفرض محال دے بھی دیتا تو کیا اس علامتی امداد سے فلسطینیوں کا کچھ بننے والا تھا؟ آخری درجے کا ایک پھوہڑ مذاق بس اسے سلم رائے عامّہ کے ساتھ کہا جا سکتا ہے۔

ایران اگر ذرا بھی سنجیدہ ہوتا۔ اور اسرائیل دشمنی کے نعرے میں واقعی کچھ صداقت ہوتی تو بجز ایک بات کے کوئی دوسری اس وقت نہیں ہو سکتی تھی۔ اور وہ یہ تھی کہ عراق سے جنگ بندی کا اعلان۔ جن عرب حکومتوں سے سیاسی محاذ آرائی کی کیفیت چل رہی تھی ان کے معاملے میں اس محاذ آرائی کی فی الوقت موقوفی کا اعلان اور پھر حتی الامکان پوری سرگرمی سے اس بات کی کوشش کہ کوئی صورت لبنان کے فلسطینیوں کی مدد کو پہنچنے کی نکل سکے تو نکالی جائے۔

کوئی شبہ نہیں کہ عربوں کی موجودہ حالت میں ایسی صورت نکلنی مشکل تھی۔ مگر اسرائیل کے دشمن نمبر ا (ایران) کے لیے اس کی کوشش یقیناً واجب تھی تاکہ وہ اگر کچھ نہ کرسکے تو عذر تو پیش کرسکے کہ کیوں نہیں کرسکا اور اس عذر کے پیش آنے میں اگر دخل اس بات کا ٹھہرے کہ عربوں نے تعاون نہیں کیا جس کے بغیر ایران کے لیے کوئی کارروائی ممکن نہ تھی تو پھر وہ یہ کہنے کا حقدار ٹھہرے کہ ان عرب حکومتوں کے خلاف محاذ آرائی بھی ضروری ہے کیونکہ ان کو ختم کیے بغیر اسرائیل کے خلاف کوئی اقدام ممکن نہیں۔ مگر وہ یہ کرنے کے بجائے عراق کے خلاف جنگ، اور دیگر عرب حکومتوں کے خلاف سیاسی محاذ آرائی پر قائم رہا۔ اور محض لوگوں کو بے وقوف بنانے کی کوشش کے طور پر

کچھ رضاکار دستے شام بھیج دیے گئے کہ ہم فلسطینیوں کی مدد کو جہاں تک ممکن تھا جا پہنچے۔

یہ غیر سنجیدہ رویہ سوچنے پر مجبور کرتا ہے کہ فلسطینیوں کے ساتھ عدم خلوص سے بڑھ کر کہیں روس کی طرح اسرائیل سے بھی کوئی مفاہمت تو نہیں ہے؟ اور پھر یاد آتا ہے کہ جنوری ۸۲ء میں اسلحہ سے لدا ایک ہوائی جہاز روس کے علاقے میں گرا تھا جس سے دستاویزی ثبوت برآمد ہوئے تھے کہ یہ اسلحہ کی کھیپ اسرائیل سے ایران جا رہی تھی۔ ایران نے اس کا بڑی سختی سے انکار کیا۔ اور یہ الزام اور انکار کا سلسلہ چل رہا تھا کہ ایران کا سفر ہو گیا۔ امام خمینی صاحب سے مہمانوں کی ملاقات کا پروگرام کئی دن کے بعد ہوا۔ اس درمیان میں اس قصے کا کچھ خیال بھی نہ رہا تھا کہ امام صاحب کی ملاقاتی تقریر میں اس کا ذکر آیا۔ اور ذکر آیا تو نہ صرف ذکر آیا بلکہ امام صاحب نے اس کی تردید کے تکرار پر کافی وقت صرف کیا۔ مجھے سچی بات یہ ہے کہ اس بات پر یقین نہیں ہوتا تھا کہ ایران کا اسرائیل سے کوئی جوڑ ہو گا اور اسرائیل سے اس کو عراق کے مقابلے کے لیے اسلحہ مل رہے ہوں گے مگر امام صاحب نے اس کی تردید پر اتنا زیادہ زور صرف کیا کہ یا تو بات محض شبہے کے درجے میں بھی میرے اندر نہیں چل رہی تھی اور یا اب یقین کے قریب قریب درجے کا شبہ ہو گیا کہ ضرور یہ واقعہ ہے۔ کیونکہ یہ بات ناقابل فہم تھی کہ ایرانی انقلاب کی قیادت جس شدومد کے ساتھ شاہ کے دور میں بھی ایران اور اسرائیل کے اچھے تعلقات کو شرمناک بتاتی رہی ہے۔ اس کو تیل کی سپلائی کی مذمت کرتی رہی ہے۔ اور پھر انقلاب کے بعد اسرائیل کی دشمنی کو اس نے اپنے ارکان ایمان میں سے ایک بنیادی رکن ٹھیر رکھا ہے اس قیادت کا بھی سب سے بالاتر رکن اور روح رواں جناب خمینی صاحب، ایک ایسے الزام کی تردید پر اتنا زور صرف کریں جس کے متعلق انھیں، اپنے ریکارڈ کی بنا پر پورا اعتماد ہونا چاہیے تھا کہ کوئی اس پر یقین کرنے کو تیار نہیں ہو گا، اور قطعاً ضرورت نہیں ہے کہ اس کی صفائی یا تردید میں ایک آدھ لفظ سے زیادہ کہا جائے۔ ایک ایسے الزام کی تردید پر ان کو اتنا زور صرف کرتا دیکھ کر دل نے کہا کہ ضرور واقعہ ہے۔ اور اسرائیل کی مخالفت اور اس سے دشمنی کے اظہار میں جو کچھ بھی انقلابی تحریک کے ریکارڈ پر ہے وہ سب ایک انتہائی فریب کاری تھی اور ہے اور اسی لیے امام صاحب

---

ملہ تہران کے روزنامہ "صبح آزادگان" ۳ر فروری ۸۲ء میں امام صاحب کی یہ تقریر چھپی ہوئی بھی میرے پاس موجود ہے۔

کو سب سے زیادہ اس کا یقین نہیں ہے کہ لوگ اس مخالفت کو حقیقت سمجھتے رہے ہوں گے۔ بَلِ الْإِنْسَانُ عَلٰى نَفْسِهٖ بَصِيْرَةٌ ۔ اور کوئی جانے نہ جانے انسان اپنے آپ کو خوب جانتا ہے اور اس بنا پر کبھی وہ لطیفہ پیش آیا تھا جس سے "داڑھی میں تنکہ" کی ضرب المثل بنی۔

بہرحال، یہ اسرائیل سے اسلحہ کے حصول یا کسی قسم کے تعلق کی بات تو محض میرے تأثر کی حد تک یقینی ہے، ورنہ اس کا دعویٰ مقصود نہیں کہ واقعہ میں ایسا ہی ہے۔ البتہ اسرائیل سے دشمنی کی بات واقعات کی روشنی میں یقیناً غلط اور بے حقیقت سمجھی جانے کی مستحق ہے اور اس بنا پر یہ اسلامیت کے ایسے بلند بانگ دعووں کے ساتھ جس کی مثال مشکل ہی سے ملے گی ایسا افسوسناک کردار ہے جس پر اظہار افسوس کے لیے الفاظ ساتھ نہیں دیتے۔ اور اسی صورت حال کے نتیجے میں اب تو یہ کہنا بھی صحیح نظر آتا ہے کہ "مرگ بر امریکہ" کی حقیقت بھی کچھ ایسی ہی ہے۔ یعنی کم از کم اس پر مرگ (موت) نازل کرنے سے کوئی خاص دلچسپی نہیں ہے۔ اصل دلچسپی کا مرکز اور نشانہ خلیجی علاقہ اور جزیرۃ العرب ہے۔ یہاں کی حکومتوں کا خاتمہ اور ان کی جگہ شیعہ اقتدار اصل مقصود ہے اور باقی سب اس مقصد کے ذرائع!

ہوگا کیا؟ یہ تو اللہ ہی جانتا ہے۔ مگر اب تک جو کچھ ہوا اور جو اس کی اصلیت اب کھل رہی ہے، اس سے اسلام کو تو شدید نقصان پہنچے گا ہی کہ اسلام کے نام پر خلوص اور سچائی کے ساتھ کھڑے ہونے والوں کو بھی اپنے خلوص کا یقین دلانا مشکل ہو جائیگا اور جو روحیں اس زمانے میں اسلام کی نشاۃ ثانیہ کیلئے بیتاب ہونے کی وجہ سے ہر سچا دکھائی دینے والے داعی کی طرف لپک پڑتی تھیں وہ پتہ نہیں کب تک کے لیے مایوس اور افسردہ ہو جائیں گی۔ لیکن اسی کے ساتھ خود شیعیت جس کی ترقی کیلئے بظاہر یہ ایرانی انقلاب کام کرتا دکھائی دے رہا ہے وہ بھی کم نقصان میں نہیں رہیگی۔ ملت کے گزشتہ طویل عرصے کے حالات نے بہت سے سنیوں کا ذہن اس کے لیے تیار کر دیا تھا کہ شیعہ سنی اختلافات کی تاریخ بھلا کر جہاں تک ممکن ہو ملت کے مشترک مفاد کے لیے شیعہ حضرات کے بھی ساتھ مل کر کام کیا جائے اور ان پر اعتماد کیا جائے۔ یہ تجربہ اس ذہن کے لیے ایسا تلخ ثابت ہوگا کہ مدت تک اب اس رُخ پر سوچنا مشکل ہو جائے گا۔ جو خلیج دونوں طرف کے ایسے ذہن والوں کی کوششوں سے کافی پٹ گئی تھی، وہ اب اس حالت میں ہرگز باقی نہیں رہ سکتی۔ اس طرح کی تمام کوششیں مدت تک کے لیے اکارت کر دی گئیں۔ اللہ خمینی صاحب اور اُن کے ساتھیوں کو سمجھ دے کہ وہ کیا ستم اسلام اور شیعیت اور امت مسلمہ پر کر رہے ہیں۔

---

# ضمیمہ

(شاہ خالد مرحوم اور امام خمینی صاحب کی وہ خط و کتابت جس کا مضمون میں ذکر آیا ہے)

## امام خمینی کے نام شاہ خالد کا خط

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سماحة آية الله الامام الخميني

ان سفارة جمهورية ايران الاسلامية في جدة كانت قد اعلنت بأن سماحتكم اصدرتم الاوامر الزائرين الايرانيين لبيت الله الحرام والزمتموهم ببذل المساعي لتحقيق التضامن بين المسلمين والامتناع عن القيام باعمال تدعو الى التفرقة، والاقتداء بائمة الجمعة والجماعة حين اوقات الصلاة في المساجد واتباع حكم ثبوت روية هلال شهر ذي الحجة في المملكة العربية السعودية حتى ولو لم يثبت روية هلال شهر ذي الحجة في ايران اننا سعدنا بان نعرب لسماحتكم عن شكرنا وتقديرنا لهذه المشاعر والاهتمامات الجيدة. لكن مع الاسف ان بعض الزوار الايرانيين من حجاج بيت الله الحرام لم يتقيدوا بتوجيهاتكم على اثر تحريكات روسائهم وقاموا باعمال

جناب عالی! آیۃ اللہ الامام الخمینی

جدہ کے ایرانی سفارت خانہ نے یہ اعلان کیا تھا کہ جناب والا نے ایرانی زائرین بیت اللہ کو چند ہدایات دی تھیں اور اس پر زور دیا تھا کہ وہ مسلمانوں میں اتحاد و اتفاق قائم کرنے کی ہر ممکن کوشش کریں اور جہاں تک ہو سکے اختلاف و انتشار برپا کرنے والے اعمال سے دور رہیں عام نمازوں اور جمعہ میں ائمہ مساجد کے پیچھے نماز ادا کریں۔ ذی الحجہ کے چاند کے سلسلہ میں سعودی عرب میں ثابت رویت ہلال کی تاریخ کو تسلیم کریں، چاہے ان کے ملک ایران میں چاند نظر نہ آئے۔ یہ اعلان سن کر ہمیں بڑی خوشی و مسرت ہوئی تھی۔ آپ کے ان اقدامات و احساسات نے ہمیں ممنون کیا تھا۔ لیکن افسوس کہ کچھ ایرانی حجاج نے اپنے عمائدین کے اشاروں پر عمل کرتے ہوئے آپ کی ہدایات کو ملحوظ نہیں رکھا اور آپ کے نام پر وہ حرکتیں کیں جو نہ صرف یہ کہ آپ کے مقصد سے میل نہیں کھاتیں بلکہ حج کے مقاصد اور دیار مقدسہ

باسمكم اضافة الى منافاتها مع هدفكم وانها مغايرة مع اهداف الحج وقدسية الاماكن المقدسة ونورد هنا امثلة على هذه الاعمال۔

۱۔ تجمع بعض الزوار الايرانيين خلف حجر اسماعيل وردد احد كبارهم وبصوت عال شعارات بين الطائفين حول الكعبة المشرفة

۲۔ قامت جماعة كبيرة من الزوار الايرانيين بمسيرة اثناء الطواف وفيما كانوا يرددون نفس الشعارات السابقة كانوا يقتربون من الحجر الاسود ويرددون شعار الله اكبر خميني اكبر۔ الله واحد خميني واحد۔ ان هذا العمل وغيره ادى الى اشمئزاز وسخط زوار بيت الله الحرام ولا شك بان هذا العمل سوف يمس بسمعة ومنزلة ايران۔

ان حكومة المملكة العربية السعودية تعامل الزوار الايرانيين بتحمل ومرونة للتدليل على حسن نية حكومة المملكة العربية السعودية ومراعاتها لقدسية الحج اطلقت سراح هؤلاء الزوار الايرانيين بعد اعتقالهم وحتى اولئك الذين ضبطت بحوزتهم كمية من المخدرات۔

کی حرمت سے کبھی ان کا کوئی میل نہیں۔

ایسے چند واقعات بطور مثال ہم یہاں درج کرتے ہیں۔

(۱) کچھ ایرانی حجاج حجر اسماعیل کے پیچھے جمع ہو گئے، اور ان میں سے ایک شخص نے کعبہ کا طواف کرنے والوں کے درمیان بآواز بلند نعرے لگائے۔

(۲) دوران طواف ایرانیوں ہی کی ایک بڑی جماعت جلوس کی شکل میں نعرے لگاتی ہوئی حجر اسود کے قریب پہونچی اور وہاں یہ نعرے لگائے اللہ اکبر، خمینی اکبر، اللہ واحد، خمینی واحد۔ اس طرز عمل سے حجاج بیت اللہ میں سخت برہمی اور ناراضگی کی لہر دوڑ گئی۔ یقیناً یہ حرکت ایسی تھی جس سے ایران کا مقام اور اس کی حیثیت مجروح ہوئی۔ سعودی حکومت ایرانی حجاج کے سلسلہ میں نرمی و احتیاط سے کام لے رہی ہے تاکہ وہ اپنی طرف سے نیک نیتی نیز حج کے تقدس کا ثبوت فراہم کرے۔ اسی مقصد سے اس نے ان ایرانی زائرین کو گرفتار کرنے کے بعد رہا کر دیا جن میں وہ بھی تھے جن کے پاس نشہ آور اشیاء بھی پائی گئیں۔

في الموسم ومن اجل ان لا تضطر
حكومة المملكة العربية السعودية الى
اتخاذ التدابير اللازمة ضد الزوار أيضا
من اللائق ان نحيط سماحتكم علما بكل ما حدث،
ونأمل ان يصدر سماحتكم الأوامر بشأن
ابتعاد الزوار الايرانيين عن هذه الأعمال
والاهتمام فقط بجد باداء مناسك الحج
حيث توجهوا من اجل ذلك الى بيت الله،
اننا على ثقة بان الزوار الايرانيين
سوف يتبعون تعليمات سماحتكم ويحترمونها
نسأل الله سبحانه ان يوفق الجميع لكل ما هو
خير للاسلام والمسلمين حفظكم الله۔

خالد بن عبد العزيز ملك المملكة
العربية السعودية

۱۴۰۱/۱۲/۷

الموافق ۱۳/۱۰/۱۹۸۱ م

آخر میں گزارش ہے کہ ہم نے اس خیال
کے تحت کہ ہماری حکومت کو زائرین کے
خلاف ناگزیر اقدامات نہ کرنے پڑیں
مناسب سمجھا کہ جو کچھ ہوا ہے اس سے آپ کو مطلع
کردیں، ہمیں امید ہے کہ آپ ایرانی زائرین
کو اس قسم کی حرکتوں سے دور رہنے کی اور یکسوئی
کے ساتھ مناسک حج کی ادائیگی کی طرف متوجہ
رہنے کی، جس کے لیے وہ یہاں آئے ہیں، ہدایات
جاری فرمائیں گے۔ ہمیں یقین ہے کہ ایرانی
زائرین آئندہ جناب کی ہدایات کا لحاظ
اور پابندی کریں گے۔ ہم اللہ سے سب کے لیے ہر اس
کام کی توفیق کے سائل ہیں جو اسلام اور مسلمانوں کے
لیے بہتر ہو۔ اللہ آپ کو سلامت رکھے۔

خالد بن عبد العزیز، فرمانروا مملکت عربیہ سعودیہ

۷/ ۱۲/ ۱۴۰۱

۱۳/ ۱۰/ ۱۹۸۱

# شاہ خالد کے نام جناب خمینی کا خط

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حضرة الملك خالد بن عبد العزيز
ملك المملكة العربية السعودية تسلمت
رسالتكم، وان ما قالته سفارة جمهورية
ايران الاسلامية في جدة صحيح، ارى

عالی مرتبت جناب شاہ خالد بن عبد العزیز
فرمانروائے مملکت سعودی عرب
آپ کا خط موصول ہوا جدہ میں واقع جمہوریہ
اسلامیہ ایرانیہ کے سفارتخانہ نے جو بات کہی تھی وہ

ان مصائب المسلمين ومشاكل حكوماتهم
ناجمة من اختلافهم ومن النفاق الذي يسودهم
فالاقطار الإسلامية بسكانها
المليار وثرواتها الطائلة وفي طليعتها
بحار النفط التي تفيض الحياة في شرايين
القوى الكبرى، قد حباها الله باحكام القرآن
وتعاليم النبي الاكرم (ص)، العبادية والسياسية
التي تحث المسلمين على الاعتصام بحبل الله
ونبذ الفرقة والتمزق، وجعل الحرمين
الشريفين ملاذا لها، فقد كان هذان الحرمان
مركزين للعبادة والسياسة الاسلامية،
فيهما ترسم خطط الفتح وتحدد مناهج
السياسة في عهد الرسول (ص)، وهكذا بقيا
فترة طويلة بعد رحيله، بيد ان سوء الفهم
واغراض القوى الكبرى ودعاياتها الواسعة
جعلت المشاركة في الشؤون السياسية
والاجتماعية التي هي من اهم واجبات المسلمين
داخل الحرمين الشريفين جريمة تدفع النظام
السعودي الى الجرأة على اقتحام المسجد
الحرام الذي يامن فيه الجميع حتى المنحرفون
طبقا لاحكام الباري تعالى، والى مهاجمة
المسلمين بالاحذية والاسلحة وزجهم
في السجون هل هناك هؤلاء ضد امريكا و

بالکل بجا تھی، میرا یقین ہے کہ مسلمان جن پریشانیوں سے
دوچار ہو رہے ہیں اور اسلامی حکومتیں جن مشکلات سے
دوچار ہیں اس کا واحد سبب خود ان کے آپس کے
اختلافات اور ان کا منافقانہ طرز عمل ہے جو ہر طرف
چھایا ہوا ہے۔

خدا تعالیٰ نے ان اسلامی سلطنتوں کو کروڑوں
باشندوں اور لامحدود اسباب اموال کے ساتھ جن میں
سرفہرست تیل کے وہ چشمے ہیں جن سے بڑی طاقتوں کی
رگوں میں آب حیات سپلائی ہو رہا ہے۔ قرآن کی دولت
سے اور نبی کی تعلیمات سے سرفراز کیا جو عبادت اور
سیاست دونوں شعبوں سے تعلق رکھتی ہیں اور جو مسلمانوں
کو ہمیشہ اس طرف توجہ دلاتی رہتی ہیں کہ خدا کی رسی کو
تھامے رہیں اور اختلاف و افتراق سے دور رہیں
حرمین شریفین کو جائے پناہ کی حیثیت دی گئی۔
چنانچہ یہی حرمین شریفین عبادت اور اسلامی سیاست
کا مرکز رہے عہد رسالت میں یہیں سے فتح و نصرت کے
لئے منصوبہ بندی کی جاتی تھی اور سیاسی طرز عمل (ڈپلومیسی)
کے فیصلے ہوتے تھے۔ آپ کے اس دنیائے فانی سے
رحلت فرمانے کے بعد بھی ایک طویل زمانہ تک حرمین میں
یہی صورت باقی رہی۔

لیکن کیا کہا جائے، غلط فہمیاں، بڑی طاقتوں کے
اغراض اور ان کے زبردست پروپیگنڈوں نے سیاسی
اور اجتماعی معاملات میں شرکت کو جو حرمین کے اندر

اسرائیل عدوّ اللہ ورسولہ جریمۃ ۔؟

لا ادری، او صلتکم تقاریر صحیحۃ عما
یجری فی بلادکم والحرمین الشریفین، ام
استلمتم تقاریر مشوھۃ شعارات الایرانیین
المشھورۃ فی کل مکان وابلغتکموھا محرفۃ؟

ولا ادری کیف یفھم ائمۃ الحرمین
الشریفین الاسلام وحج البیت الحرام المشحون
بالسیاسۃ اذ جاء لیقوم القسط والعدل و
تزول المظالم واعمال النھب، وتلک ھی
السیاسۃ العامۃ للانبیاء العظام بخاصۃ سیدنا
خاتم النبیین (ص)

ماذا فھم ائمۃ الحرمین من ذلک کلہ؛
حتی یمنعوا الحجاج باسم الاسلام من الخوض
فی السیاسۃ حتی فی الھتاف ضد اسرائیل و
امریکا؟

ان ھذا المنع مخالف لسیرۃ النبی
العظیم (ص) ومسلمی صدر الاسلام، وانہ یمھد
عمدا او جھلا، او غفلۃ لتسلط الاجانب
علی اقالیم المسلمین بما فیھا الحرمان الشریفان
مھبط الوحی وملائکۃ الرحمن، لو وعت
حکومۃ الحجاز فریضۃ الحج وادرکت ابعادھا
العبادیۃ والسیاسیۃ وتقبل ملایین المسلمین
المشارکین فیھا لما احتاجت الا الی امریکا

مسلمانوں کے اہم ترین فرائض میں سے ہے ایک ایسا
جرم بنا دیا جس کی وجہ سے سعودی پولیس اس مسجد حرام
کی بے حرمتی پر اترنے لگی جس میں ہر شخص کو پناہ ملنی چاہیے
حتیٰ کہ قرآن کی رو سے قانون شکنوں کو بھی اس کے
حدود میں چھیڑا نہیں جا سکتا غرض اس جرم میں سعودی
پولیس نے مسلمانوں کو جوتوں اور ہتھیاروں سے
زدوکوب کیا اور جیل میں ڈال دیا ۔

کیا دشمنان خدا اسرائیل اور امریکہ کے خلاف ان
لوگوں کا آواز لگانا کوئی جرم تھا؟ میں نہیں جانتا کہ کیا
آپ کے ملک اور بالخصوص حرمین شریفین میں پیش
آنے والے واقعات کی صحیح صحیح رپورٹ آپ تک پہونچی
ہے یا ہر جگہ لگائے جانے والے ایرانی نعروں کے سلسلہ
میں جو غلط سلط رپورٹیں آپ تک پہونچی ہیں آپ نے
انھیں پر اعتماد کیا ہے؟

میں نہیں سمجھ سکا کہ علماء حرمین شریفین نے
اسلام اور حج جیسی عبادت کو کیا سمجھ رکھا ہے جس کے
رگ رگ میں سیاست رچی بسی ہے حالانکہ اسلام آیا
ہی اس لیے تھا کہ وہ عدل و انصاف قائم کرے ظلم
و زیادتی کو جڑ سے اکھاڑ کر پھینک دے، تمام انبیاء کرام
اور بالخصوص نبی آخر الزماں حضرت محمد مصطفیٰ کا
یہی مشن تھا ۔

علماء حرمین اس بارے میں کیا سمجھ رہے ہیں جو
وہ حجاج پر سیاست میں حصہ لینے سے متعلق پابندی

وطائرات اواكس ولا الى مآمرٔ القوى
الكبرى ولا ممكن حل مشاكل المسلمين.

نحن نعلم ان امريكا وضعت هذه
الطائرات تحت تصرف السعودية خدمة
لمصالحها ومصالح اسرائيل. وقد لمسنا ذلك
عند ما ادعت طائرات الاواكس كذبا
"بانها سجلت قصفا "ايرانيا" لمنشآت النفط
الكويتية لتبث الفرقة بين ايران واشقائها
العرب. ان ما يوصف عليه هو تفشي التغافل
بين حكومات المسلمين تفشيا تاما عن القوى
الكبرى المجرمة على اقصاء المسلمين عن المسرح
السياسي والاهتمام بامور المسلمين. حتى بات
وعاظ السلاطين يفتون بتجريم المسلمين وهم
في مركز السياسة الاسلامية لانهم رفعوا
اصواتهم بالموت لاعداء القرآن الكريم والاسلام
العزيز الالداء، فذاقوا التعذيب والسجن
هل علمتم هذه الفواجع الجارية في الحرمين
الشريفين (بيت الله الامين ومقام رسوله الكريم
ص) او ما زلتم تتلقون الحقائق مغلوطة مشوهة؟
لقد ثرنا ـ كما يتجلى في شعارات الايرانيين ـ
متكلين على الله القادر المتعال، لنشد الصف
الاسلامي تحت لواء التوحيد والالتزام
باحكام الاسلام السامية حتى نكف ايدي القوى

اسلام کا نام لے کر عائد کر رہے ہیں یہانتک کہ اسرائیل
اور امریکہ کے خلاف آواز لگانا بھی ممنوع قرار دے
رہے ہیں؟ یہ رویہ منہج نبوت و صدر اول کے مسلمانوں
کے طرز عمل دونوں سے متعارض ہے اور یہ طرز عمل
شعوری یا غیر شعوری طور پر غیروں کے لیے اسلامی
سلطنتوں پر جن میں حرمین داخل ہیں جو وحی و ملائکہ
کے نزول کا مرکز ہیں، تسلط کی راہ ہموار کر رہا ہے۔

حکومت حجاز اگر حج کی حقیقت کو سمجھ لے اور
اس کے سیاسی اور عبادتی دور رس مقاصد سے آشنا
ہو جائے اور اس میں شرکت کرنے والے لاکھوں افراد
کی طاقت اور وزن کا اندازہ کرلے تو پھر اسے
امریکہ کی طرف دیکھنے کی ضرورت رہے نہ اواکس
طیاروں کی حاجت، اور نہ بڑی طاقتوں کا سہارا
تلاش کرنے کی فکر رہے بلکہ مسلمانوں کے سارے مسائل
کا حل ممکن ہو جائے۔

ہمیں اچھی طرح معلوم ہے کہ امریکہ نے اپنے
اور اسرائیل کے مفاد کے پیش نظر ہی اپنے کچھ جہاز
سعودی حکومت کے استعمال میں دے رکھے ہیں یہ بات
ہم نے اسی وقت محسوس کر لی تھی جبکہ اواکس طیاروں
نے ایران اور اس کے عرب دوستوں کے درمیان
تفرقہ اندازی کی غرض سے یہ جھوٹا دعویٰ کیا تھا
کہ اس کے راڈار نے کویت کے تیل کے چشموں پر
ایرانی بمباری ریکارڈ کی ہے۔

الكبرى عن اقطار المسلمين، ونمحو تسلط الكفار
الظلمة على الشعوب الاسلامية، لتعيد مجد الامة
كما كان في صدر الاسلام . والامل في ان
تتجاوب الدول الاسلامية معنا خصوصا العربية
السعودية الواقعة في مركز السياسة الاسلامية،
لتنهل كل من هذه الدول من تآلف شعوبها
اللاحق ودولها، وتنعم بهذه البركة السماوية
الكبيرة كالحكومة الشعبية في ايران وليتلاحم الجميع
فيما بينهم ويشتدوا على الكفار والطامعين لدولتين
اخيراً أؤكد ان تقارير كاذبة مشوهة بلغتكم .
كما يظهر من رسالتكم . فقد ورد في تجريمكم الحجاج
الايرانيين ان شعاراتهم اثارت استياء الحجاج
بيت الله الحرام . ولو كان لكم اناس امناء في كتابة
هذه التقارير لتبين لكم ان ما اثار استياء الحجاج
ليس هو الشعار الذي رفع في معاداة اسرائيل و
امريكا وانما الذي اثار استياء الحجاج وسخطهم
هو عدوان المسؤولين السعوديين على ضيوف
الرحمن وزائري ضريح رسول الله (ص) و
احتجازهم بسبب هتافهم بالموت لاسرائيل و
امريكا ادعو الله تعالى القدير ان يوقظ المسلمين من
غفلتهم ويزيد عظمة الاسلام وعزته و
يهدي المسلمين ولا سيما رجال الدولة لما فيه
صلاح الاسلام والمسلمين .

والسلام عليكم وعلى جميع المسلمين
روح الله الموسوي الخميني
١٢ ذي الحجة سنة ١٤٠١
المصادف ١١/١٠/١٩٨١ء

افسوس اس پر ہوتا ہے کہ اسلامی سلطنتیں
تجاہل اور بے خبری کا اس درجہ شکار ہیں کہ دیگر بڑی
اسلام دشمن طاقتوں کو مسلمانوں کو سیاسی اسٹیج سے
اور خود اپنے معاملات کی فکر سے دور رکھنے کے لیے
سب کچھ کرنے کا موقع ملا ہوا ہے اور نوبت یہاں تک
پہنچ گئی ہے کہ درباری علماء خود اسلامی سیاست کے
مرکز کے اندر مسلمانوں کو اس بنا، پر مجرم ٹھہرا رہے
ہیں کہ انھوں نے دشمنان اسلام کے خلاف مردہ باد
کا نعرہ لگایا تھا، اسی بات پر انھیں جیل کی سزا دی
گئی اور ستایا بھی گیا، حرمین شریفین (بیت اللہ
الامین اور مقام رسول کریم) میں واقع ہونے والے
یہ المناک واقعات آپ کے علم میں آئے بھی ؟ یا
ابھی تک غلط سلط باتیں آپ تک پہنچتی رہی ہیں۔

جیسا کہ ہمارے نعروں سے صاف ظاہر ہے
محض قادر مطلق پر اعتماد کرتے ہوئے ہم نے انقلاب
برپا کیا ہے۔ مقصد صرف یہ ہے کہ ہم پھر سے ایک
مرتبہ علم توحید کے نیچے اکٹھا ہو جائیں۔ اور اسلامی
تعلیمات پر عمل پیرا ہوں تاکہ مسلم ممالک پر سے بڑی
طاقتوں کا تسلط ہم ختم کر سکیں اور مسلمان عوام پر
ظالم کافروں کے ظلم وستم کا سلسلہ بند ہو۔ اور امت
کی اس عظمت رفتہ کو پھر سے واپس لایا جائے جو
صدر اسلام میں اسے حاصل تھی۔ ہمیں امید ہے کہ اسلامی
حکومتیں ہمارے ساتھ پورا تعاون کریں گی، بالخصوص

حکومت حجاز جو اسلامی سیاست کے مرکز میں واقع ہے، تاکہ ہر حکومت کو اس کے عوام کی بھرپور تائید حاصل ہو سکے اور وہ بھی ایران کی جمہوری حکومت کی طرح آسمانی برکات سے بہرہ ور ہو اور سب باہم اتحاد و تعاون کے رشتہ میں مربوط ہوں اور کافروں اور بین الاقوامی بدنیتوں کے مقابلہ میں سخت رویہ اختیار کریں۔

آخر میں ایک مرتبہ پھر اس بات پر زور دینا چاہتا ہوں کہ جیسا کہ آپ کے مکتوب سے ظاہر ہوتا ہے آپ تک جو رپورٹ پہونچی وہ نہایت غلط اور بے بنیاد ہے۔ چنانچہ آپ کے اس بیان میں جس میں آپ نے ایرانی حجاج کو مجرم ٹھہرایا ہے یہ ذکر ہے کہ ان کے نعروں سے دنیائے اسلام کے تمام حجاج کو سخت ناگواری ہوئی اگر آپ کے پاس رپورٹنگ کرنے والے کچھ امانت دار اشخاص موجود ہوتے تو آپ کو معلوم ہوتا کہ حجاج میں ناگواری پیدا کرنے کا سبب وہ نعرے نہیں تھے جو اسرائیل وامریکہ کے خلاف بلند کیے گئے تھے بلکہ ان کی برانگیختگی کا سبب اللہ کے مہمانوں اور روضۂ اطہر کی زیارت کرنے والوں پر سعودی ذمہ داروں کی ظلم و زیادتی اور اسرائیل وامریکہ کی مرگ کا نعرہ لگانے پر ان کی گرفتاری تھی۔

خدائے قدیر و برتر سے دعا گو ہوں کہ وہ مسلمانوں کو خواب غفلت سے بیدار کرے، اسلام کی عظمت و حرمت میں روزافزوں اضافہ فرمائے اور تمام مسلمانوں کو اور بالخصوص سربراہان حکومت کو وہ راہ دکھائے جو اسلام اور مسلمانوں کے حق میں باعث خیر ہو۔

والسلام علیکم و علی جمیع المسلمین

روح اللہ الموسوی الخمینی

۱۲ ذی الحج سنہ ۱۴۰۰ھ ۱۱-۱۰-۱۹۸۱ء

## تبصرہ:-

شاہ خالد مرحوم اور امام خمینی کے دونوں خط مع ترجمہ قارئین کے سامنے ہیں۔ یہ خود ایرانی حکومت کے ادارہ "جہاد سازندگی" کے شائع کردہ ہیں اور اسی کے پمفلٹ سے ہم نے نقل کیے ہیں۔ ان خطوط میں وہ حقیقت صاف صاف بچشم خود دیکھی جا سکتی ہے جس کا اظہار مضمون میں ان خطوط کے تذکرہ کے ساتھ ان کے مضمون اور مدعا کے بارے میں کیا گیا ہے۔ شاہ خالد کے خط میں ایک سیدھی سادی گزارش ہے

کہ ایرانی حجاج کی نعرہ بازی اور جلوس آرائی احترام و ادب بیت اللہ کے خلاف ہے اس لیے آئندہ ان کو اس سے باز رہنے کی ہدایت فرمائی جانی چاہیے جیسا کہ آپ سے امید ہے۔

خمینی صاحب کا جواب بتلاتا ہے کہ وہ شاہ خالد کے اس موقف سے اتفاق نہیں فرماتے۔ لیکن وہ صاف صاف ایک جگہ بھی یہ نہیں کہتے کہ یہ خلافِ ادب نہیں ہے حالانکہ یہی وہ واحد بات تھی جس پر انھیں صاف صاف اظہار خیال کرنا چاہیے تھا۔ اس کے بجائے وہ جواب یوں دیتے ہیں کہ اسلام تو عبادت اور سیاست دونوں کا جامع ہے اور حرمین شریفین عہد رسالت اور پھر مابعد رسالت کے دور میں بھی ایک عرصہ تک اسلامی سیاست کا مرکز رہے ہیں۔ پھر کیونکر سعودی حکومت اور اس کے علماء ایرانی حجاج کی وہاں سیاسی نعرہ بازیوں پر معترض ہوتے ہیں؟

یہ ہمارے نزدیک حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ارشاد کلمۃ حق اُرید بھا الباطل کے مطابق ایک صحیح بات سے غلط کام لینے کی کوشش ہے۔ کیونکہ بات اسلام میں سیاست شامل ہونے کی نہیں ہے بلکہ حج کا احرام باندھ کر بیت اللہ اور حرمین میں سیاسی نعرہ بازی کی ہے۔

خمینی صاحب نے ایک جگہ اسلام میں سیاست کی اہمیت ظاہر کرتے ہوئے حج کا لفظ بھی اسلام کے ساتھ جوڑ دیا ہے۔ مگر اس موقع کے لحاظ سے یہ واقع میں ایک زبردستی کی بے جوڑ بات تو ہے ہی، اس کا بے جوڑ اور زبردستی اور مغالطہ آمیزی کی بات ہونا صاف ظاہر بھی ہو رہا ہے۔ اور مزید برآں جب خمینی صاحب اسلامی تعلیمات کی خود دو قسمیں قرار دے رہے ہیں۔ عباداتی اور سیاسی، تب اگر کوئی شخص حج کو خالص عباداتی عمل کہتا ہے تو انھیں اس گفتگو میں اس تقسیم کا ذکر لاتے ہوئے خود بتانا لازم تھا کہ وہ حج کو عباداتی قسم میں سے سمجھتے ہیں یا سیاسی؟ مگر وہ یہ نہیں کرتے اور اس طرح یہ سمجھنے پر مجبور کرتے ہیں کہ اُن کا مقصد مسئلہ کو واضح کرنا نہیں بلکہ محض عام لوگوں کو حج کے سیاست سے تعلق کا مغالطہ دینا ہے۔[1]

ہم نے کہا تھا کہ خمینی صاحب کے خط کی نوعیت ایک پروپیگنڈائی تحریر کی ہے۔ چنانچہ دیکھ لیجیے کہ مسلمانوں کے اتحاد و اتفاق اور بڑی طاقتوں کے تسلط سے آزادی پر

---

[1] حج عبادت ہے یا سیاست؟ انشاء اللہ "الفرقان" کی کسی قریبی اشاعت میں اس موضوع پر تفصیلی گفتگو کی جائے گی۔ (ادارہ)

پر جو زبردست تقریر خط میں ارشاد فرمائی گئی ہے اُس کا کیا جوڑ شاہ خالد کے اٹھائے ہوئے مسئلے سے ہے؟ علیٰ ہذا شاہ خالد نے مطلق نعرہ بازی پر اور خاص طور سے اللہ اکبر اور اللہ واحد کے ساتھ خمینی صاحب کے نام کے نعروں پر اعتراض کیا ہے۔ مگر یہاں اس خاص نعرے سے قطعاً چشم پوشی کر کے نعروں کے سلسلے میں تمام تر بات امریکہ اور اسرائیل کے خلاف نعروں کی کی گئی ہے۔ کیونکہ اس معاملے میں بہت سے جذباتی مسلمانوں کی حمایت اس صورت حال کے باوجود بھی حاصل کی جاسکتی ہے کہ یہ نعرے حرم کے اندر اور حج کے موقع پر تھے، جو کہ یقیناً بیت اللہ کی بے ادبی اور روحِ حج کے خلاف ہے۔ اسی طرح ایک مسئلہ بالکل ہی بے تکے طور پر اس بحث میں امریکن اواکس طیاروں کا اُٹھا دیا گیا ہے۔ کیونکہ وہ بلاشبہ سعودی حکومت کی ایک کمزوری ہے۔ اور اُسے ایک حربے کے طور پر استعمال کیا جاسکتا ہے۔ اور اس طرح دونوں خطوں کے لب و لہجہ کا فرق بھی صاف ظاہر ہے۔

اور اب آخر میں ایک وہ بات جس کی طرف اشارے کا موقع مضمون میں نہیں تھا۔ وہ یہ کہ خمینی صاحب نے اس سے انکار نہیں کیا ہے کہ ایرانیوں نے جو نعرے لگائے ان میں خمینی صاحب کا نعرہ بھی تھا۔ البتہ شاہ خالد کے خط میں یہ نعرہ جس طرح نقل کیا گیا ہے وہ صحیح نہیں۔ ایرانیوں کے اس نعرے میں "خمینی واحد" نہیں "خمینی قائد" ہے۔ دونوں لفظوں کی آواز کے قرب اور تشابہ کی وجہ سے سعودی عرب کے رپورٹروں کو غالباً غلط فہمی ہوئی۔ اور کچھ بدگمانی کا بھی دخل اس غلط فہمی کا شکار ہونے میں ہوسکتا ہے۔ بہر حال "خمینی واحد" یا "خمینی قائد" کے نعرے "اللہ واحد" کے ساتھ ایرانی حجاج نے بیت اللہ میں بلند کیے۔ اور یہ تاریخ اسلام میں شاید تنہا خمینی صاحب ہی کو جرأت ہوسکی ہے کہ وہ اسلام کے علمبردار ہوتے ہوئے اللہ کے بیتِ مقدس میں اللہ کی عظمت و وحدانیت کے ساتھ ساتھ اپنی عظمت کے بھی نعرے بلند کروائیں ورنہ کون خدا فراموش مسلمان حکمراں یا قائد بھی اس بات کو سوچ سکتا ہے کہ وہ اللہ کے تختِ جلالت کے روبرو اپنی عظمت کا بھی اظہار کرائے؟ ہمارا خیال ہے کہ خمینی صاحب کے بارے میں فیصلہ کرنے کے لیے کہ ان کا اسلام کیا ہے اور وہ عالم اسلام کو کیا دے سکتے ہیں؟ تنہا یہی ایک بات بالکل کافی ہے۔ کسی بھی دوسری بات کی

اس کے بعد ضرورت نہیں ہے۔ اور اگر اس پر اتنی بات کا اور اضافہ کر لیا جائے کہ یہ صرف نعرہ بازی ہی نہیں تھی بلکہ، جیسا کہ ایرانی اخبارات میں ان نعرہ باز لوگوں کی اس موقع کی تصویریں شائع ہوئی ہیں، اور جو ایرانیوں کا عام دستور بھی ہے، یہ خمینی صاحب کی تصویریں بھی اٹھائے ہوئے تھے، تب تو خمینی صاحب اور ان کے حجاج کی جرأت کا واقعی پیمانہ ظاہر کرنے کے لیے الفاظ ہاتھ نہیں آسکتے۔

افسوس، صد افسوس کہ خمینی صاحب اس بے مثال بے ادبی کا ارتکاب اپنے حجاج سے کراتے ہوئے حج کی صحیح حقیقت دوسروں کو بتا سکنے کا زعم بھی اپنے اندر رکھتے ہیں۔ ؎

وائے گر بس امروز بود فردائے

---

آخر میں دلی رنج و افسوس کے ساتھ اس حقیقت کا اظہار بھی ہم ضروری سمجھتے ہیں کہ خمینی صاحب کو اس جسارت اور اس ادعائی رویے اور پروپیگنڈے کا موقع عالم عربی کی موجودہ عمومی صورت حال ہی نے دیا ہے۔ اگر وہ خواب غفلت میں اس طرح غرق نہ ہوتا جیسا کہ ایک طویل مدت سے ہے اور اپنے مقام ومنصب کی ذمہ داریوں کو ادا کرتا تو خمینی صاحب اور ان کے حلقہ بگوشوں کو ہرگز اس کا موقع نہ ملتا۔ خدا کرے کہ خمینی صاحب کا اٹھایا ہوا یہ فتنہ ہی ان کی بیداری کا وسیلہ بن جائے اور اپنے مقام ومنصب کی ذمہ داریاں ادا کرنے کی ان کو توفیق ہو۔

---

## الفرقان کی ملکیت و دیگر تفصیلات کے متعلق اعلان

(مطابق فارم نمبر ۴ دیکھیے قاعدہ ۸)

مقام اشاعت ________ لکھنؤ

وقفہ اشاعت ________ ماہانہ

ایڈیٹر کا نام ________ خلیل الرحمن سجاد ندوی

پرنٹر و پبلشر کا نام ________ محمد حسان نعمانی

قومیت ________ ہندوستانی

پتہ ________ ۱۳۱ نیا گاؤں مغربی نظیر آباد، لکھنؤ

میں محمد حسان نعمانی اعلان کرتا ہوں کہ مندرجہ بالا تفصیلات میرے علم و یقین میں بالکل صحیح ہیں۔

یکم مارچ ۱۹۸۳ء دستخط محمد حسان نعمانی

چندہ سالانہ

ہندوستان میں -/۲۰

پاکستان سے پاکستانی سکہ میں -/۵۰

بنگلادیش سے ہندوستانی سکہ میں -/۲۲

# ماہنامہ الفرقان لکھنؤ

ممالک غیر سے

بحری ڈاک سے ۳ پونڈ

ہوائی ڈاک سے ۷ پونڈ

ایک شمارہ کی قیمت ہندوستان میں -/۲

جلد (۵۱) | بابت رجب المرجب ۱۴۰۳ھ مطابق مئی ۱۹۸۳ء | شمارہ (۵)




اگر اس دائرہ میں ◯ سرخ نشان ہے تو

اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ کی مدت خریداری ختم ہو گئی ہے براہ کرم آئندہ کے لیے چندہ ارسال کریں یا خریداری کا ارادہ نہ ہو تو مطلع فرمائیں، چندہ یا دوسری اطلاع مہینے کے آخر تک آجانا چاہیے ورنہ اگلا پرچہ بصیغۂ وی پی روانہ ہوگا۔

**نمبر خریداری:-** براہ کرم خط و کتابت کرتے وقت اور منی آرڈر کوپن پر اپنا خریداری نمبر ضرور لکھ دیا کریں جو پتہ کی چٹ پر لکھا ہوتا ہے۔

**تاریخ اشاعت:** الفرقان ہر انگریزی مہینے کے پہلے ہفتہ میں روانہ کر دیا جاتا ہے اگر مہینے کے آخر تک کسی صاحب کو پرچہ نہ ملے تو فوراً مطلع فرمائیں اس کی اطلاع مہینے کی ۵ تاریخ تک جانا چاہیے اس کے بعد رسالہ کی ذمہ داری دفتر پر نہ ہوگی۔

**پاکستان کے خریدار حضرات** مبلغ ۲۰ روپے ہندوستانی سکہ میں کسی بھی ذریعہ سے دفتر الفرقان لکھنؤ کو روانہ فرمائیں یا پاکستانی سکہ میں ۵۰ روپے ناظم ادارۂ اصلاح و تبلیغ آسٹریلین بلڈنگ لاہور کو بھیج دیں۔


محمد حسان نعمانی پرنٹر و پبلشر نے "تنویر پریس" میں چھپوا کر دفتر الفرقان ۳۱ نیا گاؤں مغربی لکھنؤ سے شائع کیا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

# نگاہِ اوّلیں

محمد منظور نعمانی

حال ہی میں کراچی (پاکستان) میں مقیم ایک محترم بزرگ نے ایک کتاب "من الظلمات الی النور" بذریعہ ڈاک اس عاجز کو بھیجی۔ یہ ایک انتہائی قابلِ رشک خوش نصیب نومسلم بھائی کے ۱۴ سال کی عمر میں قبولِ اسلام اور اس کے بعد ان پر آنے والے لرزہ خیز مصائب اور شدید آزمائشوں میں ان کی خداداد استقامت اور پھر ان پر ہونے والے خداوندی انعامات کی داستان اور بڑی حد تک ان کی سوانح حیات اور آپ بیتی لکھی ہے جو ہم جیسے نسلی اور پیدائشی مسلمانوں کے لیے بڑی سبق آموز اور ایمان افروز ہے۔

راقم سطور نے مناسب سمجھا ہے کہ اپنے ناظرین سے ان خوش نصیب نومسلم بھائی اور ان کی آپ بیتی کا تعارف کرانے سے پہلے اسی دور کے اپنے دو نومسلم بزرگوں کا کچھ تذکرہ کر دیا جائے انھوں نے بھی کم سنی ہی میں اسلام قبول کر کے بظاہر اپنے کو مصیبتوں اور آزمائشوں کے سمندر میں ڈال دیا تھا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان کو اس دنیا میں بھی بلند مقام عطا فرمایا اور اس کے کرم سے یقین کے ساتھ امید ہے کہ آخرت میں بھی وہ درجات عالیہ سے نوازے جائیں گے ——— ایک حضرت مولانا عبید اللہ سندھیؒ اور دوسرے حضرت حاجی عبد الرحمٰن میواتیؒ

(۱) مولانا عبید اللہ سندھیؒ پنجاب کے ایک سکھ گھرانے میں پیدا ہوئے تھے بچپن ہی میں غیر معمولی درجہ کے ذہین و فطین تھے، اسکول کی ابتدائی تعلیم کے زمانہ

میں نوعمری ہی میں اپنے ایک پنشن رو نومسلم اور ہمنام مولانا عبید اللہ کی کتاب "تحفۃ الہند" کسی طرح ان کے مطالعہ میں آئی، اس کے مطالعہ نے ان کو سکھ مذہب اور ہندو دھرم سے غیر مطمئن اور اسلام کی طرف مائل کر دیا۔ لیکن قطعی فیصلہ نہیں کر سکے۔ خود بیان فرماتے تھے کہ میں سوچتا تھا کہ مسلمان اپنے بزرگوں کی قبروں کے ساتھ جو کچھ کرتے ہیں وہ بھی تو ایک طرح کی بت پرستی ہی ہے" یہی بات اسلام قبول کر لینے کے راستہ میں رکاوٹ تھی۔ —— پھر اسی زمانہ میں حضرت شاہ اسماعیل شہیدؒ کی "تقویۃ الایمان" کسی نے ان کو دی، اس کو پڑھ کر اسلام کی توحید خالص کو سمجھا اور معلوم ہو گیا کہ اسلام اس قبر پرستی کا بھی ایسا ہی مخالف ہے جیسا بت پرستی کا مخالف ہے۔ اس کے بعد انجام و عواقب سے بے پروا ہو کر اسلام قبول کر لیا —— ابتداءً گھر میں ہر طرح کی سختیاں کی گئیں، تکلیفیں پہنچائی گئیں، لیکن اللہ کی توفیق سے نوعمری کے باوجود استقامت کے ساتھ سب جھیلتے رہے، پھر علم دین حاصل کیا اس میں کمال حاصل کیا، ایک شیخ کامل کی رہنمائی میں منازل سلوک طے کیے اور اللہ تعالیٰ کے فضل خاص نے اس مقام تک پہنچایا کہ ہندوستان کے اکابر علمائے مجاہدین میں شمار ہوتے ہیں۔ شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسن قدس سرہٗ کی خفیہ تحریک جہاد میں حضرت کے خاص معتمد رفیق تھے۔ پہلی جنگ عظیم کے دوران حضرت شیخ الہند کے سفیر کی حیثیت سے اس وقت کے شاہ افغانستان (امیر حبیب اللہ خاں) سے معاملات طے کرنے کے لیے خفیہ طور پر کابل گئے تھے۔ حکومت ہند نے ایک حکم کے ذریعہ جلا وطن قرار دیدیا، ۲۵ سال جلا وطن رہے، اس جلا وطنی کے آخری ۱۰-۱۲ سال بلد اللہ الحرام مکہ معظمہ میں گزارے —— بہرحال یہاں عرض کرنا صرف یہ تھا کہ یہ حضرت مولانا عبید اللہ سندھی بھی نومسلم تھے اور انھوں نے کم سنی ہی میں اسلام قبول کیا تھا اور اس راہ میں بڑی مصیبتیں اور سختیاں جھیلی تھیں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اس دنیا ہی میں بلندی کے اس مقام تک پہنچایا —— اللہ تعالیٰ ان کی قربانیوں کو قبول فرمائے اور آخرت میں بھی درجات عالیہ سے نوازے۔

(۲) اسی طرح داعیٔ تبلیغ حضرت مولانا محمد الیاس نور اللہ مرقدہٗ کے عاشق صادق

اور رفیق خاص حضرت حاجی عبدالرحمن رحؒ بھی نومسلم تھے۔ راقم سطور نے ان کے قبول اسلام کا ایمان افروز واقعہ خود انہی کی زبان سے سنا تھا۔ اب سے کئی سال پہلے "تحدیث نعمت" کے سلسلہ میں کسی قدر تفصیل سے الفرقان میں لکھا جا چکا ہے۔ وہ اپنے گاؤں (اٹاوڑ۔ علاقہ میوات) کے اسکول میں پڑھتے تھے، ایک دولتمند بنئیے کے اکلوتے اور چہیتے بیٹے تھے، (راقم سطور کو جیسا کہ یاد ہے عمر غالباً ۱۱-۱۲ سال کی تھی) مکند رام نام تھا۔ پیدائشی طور پر غیر معمولی ذہین اور سلیم الفطرت تھے۔ انھوں نے اپنے ساتھ اسکول میں پڑھنے والے بعض مسلمان لڑکوں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر اور کچھ حالات سنے۔ پھر غالباً اسی لڑکے سے حضور کے حالات سے متعلق کوئی کتاب بھی حاصل کر کے پڑھی۔ اس سے اُن کے دل میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت پیدا ہو گئی اور "درشن" کو جی چاہنے لگا۔ انہی دنوں میں ان کو ایک دن خواب میں حضورؐ کی اس طرح زیارت نصیب ہوئی کہ بس گویا ایک جھلک ہی دیکھ سکے، خواب سے بیدار ہوئے تو دل میں عشق کی سی ایک کیفیت پیدا ہو چکی تھی۔ اسی وقت اسلام قبول کرنے کا دل میں فیصلہ کر لیا ——— آگے داستان بہت طویل ہے اور جیسا کہ عرض کیا گیا اب سے کئی سال پہلے الفرقان میں پورا واقعہ خاصی تفصیل سے لکھا جا چکا ہے ——— بہرحال یہاں ان کے بارہ میں اتنا ہی عرض کرنا تھا کہ انھوں نے بھی کم سنی ہی میں اسلام قبول کیا اور انتہائی شفیق ماں باپ اور دولت سے بھرے پُرے گھر اور عیش و آرام کو چھوڑا تھا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے لطف خاص سے قرب الٰہی کے اس مقام تک پہنچایا کہ حضرت مولانا محمد الیاسؒ اُن کو اُن مقبولان بارگاہ الٰہی میں سے سمجھتے تھے جن کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ لَوْ اَقْسَمَ عَلَى اللّٰهِ لَاَبَرَّهٗ[1] ——— غیر معمولی معاملات و مہمات میں حضرت مولانا محمد الیاسؒ اُن کو ساتھ لیکر صلوٰۃ الحاجہ پڑھتے، اُن سے دعا کراتے اور خود

---

[1] یہ ایک حدیث پاک کا جملہ ہے، مطلب یہ ہے کہ بعض بندوں کو اللہ تعالیٰ کے ہاں مقبولیت کا ایسا مرتبہ اور مقام حاصل ہوتا ہے کہ اگر وہ کسی معاملہ میں قسم کھا کے کہہ دیں کہ اللہ تعالیٰ ایسا ہی کرے گا، تو اللہ تعالیٰ ان کی قسم کی لاج رکھتا ہے اور وہی کر دیتا ہے جو اس بندہ نے قسم کھا کے کہا تھا۔

ان کے ساتھ دعا کرتے ——— حاجی صاحبؒ کے مستجاب الدعوات ہونے کے بعض غیر معمولی واقعات راقم سطور کے علم میں بھی ہیں۔

---

حضرت مولانا عبیداللہ سندھیؒ اور حاجی عبدالرحمن صاحبؒ کا یہ تذکرہ تو یہاں صرف اس مناسبت سے کیا گیا ہے کہ ان دونوں بزرگوں نے بھی نوعمری بلکہ کم سنی ہی میں اللہ تعالیٰ کی توفیق خاص سے اسلام قبول کیا تھا ——— اب اُن خوش نصیب نومسلم بھائی کا اپنے ناظرین سے مختصر تعارف کرانا ہے جنکا ذکر ابتدائی سطروں میں کیا گیا ہے اور جنکی خود نوشت آپ بیتی ——— "من الظلمات الی النور" ان سطروں کے لکھنے کی محرک ہوئی ہے۔ آگے جو کچھ لکھا جا رہا ہے وہ اسی سے معلوم ہوا ہے۔

ملک کی تقسیم (۱۹۴۷ء) سے پہلے کے صوبہ پنجاب کے مغربی اضلاع میں ایک ضلع جہلم تھا جو اب پاکستان میں ہے۔ اس ضلع کا ایک قصبہ بوچھال کلاں ہے۔ اُس سے صرف دو میل کے فاصلہ پر ایک گاؤں میانی ہے۔ اُس علاقہ کے اکثر مواضعات اور قصبات کی طرح اس گاؤں میں بھی زیادہ آبادی مسلمانوں کی اور کچھ گھر ہندوؤں کے بھی تھے، مسلمان عام طور سے غریب اور کاشتکار پیشہ تھے یا فوج میں ملازمت کرنے والے۔ اور ہندو تجارت پیشہ، دولتمند اور تعلیم میں بھی آگے تھے ——— اس میں ایک بہت معزز دولتمند ہندو خاندان تھا اُس کے ایک فرد لالہ تعلیم سین، اس وقت کی ریاست کشمیر میں ایک اعلیٰ عہدہ پر تھے ——— ان کے سب سے بڑے لڑکے کا نام کرشن لعل تھا۔ جس نے ابتدائی تعلیم اپنے گاؤں ہی کے پرائمری اسکول میں حاصل کی، آگے کی تعلیم کے لیے بوچھال کلاں کے مڈل اسکول میں داخلہ لیا، اب یہ روزانہ بوچھال کلاں جاتے اور اسکول کی چھٹی کے بعد واپس آتے۔ اسی تعلیمی سلسلہ سے میانی کے اور بھی ہندو مسلمان لڑکے اسی طرح روزانہ بوچھال کلاں جاتے تھے، یہ سب ساتھ جاتے اور ساتھ ہی واپس آتے۔ راستہ میں آتے جاتے ان میں کبھی مذہبی گفتگو بھی ہوتی، ہندو لڑکے اپنے دھرم کو اچھا بتاتے اور اپنی بچوں والی سمجھ کے مطابق اس کی دلیلیں دیتے اور مسلمان لڑکے اپنے مذہب کی اسی طرح

کی وکالت کرتے، کرشن لعل اس گفتگو میں زیادہ حصہ لیتے۔ ان گفتگوؤں کے نتیجہ میں ایک مرحلہ پر اُن کے دل میں یہ مخلصانہ آرزو اور تمنا پیدا ہوئی کہ جس راستہ پر چلنے سے اللہ مل سکتا ہے مجھے اس کی ہدایت مل جائے وہ اس کے لیے اپنے خاندانی ہندو مذہب کے مطابق خدا کی عبادت بند ھیا اور اسی سے دعا بھی بہت اہتمام سے کرنے لگے۔ اسی زمانے میں اپنے ساتھ پڑھنے والے ایک مسلمان لڑکے کے ساتھ یہ کرشن لعل بوجھال کلاں ہی کے ایک بزرگ مولانا عبدالرؤف صاحب سے ملے، ان کو جب ان کے مذہبی رجحان اور تلاش حق کا علم ہوا تو انھوں نے ان کو صرف اتنا مخلصانہ مشورہ دیا کہ بیٹا تم روزانہ رات کو سونے سے پہلے دل کی پوری توجہ کے ساتھ یہ دعا کیا کرو کہ اے اللہ! اے بھگوان بالے پرماتما! میں کچھ نہیں جانتا تو مجھ پر راہ راست کا انکشاف کردے میں اسے اپنا لوں گا ——— ان بزرگ نے کہا یقین رکھو جو بندہ بھی اس طرح اللہ سے صدق دل سے دعا کرے گا اور اپنے کو اس کے حوالہ کردے گا۔ وہ اس کو ضرور ہدایت سے نوازے گا۔

کرشن لعل نے سچے دل سے یہ عمل شروع کر دیا اور پوری پابندی سے کرتے رہے۔ کئی ہفتے مسلسل عمل کے بعد ایک رات کو خواب میں دیکھا کہ وہ اپنے ایک ہم جماعت مسلمان لڑکے (محمد صادق) کے ساتھ حج کو گئے ہیں، مکہ معظمہ پہنچکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہوئے اور آپ کے دست مبارک پر اسلام قبول کیا اس خواب سے اسلام کی طرف کرشن لعل کا رجحان بڑھ گیا لیکن اس بارے میں ابھی قطعی فیصلہ نہیں کیا۔ اس کے بعد جلدی ہی دوسری دفعہ خواب ہی میں حضورؐ کی زیارت سے مشرف ہوئے، اس دوسرے خواب کے بعد انھوں نے فیصلہ کر لیا کہ مجھے اسلام قبول کر لینا چاہیے اس وقت اُن کی عمر صرف ۱۴ سال تھی وہ آٹھویں جماعت میں پڑھ رہے تھے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اس عمر ہی میں ان کو پختہ کار لوگوں کی سی سمجھ بوجھ عطا فرمائی تھی، وہ اپنے والدین کے بڑے محبوب اور لاڈلے فرزند اور ان کی تمناؤں کا مرکز تھے ان کو اپنے والدین سے خاصکر اپنی والدہ سے وہ قلبی تعلق تھا جو ایک شریف اور سلیم الفطرت بیٹے کو ہونا چاہیے، اُن سے چھوٹے تین بھائی بھی تھے اُن سے بھی بیحد محبت تھی،

انھوں نے سوچ سمجھ لیا کہ اسلام کو اپنا لینے کے بعد میں پیارے ماں باپ اور بھائیوں سے شاید ہمیشہ کے لیے چھوٹ جاؤں گا، بے گھر ہو جاؤں گا، اس کے علاوہ جو قانونی اور غیر قانونی کارروائیاں اُن کے خلاف ہو سکتی تھیں اور جن مصائب اور آزمائشوں میں مبتلا ہونے کا خطرہ تھا ان سب کو سامنے رکھ کر انھوں نے سوچا اور ہر مصیبت اور آزمائش کے لیے اپنے آپ کو تیار کر کے توفیق الٰہی سے انھوں نے قبول اسلام کا فیصلہ کر لیا۔

اب سے ۴۰ سال پہلے ۲۶ مارچ ۱۹۴۳ء کو جمعہ کا دن تھا انھوں نے طے کر لیا کہ وہ اسی دن بوچھال کلاں جا کر علانیہ اسلام قبول کر لیں گے (جیسا کہ چاہیے تھا انھوں نے اس ارادہ کو مخفی رکھا تھا) اس جمعہ کی صبح کو انھوں نے اپنی پیاری والدہ اور بھائیوں اور گھر کی ہر چیز کو اس نظر سے دیکھا کہ شاید اس کے بعد میرے لیے ان کا دیکھنا ممکن نہ ہو۔ دل کی کیفیت کو مضبوط ارادے سے ضبط کیا اور جس طرح اسکول جانے کے لیے گھر سے روزانہ نکلا کرتے تھے اسی طرح اُس دن بھی چلے لیکن آج بجائے اسکول جانے کے مولانا عبدالرؤف صاحب کی قیام گاہ پر پہنچے اُن کے ساتھ جمعہ کی نماز جامع مسجد میں پڑھنے کی تیاری کی اور جامع مسجد پہنچکر مجمع کے سامنے اسلام قبول اور اس کا اعلان کر کے جمعہ کی نماز پڑھی جو ان کی زندگی کی پہلی نماز تھی، خود ہی اپنے لیے غازی احمد نام تجویز کیا۔

گھرانہ اور خاندان چونکہ دولتمند تھا اور بعض قریبی رشتہ دار بڑے بڑے سرکاری عہدوں پر تھے اس لیے اُن کو پھر سے اپنے خاندانی دھرم میں واپس لانے کے لیے ترغیب و تخویف کی تدبیریں اور قانونی اور غیر قانونی ساری ہی ممکن کارروائیاں کی گئیں مقدمہ بازی کا سلسلہ بھی طویل مدت تک چلتا رہا، پھر ایک مرحلہ مقدمہ بازی کے اس سلسلہ میں ایسا آیا کہ ضلع کی سب سے بڑی عدالت کے جج کو اُن کے والد نے بہت بڑی رقم بطور رشوت دے کر یہ عدالتی فیصلہ حاصل کر لیا کہ کرشن لعل فی الحال اتنی مدت تک اپنے والد ہی کے پاس رہے گا۔ اس کے بعد وہ جبراً اُن کو اپنے ساتھ کشمیر لے گئے اور جب وہاں پہنچکر بھی انھوں نے یہی کہا کہ میں نے خوب سوچ سمجھ کے اسلام قبول کیا ہے اور اسی پر قائم رہنے کا فیصلہ

کر چکا ہوں آپ مجھ کو میرے حال پر چھوڑ دیں تو اُن کے والد نے انتہائی جہالت دی اور قساوت قلبی کا رویہ اختیار کر لیا، ایسی جسمانی سزائیں اور ایذائیں دیں جنکو اس آپ بیتی میں پڑھ کر حضرت بلالؓ اور حضرت خبیبؓ وغیرہ، اسلام کے ابتدائی دور کے "عاشقان پاک طینت" کی لرزہ خیز آزمائشوں کا منظر آنکھوں کے سامنے آجاتا ہے اور درد مند دل رکھنے والے آدمی کی آنکھوں سے آنسو رواں ہو جاتے ہیں۔ لیکن اللہ کا یہ بندہ اسلام پر قائم رہا اور اللہ تعالیٰ سے دعا کے ساتھ کشمیر سے فرار ہو کر پھر بوچھال کلاں پہنچ جانے کی تدبیریں سوچتا اور منصوبے بناتا رہا، پھر ایسا ہی کیا —— اپنے منصوبے کے مطابق کشمیر سے خفیہ طور پر فرار ہو کر بوچھال تک پہنچنے میں جن غیر معمولی حالات اور آزمائشوں سے گزرنا پڑا وہ بھی بڑی دردناک داستان ہے —— بہر حال وہ کسی طرح پھر بوچھال آگئے اور اب مصائب اور آزمائشوں کا سلسلہ اپنی انتہا کو پہنچ کر ختم ہو گیا۔

بوچھال آکر پہلے انھوں نے اپنا چھوٹا ہوا تعلیمی سلسلہ پھر سے جاری کیا، اور شدید محنت کر کے میٹرک کا امتحان دے کر فرسٹ ڈویژن کامیابی حاصل کی۔ ان دنوں میں اپنی والدہ کے پاس میانی آنا جانا بھی شروع کر دیا اور ان کی ہر ممکن خدمت کرتے رہے، اور حکمت اور ادب و محبت کے ساتھ ان کو دین حق کی دعوت بھی دیتے رہے، وہ اگرچہ اُن کے والد کے ڈر سے اور خاندان کے لحاظ سے اس کے لیے اپنے کو آمادہ نہ کر سکیں لیکن ان کے حال اور رویہ سے بہت متاثر اور بہت راضی و خوش رہیں۔

میٹرک پاس کرنے کے بعد انھوں نے تعلیم کی لائن بدلنے کا فیصلہ کر لیا اور علم دین کی تحصیل میں لگ گئے، اور ہمارے پرانے دینی مدارس کے نظام تعلیم کے مطابق فارسی سے شروع کر کے پورے درس نظامی کی تکمیل کی۔ (اس آپ بیتی ہی سے معلوم ہوا کہ ملک کی تقسیم سے کچھ پہلے ایک طالب علم کی حیثیت سے کچھ عرصہ وہ دارالعلوم دیوبند بھی رہے)

درس نظامی سے فراغت کے بعد دینی و دنیوی انعامات الٰہیہ اور ترقیات کا ایک سلسلہ اُن کے رب کریم کی طرف سے شروع ہو گیا جو اُس کے لطف و کرم سے جاری ہے، اس کی تفصیلات اُن کی اس آپ بیتی "من الظلمات الی النور" کے مطالعہ ہی سے معلوم

ہوسکتی ہیں یہ "الفرقان" کے سائز کے ڈیڑھ سوسے کچھ اوپر صفحات کی کتاب ہے جو مولانا غازی احمد صاحب نے قبول اسلام کے ۴۰ سال بعد لکھی اور اب سے کچھ ہی پہلے پاکستان میں شائع ہوئی ہے۔

اس کتاب کی غیر معمولی تاثیر اور افادیت کے پیش نظر یہ طے کیا گیا کہ الفرقان کے آئندہ شمارہ یعنی جون جولائی (شعبان و رمضان) کا مشترک شمارہ ہوگا (اور انشاء اللہ رمضان المبارک سے پہلے ہی شائع ہو جائے گا) اس پوری کتاب کی تلخیص شائع کردی جائے ـــــ امید ہے کہ اس طرح محترم مولانا غازی احمد صاحب کے وہ ایمان افروز حالات وواقعات جنکا اس مختصر تعارف میں اشارۃً بھی ذکر نہیں کیا جا سکا ہے۔ اور کتاب کے تمام اہم مضامین "الفرقان" ہی کے ذریعہ اپنے ناظرین اور ملک کے دیگر شائقین تک پہنچ سکیں گے۔ واللہ الموفق

---

راقم سطور نے "من الظلمات الی النور" کے مطالعہ کے بعد محترم مولانا غازی احمد صاحب کو عریضہ لکھا تھا جس میں کتاب اور خود اُن کی شخصیت کے بارہ میں اپنے تاثرات کے اظہار کے ساتھ الفرقان میں اس کی تلخیص شائع کرنے کی اس تجویز کا بھی ذکر کیا تھا، اس کے جواب میں انھوں نے اس تجویز پر اپنی بڑی مسرت بلکہ تشکر و امتنان کا بھی اظہار فرمایا۔

اس عاجز کو اس پر سخت حیرت تھی کہ ملک کی تقسیم سے پہلے پنجاب کے اُس علاقہ میں میری بکثرت آمد و رفت رہتی تھی اور ان علمائے کرام سے میرا خاص تعلق تھا جن کا انھوں نے اپنے قبول اسلام اور دینی تعلیم حاصل کرنے کے سلسلہ میں اس کتاب میں ذکر کیا ہے، پھر میں کیوں اُن سے ناواقف رہا اور کیوں کبھی ملاقات نہیں ہوسکی۔ میں نے اپنے خط میں اس حیرت کا بھی اظہار کیا تھا۔ غازی صاحب نے گرامی نامہ میں تحریر فرمایا ہے کہ میں تو پوری طرح واقف ہوں، ایک دفعہ تقریر بھی سنی ہے۔ ۱۹۴۵ء میں آپ شہر گجرات آئے تھے۔ ہمارے استاد اور بزرگ مولانا سید عنایت اللہ شاہ بخاری کے پاس قیام تھا۔ میں اس زمانے میں دینی تعلیم کے سلسلہ میں وہیں رہتا تھا۔

(باقی صفحہ ۴۰ پر ملاحظہ ہو)

# کشف و الہام موجبِ قرب نہیں

## موجبِ قرب اعمال ہیں

حضرت ڈاکٹر عبدالحیؒ عارفی دامت برکاتہم

گذشتہ سال الفرقان کے بعض شماروں میں حکیم الامۃ حضرت تھانوی نور اللہ مرقدہٗ کے جلیل القدر خلیفہ حضرت ڈاکٹر عبدالحیؒ عارفی دامت برکاتہم (کراچی) کے بعض اصلاحی مضامین ناظرین کرام کی نظر سے گذرتے رہے ہیں۔ آج کی صحبت میں حضرت کی ایک اصلاحی تقریر نذرِ ناظرین کی جا رہی ہے ـــ جو مولانا منظور احمد حسینی نے مرتب کر کے ماہنامہ بینات (کراچی) میں شائع کی ہے۔ (ادارہ)

تصوف کی خاص خاص باتیں جو روح رواں ہیں، جی چاہتا ہے کہ آپ حضرات سے عرض کروں، آٹھویں دن آپ حضرات سے ملاقات ہوتی ہے، میری طبیعت کبھی حاضر ہوتی ہے کبھی نہیں۔ آج کل ہر طرف یورشِ افکار سے پریشانی ہے جس کے اثرات سب پر ہیں مگر مجھے آپ کو کچھ باتیں سنانی ہیں، جو بڑی پیاری ہیں ان کے سنانے کو دل چاہتا ہے۔ ؎

کب تک آخر یورشِ افکار کی باتیں کریں<br>
آؤ کچھ شب دیر بزمِ یار کی باتیں کریں<br>
اپنے دل کو اپنی خلوت گاہ بنا کر ہم نشیں<br>
چپکے چپکے حسن عشق یار کی باتیں کریں

ایک صاحب کا آج خط آیا جس میں انھوں نے ہمارے اور آپ کے لیے ایک مضمون پیش کر دیا، انھوں نے لکھا کہ "جب میں ذکر کرنے بیٹھتا ہوں تو خانہ کعبہ کی شبیہ اور انوارات سامنے آجاتے ہیں، دوسری طرف نظر کرتا ہوں تو روضۂ اقدس ایک نور کی شکل میں سامنے پاتا ہوں، بس پھر میں ان انوار میں محو ہو جاتا ہوں، جب ذکر چھیڑتا ہوں سامنے یہی کیفیت آجاتی ہے، اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ عرش معظم پر میرا سر سجدے میں ہے۔" اس خط کو دیکھ (اور اس کے مضمون کو پڑھ کر) ذہن اس طرف منتقل ہوا کہ آپ حضرات کی خدمت میں اس سلسلہ میں چند امور بیان کر دوں جو حضرت تھانویؒ کے ذریعہ معلوم ہوئے۔ لیکن ؂

کر بھی سکوں گا، تذکرہ میں بزم یار کا
اندازہ کر رہا ہوں میں، دل بے قرار کا

اس خط میں انوار و کیفیات کا ذکر ہے، یہ کیفیات، ذوقیات مکاشفات ایک بڑا مسئلہ ہے، اپنی جگہ سب برحق ہیں، لیکن ان کا کیا درجہ ہے کیا حقیقت و اصلیت ہے؟ ہمارے حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں کہ یہ تمام چیزیں گو محمود ہیں مگر مقصود نہیں۔

اس کی تشریح یہ ہے کہ ہر چیز کے ثمرات ہوا کرتے ہیں، اچھے کلمات کے بھی ثمرات ہیں۔ لوگ سمجھتے ہیں کہ یہ صرف الفاظ ہیں، حالانکہ وہ تجلیات سے معمور ہیں، اللہ کا ذکر، اللہ کا کلام تجلیات سے معمور ہے، اللہ تعالیٰ کی عبادت تجلیات سے معمور ہے، ہر طرف تجلیات ہی تجلیات ہیں۔ اسی طرح اوامر و نواہی بھی تجلیات سے معمور ہیں، جو شخص خلوص دل سے ذکر کر رہا ہو تو اس کو اس ذکر پر ثمرات ضرور مرتب ہوں گے کیونکہ ذکر تجلیات سے معمور ہے، لا الٰہ الا اللہ معمولی الفاظ نہیں ہیں، ان میں نور ہی نور ہے، کثرت ذکر اور تکرار ذکر سے انسان اس کی حقیقت کا ادراک کرتا ہے، اور انوارات مشاہد ہونے لگتے ہیں۔ اسی طرح کلام اللہ کی تلاوت میں انوارات ہیں اسی وجہ سے تلاوت کرتے وقت اہل علم کا ذہن ایسے ایسے معانی کی طرف منتقل ہو جاتا ہے

کہ خود ان کو حیرت ہوتی ہے، اسی طرح تسبیحات میں انوارات ہیں اور بعض اوقات وہ مشاہد ہونے لگتے ہیں۔

یہ انوارات ذکر، تلاوت، اور تسبیح کے ثمرات ہیں لیکن یاد رکھنا چاہیے کہ یہ ثمرات بدرجہ بشارت اور نیک فال ہیں، ترقی بالکل کا سبب نہیں، ان ثمرات کے جو مشاہدات ہو رہے ہیں یہ ذکر و تلاوت کے اندر جو تجلیات و انوارات ہیں ان کا ظہور ہو رہا ہے، ذکر خود ایک عمل ہے وہ عمل ترقی کا باعث ہے نہ اس سے پیدا ہونے والے ثمرات و انوارات۔

اسی طرح سے اچھے اچھے خواب نظر آتے ہیں بڑی بڑی بشارتیں ہوتی ہیں، خانۂ کعبہ و روضۂ نبویؐ اور ان دونوں کی تجلیات نظر آتی ہیں، مگر یہ صرف قرب کے ثمرات ہیں خود موجب قرب و ترقی نہیں ہیں، ذکر و تلاوت خود موجب ترقی و قرب ہے تو معلوم ہوا کہ جو چیز غیر اختیاری طور پر مشاہد ہو جائے وہ بدرجۂ بشارت اور ذریعۂ مسرت تو ہے مگر وجہ ترقی نہیں وجہ ترقی عمل ہے (عمل سے ترقی ہوتی ہے نہ کہ مشاہدات و مبشرات سے) خواہ وہ ظاہری ہوں یا باطنی۔

یہ بات بھی معلوم ہونی چاہیے کہ یہ مشاہدات اپنے اختیارات سے نہیں ہوتے اور وہ چیز جو اپنے اختیار سے نہ ہو وہ وجہ ترقی نہیں، ہاں جو چیز ہمارے اختیار میں ہو وہ وجہ ترقی ہوتی ہے۔ چنانچہ اوامر کا ماننا ہمارے اختیار میں ہے اسی ماننے میں ہمیں ترقی ہوگی باقی اس امتثال پر انوار کا ظاہر ہونا غیر اختیاری ہے مثلاً کسی کی نظر شہوانی ہے اس نے اللہ کا حکم سمجھ کر اس کو روک لیا یہ عمل باعث ترقی ہے خواہ اس پر کسی کو انوارات مشاہد ہوں یا نہ ہوں جس کو مشاہد ہو جائیں، الحمد للہ اچھی بات ہے وہ اس کے لیے درجۂ بشارت اور نیک فال ہیں اسی طرح نواہی سے اجتناب و پرہیز ایک مستقل عمل اور باعث ترقی ہے۔

اسی طرح سے استغراق، کشف و کرامات کا ظہور بھی غیر اختیاری طور پر ہوتا ہے، یہ امور بھی وجہ شرف ضرور ہیں مگر وجہ ترقی و تعلق مع اللہ نہیں تعلق مع اللہ عمل

سے پیدا ہوتا ہے اور بڑھتا ہے۔ ؎

مزد آں گرفت برادر! کہ کار کرد

اس کی مثال یوں ہے جیسے کسی محکمے کا ایک عہدیدار ہے جو بہت خوش اخلاق اور خوش اطوار ہے۔ لوگ اس کی بہت تعریف کرتے ہیں کہ بڑا اچھا آدمی، دیانت دار ہے لیکن اس کی ترقی نہیں ہوتی، چاہے صدر مملکت بھی اس کی خوش اخلاقی کی تعریف کریں چاہے وزرا اور عوام کیوں نہ کریں، یہ صرف اس کے لیے بشارت ہے ـــــــ ترقی تو کارکردگی، دفتری کام کی استعداد اور صلاحیت پر ہوگی۔ ترقی عمل سے ہوتی ہے چاہے وہ ناقص ترکیوں نہ ہو۔

اسی طرح سے جتنے آپ صوفی بنیں، لوگ آپ کا ہاتھ چومیں، چاہے جتنی تجلیات نظر آئیں، چاہے جتنے خواب نظر آئیں اس سے ہرگز ترقی نہیں ہوگی۔ ترقی عنداللہ کام کرنے سے ہوگی۔

میں اپنے بارے میں کہتا ہوں میرا معاملہ تو اس سلسلے میں ٹھوس ہے خدا معلوم میرے دل پر کیا کیفیت ہے ہزار بشارتیں آپ سنائیں، خواب سنائیں مگر مجھ پر کچھ اثر نہیں ہوتا، ایک صاحب نے مجھے اپنا خواب بیان کیا کہ میں نے آپ کو نہایت عمدہ سفید لباس میں دیکھا، اور یہ دیکھا کہ آپ امامت کر رہے ہیں، میں نے (جواباً) کہا کہ آپ کو مبارک ہو، کیونکہ یہ میری چیز نہیں ہے، یہ آپ کا دیکھنا ہے میرا نہیں، میرے ساتھ تو میرا عمل ہے چاہے وہ ناقص کیوں نہ ہو، اپنے عمل کو دیکھوں کہ لوگوں کی بشارتوں کو دیکھوں۔

ایک ناقص طرح، بے دلی، بے رغبتی اور کسل کے ساتھ سبحان اللہ والحمد للہ ولا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر پڑھتے جائیے اس کے انوار و تجلیات آپ کو نظر آئیں یا نہ آئیں لیکن ترقی ضرور ہوگی، عنداللہ قرب ضرور حاصل ہوگا، یہ نہیں کہ تم نے ذکر اللہ کیا اور وہ بے کار چلا گیا، اللہ تعالیٰ کے نزدیک تمہارا عمل مقبول اور محمود ہے، کیونکہ یہ عمل اتباع سنت کے مطابق ہے۔

فلاح تو اس پر مرتب ہو کے رہے گی اب اگر فلاح کی تجلیات نظر آگئیں تو وہ موجب قرب نہیں بلکہ فلاح و قرب کا ثمرہ ہے جو مطلوب نہیں، ہمارا مطلوب اور ہماری منزل قرب خداوندی ہے اور وہ آپ کو ذکر اللہ سے حاصل ہے چاہے وہ ذکر بے دلی اور بے کیفی سے ہو، چاہے عمر بھر ایک تجلی بھی نظر نہ آئے، عمر بھر تلاوت و تسبیح کے انوار نظر نہ آئیں، عنداللہ یہ تلاوت مقبول ہے، نمازیں مقبول ہیں، ذکر اللہ مقبول ہے، اور اللہ تعالیٰ کو یہی پسند ہے، کیونکہ یہ عمل منزل تک پہنچانے والا ہے۔

مثلاً ہم نے لاہور جانا ہے وہ ہماری منزل ہے راستے میں ایک جگہ ہم نے ایک باغ دیکھا اس میں طرح طرح کے پھول کھلے ہوئے ہیں، باغ و بہار کے جلوے نظر آرہے ہیں ہم نے سوچا اچھی جگہ پہنچ گئے، اب وہاں ہماری دعوتیں ہو رہی ہیں، خاطر مدارات ہو رہی ہے، مگر دیکھنا تو یہ ہے کہ منزل تو کھوٹی ہو گئی ہمیں اپنی دھن میں اپنے مقصود کی طرف رواں دواں رہنا چاہیے۔ ؎

مجھ کو منزل کی طلب ہے اور نہ منزل کا پتہ
ایک دُھن ہے اور اسی دُھن میں چلا جا رہا ہوں

بنیادی امر تو راستہ چلنا اور طے کرنا ہے ــــــ کامیابی تو کام سے ہوگی۔ نہ کہ حسن کلام سے ہوگی، کوشش و اہتمام سے ہوگی۔

منزل کی طرف قدم اٹھانے سے ترقی ہوتی ہے نہ کہ گل و گلزار کی سیر و سیاحت سے ــــــ آپ حضرات اس بات کو خوب سمجھ لیں، ہزار کیفیتیں طاری ہوں، ہزار انوارات موجود ہوں، سب اللہ کا احسان ہے، شکر کرنا چاہیے سب کچھ صحیح ہے، لیکن اگر کچھ دیر اس میں محو ہو گئے، اس میں استغراق ہو گیا تو سمجھ لیجیے کہ اتنی دیر معطل ہو گئے، اور اگر بے بسی کے ساتھ، بے رغبتی کے ساتھ، کسل مندی کے ساتھ قدم اٹھ رہے ہیں تو سمجھیے کہ ترقی ہو رہی ہے، قرب خداوندی حاصل ہو رہا ہے۔ کبھی اپنی اس حالت کی ناقدری نہ کرو صرف عمل کو دیکھو کہ اس کی توفیق ہے یا نہیں، اگر توفیق ہے چلو ناقص ہی سہی معتبر ہے۔ ؎

ہے قدم راہ طلب پر گو وہ ناقص ہی سہی
کچھ تو حاصل کر رہے ہیں سعی لاحاصل سہی

ہمیں تو مقصود منزل تک پہنچنا ہے ان کا قرب اور رضا حاصل کرنی ہے۔ ہم کیفیات و ذوقیات کی طرف کیوں متوجہ ہو جائیں۔

بعض بعض مرتبہ ایسا بھی ہوتا ہے، یہ ذاکر و شاغل شخص یہ سمجھتا ہے کہ مجھ پر تجلیات کا ظہور ہوا یہ چیزیں نظر آئیں وہ چیزیں نظر آئیں اس پر وہ خوش ہوتا ہے حالانکہ بعض اوقات یہ سب شیطانی تصرف ہوتا ہے، شیطان بھی اس میں دھوکہ دے دیتا ہے اس لیے تجلیات، کیفیات، مکاشفات کو مکمل طور پر معتبر نہ سمجھا جائے قابل اعتبار تو آپ کے قدم ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نقش قدم کے مطابق ہیں یا نہیں۔

حضرت شیخ عبد القادر جیلانیؒ کا واقعہ ہے آپؒ نے ایک مرتبہ چالیس دن حجرے میں بیٹھ کر چلّہ کھینچا یہ اس وقت نفس کی درستی کے مجاہدے تھے۔ جب چالیس دن مکمل ہو گئے تو آپؒ نے نماز شکرانہ ادا کی، اور کہا الحمد للہ میں نے آج اپنا عمل پورا کر لیا، اسی وقت تمام حجرہ انوار سے روشن ہو گیا اور آواز آئی اے عبد القادر! تم نے ہمیں خوش کر دیا ہم تم کو انعام عطا کرتے ہیں جو کسی کو نہیں ملا، اور ہم نے اپنی رحمت سے تمھارے مناسب سمجھا کہ (تمھیں) اپنے مقبول ترین بندوں میں شامل کیا جائے اس کی صورت یہ ہے کہ اب ہم تم کو امور شریعت کا مکلف نہیں کرتے تمھارے لیے واجبات اور فرائض مستحبات میں داخل کر دیے گئے، واجبات و فرائض چاہے ادا کریں یا نہ کریں برابر ہے۔ آپؒ نے کہا لا الٰہ الا اللہ، جس امر سے انبیاء علیہم السلام غیر مکلف نہیں ہو سکتے میں کیسے غیر مکلف ہو گیا، فرائض و واجبات، درجہ مستحبات میں کسی پیغمبر کے لیے نہیں ہوئے میرے لیے یہ کیسے ہو گیا، فوراً زور سے لاحول اور استغفار پڑھا وہ نور غائب ہو گیا، آواز آئی اے عبد القادر! اس منزل پر ہم نے نہ جانے کتنوں کو گمراہ کر دیا، لیکن آج تم کو تمھارے علم نے بچا لیا۔ آپؒ نے کہا اے شیطان! تو پھر دھوکہ دے رہا ہے میرے علم نے نہیں بلکہ میرے اللہ نے مجھ کو بچا لیا۔ تو بھائی

ان تجلیات سے دھوکہ نہیں کھانا چاہیے۔

شیطان کو اللہ تعالیٰ نے بڑا تصرف دیا ہے اگر اتنا تصرف نہ ہوتا تو بڑے بڑے عارفین کو کیسے دھوکہ دیتا۔

حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں کہ شیطان بہت بڑا عالم ہے عالموں کو عالم بن کر دھوکہ دیتا ہے، بہت بڑا عارف ہے، عارفوں کو عارف بن کر دھوکہ دیتا ہے اور بڑا بھاری عابد ہے کہ سو برس تک سجدے میں سر رکھے رہا۔ ؎

گیا شیطان مارا ایک سجدے کے نہ کرنے میں
اگر لاکھوں برس سجدے میں سر مارا تو کیا مارا

شیطان میں تین عین ہیں یعنی عابد بہت بڑا ہے، عالم بہت بڑا ہے، عارف بہت بڑا ہے، لیکن چوتھا عین نہیں ہے یعنی عاشق نہیں ہے اگر عاشق ہوتا تو سجدہ ضرور کرتا، بھائی ہم کو نہ عابد بننا ہے، نہ عارف بننا ہے، صرف عاشق بننا ہے۔ ہم عاشق بنیں تاکہ ہمارا اللہ میاں سے محبت کا ایسا علاقہ اور واسطہ رہے جو کبھی منقطع نہ ہو، پھر اللہ میاں نے فرمایا کہ اگر تم مجھ سے محبت کرنا چاہتے ہو تو بس یہ کرو کہ میرے محبوب کی اتباع کرو۔ جس نے میرے محبوب کی اتباع کی وہ میرا محبوب ہے۔

اب دوسرا رُخ انقباض لیجیے یہ حالت بظاہر مردود معلوم ہوتی ہے ایسی کیفیت طاری ہوتی ہے معلوم ہوتا ہے جیسے ہم مردود ہو گئے ہیں نہ عبادات میں دل لگتا ہے نہ طاعت میں نہ دعا مانگنے میں، ایک عجیب بے بسی اور بے کسی کی کیفیت طاری ہے سب کچھ ہیچ معلوم ہوتا ہے، ستم بالائے ستم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے کبھی ناامید ہیں، دل میں انکاری خیالات آنے لگتے ہیں کہ اللہ میاں ہیں بھی کہ نہیں، کبھی دل میں خیال آتا ہے کہ ہم کتنے دنوں سے سر مار رہے ہیں کچھ کیفیتیں معلوم ہوتیں، کچھ اثرات تو قبولیت کے معلوم ہوتے کچھ بھی حاصل معلوم نہیں ہوتا۔ ؎

یاران تیز گام نے منزل کو جالیا     ہم خفتہ سامان منتظر کارواں رہے

بڑی بے کیفی ہے نفس و شیطان ایسے ایسے وساوس لا رہے ہیں ایسے ایسے گندے خیالات لا رہے ہیں جی چاہتا ہے سب چھوڑ چھاڑ دوں، بھائی کیا حاصل اس عبادت کا جس کا کوئی ثمرہ ہی نہیں ملتا، ایک دو دن کیا برس ہا برس گذر گئے کبھی تو کچھ معلوم ہوتا صرف نماز پڑھ لیتے ہیں دیگر اعمال کر لیتے ہیں۔ رمضان کے دن آتے ہیں تو روزے رکھ لیتے ہیں، تہجد پڑھ لیتے ہیں، غرضیکہ ایک عادت سی ہو گئی ہے نہ تہجد کے ثمرات معلوم ہوتے ہیں نہ نوافل کے، نہ کلام اللہ میں جی لگتا ہے نہ اس کے معنی سمجھ میں آتے ہیں بس ہماری یہ حالت ہے۔ ایک مسلمان گھر میں پیدا ہوئے ایک ضابطے کی زندگی گذار رہے ہیں، کبھی یہ خیال آتا ہے فلاں بزرگ سے تعلق ہو گیا ہے، کتنے دنوں سے ان کی خدمت بھی کر رہے ہیں، ہمیں تو کچھ حاصل نہ ہوا، فلاں صاحب تو ولی اللہ ہو گئے، فلاں کو خلافت مل گئی، ہم تو جیسے تھے ویسے کے ویسے ہی رہ گئے، یا تو ہم مردود ہیں، یا یہ چیزیں بے حقیقت ہیں۔

نفس و شیطان نے یہاں تک یاس کا درجہ پیدا کر دیا کہ اللہ کی رحمت سے مایوس ہو گئے۔

ایک شخص نے حضرت تھانویؒ کی خدمت میں اسی قسم کا خط لکھا کہ "مجھے بظاہر توحید میں انکار ہے، آخرت میں بھی انکار ہے مگر عادۃً کرتا رہتا ہوں حضرت کو خط لکھتا ہوں تو عادۃً لکھتا ہوں مگر تسکین نہیں ہوتی بہت لمبا خط ہے آخر میں لکھا سب کچھ عادۃً کرتا ہوں مگر مجھے یہ عادت پسند ہے" یہ طویل خط بصائر حکیم الامت میں درج ہے" حضرت تھانویؒ نے فرمایا اس آخری فقرے میں سارے خط کا جواب ہے یہ جملہ ایمان نہیں کہہ رہا تو اور کون کہہ رہا ہے۔

انقباض کی حالت اور ایسے خیالات سے اللہ تعالیٰ سے تعلق میں کوئی فرق نہیں آتا، نہ ترقی باطن میں کوئی کمزوری پڑتی ہے، ایسا شخص مردود نہیں ہوتا، بے دلی، بے رغبتی، انقباض کی حالت میں جو شخص اللہ تعالیٰ کے احکامات بجا لائے چاہے ثمرات عمر بھر نہ دیکھے یہ مقبول ترین بندہ خدا ہے۔ ؎

جبہ سائی ہے اگر کچھ نہیں حاصل نہ سہی
کس طرح چھوڑ دے سنگِ درِ جاناں کوئی

انقباض کی حالت، خیر اور ترقی کی طرف لے جانے والی ہے کیونکہ اس حالت میں صبر کا مقام حاصل ہوتا ہے اور صبر بہت بڑا مقام ہے اگر شکر ہی شکر کے حالات رہیں انقباض نہ ہو، قلب پر گرانی نہ ہو تو ترقی کیسے ہو۔

کئی مرتبہ ایسا ہوا کہ آپؐ پر وحی بند رہی اس فترۃ وحی کے زمانہ میں اگرچہ آپؐ کے معمولات اور تبلیغ کے امور میں کوئی فرق نہ آیا پھر بھی اس سے آپؐ کو سخت انقباض ہوا، مگر اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر کو فرمایا کہ یہ انقباضی حالت بھی آپ کے لیے ضروری تھی تاکہ آپ کو صبر کا اعلیٰ ترین مقام حاصل ہو جائے، وحی کے بند ہونے پر آپؐ کو بہت صبر کرنا پڑا، مشرکین کے طعنے سہنے پڑے، آپؐ کے لیے یہ ایسا وقت تھا کہ کلیجہ کھٹ کھٹ جائے مگر آپؐ نے صبر کیا، اس سے بڑھ کر اور کوئی صبر کا مقام نہیں اس کو دوسری طرح سمجھیے۔

اللہ تعالیٰ نے آپ کو اونچے اونچے مراتب و مدارج عطا فرمائے اور فرمایا کہ آپ سب سے بڑے نبی اور رسول ہیں، خاتم النبیین ہیں، رحمۃ للعالمین اور شفیع المذنبین ہیں لیکن یہ سب مقامات شکر ہیں۔ میں آپ کو سب سے اونچا مقام دینا چاہتا ہوں اور وہ مقام، مقام صبر ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ انقباضی کیفیت انبیاء کرامؑ پر بھی طاری ہوتی ہے، یہ حالت اللہ تعالیٰ کی طرف سے بندہ کے لیے ایک انعام ہے۔

ایک اور طرح سے سمجھیے ——— اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا "وھو معکم این ما کنتم" دوسری جگہ فرمایا "ان اللہ مع الصابرین" اس معیت کے درجات مختلف ہیں جتنے بڑے درجات ہوں گے، اسی اعتبار سے معیت ہوگی، مخصوص ترین معیت، جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک تھی وہ آپ کو عطا کی گئی اور اس کی صورت فترۃ وحی کی شکل میں ظہور پذیر ہوئی، اس سے آپؐ کو سخت انقباض ہوا اور آپؐ کو انتہائی اونچا مقام صبر حاصل ہوا۔

بسط و قبض کی کیفیت غیر اختیاری ہوتی ہے نہ قبض پر ہم کو اختیار اور نہ بسط پر، اور جو امور غیر اختیاری ہوں ہم ان کے مکلف بھی نہیں، ثمرہ دینے والا جانتا ہے کہ شکر کا کیا مقام ہے، اور اس کا کتنا بدلہ ملنا چاہیے، قبض کی حالت طاری کرنے والا

جانتا ہے کہ اس کے لیے یہ ضروری ہے، اس کے لیے کیا اجر ہونا چاہیے، تو بھائی دونوں چیزیں ضروری ہیں، قبض سے مردودیت نہیں ہوتی بلکہ تعلق مع اللہ قوی ہوتا ہے، اگر اس حالت میں سارے اعمال جاری رہیں۔ (چاہے وہ ناقص ہی کیوں نہ ہوں) وہ برابر ترقی کا سبب ہوتے ہیں ان سے قرب الٰہی ضرور حاصل ہوتا رہتا ہے۔

"بعض لوگ کہتے ہیں کہ نماز میں دل نہیں لگتا، ذکر میں دل نہیں لگتا، ان کو کہا جائے نماز چھوڑ دو، وہ کہتے ہیں نماز چھوڑ بھی نہیں سکتے۔ فرمایا، یہی چھوڑ نہ سکنا مقبولیت کی علامت ہے۔

ایک صاحب کہنے لگے میں ایسی نمازیں پڑھتا ہوں جس میں تمام شیطانی وساوس ہوتے ہیں ہم نے کہا کہ اچھا پھر چھوڑ دیجیے، وہ کہنے لگا یہ چھوڑنے والا مسئلہ نہیں ہوسکتا، میں نے کہا یہی مقبولیت کی علامت ہے۔

غالب کہتا ہے۔ ؎

موج خوں سر سے گذر ہی کیوں نہ جائے
آستانِ یار سے اٹھ جائیں کیا؟

یہ آستانہ ایسا ہے کہ عالم امکان میں جس سے بڑھ کر کوئی نہیں، اس کو چھوڑ کر کہاں جا سکتے ہیں —— اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں نہ تم چھوڑ سکتے ہو نہ ہم چھڑواتے ہیں نہ ہی چھڑوانا چاہتے ہیں۔ یہ مسئلہ یوں ہی رہے گا۔ بس اپنے اعمال کے نقص پر استغفار کرتے رہیے، خبردار کبھی مایوس نہ ہونا چاہیے انشاء اللہ یہ اعمال ضرور مقبول ہیں۔

؎ دل فدائے تشنہ جاں

الحمدللہ آج دونوں باتوں (بسط و قبض) کی وضاحت ہوگئی، ذوقیات، کیفیات اور ثمرات کبھی مرتب ہوتے ہیں کبھی نہیں، یہ ہوں یا نہ ہوں ان کو مت دیکھو صرف عمل کو دیکھو چاہے وہ ناقص ہی کیوں نہ ہو۔ کیونکہ کامل عمل کرنا کسی کی مجال نہیں جیسا کہ سب سے کامل نے فرما دیا "ما عبدناک حق عبادتک" جب ایک دفعہ اس کی نفی ہوگئی تو عالم امکان میں اب کوئی درجہ کمال تک عمل میں نہیں پہنچ سکتا اسی طرح

"ما عرفناک حق معرفتک" میں بھی نفی ہو گئی۔

بس عبادت کرتے رہو، نمازیں پڑھتے رہو، ناقص سمجھ کر توبہ کرتے رہو، اللہ جل شانہ، نے تمام توہمات، تمام خدشات، تمام وساوس اور تمام شیطانی تصرفات کو ختم کرنے کے لیے استغفار بتایا ہے، اب جب استغفر اللہ کہا تو پاک ہو گئے، میں ایک دن پہلے بھی کہہ رہا تھا کہ ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل کو لازم پکڑ لیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہر نماز سے فارغ ہو کر تین دفعہ استغفار پڑھتے تھے، آپ بھی اس عمل کو لازم پکڑ لیں، یہ اس لیے پڑھے تاکہ عبادت کی کما حقہ تکمیل ہو جائے، جبکہ آپ نے استغفار کر لیا، اب چاہے جتنے وساوس خطرات آچکے ہوں، جتنی بے دلی ہو چکی ہو جہاں کہیں دماغ بھٹک چکا ہو پروا نہ کریں ہر امتی کے لیے یہ بات بتلا دی گئی اس طرح سے ہر نمازی کو اپنی نماز کامل کرنے کی توفیق ہو سکتی ہے۔

## اب دعا کیجیے

یا اللہ جو کچھ سنا اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرما، اس پر دوام و استحکام عطا فرما! یا اللہ نفس و شیطان کے مکائد سے محفوظ فرما، یہ ہمیں متزلزل نہ کرنے پائیں، یا اللہ اپنے نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کی توفیق مرحمت فرما،

یا اللہ ہماری تمنائے زندگی یہی ہے کہ ہم آپ کے نقش قدم پر چلتے رہیں چاہے بے دلی ہو یا بے رغبتی یا کچھ ہو ——— یا اللہ ہم کو اعمال حسنہ کی توفیق عطا فرمائیے، یا اللہ نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں پر ثابت قدم رکھیے، بدعتوں وغیرہ سے ہم کو بچائیے، یا اللہ ہم ان بشارتوں کا تحمل نہ کر سکیں گے اگر یہ عطا ہوں تو پھر ثابت قدم رکھیے، یا اللہ ہمیں صرف آپ کی ذات عالیہ کی طرف متوجہ رکھیے۔

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ۝

---

# اسراء و معراج - چند اشارات و اسرار

## قرآن مجید کی روشنی میں

خلیل الرحمٰن سجاد ندوی

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات و صفات، آپ کی حیات مبارکہ کا ایک ایک لمحہ، اس میں پیش آنے والا ہر واقعہ اور آپ کی شخصیت کا ہر گوشہ خالص علمی طرز پر سوچنے والے ہر سلیم الطبع اور با توفیق انسان کی نگاہ میں آپ کی صداقت کی دلیل اور رب العالمین کی قدرت و حکمت کی نشانی ہے — آپ کے دور رسالت کے بے شمار واقعات میں سے ایک واقعہ اسراء و معراج ہے جو متعدد پہلوؤں سے خصوصی اہمیت کا حامل ہے — پیش نظر مضمون میں ان میں سے چند پہلوؤں کی وضاحت کا ارادہ ہے، اللہ تعالیٰ مدد فرمائے۔

### اسراء و معراج

اسراء کے معنی رات کو چلانے یا لیجانے کے ہیں۔ اور معراج عروج سے نکلا ہے جس کے معنی اوپر چڑھنے کے ہیں۔ احادیث میں اس علوی سفر کے سلسلہ میں ایک تعبیر آئی ہے "عُرِجَ بِي" "مجھے اوپر لے جایا گیا" — چونکہ یہ علوی سفر رات میں ہوا تھا اس لیے اس کا نام اسراء و معراج پڑا۔

### واقعہ معراج قرآن مجید میں

قرآن مجید میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ملکوتی سفر کا دو مقامات پر ذکر فرمایا گیا ہے۔ البتہ دونوں مقامات پر سفر کے دو مراحل کا ذکر ہے — سورۂ بنی اسرائیل میں سفر کے پہلے مرحلہ کا ذکر فرمایا گیا ہے اور سورۃ النجم میں دوسرے مرحلہ کا، — اس کی بنیادی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ اس سفر کے دو ہی بنیادی مقصد ہیں جو اس کے دونوں مراحل سے جدا جدا پورے ہوتے ہیں۔ چنانچہ سورۂ بنی اسرائیل میں سفر کا صرف وہ مرحلہ بیان کیا گیا جس کا تعلق اس مقصد سے تھا جو خود

سورۂ بنی اسرائیل کا مرکزی مضمون اور پیغام ہے۔ اور سورۃ النجم میں سفر کا وہ مرحلہ بیان کیا گیا جو اُس کے موضوع سے تعلق رکھتا ہے[1]

**واقعہ کی جامع تفصیل** جیسا کہ عنوان سے ظاہر ہے پیش نظر مضمون میں اس عظیم واقعہ کے اسرار و حکم پر قرآن مجید ہی کی روشنی میں گفتگو کی جائے گی۔ لیکن چونکہ قرآن مجید کا دستور و مزاج واقعات کی پوری تفصیل سنانا نہیں بلکہ یہ منصب رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے اس لیے ہمیں واقعہ کی تفصیل کے علم کے لیے آپ کی احادیث کے ذخیرہ کا جائزہ لینا ہوگا۔

احادیث و سیر کی کتابوں میں یہ واقعہ صحابۂ کرام کی بہت بڑی تعداد کی روایت سے نقل ہوا ہے۔ علامہ زرقانی نے ۴۵ صحابیوں کے نام گنائے گئے ہیں۔ متعدد ائمۂ تفسیر و حدیث نے احادیثِ معراج کو متواتر قرار دیا ہے[2] ـــــ آٹھویں صدی کے مشہور مفسر و محدث اور مؤرخ و ناقد علامہ ابن کثیر نے اپنی تفسیر میں ان میں سے اکثر روایات کو جمع کر دیا ہے جن میں علم حدیث

---

[1] بہت سے اہل علم کا رجحان یہ ہے کہ یہ دونوں مراحل ایک ہی سفر میں طے نہیں ہوئے تھے بلکہ یہ دو مستقل سفروں میں طے ہوئے تھے۔ ایک سفر صرف بیت المقدس تک ہوا تھا جو سورۂ بنی اسرائیل میں مذکور ہے اور دوسرا سفر ملاءِ اعلیٰ تک ہوا تھا جو سورۃ النجم میں مذکور ہے۔ اس نقطۂ نظر کی تائید میں کچھ روایات بھی پیش کی جاتی ہیں اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اگر یہ دونوں مرحلے ایک ہی سفر میں طے ہوئے تھے تو ان کو الگ الگ بیان نہ کیا جاتا۔ ـــــ لیکن عام طور سے اہل علم کا جو خیال ہے وہ یہاں پیش کیا گیا ہے۔ ان حضرات کے خیال کے مطابق قرآن مجید کا جو عام دستور واقعات کے بیان کے سلسلہ میں ہے، اس کے پیش نظر یہ بات مطلقاً ضروری نہیں کہ ایک واقعہ کے ہر مرحلہ کو ایک ہی جگہ بیان کیا جائے۔ بلکہ اس کے برعکس اس کا عام طریقہ یہی ہے کہ وہ ایک ہی واقعہ کے مختلف مراحل کو متعدد سورتوں میں۔ ان سورتوں اور اُن مراحل کی باہمی مناسبت کے لحاظ سے بیان کرتا ہے۔ یہ حضرات ان روایات کو قابل اعتماد قرار نہیں دیتے جن پر اس خیال کی بنیاد ہے۔ اس وقت اس موضوع پر اتنا ہی عرض کیا جا سکتا ہے۔ آئندہ اگر ضرورت محسوس ہوئی تو تفصیل سے اس پہلو پر کچھ عرض کیا جائے گا۔

[2] مثال کے طور پر ملاحظہ ہو تفسیر قرطبی، اضواء البیان فی ایضاح القرآن بالقرآن تالیف علامہ شنقیطی،

کے اصول و قواعد کے اعتبار سے سو فیصد قابل اعتماد اور واجب قبول روایات بھی ہیں اور وہ بھی جن میں کسی پہلو سے ضعف ہے ـــــــ

علامہ ابن کثیر نے ان تمام روایات کے ذکر کے بعد آخر میں ان سب کی روشنی میں واقعۂ معراج کی مرتب تفصیل لکھی ہے ـــــ یہی کام نسبتہً زیادہ جامع اور واضح اسلوب میں عظیم عالم اور محقق علامہ سید سلیمان ندوی نے اپنی کتاب سیرۃ النبی میں کیا ہے۔ انھوں نے امام بخاری اور امام مسلم کی روایت کردہ بعض روایات کے تقابلی جائزہ کے بعد لکھا ہے:۔

"........ اب ذیل میں ہم صحیحین کی تمام روایتوں کو ملا کر معراج کے سوانح و مشاہدات کا ایک جامع بیان لکھتے ہیں:۔

حضرت ابراہیم نے اصل کعبہ کی جو عمارت بنوائی تھی وہ سیلاب سے کئی دفعہ گر چکی تھی اور پھر بنی تھی، اسی طرح قریش کے زمانہ میں جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہنوز پیغمبر نہیں ہوئے تھے۔ سیلاب سے گر گئی، قریش نے اس کو دوبارہ تعمیر کرنا چاہا تو سرمایہ کی کمی کے باعث ایک طرف اندر کی تھوڑی سی زمین چھوڑ کر دیوار کے طول کو کم کر دیا، اس طرح کعبہ کی تھوڑی سی زمین چار دیواری سے باہر رہ گئی، اور اب تک اسی طرح ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کبھی کبھی یہاں آرام فرمایا کرتے تھے، جس شب کو معراج ہوئی آپ اسی مقام پر استراحت فرما تھے، بیداری اور خواب کی ایک درمیانی حالت تھی کہ آپ نے دیکھا کہ آپ کے گھر کی چھت کھلی اور حضرت جبریل نازل ہوئے، ان کے ساتھ چند اور فرشتے بھی تھے، پہلے وہ آپ کو چاہ زمزم کے پاس لے گئے، اور وہاں آپ کے سینۂ مبارک کو چاک کیا اور قلب اطہر کو نکال کر آب زمزم سے دھویا اس کے بعد سونے کا ایک طشت ایمان و حکمت سے معمور لایا گیا، جبریل نے اس طشت سے ایمان و حکمت کے خزانہ کو لے کر آپ کے سینے میں رکھ کر اس کو برابر کر دیا۔

اس کے بعد گدھے سے بڑا اور خچر سے چھوٹا سپید رنگ کا ایک لمبا جانور براق نامی لایا گیا جس کی تیز رفتاری کا یہ حال تھا کہ اس کا ہر قدم وہاں پڑتا تھا جہاں نگاہ کی آخری حد ہوتی تھی، آپ اس پر سوار ہو کر بیت المقدس آئے اور براق کو اس حلقہ

میں باندھ کر جس میں انبیاء اپنی سواریاں باندھا کرتے تھے۔ آپ نے مسجد اقصیٰ کے اندر قدم رکھا اور وہاں دو رکعت نماز ادا کی۔ یہاں سے نکلے تو جبریل نے شراب اور دودھ کے دو پیالے آپ کے سامنے پیش کیے، آپ نے دودھ کا پیالہ اٹھا لیا جبریل نے کہا آپ نے فطرت کو پسند فرمایا۔ اگر شراب کا پیالہ اٹھاتے تو آپ کی امت گمراہ ہو جاتی۔ بعد ازیں جبریل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو لے کر آسمان پر چڑھے، پہلا آسمان آیا تو جبریل نے دربان کو آواز دی، اس نے کہا کون ہے؟ جبریل نے اپنا نام بتایا، پوچھا تمھارے ساتھ اور کون ہے؟ جواب دیا محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں پھر دریافت کیا "کیا وہ بلائے گئے ہیں؟ کہا ہاں! یہ سن کر فرشتہ نے دروازہ کھول دیا اور مرحبا خوش آمدید کہا اور کہا کہ یہ سن کر آسمان والے خوش ہوں گے، خدا اہل زمین کے ساتھ جو کچھ کرنا چاہتا ہے جب تک وہ آسمان والوں کو اس کا علم نہ بخشے وہ جان نہیں سکتے ——— اب آپ پہلے آسمان میں داخل ہوئے تو ایک شخص نظر آیا جس کی داہنی اور بائیں طرف بہت سی پرچھائیاں تھیں، جب وہ داہنی طرف دیکھتا تھا تو ہنستا اور جب بائیں طرف دیکھتا تو رو دیتا تھا۔ وہ آپ کو دیکھ کر بولا "مرحبا! اے نبی صالح والے فرزند صالح" آپ نے جبریل سے دریافت کیا کہ یہ کون ہیں؟ جبریل نے بتایا کہ یہ آپ کے باپ آدم ہیں، ان کی داہنی اور بائیں طرف جو پرچھائیاں ہیں یہ ان کی اولادوں کی روحیں ہیں، داہنی طرف والے اہل جنت ہیں اور بائیں طرف والے دوزخی ہیں ...... اسی آسمان میں آپ کو اپنے سامنے دو نہریں نظر آئیں، پوچھنے پر جبریل نے بتایا کہ یہ نیل و فرات کی سوتیں ہیں۔ چلتے پھرتے آپ کو ایک اور نہر نظر آئی جس پر لولو و زبرجد کا ایک محل تعمیر تھا اور اس کی زمین مشک اذفر کی تھی، جبرئیل نے کہا یہ نہر کوثر ہے جس کو پروردگار نے مخصوص آپ کے لیے رکھا ہے۔

اسی طرح ہر آسمان پر گذرتے گئے، اور ہر آسمان کے دربان اور جبرئیل سے اسی قسم کی گفتگو ہوتی گئی اور ہر ایک میں کسی نہ کسی پیغمبر سے ملاقات ہوئی، دوسرے میں حضرت یحییٰ اور حضرت عیسیٰ سے جو دونوں خالہ زاد بھائی تھے ملاقات ہوئی۔

تیسرے میں حضرت یوسف ملے جن کو حسن کا ایک حصہ عطا ہوا تھا۔ چوتھے میں حضرت ادریس سے ملاقات ہوئی ...... اور پانچویں میں حضرت ہارون سے ملے اور ہر ایک نے "اے پیغمبر صالح اور اے برادر صالح" کہہ کر خیر مقدم کیا۔ چھٹے میں حضرت موسیٰ سے ملاقات ہوئی، انھوں نے کہا "مرحبا اے پیغمبر صالح اور برادر صالح!" جب آپ آگے بڑھے تو حضرت موسیٰ رو پڑے، آواز آئی کہ اے موسیٰ گریہ کا کیا سبب ہے؟ موسیٰ نے عرض کیا خداوندا! میرے بعد تو نے اس نوجوان کو مبعوث کیا ہے، اس کی امت کے لوگ میری امت سے زیادہ بہشت میں جائیں گے۔ ساتویں آسمان میں داخل ہوئے تو حضرت ابراہیم نے مرحبا اے پیغمبر صالح اور اے فرزند صالح کہہ کر خیر مقدم کیا، جبرئیل نے بتایا کہ یہ تمھارے باپ ابراہیم ہیں، حضرت ابراہیم "بیت معمور"[1] سے پیٹھ لگائے بیٹھے تھے، جس میں ہر روز ستر ہزار فرشتے داخل ہوتے ہیں — آپ کو جنت کی سیر کرائی گئی، جس کے گنبد موتی کے تھے اور زمین مشک کی تھی۔ اس مقام تک پہنچے جہاں قلم قدرت کے چلنے کی آواز سنائی دیتی تھی، آگے بڑھکر آپ سدرۃ المنتہیٰ (انتہائی بیری کا درخت) تک پہنچے۔ اس درخت پر شان ربانی کا پرتو تھا۔ جس نے آکر جب اس کو چھا لیا تو اس کی ہیئت بدل گئی اور اس میں حسن کی وہ کیفیت پیدا ہوئی جس کو کوئی زبان بیان نہیں کرسکتی، اور اس میں رنگ برنگ کے ایسے انوار کی تجلی نظر آئی جن کو الفاظ ادا نہیں کرسکتے۔ یہی وہ مقام ہے جہاں سے چیزیں نیچے زمین پر اترتی ہیں اور زمین سے چڑھ کر اوپر وہاں جاتی ہیں۔ یہاں پہنچ کر حضرت جبرئیل

---

[1] بیت معمور کے تعارف اور حضرت ابراہیم کی اس سے نسبت خاصہ کی وضاحت کے لیے علامہ ابن کثیر کے مذکورہ بالا بیان کے یہ الفاظ کافی ہیں۔ ورأى البيت المعمور وابراهيم الخليل باني الكعبة الأرضية مسند ظهره اليه لانه الكعبة السماوية يدخله كل يوم سبعون الفاً من الملائكة يتعبدون فيه ثم لا يعودون اليه الى يوم القيامة۔ (آپ نے بیت معمور کا مشاہدہ کیا، زمینی کعبہ کے بانی ابراہیم خلیل اللہ اس سے پیٹھ لگائے بیٹھے تھے کیونکہ وہ آسمانی کعبہ ہے۔ جس میں ہر روز ستر ہزار فرشتے داخل ہوکر عبادت الٰہی کرتے ہیں اور پھر انھیں قیامت تک دوبارہ اس میں حضوری کا شرف نہیں ملتا۔ (سجاد)

جبرئیل اپنی اصلی کمالی صورت میں آپ کے سامنے نمودار ہوئے، پھر شاہد مستور ازل نے چہرہ سے پردہ اٹھایا اور خلوت گاہ راز و نیاز میں ناز و نیاز کے وہ پیغام ادا ہوئے جن کی لطافت و نزاکت الفاظ کے بوجھ کی متحمل نہیں ہو سکتی۔ فاوحیٰ الی عبدہ ما اوحیٰ

اس وقت آپ کو بارگاہ الٰہی سے تین عطیے مرحمت ہوئے، سورۂ بقرہ کی آخری آیتیں جن میں اسلام کے عقائد، ایمان کی تکمیل اور اس کے دور مصائب کے خاتمہ کی بشارت ہے، رحمت حق نے مژدہ سنایا کہ امت محمدی میں سے جو شرک کا مرتکب نہ ہوا ہو کرم مغفرت سے سرفراز ہوگا۔ اور ندا آئی "امت پر پچاس وقت کی نماز فرض کی گئی" آپ ان عطیوں کو لے کر واپس پھرے اور حضرت موسیٰ کے پاس پہنچے تو انھوں نے دریافت کیا کہ بارگاہ خاص سے کیا احکام عطا ہوئے؟ فرمایا "امت پر پچاس وقت کی نماز" موسیٰ نے کہا میں نے بنی اسرائیل کا خوب تجربہ کیا ہے، آپ کی امت سے یہ بار نہ اٹھ سکے گا۔ آپ واپس جائیے اور عرض کیجیے، آپ نے مراجعت کی اور عرض پرداز ہوئے کہ "بار الٰہی میری امت نہایت کمزور اور اس کے قویٰ نہایت ضعیف ہیں، حکم ہوا کہ دس وقت کی نمازیں معاف ہوئیں، لوٹے تو حضرت موسیٰ نے پھر ٹوکا اور دوبارہ عرض کرنے کا مشورہ دیا۔ اس بار دس اور معاف ہوئیں، اسی طرح آپ چند بار حضرت موسیٰ کے مشورہ سے بارگاہ الٰہی میں عرض پرداز ہوتے رہے یہاں تک کہ شب و روز میں صرف پانچ وقت کی نمازیں رہ گئیں۔ حضرت موسیٰ نے پھر بھی مشورہ دیا کہ اب بھی مزید تخفیف کی درخواست کیجیے۔ فرمایا اب مجھے اپنے پروردگار سے شرم آتی ہے۔ ندا آئی کہ اے محمد! میرے حکم میں تبدیلی نہیں، نمازیں پانچ ہوں گی، لیکن ہر نیکی کا بدلہ دہ گونہ بخشوں گا، یہ پانچ بھی پچاس ہوں گی، میں نے اپنے بندوں پر تخفیف کردی اور اپنا فیصلہ نافذ کردیا۔

اب آسمان سے اتر کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم زمین پر تشریف لائے اور بیت المقدس میں داخل ہوئے، دیکھا کہ یہاں انبیاء علیہم السلام کا مجمع ہے، حضرت موسیٰ اور حضرت ابراہیم نماز میں مصروف ہیں، آپ نے ان میں سے چند پیغمبروں کی شکل و صورت بھی بیان کی...... بہرحال اسی اثناء میں نماز (غالباً صبح کی نماز)

کا وقت آ گیا۔ سرور انبیاء علیہم السلام منصب امامت سے سرفراز ہوئے ......
ان تمام منازل کے طے ہونے کے بعد آپ مسجد حرام (کعبہ) میں صبح کو بیدار ہوئے"[1]

---

جیسا کہ آپ نے ملاحظہ فرمایا، علامہ سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ کی بیان کردہ اس تفصیل کے مطابق بیت المقدس میں انبیاء علیہم السلام کی امامت کا واقعہ آسمان کے سفر (معراج) سے واپسی میں پیش آیا ہے ــــ یہاں راقم سطور اس سلسلہ میں یہ عرض کرنا چاہتا ہے کہ یہ بات متفق علیہ نہیں ہے ــــ خود علامہ سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس اختلاف اور اپنے نقطۂ نظر کی بنیاد کی طرف ان الفاظ میں اشارہ فرمایا ہے۔" مسند احمد اور سیرت ابن اسحاق کی بعض روایتوں میں ہے کہ آسمان پر جانے سے پہلے ہی بیت المقدس میں انبیاء نے آپ کی اقتداء میں یہ نماز پڑھی تھی، صحیح بخاری میں اس کا ذکر نہیں صحیح مسلم میں وقت کی تصریح نہیں مگر قرینہ سے مفہوم ہوتا ہے کہ یہ واپسی کا واقعہ ہے۔ حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے اسی کو صحیح لکھا ہے اور ہم نے اسی کی تقلید کی ہے۔

(سیرت النبی ۳/۱۶۱ھ ، حاشیہ (۱))

علامہ ندوی علیہ الرحمہ نے جس قرینہ کی طرف اشارہ فرمایا ہے وہ دراصل حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ کے خیال کی بنیاد ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ سفر معراج کا اصل مقصد ملاء اعلیٰ اور عالم ملکوت کا مشاہدہ اور اللہ کے حضور خاص میں حاضری تھا، اور اس کا تقاضا یہ ہے کہ دوسرے کاموں (مثلاً انبیاء کرام کی امامت) کو اس سے مقدم نہ کیا جائے ــــ حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے اس رجحان کی دوسری وجہ یہ بھی بیان کی ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آسمانی سفر میں مختلف انبیاء کرام سے آپ کی ملاقاتیں ہوتی۔ آپ ہر نبی کے بارے میں جبرئیل سے دریافت

---

[1] سیرت النبی ۳/۱۶۱ھ ، معراج کی مذکورہ بالا تفصیل لکھنے کے بعد علامہ سید سلیمان ندوی نے حاشیہ میں یہ لکھا ہے:
"معراج کے یہ تمام واقعات صحیح بخاری کتاب الصلوٰۃ، کتاب التوحید، کتاب الانبیاء، باب المعراج، باب صفۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم اور باب بدء الخلق میں اور صحیح مسلم باب المعراج اور اس کے بعد کے متفرق ابواب متعلقہ معراج میں حرفاً حرفاً مذکور ہیں۔ ہم نے ان واقعات کے لکھنے میں صرف ترتیب و ترجمہ کا فرض ادا کیا ہے۔"

فرماتے اور وہ سب کا آپ سے تعارف کراتے تھے۔ پس اگر آپ کی ان سے بیت المقدس میں ملاقات ہو گئی ہوتی تو اس کی ضرورت نہ تھی کہ آسمانی منازل میں ان انبیا اکرام کو آپ سے متعارف کرایا جاتا ہے۔

ان سطور کے ناچیز راقم کے خیال میں یہ دونوں وجوہ اس درجہ قوی نہیں ہیں کہ محض ان کی بنیاد پر سنن نسائی، مسند احمد، تفسیر ابن ابی حاتم، تفسیر ابن جریر اور سیرت ابن اسحاق کی تخریج کردہ روایات کو بالکل نظر انداز کر دیا جائے۔ جہاں تک پہلی وجہ کا تعلق ہے اس کے بارے میں یہ کہنا کافی ہوگا کہ درحقیقت اسراء و معراج کا مقصد ایک نہیں بلکہ دو ہیں۔ جیسا کہ آگے چل کر ہم انشاء اللہ واضح کریں گے۔ اور انبیاء اکرام کی امامت کا اس دوسرے مقصد سے براہ راست تعلق ہے۔

اور جہاں تک دوسری وجہ کا تعلق ہے، سو اس کے سلسلہ میں یہ عرض ہے کہ — اولاً تو یہ بات کہ آپ نے آسمانی منازل میں انبیاء علیہم السلام سے ملاقات کے وقت حضرت جبرئیل سے ان میں سے ہر ایک کے بارے میں دریافت کیا، کسی صحیح اور قابل اعتماد روایت سے ثابت نہیں۔ جہاں تک ہمیں علم ہے یہ صرف حضرت ابوہریرہ کی طرف منسوب اس روایت میں مذکور ہے جسے امام ابن جریر نے اپنی تفسیر میں درج کیا ہے۔ حافظ ابن کثیر نے اس روایت پر اس کے مدار ابو جعفر رازی کی وجہ سے سخت جرح کی ہے۔ وہ لکھتے ہیں: "وهذا الحديث في بعض ألفاظه غرابة ونكارة شديدة، وفيه شيء من حديث المنام في رواية سمرة بن جندب في المنام الطويل عند البخاري، ويشبه أن يكون مجموعاً من أحاديث شتى أو منام أو قصة أخرى غير الاسراء" اس حدیث کے متعلق مشہور محدث و ناقد حافظ ذہبی نے لکھا ہے "تفرد به أبو جعفر الرازي وليس هو بالقوي والحديث منكر يشبه كلام القصاص إنما أوردته للمعرفة لا للحجة" (تاریخ الاسلام للذہبی: ۱/۱۶۳)

الغرض ایک ایسی کمزور اور مجروح روایت میں مذکور وجہ کو زیر بحث مسئلہ میں رائے کی بنیاد نہیں بنایا جا سکتا۔ اور ثانیاً یہ بھی تو ممکن ہے کہ دونوں جگہ انبیاء کرام علیہم السلام کی صورت مثالیہ میں عالم تغیر کی وجہ سے فرق پڑا ہو اور اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیت المقدس میں ان کی امامت کے باوجود آسمانی منازل میں ان سے ملاقات کے وقت انھیں پہچان نہ سکے ہوں۔

حاصل کلام یہ کہ غالباً انہی وجوہ کی بنا پر امت میں مستند اہل تحقیق کا رجحان اسی طرف

ہوا ہے کہ بیت المقدس میں امامت انبیاء کا واقعہ سفر معراج کے آغاز میں پیش آیا تھا واپسی میں نہیں۔ امام شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے حجۃ اللہ البالغہ میں سفر معراج کے تمام اہم واقعات کی تشریح کرتے ہوئے واقعات کی جو ترتیب قائم کی ہے اس سے صاف ظاہر ہے کہ ان کا رجحان بھی اسی طرف ہے[1]۔ اسی طرح ہمارے زمانہ کے عظیم ترین عالم و محقق حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اسی ترتیب کو صحیح اور قابل اعتماد قرار دیا ہے[2]۔

آگے چل کر جب ہم اسراء و معراج کے اہم واقعات کی کچھ حکمتیں بیان کریں گے وہاں ہم اسی ترتیب پر اعتماد کریں گے ——— اور اسی وجہ سے یہاں علامہ ندوی کی قائم کردہ ترتیب کے متعلق مذکورہ بالا بات عرض کرنے کی ضرورت محسوس ہوئی۔

## واقعۂ معراج کب پیش آیا؟

حدیث و سیرت کی کتابوں میں موجود بیشتر روایات سے یہ بات کم از کم ظن غالب کے درجہ میں پہنچ جاتی ہے کہ واقعۂ اسراء و معراج ہجرت سے ایک سال یا کچھ زیادہ پہلے کا واقعہ ہے[3]۔ دو قرینوں کی بنا پر یہ ظن یقین تک پہنچ جاتا ہے جو حسب ذیل ہیں۔

۱۔ جیسا کہ آگے چل کر انشاء اللہ وضاحت سے عرض کیا جائے گا قرآن مجید سے اس کا صاف اشارہ ملتا ہے کہ سفر معراج دراصل سفر ہجرت کی تمہید اور اس کا اعلان تھا اور یہ کہ معراج اور ہجرت کے بیچ کا وقفہ طویل نہیں ہے۔

۲۔ امام بخاری نے جامع صحیح میں گو کوئی تاریخ نہیں بیان کی ہے، لیکن ترتیب میں وقائع قبل ہجرت کے سب سے آخر میں اور بیعت عقبہ اور ہجرت سے متصلاً پہلے واقعۂ معراج کو جگہ دی ہے اور ابن سعد نے بھی سیرت میں واقعۂ معراج کا یہی موقع ترتیب میں رکھا ہے اس سے حدیث اور سیرت کے ان دو اماموں کا بھی منشا ظاہر ہوتا ہے کہ وہ ہجرت سے کچھ ہی زمانہ پہلے

---

[1] ملاحظہ ہو حجۃ اللہ البالغہ حصہ دوم "الاسراء الی المسجد الاقصیٰ ثم الی سدرۃ المنتہیٰ"

[2] ملاحظہ ہو نشر الطیب فی ذکر النبی الحبیب مولفہ حضرت تھانوی صفحہ ۴

[3] یہ روایات ان ماخذوں میں دیکھی جاسکتی ہیں۔ طبقات ابن سعد، تفسیر ابن جریر، تفسیر ابن کثیر، تفسیر ابن حبان، فتح الباری، شرح شفاء، الاستیعاب، اسد الغابہ۔

خواہ وہ ایک سال ہو یا اور کچھ کم و بیش معراج کا زمانہ متعین کرتے ہیں۔[1]

## معراج جسمانی تھی یا روحانی خواب تھا یا بیداری

تفسیر، حدیث اور سیرت کی کتابوں کے مطالعہ سے اس بارے میں متقدمین و متاخرین کی دو رایوں کا علم ہوتا ہے۔ ان دونوں کے دلائل قابل لحاظ ہیں۔

جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ معراج جسمانی تھی اور بیداری کی حالت میں تھی ان کے نقطۂ نظر کی بنیاد یہ ہے کہ اولاً۔ قرآن مجید میں فرمایا گیا ہے "سبحان الذی اسریٰ بعبدہٖ" (پاک ہے وہ خدا جو شب معراج میں لے گیا اپنے بندہ کو۔) بندہ کا اطلاق جسم و روح دونوں کے مجموعہ پر ہوتا ہے محض روحانی مشاہدہ یا عالم خواب کے لیے یہ تعبیر مناسب نہیں۔ ثانیاً اس آیت میں جس عظمت و اہتمام سے واقعۂ اسراء کا ذکر ہے اس سے اس کے خارق عادت ہونے کا پتہ چلتا ہے۔ عالم خواب میں اس طرح کی چیزیں خارق عادت نہیں سمجھی جاتیں۔

ثالثاً اسی بناء پر یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اگر یہ واقعہ عالم رؤیا میں واقع ہوا ہوتا تو کفار اس کی تکذیب کیوں کرتے؟ اور یہ واقعہ "فتنۃً للناس" لوگوں کے ایمان کی آزمائش کیونکر بنتا؟

لیکن جو حضرات اسے عالم "رؤیا" کا واقعہ یا روحانی مشاہدہ قرار دیتے ہیں ان کے پیش نظر صحیح بخاری میں موجود حضرت انس رضی اللہ عنہ کی وہ روایت ہے جس کے الفاظ یہ ہیں:۔

| | |
|---|---|
| "...حتی جاء و اللیلۃ اخری فیما یری قلبہ والنبی صلی اللہ علیہ وسلم نائمۃ عیناہ ولا ینام قلبہ، و کذلک الانبیاء تنام اعینھم ولا تنام قلوبھم...." (باب صفۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم) | "..... یہاں تک کہ وہ (فرشتے) ایک اور رات آئے اس حالت میں کہ آپ کا دل دیکھتا تھا اور آنکھیں سوتی تھیں لیکن آپ کا دل نہیں سوتا تھا، انبیاء کا یہی حال ہوتا ہے کہ ان کی آنکھیں سوتی ہیں اور ان کے دل نہیں سوتے ...." |

یہ روایت امام بخاری نے مذکورہ بالا مقام کے علاوہ کتاب التوحید میں بھی درج کی ہے، اور وہاں معراج کے تمام واقعات کے بیان کے بعد حضرت انسؓ کا یہ ارشاد بھی نقل کیا ہے

---

[1] سیرت النبی از علامہ سید سلیمان ندوی ۳/۴۳۔۴۴، نیز ملاحظہ ہو اردو دائرہ معارف اسلامیہ (پاکستان) مادۂ اسراء

"فاستیقظ وھو فی المسجد الحرام" پھر آپ بیدار ہوئے تو مسجد حرام ہی میں تھے۔

تفسیر ابن جریر اور سیرت ابن ہشام میں محمد بن اسحاق کے واسطے سے حضرت عائشہ صدیقہ اور حضرت معاویہ سے دو روایتیں آئی ہیں جن سے ان کی اس رائے کا پتہ چلتا ہے کہ یہ معراج روحانی اور رویائے صادقہ تھی، روایت کے مطابق حضرت عائشہ کے الفاظ یہ ہیں

ما فقد جسد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ولکن اسری بروحہ — آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا جسم نہیں کھویا گیا بلکہ آپ کی روح شب کو لیجائی گئی۔

حضرت معاویہ کے الفاظ یہ ہیں:۔

کانت رؤیا من اللہ صادقۃ — یہ اللہ کی طرف سے ایک سچا "رؤیا" تھا۔

یہ دونوں روایتیں بھی اس رائے کی بنیاد ہیں لیکن اس رائے کا اصل دارو مدار سورۂ بنی اسرائیل کی معراج سے متعلق اس آیت پر ہے۔

وما جعلنا الرؤیا التی اریناک الا فتنۃ للناس — ہم نے جو "رؤیا" "تمھیں دکھایا وہ دراصل ہم نے لوگوں کے لیے آزمائش بنایا ہے۔

اس آیت اور مذکورہ بالا روایات پر غور کیجیے اس میں آپ کو کہیں یہ نظر نہیں آئے گا کہ واقعہ معراج اس کیفیت میں پیش آیا جسے ہم اپنے عام عرف کے لحاظ سے عالم خواب یا نیند کی حالت سے تعبیر کرتے ہیں —— اس نقطۂ نظر کے بارے میں یہ تصور کہ اس کا حاصل یہ ہے کہ معراج کو عام انسانی نیند یا خواب میں دکھایا جانے والا ایک واقعہ قرار دیا جاتا ہے اس کے صحیح اور گہرے فہم پر مبنی نہیں ہے —— یہی وجہ ہے کہ امت کے بعض محقق اور آشنائے راز اہل علم نے ان دونوں نقطہائے نظر کے اختلاف کو محض تعبیر کا اختلاف قرار دیا ہے۔

یہاں ہمارا اشارہ خصوصیت کے ساتھ امام ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ کی طرف ہے۔ اس موضوع پر ان کی پوری گفتگو کا یہاں نقل کرنا باعث طوالت ہوگا، اس کا یہ اقتباس ملاحظہ ہو:۔

"...... یہ کہنا کہ معراج منام (حالت نیند میں) تھی اور یہ کہنا کہ بذریعہ روح کے تھی جسم کے ساتھ نہ تھی، ان دونوں میں بڑا فرق ہے، حضرت عائشہؓ اور حضرت معاویہؓ نے یہ نہیں کہا کہ وہ "منام" تھا، انھوں نے یہی کہا ہے کہ معراج میں آپ کی روح کو لے جایا گیا اور آپ کا

جسم کھویا نہیں گیا۔ ان دونوں میں بڑا فرق ہے۔ اس لیے کہ سونے والا جو کچھ دیکھتا ہے، کبھی اس کی حقیقت صرف یہ ہوتی ہے کہ جو کچھ اس کے علم و خیال میں ہوتا ہے وہی اس کو تمثیلی شکلوں میں نظر آتا ہے چنانچہ اسے نظر آتا ہے کہ وہ آسمان پر گیا، یا مکہ کرمہ یا کسی اور خطے میں اسے لے جایا گیا اگرچہ اس کی روح کہیں نہیں جاتی، صرف خواب کا فرشتہ اس کو ایک تمثیل دکھادیتا ہے۔ معراج نبوی کو ایک حقیقت ماننے والوں کے دو گروہ ہیں ایک گروہ تو یہ کہتا ہے کہ روح کے ساتھ ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بدن کو بھی معراج ہوئی۔ اور دوسرا گروہ یہ کہتا ہے کہ صرف روح کے ساتھ ہوئی ...... ان لوگوں کا یہ مقصد نہیں کہ وہ خواب تھا بلکہ یہ مقصد ہے کہ خود بذاتہ روح کو معراج ہوئی ......[1]

یہاں ہم چند کلمات قرآنی لفظ "رؤیا" کے متعلق عرض کرنا مناسب سمجھتے ہیں۔ عام طور سے اردو میں اس کا ترجمہ خواب سے کر دیا جاتا ہے۔ لیکن کیا اس سے رؤیا کے مفہوم کی پوری وضاحت ہوتی ہے؟

عربی میں خواب کے لیے دو لفظ ہیں ایک "حُلم" اور دوسرا "رؤیا"۔ حلم اس خواب کو کہتے ہیں جو محض وہم و تخیل کا نتیجہ ہو —— اور رؤیا صرف اس خواب کو کہتے ہیں جس کا تعلق عالم ارواح سے ہو، اور جس میں کچھ اشارات و معانی پنہاں ہوں۔ پہلے میں وسوسۂ شیطانی کا دخل ہوتا ہے اور دوسرے میں نہیں —— رؤیا اور حلم کا یہ فرق ان آیات سے صاف ظاہر ہوتا ہے جن میں یہ واقعہ نقل ہوا ہے کہ بادشاہ مصر نے ایک خواب دیکھا اور اپنے درباریوں سے اس کی تعبیر پوچھی

| | |
|---|---|
| یا ایھا الملأ افتونی فی رؤیای ان کنتم للرءیا تعبرون قالوا اضغاث احلام وما نحن بتاویل الاحلام بعالمین | اے درباریو! میرے اس "رؤیا" کے بارے میں رائے دو، اگر تم رؤیا کی تعبیر بیان کر سکتے ہو۔ انھوں نے خواب سنکر، کہا یہ (رؤیا نہیں) "احلام" (یعنی اوہام و خیالات) کا مجموعہ ہے۔ اور ان احلام کی تعبیر سے ہم واقف نہیں۔ |
| (سورۃ یوسف) | |

ان دونوں کے اس فرق کو سمجھنے کے لیے اس پہلو کو بھی پیش نظر رکھیے کہ انبیا علیہم السلام کے تمام مشاہدات

---

[1] یہاں طلبہ علم سے یہ گذارش کرنے کو جی چاہتا ہے کہ وہ علامہ ابن قیم کی اس پوری گفتگو کو بغور ملاحظہ فرمالیں جس سے یہ اقتباس لیا گیا ہے۔ جیسا کہ عرض کیا گیا یہاں اس کو طوالت کے باعث نقل نہیں کیا جاسکا، حوالہ کے لیے دیکھیے زاد المعاد لابن القیم ص ۳۰۴ طبعۂ اول مصر

ومکاشفات کو قرآن مجید نے رؤیا سے تعبیر کیا ہے، اور دوسرے لوگوں کے خوابوں کو حلم سے۔

سورۂ یوسف کی مذکورہ بالا آیت کے بعد سورۂ انبیاء کی یہ آیت ملاحظہ ہو جس میں کافروں کی طرف سے اس پروپیگنڈے کا ذکر کیا گیا ہے کہ نبی (علیہ الصلوٰۃ والسلام) جو کچھ کہتے ہیں اور جس دین کی دعوت دیتے ہیں وہ محض ان کے پریشان خوابوں کے اوہام وخیالات ہیں۔ "بل قالوا أضغاث أحلام"

اب وہ آیات ملاحظہ ہوں جن میں لفظ رؤیا آیا ہے۔ ان میں سے دو تو اوپر ذکر کی جا چکی ہیں ایک سورۂ یوسف کی اور دوسری سورۂ بنی اسرائیل کی جس میں معراج کو رؤیا کہا گیا ہے۔

سورۂ یوسف کی مذکورہ آیت کے علاوہ اسی سورت میں حضرت یوسف علیہ السلام کے اس خواب کا ذکر دو مرتبہ آیا ہے جس میں انھوں نے دیکھا تھا کہ ۱۱ ستارے اور شمس وقمر ان کے سامنے سجدہ ریز ہیں۔ دونوں جگہ رؤیا ہی کی تعبیر استعمال کی گئی ہے۔ وہ آیتیں یہ ہیں: (۱) لَا تَقْصُصْ رُءْيَاكَ عَلَىٰ إِخْوَتِكَ فَيَكِيدُوا لَكَ كَيْدًا ۖ آیت ۵ (۲) وَقَالَ يَا أَبَتِ هَٰذَا تَأْوِيلُ رُؤْيَايَ مِن قَبْلُ قَدْ جَعَلَهَا رَبِّي حَقًّا ۖ (آیت ۱۰۰)

سورۂ صافات میں حضرت ابراہیم علیہ السلام سے خطاب کر کے کہا گیا قَدْ صَدَّقْتَ الرُّؤْيَا (آیت ۱۰۵)

سورۃ الفتح میں فتح مکہ کے بیان کے بعد یہ فرمایا گیا ہے کہ اللہ نے اپنے رسول کو جو کچھ عالم رؤیا میں دکھایا تھا وہ اللہ نے عالم ظاہر میں پورا کر دیا۔ لَّقَدْ صَدَقَ اللَّهُ رَسُولَهُ الرُّؤْيَا بِالْحَقِّ (آیت ۲۷)

رؤیا اور حلم کے فرق کو سمجھنے کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ جامع ارشاد بہت کافی ہے۔

| | |
|---|---|
| الرؤیا من اللہ والحلم من الشیطان[۱] | رؤیا اللہ کی طرف سے ہوتا ہے اور حلم شیطان کی طرف سے |

اس سے یہ بات سمجھ میں آجاتی ہے کہ عالم رؤیا کا مشاہدہ حقیقۃً انہی لوگوں کو میسر ہو سکتا ہے جن کے ظاہر وباطن پر شیطانی اعمال وصفات اور وساوس کا اثر نہ ہو ـــــ اور جن کی روح شیطانی اثرات سے معصوم یا محفوظ ہو۔ سورۂ شعراء میں صاف بتا دیا گیا ہے کہ شیطانی اثرات کن لوگوں پر آتے ہیں۔

| | |
|---|---|
| هَلْ أُنَبِّئُكُمْ عَلَىٰ مَن تَنَزَّلُ | کیا میں تم کو بتلا دوں کہ شیاطین کن لوگوں پر |

---

[۱] ملاحظہ ہو صحیح بخاری، صحیح مسلم و ترمذی

الشَّيٰطِيْنُ ۝ تَنَزَّلُ عَلٰى كُلِّ اَفَّاكٍ اَثِيْمٍ ۝

اترتے ہیں، وہ ہر جھوٹے افترا پرداز اور گناہ پیشہ پر اترتے ہیں۔

سورہ نحل میں یہی بات یوں کہی گئی ہے

اِنَّهٗ لَيْسَ لَهٗ سُلْطٰنٌ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ۝ اِنَّمَا سُلْطٰنُهٗ عَلَى الَّذِيْنَ يَتَوَلَّوْنَهٗ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِهٖ مُشْرِكُوْنَ ۝

اس کا تسلط ان لوگوں پر نہیں ہوتا جو ایمان والے ہیں اور جو اپنے رب ہی پر اعتماد کرتے ہیں۔ اس سے مغلوب تو وہی لوگ ہوتے ہیں جو اس سے دوستی و وفاداری کا تعلق رکھتے اور اللہ کے ساتھ شرک کرتے ہیں

یہاں یہ بات بھی ملحوظ رہے کہ انسانوں میں اس اعتبار سے سب سے زیادہ بلند مقام، اور شیطانی اثرات سے کلیۃً معصوم، انبیاء کرام علیہم السلام ہوتے ہیں، ان کے قلوب کی شروع ہی سے حفاظت کی جاتی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی خاص نگرانی میں ان کی پرورش ہوتی ہے (ولتصنع علی عینی) یہی وجہ ہے کہ عالم رؤیا کے صحیح اور حقیقی مشاہدہ کی سب سے زیادہ استعداد ان میں ہوتی ہے اور اسی لیے ان کے رؤیا کو وحی قرار دیا گیا ہے اور اس کے بعد ان کے پیروؤں میں سے جن کو صفائی قلب اور شیطانی اثرات سے محفوظیت کے عالی اور صافی جس درجہ میں حاصل ہوتے ہیں ان میں اسی درجہ میں اس عالم کے مشاہدہ کی استعداد ہوتی ہے —— یہی وہ بات ہے جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لفظوں میں بیان فرمایا ہے" أصدقکم رؤیا أصدقکم حدیثاً (تم میں سب سے زیادہ سچا رؤیا دیکھنے والا وہ ہے جو سب سے زیادہ سچا اور راست گو ہے) اسی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان اہل صدق وصفا اور اہل ایمان و تقویٰ کے رویائے صالحہ کو مبشرات اور نبوت کے حصوں میں سے ایک حصہ قرار دیا ہے[1] اور اسی وجہ سے آپ سے جب صحابہ کرام نے دریافت کیا کہ ارشاد الٰہی "الذین آمنوا وکانوا یتقون لھم البشری فی الحیاۃ الدنیا وفی الآخرۃ۔ (سورۂ یونس) (جو اہل ایمان و یقین ہیں اور متقی ہیں ان کے لیے اس دنیا میں بھی بشارت ہے اور آخرت میں بھی) میں دنیاوی بشارت سے کیا مراد ہے؟ تو آپ نے فرمایا کہ وہ رویائے صالحہ ہے جو ایک مرد مسلم دیکھتا ہے[2] جامع ترمذی کتاب الرؤیا

اب راقم عرض کرتا ہے کہ جن حضرات نے معراج کو عالم رؤیا کا واقعہ قرار دیا ہے یا اسے ایک روحانی مشاہدہ

---

[1] یہ احادیث، بخاری، مسلم اور ترمذی کی کتاب الرؤیا اور کتاب التعبیر میں ملاحظہ ہوں۔

قرار دیتے ہیں، یا جو حضرات اسے بیداری کا واقعہ قرار دیتے ہیں، دراصل ان حضرات میں رائے کا اختلاف نہیں ہے بلکہ صرف تعبیر کا اختلاف ہے۔ اور یہ اختلاف نتیجہ ہے اس بات کا کہ اس دنیا میں ہم جو زبان بولتے ہیں اس کا دائرہ بس اسی دنیا کے تجربات و مشاہدات تک محدود ہے۔ اور یہ واقعہ اس مادی عالم کا نہیں بلکہ اس سے ماوراء دوسرے عالم کا ہے۔ ایسے تمام غیبی حقائق کے بارے میں قرآن مجید اور سنت نبوی کا مزاج یہی ہے کہ ان کے بارے میں ایسے الفاظ کا استعمال کیا جائے جو ان حقائق سے ممکن حد تک قریب تر ہوں۔ اور جو انسانوں کی اپنی بول چال میں کبھی نامانوس نہ ہوں۔ اگرچہ جاننے والے جانتے ہیں کہ ان الفاظ سے کبھی وہ حقائق پوری طرح آشکارا نہیں ہو سکتے۔ اور اسی لیے وہ حقیقت کے کلی علم کو اس دنیا میں انسانیت کو دیے گئے ذرائع علم کے دائرۂ قدرت سے خارج سمجھتے ہیں۔ وما أوتیتم من العلم الا قلیلاً

اس تفصیل سے ہمارا مدعا صرف یہ بتانا تھا کہ رؤیا درحقیقت عالم ارواح کے مشاہدہ کا نام ہے صرف لفظ خواب سے اس کا مفہوم ادا نہیں ہو سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سورۂ بنی اسرائیل کی مذکورہ بالا جس آیت میں معراج کو "رؤیا" کہا گیا ہے اس کی تشریح میں حضرت عبداللہ ابن عباس کا یہ قول صحیح بخاری میں منقول ہے "ھی رؤیا عین اریھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لما أسری بہ الی بیت المقدس" (یہ آنکھ کا مشاہدہ تھا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اسراء کے موقع پر دکھایا گیا) حضرت ابن عباس کا یہ ارشاد "رؤیا" کے مفہوم اور واقعہ معراج کی نوعیت کی علمی وضاحت کے لیے خصوصی اہمیت کا حامل ہے۔ (باقی)

---

ملحوظہ: یہاں اسی بات کی مزید وضاحت کے لیے ایک دلچسپ واقعہ کا ذکر مناسب لگا۔ پاکستان سے ایک جماعت امریکہ گئی، چند روز تک ایک سفر کے دوران کچھ امریکی باشندوں سے گفتگو ہوتی۔ یہ سن کر انھیں بہت تعجب ہوا کہ یہ سب لوگ اپنی جیب سے خرچ کر کے اور اپنے مشغول اوقات میں سے کچھ وقت فارغ کر کے دین کی راہ میں اتنی دور سے یہاں آئے ہیں، جماعت کے امیر نے جو ایک اعلیٰ تعلیم یافتہ صاحب اور محکمۂ تعلیم کے سینئر افسر تھے ان سے یہ کہا کہ ہمارے اوقات اور مال میں اللہ تعالیٰ برکت دیتا ہے جس کے نتیجہ میں ہم لوگ اتنے دور دور کے لمبے لمبے سفر کرتے ہیں، لیکن باوجود سمجھانے کے ان امریکیوں کی سمجھ میں جب برکت کا مفہوم نہیں آیا تو انھوں نے کہا کہ اس میں آپ کا قصور نہیں، قصور آپ کی انگریزی زبان کا ہے کہ اس میں برکت کا مفہوم ادا کرنے والا کوئی جامع لفظ نہیں، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ چونکہ آپ کے معاشرہ، آپ کے مال، آپ کی زندگی، آپ کے اوقات کسی چیز میں برکت نہیں، اور برکت کی حقیقت کا آپ کے معاشرہ کو کبھی تجربہ ہی نہیں ہوا اس لیے آپ کی زبان میں اس مفہوم کا کوئی لفظ بھی وضع نہیں کیا گیا اس لیے کہ الفاظ تو درحقیقت معانی و حقائق کے تجربہ کے بعد اور اسی کے نتیجہ میں وضع ہوتے ہیں۔

حضرت مولانا محمد منظور نعمانی

# حج بدل سے متعلق ایک استفسار

## اور اس کا جواب

اب سے قریباً دو سال پہلے کراچی (پاکستان) سے ایک صاحب کا خط آیا تھا جس میں انھوں نے اپنی والدہ مرحومہ کی حج بدل کی خواہش کا ذکر کر کے حج بدل کی شرعی نوعیت اور اہمیت کے بارہ میں سوال کیا تھا۔ راقم سطور نے اس کا جواب لکھا تھا اور خیال تھا کہ افادۂ عام کے لیے اس کو "الفرقان" میں شائع کر دیا جائے گا لیکن پھر کسی وجہ سے اس کی نوبت نہیں آئی —— آج (۱۰ رجب ۰۳ھ، ۲۳ اپریل ۸۳ء کو) وہ نظر کے سامنے آگیا، کراچی کے سوالیہ خط کی خاص نوعیت کا یہ حق سمجھا کہ اس کو جوں کا توں نقل کر دیا جائے۔ ناظرین کرام ذیل میں سوال و جواب ملاحظہ فرمائیں۔

## سوالیہ مکتوب

محترمی مکرمی جناب مولانا منظور نعمانی صاحب! السلام علیکم و رحمۃ اللہ

آپ سے ایک مسئلہ میں رائے لینی ہے امید ہے کہ آپ اپنی گوناگوں مصروفیات کے باوجود تھوڑا سا وقت نکال کر جواب سے سرفراز فرمائیں گے۔

میری والدہ جو فوت ہو چکی ہیں، ان پر حج فرض تھا لیکن ضعیفی اور بیماری کے باعث وہ یہ فریضہ ادا نہ کر سکیں انھوں نے مجھ سے کئی دفعہ ادائیگی فرض کے لیے اصرار کیا لیکن مجھے کوئی مناسب موقع نہیں مل سکا کہ ان کو بھیج سکتا۔ بڑا لڑکا ہونے کی حیثیت سے میں ہی انتظام کر سکتا تھا اور اب میں ہی اس کوتاہی کا خود کو ذمہ دار سمجھتا ہوں۔

اب میں چاہتا ہوں کہ ان کا حج بدل کرادوں۔ دریافت طلب یہ ہے کہ کیا قرآن کی رو سے حج بدل کا کوئی جواز نکلتا ہے اگر ایسا نہیں ہے تو پھر حج بدل لوگ کس بنا پر کراتے ہیں اس کا کیا جواز (AUTHORITY) ہے کیا کوئی حدیث اس قسم کی ہے براہ کرم وہ حدیث بھی تحریر فرمادیں اور یہ بھی کہ کیا یہ معتبر ترین حدیثوں میں سے ہے۔

آپ کی اپنی رائے اس معاملے میں کیا ہے یہ اس وجہ سے پوچھنا چاہتا ہوں کہ بہت سی باتیں روایتاً رائج ہیں۔ ایک شکل میری سمجھ میں یہ آتی ہے کہ اگر حج بدل کے واضح احکامات موجود نہیں ہیں تو حج بدل کے بجائے اتنی ہی رقم جتنی کہ حج بدل پر خرچ ہوتی کسی رفاہی یا مذہبی کام پر خرچ کردی جائے کسی ادارے کو دے دی جائے یا اپنے طور پر مستحقین تک پہنچادی جائے کیا یہ شکل مناسب رہے گی؟

آخر میں ایک مودبانہ گذارش ہے کہ آپ کی اس سلسلے میں جو رائے بھی ہو اسکی وجوہات ضرور ارشاد فرمادیں" تاکہ عقیدے کے ساتھ دلیل کی آمیزش سے مزید اطمینان ہو جائے۔

احقر قمر اختر
کراچی ۱۲ر جنوری ۱۹۸۱ء

## نوٹ:-

یہ خط میرے والد صاحب نے تحریر کیا تھا لیکن قدرت نے انھیں مہلت نہیں دی۔ قبل اس کے کہ یہ خط آپ کی خدمت میں روانہ کرتے انھوں نے داعی اجل کو لبیک کہا۔

اب جب کہ میں یہ خط پوسٹ کر رہا ہوں وہ اس دنیا میں نہیں ہیں۔ مگر چاہتا ہوں کہ ان کی خواہش کا احترام کرتے ہوئے مندرجہ بالا مسئلہ پر آپ کی گرانقدر رائے کی روشنی میں عمل کردوں۔

اختر ندیم
۱۴ر فروری ۱۹۸۱ء

# جواب

باسمہ سبحانہٗ

از محمد منظور نعمانی عفا اللہ عنہٗ
دفتر الفرقان۔ ۳۱ نیا گاؤں مغربی ۲۶؍۲؍۸۳ء
لکھنؤ

عزیز مکرم اختر ندیم صاحب! احسن اللہ الیکم والینا

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔ آپ کا مرسلہ ملفوف آج ہی ملا۔ پہلے آپ کے مرحوم والد ماجد کا ۱۲؍جنوری کا تحریر کردہ اخلاص نامہ پڑھا۔ آخر میں آپ کا مرقومہ ۱۴؍فروری کا نوٹ بھی پڑھا۔

اللہ تعالیٰ آپ کے والد صاحب کی اور ان کی مرحومہ والدہ صاحبہ کی پوری پوری مغفرت فرمائے اور آپ کو اور سب متعلقین کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ اور اپنی رحمتوں سے نوازے اور سب سے بڑی نعمت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے راستہ پر چلنا نصیب فرمائے۔

اللہ تعالیٰ نے یہ سعادت آپ کے لیے مقدر کی تھی کہ دادی مرحومہ کا حج بدل والد صاحب کی طرف سے آپ کرائیں ـــــ اس میں آپ کو بھی پورا اجر وثواب ملے گا اور آپ کے والد صاحب مرحوم کو بھی اور مرحومہ دادی صاحبہ کا فریضہ ادا ہو جائے گا ان کو اجر وثواب بھی ملے گا اور یقیناً اُن کی اور آپ کے والد صاحب کی رُوح کو بڑی خوشنودی حاصل ہوگی ـــــ اس دنیا سے جانے والوں کی جانے کے بعد خدمت کا راستہ یہی ہے کہ ان کی ذمہ داریوں کو ان کی طرف سے ادا کیا جائے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اس کی توفیق دے اور قبول فرمائے اور آپ کے والد صاحب اور دادی مرحومہ کی روحیں مسرور ومطمئن ہوں۔

حج بدل کا مسئلہ "رواجی" نہیں ہے ـــــ قرآن مجید میں تو دین کے بارہ میں خاصکر عبادات کے بارے میں صرف اصولی ہدایات دی گئی ہیں۔ نماز کا حکم ہے اور یہ بھی نہیں

بتلایا گیا کہ کتنے وقت کی نماز فرض ہے اور کس وقت میں کتنی رکعتیں ہیں اور یہ کہ نماز کیسے پڑھی جائے۔ ان میں سے کوئی بات بھی قرآن پاک میں نہیں ہے۔ ان تفصیلات کے لئے یہ فرما دیا گیا کہ جو کچھ ہمارے رسول بتلائیں اور حکم دیں اس کی تعمیل کرو، وہ خدا ہی کا حکم ہے۔

یہی حال سب عبادات کا ہے۔ حج کا حکم دیدیا گیا لیکن یہ نہیں بتلایا گیا کہ حج کیسے کیا جائے ؟ ــــ یہ سب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بتلایا۔

حج بدل کا مسئلہ بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بتلایا اور وہ درجہ اول کی صحیح حدیثوں میں ہے ــــ امت کے نزدیک سب سے زیادہ صحیح حدیثیں وہ ہیں جو حدیث شریف کی دوسری کتابوں کے علاوہ بخاری شریف اور مسلم شریف میں بھی ہوں ــــ میں ایسی دو حدیثوں کا ترجمہ ذیل میں لکھتا ہوں۔

(۱) صحیح بخاری شریف اور صحیح مسلم شریف دونوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا زاد بھائی حضرت عبداللہ بن عباس کی روایت سے یہ حدیث نقل کی گئی ہے، کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ میری بہن نے حج کرنے کی نذر مانی تھی، اور اس کا انتقال ہو گیا وہ حج ادا نہیں کر سکی تو کیا کیا جائے ؟ ــــ آپ نے ارشاد فرمایا کہ اگر تمہاری بہن پر کسی کا قرض ہوتا تو کیا تم وہ قرضہ ادا کرتے ؟ اُس شخص نے کہا کہ ہاں میں بہن کی طرف سے اس کا قرضہ ادا کرتا ــــ آپ نے فرمایا تو ایسے ہی بہن کی طرف سے اللہ کا قرضہ (یعنی وہ حج جس کی اُس نے نذر مانی تھی) ادا کرو۔ اللہ کے قرضہ کی زیادہ اہمیت ہے۔

---

(۲) انہی حضرت عبداللہ بن عباس سے صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں اس مسئلہ سے متعلق دوسری حدیث یہ روایت کی گئی ہے کہ

حجۃ الوداع والے سفر میں قبیلۂ خثعم کی ایک عورت نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ مسئلہ پوچھا کہ میرے والد پر حج فرض ہے اور وہ بڑھاپے کی وجہ سے اس قابل نہیں

ہیں کہ اونٹ پر سوار ہو کر سفر کر سکیں تو کیا میں ان کی طرف سے حج ادا کر سکتی ہوں ؟ آپ نے ارشاد فرمایا تم ان کی طرف سے حج ادا کرو۔

یہ دونوں حدیثیں بخاری و مسلم کے حوالہ سے مشکوٰۃ شریف صفحہ ۲۲۱ پر ہیں۔ ان حدیثوں کی بنا پر جمہور علمائے امت کا یہ مسلک ہے کہ اگر کسی شخص پر حج فرض تھا اور اس کا انتقال ہو گیا اور حج نہ کر سکا ـــــ یا ایسا بوڑھا یا مریض ہو گیا کہ وہ خود سفر کر کے حج نہیں کر سکتا تو دونوں صورتوں میں اگر ان کی طرف سے دوسرا آدمی حج بدل کرے تو ان کا فرض ادا ہو جائے گا۔

---

آپ اپنے مرحوم والد ماجد کی خواہش کے مطابق اپنی مرحومہ دادی صاحبہ کی طرف سے ضرور حج بدل کرائیں یا خود کریں ـــــ سعادتمندی کا یہی تقاضا ہے۔

---

حضورؐ کے زمانے میں مسلمان زیادہ غریب اور حاجتمند تھے اور جہاد کے سلسلہ میں روپئے پیسے کی زیادہ ضرورت تھی لیکن آپ نے حج بدل کے لیے فرمایا یہ نہیں فرمایا کہ اس رقم سے مسلمانوں کی یا اسلام کی مدد کرو ـــــ اسلام اور مسلمانوں کے ہم اللہ و رسول سے زیادہ خیر خواہ نہیں ہیں۔ والسلام

محمد منظور نعمانی

---

(بقیہ نگاہ اولیں) رات کو آپ کی تقریر بھی ہوئی تھی، میں بھی سامعین و حاضرین میں تھا، لیکن چونکہ میں ایک ادنیٰ طالب علم تھا اس لیے آپ سے ملاقات کی جرأت نہ کر سکا۔

اس عاجز کو ان کے خط میں پڑھ کر بیحد افسوس بلکہ صدمہ ہوا حقیقت یہ ہے کہ انھوں نے اللہ کے راستہ میں جو تکلیفیں اٹھائیں جو قربانیاں دیں ان کی وجہ سے، وہ اس کے مستحق تھے کہ ان سے ملاقات اور دعا کی درخواست کے لیے میں خود سفر کر کے اُن کے پاس جاتا۔

اُن کے اس گرامی نامہ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حضرت مولانا حسین علی شاہ صاحب علیہ الرحمہ سے بیعت کا شرف بھی ان کو حاصل ہے۔ شوال ۱۳۹۴ھ (اگست ۱۹۷۴ء) کے الفرقان میں "تحدیث نعمت" کے سلسلہ میں حضرت مولانا کا تذکرہ راقم سطور کے قلم سے شائع ہوا تھا۔ وہ حضرت گنگوہی کے شاگرد اور اپنے دور کے کبار اولیاء میں تھے۔ فتعنا اللہ ببرکاتھم

ممالک غیر سے
بحری ڈاک سے ۳ پونڈ
ہوائی ڈاک سے ۶ پونڈ
اس شمارہ کی قیمت ہندوستان میں
-/۴

# ماہنامہ الفرقان لکھنؤ

چندہ سالانہ
ہندوستان میں -/۲۰
پاکستان سے پاکستانی سکہ میں -/۵۰
بنگلادیش سے ہندوستانی سکہ میں
-/۲۲

جلد (۵۱) بابت شعبان و رمضان المبارک ۱۴۰۳ھ مطابق جون جولائی ۱۹۸۳ء شمارہ (۶-۷)




## اگر اس دائرہ میں سُرخ نشان ہے تو

اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ کی مدت خریداری ختم ہو گئی ہے۔ براہ کرم آئندہ کے لیے چندہ ارسال کریں یا خریداری کا ارادہ نہ ہو تو مطلع فرمائیں۔ چندہ یا دوسری اطلاع مہینے کے آخر تک آجانا چاہیے

**نمبر خریداری:** براہ کرم خط و کتابت کرتے وقت اور منی آرڈر کوپن پر اپنا خریداری نمبر ضرور لکھ دیا کریں جو پتہ کی چٹ پر لکھا ہوتا ہے۔

**تاریخ اشاعت:** الفرقان ہر انگریزی مہینے کے پہلے ہفتہ میں روانہ کر دیا جاتا ہے اگر مہینے کے آخر تک کسی صاحب کو پرچہ نہ ملے تو فوراً مطلع فرمائیں۔ انکی اطلاع اگلے ماہ کی ۵ تاریخ تک آجانا چاہیے اس کے بعد رسالہ کی ذمہ داری دفتر پر نہ ہوگی۔

**پاکستان کے خریدار حضرات** مبلغ ۲۰ روپے ہندوستانی سکہ میں کسی بھی ذریعہ سے دفتر الفرقان لکھنؤ کو روانہ فرمائیں یا پاکستانی سکہ میں ۵۰ روپے ناظم ادارہ اصلاح و تبلیغ آسٹریلین بلڈنگ لاہور کو بھیج دیں


محمد حسان نعمانی پرنٹر و پبلشر نے تنویر پریس میں چھپوا کر دفتر الفرقان ۳۱ نیا گاؤں مغربی لکھنؤ سے شائع کیا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

# نگاہِ اولیں

محمد منظور نعمانی

حال ہی میں پاکستان کے ایک صاحب کا خط آیا ہے جو وہاں کے ایک نقشبندی سلسلہ صاحبِ ارشاد بزرگ سے بعیت کا تعلق رکھتے ہیں، یہ بزرگ الحمد للہ اہل السنہ اور اہل حق میں سے ہیں، اور سلسلہ نقشبندیہ مجددیہ کی ایک عظیم و معروف خانقاہ کے صاحبِ سجادہ ہیں۔

خط لکھنے والے صاحب نے لکھا ہے کہ ہمارے حضرت مرشد اپنے مریدین کو تبلیغی کام میں شرکت سے منع فرماتے ہیں۔ حالانکہ مجھے خود اس سے بہت دینی نفع پہنچا ہے، اور میں دیکھتا ہوں کہ سیکڑوں ہزاروں آدمی جن کو کلمہ تک نہیں آتا تھا، دین سے کوئی تعلق نہیں تھا، آخرت کی طرف سے بالکل بے فکر اور بے پروا تھے، اس تبلیغی کام کے تعلق سے اور جماعتوں کے ساتھ وقت لگانے سے ان میں دین کی اور آخرت کی فکر آگئی، وہ نماز اور دیگر فرائض کے پابند ہوگئے اور دوسرے لوگوں کو بھی دیندار بنانے کے لیے محنت کرنے لگے۔ لیکن ہمارے حضرت مرشد صاحب تبلیغی کام سے واقف نہیں ہیں اس لیے اپنے لوگوں کو منع فرماتے ہیں۔

آگے خط لکھنے والے ان صاحب نے لکھا ہے کہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ ہمارے حضرت مرشد صاحب آپ سے (ناچیز محمد منظور نعمانی سے) بہت تعلق بلکہ عقیدت رکھتے ہیں، اس لیے میں آپ سے عرض کرتا ہوں کہ آپ ہمارے حضرت کو اس بارے میں خط لکھیں ــــــــ

(پاکستان سے آئے ہوئے طویل خط کا یہ حاصل ہے جو اوپر کی سطروں میں عرض کیا گیا ہے)

اس عاجز راقم سطور نے اُن بزرگ کی خدمت میں کچھ لکھنے کے بجائے یہ مناسب سمجھا کہ

اس سلسلے میں چند باتیں تبلیغی کام سے تعلق رکھنے والے ایسے حضرات کی خدمت میں عرض کروں جن کو اس طرح کے حالات سے سابقہ پڑتا ہے اور پھر ناواقفی کی وجہ سے ان حضرات مشائخ کے بارے میں اُن کے دلوں میں طرح طرح کے خیالات اور سوالات پیدا ہوتے ہیں۔

اس عاجز کو ذاتی طور پر بھی اس کا علم اور تجربہ ہے کہ اہل حق میں سے بھی بہت سے اصحاب ارشاد و مشائخ کا (جو ہمارے بشری علم و اندازہ میں اہل اللہ میں سے ہیں) یہی حال ہے جو خط لکھنے والے ان صاحب نے اپنے شیخ و مرشد کا لکھا ہے۔ اور واقعہ یہ ہے کہ اس بارے میں وہ حضرات معذور ہیں بلکہ یہ اُن کے اخلاص اور احساس ذمہ داری کی دلیل اور علامت ہے۔

ان حضرات کو دین کی یہ عظیم دولت (نسبت مع اللہ، تزکیہ نفس اور آخرت کی ہمہ وقتی فکر، اور قرآن و حدیث کی زبان میں تقویٰ اور احسانی کیفیت) اپنے مرشدین کی رہنمائی میں ایک خاص طریقہ پر محنت و مجاہدہ سے حاصل ہوئی ہے، اس طریقہ میں بالخصوص تربیت کے دوران کثرت ذکر و مراقبہ کے علاوہ، خلوت، قلّتِ کلام اور قلّتِ اختلاط مع الانام کی خاص طور سے تاکید کی جاتی۔ اس طریقہ سلوک کی نافعیت کا ان حضرات کو ذاتی تجربہ ہے اور تاریخ کی روشنی میں ان کو یہ بھی معلوم ہے کہ گزشتہ ہزار سال سے زیادہ کی مدت میں لاکھوں کروڑوں بندگان خدا نے اس راستہ پر چل کر یہ نعمت عظمیٰ حاصل کی ہے۔ اس لیے جو لوگ طالب بن کر ان کے پاس آتے ہیں وہ ان کی اسی راستہ کی طرف رہنمائی فرماتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ یہ بھی اس راستہ پر چل کر یہ سعادت حاصل کریں —— اور تبلیغی کام کی اصل حقیقت اور نوعیت سے وہ حضرات واقف نہیں ہیں، اپنے خیال اور اندازے سے وہ اس کو بھی اسی طرح کی ایک عوامی اور سطحی تحریک سمجھتے ہیں جس طرح کی تحریکیں عام مسلمانوں میں وقتی تقاضوں سے مختلف ناموں اور عنوانوں سے شروع ہوتی اور ختم ہوتی رہتی ہیں اور کچھ باتیں ان کو ایسی بھی پہنچتی ہیں جو اُن کے نزدیک قابل اعتراض ہیں۔ اس لیے وہ اُس کے بارہ میں مطمئن نہیں ہیں۔ بدیں وجہ اپنے اہل تعلق کو اس سے منع فرماتے ہیں۔ اگر ان کو تبلیغی کام کی حقیقت معلوم ہو جائے تو ان شاء اللہ ان کا رویہ بدل جائے گا۔

---

اسی کے ساتھ یہ بات سمجھنی بھی ضروری ہے کہ تبلیغی کام کا نظام اور طریقہ کار چونکہ رائج الوقت تحریکوں اور درسگاہوں اور خانقاہوں کے بھی طور طریقوں سے بالکل مختلف ہے اس میں نہ تنظیم ہے، نہ مرتب قواعد و ضوابط ہیں، نہ کوئی دستور العمل ہے نہ نشر و اشاعت کا کوئی سلسلہ ہے۔ بس عمل ہی عمل ہے اور وہ بھی غیر رواجی، اس لیے اس کی حقیقت جاننے اور سمجھنے کی صورت صرف یہ ہے کہ اس کام کو صحیح طور پر کرنے والوں کے ساتھ لگ کر کام کرے۔ راقم سطور اس سلسلہ میں خود اپنا واقعہ عرض کرتا ہے۔

جہاں تک یاد ہے حضرت مولانا محمد الیاسؒ کا نام تو دارالعلوم دیوبند کی طالب علمی کے زمانے ہی سے سنا تھا۔ اور یہ بھی سنتا رہا کہ وہ جاہل عوام میں کلمہ اور نماز کی تبلیغ کا کوئی کام کرتے ہیں ــــ دہلی میں حضرت مولانا کو بار بار دیکھا بھی تھا، ایک دفعہ بیان سننے کا بھی اتفاق ہوا تھا۔ لیکن قلب میں مولانا کی کوئی خاص عظمت نہیں تھی اور اُن کے اس تبلیغی کام کی حقیقت سے واقف نہیں تھا اور اس ناواقفیت کا کوئی شعور و احساس بھی نہیں تھا، میرا خیال ہے کہ اگر اُس وقت کوئی مجھ سے کہتا کہ تم تبلیغی کام کو جاننے سمجھنے کے لیے جماعت کے ساتھ وقت لگاؤ اور عملاً شریک ہو کر دیکھو، اس کے بغیر تم اس کو نہیں سمجھ سکتے! تو مجھے اس پر غصہ آتا! مگر ذاتی تجربہ نے بتلا دیا کہ بات ایسی ہی ہے۔ بہت سے عملی کام ہوتے ہیں، جن کے سمجھنے کے لیے صرف سننا یا پڑھنا کافی نہیں ہوتا ان کا پورا ادراک عمل اور تجربہ ہی سے ہوتا ہے۔ بلاشبہ اس تبلیغی کام کا حال بھی یہی ہے۔

میں اپنا جو واقعہ اور تجربہ ذکر کرنا چاہتا ہوں وہ "ملفوظات حضرت مولانا محمد الیاسؒ" کے دیباچہ میں کسی قدر تفصیل سے لکھ چکا ہوں، یہاں مختصراً عرض کرتا ہوں۔

سنہ ۱۳۶۲ھ میں جبکہ میری عمر چالیس کے قریب پہنچ چکی تھی ایک خاص واقعہ کے نتیجہ میں میرے دل میں حضرت مولانا محمد الیاسؒ کی غیر معمولی عظمت پیدا ہو گئی اور میں ان کو اللہ تعالیٰ کے خاص الخاص مقبول بندوں میں سمجھنے لگا (اگرچہ ان کے تبلیغی کام کی حقیقت سے میں اُس وقت بھی واقف نہیں تھا) انہی دنوں میں مجھے معلوم ہوا کہ حضرت مولانا سخت علیل ہیں علالت تشویشناک اور حالت خطرناک ہے میں نے صرف زیارت و عیادت کی

ینت سے دہلی کا سفر کیا، رات کو دیر سے مولانا کے مستقر بستی حضرت نظام الدین کی بنگلہ والی مسجد پہنچا، اور ارادہ کیا کہ انشاء اللہ صبح کو حضرت کی خدمت میں حاضر ہوں گا' تاکہ اس وقت کی میری حاضری موجب زحمت نہ ہو ـــــ لیکن حضرت مولانا کو کسی طرح میری اطلاع ہو گئی، اُسی وقت بلوالیا۔ وہ اس وقت انتہائی ضعف و نقاہت کی حالت میں بستر علالت پر تھے، میں نے مصافحہ کرنا چاہا۔ مولانا نے بجائے مصافحہ کے میرے دونوں ہاتھ پکڑ لیے اور بغیر کسی تمہید کے اصرار فرمایا کہ وعدہ کرو اس دینی کام کے لیے وقت دو گے! میں نے اُس وقت صرف مولانا کی تطییب خاطر کے خیال سے عرض کیا کہ جب آپ فرمائیں گے انشاء اللہ حاضر ہو جاؤں گا ـــــ اس کے بعد مولانا اپنے کام کے سلسلہ میں کچھ فرماتے رہے جس سے اندازہ ہوا کہ اُن کے نزدیک اس کام کی بڑی اہمیت ہے اور وہ اُس سے بہت مختلف اور وسیع و عمیق ہے جو اب تک میں سمجھتا رہا تھا۔ صبح بعد نماز فجر پھر حاضر ہوا تو مولانا نے فرمایا کہ اس وقت آپ چلے جائیں، مجھے امید ہے کہ اس مرض سے انشاء اللہ مجھے صحت ہو جائے گی ـــــ اس کے بعد جب میرا جماعت کے ساتھ کوئی سفر ہو گا تو میں اطلاع دوں گا اس وقت آجانا!

میں بریلی واپس آگیا جہاں اس زمانہ میں میرا قیام تھا۔ کچھ مدت کے بعد اطلاع آئی کہ جماعت لکھنؤ میں کام کرنے کے لیے دہلی سے جا رہی ہے خود حضرت مولانا بھی تشریف لیجائیں گے۔ اس عاجز نے بھی اس موقع پر لکھنؤ پہنچنے کا پروگرام بنالیا ـــــ دہلی کے تاجروں اور میواتیوں کی بہت بڑی جماعت تھی، جو لکھنؤ پہلے آگئی تھی، مولانا بھی تشریف لے آئے، جماعت اور حضرت مولانا کا قیام دارالعلوم ندوہ میں تھا۔ ایک ہفتہ یہ عاجز حضرت مولانا کے ساتھ رہا، اور جماعت کے کام کو دیکھتا اور حسب توفیق شرکت بھی کرتا رہا۔ اُس وقت معلوم ہوا کہ ناواقفی کی وجہ سے میں جس کام کو جاہل عوام میں صرف کلمہ اور نماز کی تبلیغ کا کام سمجھتا تھا وہ مسلمانوں میں صحیح اسلامی زندگی پیدا کرنے اور عام کرنے کی کیسی وسیع و عمیق دعوت اور جدوجہد ہے ـــــ بہرحال عرض یہ کرنا تھا کہ اس عاجز نے بھی اس تبلیغی کام کی حقیقت اور نافعیت کو کسی درجہ میں عملی شرکت کے بعد ہی سمجھا۔

غالباً یہ محض حسن اتفاق اور من جانب اللہ لطیفہ غیبی ہی تھا کہ جس دن حضرت مولانا محمد الیاسؒ لکھنؤ تشریف لائے اس سے ایک دن پہلے حضرت مولانا سید سلیمان ندویؒ بھی تشریف لے آئے تھے اور دار العلوم کے مہمان خانہ میں حضرت مولانا کے ساتھ ہی قریباً ایک ہفتہ قیام رہا، اور میرا خیال ہے کہ میری طرح اُن کے لیے بھی جماعت کے کام کو اتنی تفصیل سے دیکھنے اور اُس کے سلسلہ میں خود اُس کے داعی حضرت مولانا محمد الیاسؒ کے ارشادات مسلسل سننے اور اُن کے درد و اضطراب کو دیکھنے کا یہ پہلا موقع تھا۔

اس ایک ہفتہ میں جماعت کے اس کام کے سلسلہ میں لکھنؤ شہر میں متعدد اجتماعات بھی ہوئے بعض اجتماعات میں حضرت سید صاحب نے بھی تقریر فرمائی اور کام کے بارہ میں اپنے تاثرات بیان فرماتے ہوئے قوت کے ساتھ اس کی دعوت دی۔ اس سلسلہ کی ان کی ایک بات خاص طور سے یاد ہے اور قابل ذکر ہے۔ فرمایا :- میں کئی دن سے برابر اس جماعت کے کام کو دیکھ رہا ہوں۔ میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ جن لوگوں میں دین کی کچھ طلب اور آخرت کی کسی درجہ کی فکر ہے، ان کے لیے تو کچھ نہ کچھ ہو رہا تھا اور ہو رہا ہے۔ علم دین کے طالبوں کے لیے مدارس ہیں۔ تزکیۂ نفس اور اصلاح اور تعلق باللہ کے خواہشمندوں کے لیے خانقاہیں ہیں اور اصحاب ارشاد مشائخ ہیں، ان کے علاوہ وعظ کی مجلسیں بھی ہوتی ہیں، مگر ان سے فائدہ اُٹھانے کے لیے صرف وہی لوگ آتے ہیں جن میں دین کی کچھ فکر اور طلب ہے، لیکن آج اس امت میں بہت بڑی تعداد ایسے لوگوں کی ہے جن میں دین کی کوئی طلب اور آخرت کی کوئی فکر نہیں ہے۔ اُن کے لیے کوئی کام نہیں ہو رہا تھا حالانکہ امت میں ایسے لوگوں کی تعداد اہل طلب کے مقابلہ میں اب بہت زیادہ ہے ـــــ میں نے یہ سمجھا ہے کہ یہ جماعت خاص طور سے اس ضروری کام کے لیے کھڑی کی گئی ہے کہ امت کے جو طبقے دین اور آخرت کی طرف سے غافل اور بے فکر ہیں اُن کے پاس خود پہنچکر اُن میں طلب اور فکر پیدا کرنے کی کوشش کی جائے اور اپنے ساتھ لیکر ان کی تعلیم و تربیت کا بھی کچھ بندوبست کیا جائے۔

اسی سلسلۂ کلام میں حضرت سید صاحب نے یہ بھی فرمایا کہ بو علی سینا اور حکیم جالینوس جیسے حکما کے جانشینوں، طبیبوں، ڈاکٹروں کے لیے یہ طرز عمل درست ہو سکتا ہے کہ وہ

صرف اُن مریضوں کا علاج کریں جو علاج کے طالب بنکر اُن کے پاس آئیں، اور جو اُن کے پاس نہ آئیں وہ اُن سے سروکار نہ رکھیں، لیکن انبیاء علیہم السلام کے نائبوں اور جانشینوں کے لیے یہ زیبا نہیں ہے۔ حضرات انبیاء علیہم السلام تو خود طالب اور داعی بنکر اُن لوگوں کے پاس جاتے تھے جن کے دل طلب اور فکر سے خالی تھے۔ اُن کے جانشینوں کا رویہ بھی یہی ہونا چاہیے۔

جیسا کہ میں نے عرض کیا حضرت سید صاحب کے اِن احساسات اور رجحانات کا خاص سبب یہی تھا کہ قریبًا ایک ہفتہ مسلسل انھوں نے اس تبلیغی کام کو اور اس کے کرنے والوں کے شب و روز کے مشاغل و معمولات کو دیکھا تھا اور اس کام کے داعی حضرت مولانا محمد الیاسؒ کے حال کو دیکھ کر اور قال کو سنکر اس کی حقیقت کو سمجھا تھا ——— پھر اسی کا نتیجہ تھا کہ جبتک اُن کا قیام بھوپال میں ریاست کے قاضی القضاۃ کی حیثیت سے رہا وہ وہاں تبلیغی کام کرنے والوں کی سرپرستی فرماتے رہے اُس کے بعد جب پاکستان تشریف لے گئے تو وہاں کے اس کام کے کرنے والے دوستوں نے بتلایا کہ ہمارے چھوٹے سے چھوٹے اجتماعات میں بھی حضرت سید صاحب تشریف لاتے سرپرستی فرماتے اور ہمارے عرض کرنے پر بیان اور نصیحتیں بھی فرماتے تھے۔ رفیق محترم مولانا سید ابو الحسن علی ندوی کی تصنیف "حضرت مولانا محمد الیاس اور اُن کی دینی دعوت" پر حضرت سید صاحب نے جو مقدمہ لکھا ہے اس سے بھی سمجھا جاسکتا ہے کہ اس تبلیغی کام کی وسعت اور گہرائی کو انھوں نے کیسا سمجھا تھا اور وہ اس کے بارہ میں کس قدر مطمئن اور منشرح تھے۔

---

بات بہت طویل ہوگئی۔ عرض کرنا صرف یہ تھا کہ اس تبلیغی کام کی نوعیت ایسی ہے کہ اس کو دیکھ کر اور اس کے کرنے والوں کے ساتھ عمل میں شریک ہو کر ہی اس کی حقیقت کو سمجھا جاسکتا ہے اس کے بغیر نہیں۔ اور اکثر اصحاب ارشاد و مشائخ اور اکابر علماء کا حال یہ ہے کہ اُن کے لیے اس کا موقع کبھی نہیں آتا۔

حضرت مولانا محمد الیاسؒ جماعت کے لوگوں کو تاکید فرماتے تھے کہ وہ حضرات مشائخ

اور علمائے کرام کی خدمت میں صرف دعا کی درخواست اور حصولِ برکت وسعادت اور استفادے ہی کی نیت سے جائیں، اُن حضرات کے سامنے اپنی طرف سے دعوت کی بات بالکل نہ کریں ——— فرمایا کرتے تھے کہ وہ حضرات جن کاموں میں مشغول ہیں وہ اعلیٰ درجہ کے دینی کام ہیں، اس لیے تمھارے دلوں میں ان کی عظمت ہی ہونی چاہیے ——— ہاں اُن کے قرب و جوار کے علاقوں میں، اصول کی پابندی اور اخلاص کے ساتھ اللہ کے بندوں پر دین کے لیے محنت کرو، اور ذکر و دعا کا خاص طور سے اہتمام کرو۔ انشاء اللہ ان حضرات تک اس کی اطلاعات پہنچیں گی اور اس کے نتائج اور ثمرات اُن کے علم میں آئیں گے، تو اُن کے دلوں میں کام سے محبت اور کام کرنے والوں کے لیے شفقت پیدا ہوگی۔

اس سلسلہ میں یہ بات بھی قابلِ ذکر ہے کہ حضرت مولانا محمد الیاسؒ تاکید فرماتے تھے کہ اس کام کے کرنے والے کسی کو اپنا حریف اور مقابل نہ بنائیں، نہ سمجھیں، اگر کسی طرف سے مخالفت اور اعتراض ہو تو جواب دینے کے پیچھے نہ پڑیں بس اللہ تعالیٰ سے دعا کریں۔

ایک بات یہ بھی بار بار تجربہ میں آئی ہے کہ ایسے مخلص مشائخ و علمائے کرام جنکو عدم واقفیت کی وجہ سے یا تبلیغی کام کرنے والے بعض لوگوں کی غلطیوں کی وجہ سے اس کام کے بارہ میں بے اطمینانی ہو اگر ان کی خدمت میں، اس کام سے تعلق رکھنے والے ایسے لوگ زیارت اور حصولِ سعادت کی نیت سے حاضر ہوتے رہیں جنھوں نے صرف کالجوں یونیورسٹیوں میں تعلیم پائی ہے اور اس کام کے تعلق سے ان کو دین نصیب ہوا ہے تو ان کی زندگیوں میں اس کام کے اثر کو دیکھ کر اُن حضرات کی رائے اچھی ہو جاتی ہے۔

اپنے ہی حلقہ کے ایک بہت معروف اور بلند پایہ صاحبِ ارشاد بزرگ کے متعلق معلوم ہے کہ پہلے ان کو تبلیغی کام کے بارہ میں بہت بے اطمینانی بلکہ بعد تھا، لیکن اس کام سے تعلق رکھنے والے ایسے بہت سے حضرات مختلف اوقات میں ان کی خدمت میں حاضر ہوتے رہے جنکی زندگیاں کالجوں یونیورسٹیوں ہی میں گزری تھیں پھر اس کام کے تعلق سے ان میں غیر معمولی تبدیلی آئی اور کایا پلٹ ہو گئی تو ان بزرگ کے قلب میں کام کی اور کام کرنے والوں کی قدر پیدا ہو گئی ——— پھر حسنِ اتفاق سے وہ بزرگ علی گڑھ تشریف لے گئے اور کچھ

مدت وہاں قیام رہا، وہاں مسلم یونیورسٹی میں انھوں نے ایسے لوگ بڑی تعداد میں دیکھے جو اُن کی مجالس میں کبھی حصول سعادت اور دینی استفادہ ہی کے لیے حاضر ہوتے تھے، تو وہ بزرگ بہت ہی متاثر ہوئے اور تبلیغی کام اور اس کے کرنے والوں کے بارہ میں رائے میں جو تبدیلی آنی چاہیے تھی وہ آئی، اور ایک موقع پر ان تبلیغی کام کرنے والوں سے فرمایا کہ ہم تو صرف ان کی خدمت کرتے ہیں جو طالب بنکر ہمارے پاس آتے ہیں۔ آپ لوگ دہرا کام کرتے ہیں، بے طلبوں میں طلب پیدا کرتے ہیں پھر اُن کی تعلیم و تربیت کی بھی فکر کرتے ہیں۔

اپنے ہی حلقہ اور سلسلہ کے ایک اور معروف صاحب ارشاد شیخ کا یہ واقعہ راقم سطور کے علم میں ہے کہ ان کو بھی تبلیغی کام کے بارے میں انشراح نہیں تھا، ایک دفعہ اس کام کے کرنے والوں کی جماعت ان کی خدمت میں زیارت اور دعا کی درخواست ہی کے لیے حاضر ہوئی۔ اُن بزرگ نے جماعت کے امیر سے دریافت فرمایا کہ آپ لوگ جو برابر دورے کرتے اور گھومتے پھرتے ہیں تو کیا کام کرتے ہیں؟ —— امیر نے عرض کیا کہ حضرت! جب جماعت کو روانہ کیا جاتا ہے تو اس کو کچھ ہدایتیں دی جاتی ہیں۔ ہم کوشش کرتے ہیں کہ ان ہدایتوں کے مطابق وقت گزاریں اور کام کریں۔ ساتھ ہی امیر صاحب نے عرض کیا کہ میں نے وہ ہدایتیں نوٹ کرلی ہیں اگر ارشاد فرمائیں تو حضرت کی خدمت میں عرض کردوں! —— اُن بزرگ نے فرمایا ہاں بھئی بتلاؤ —— امیر صاحب نے اپنی نوٹ بک سے وہ ہدایتیں بیان کرنی شروع کیں، ہدایتوں کا ابھی انھوں نے نصف ہی حصہ سنایا ہوگا کہ ان بزرگ نے ارشاد فرمایا کہ بھئی اگر ان پر عمل کرے گا تو قطب ہوجائے گا۔

واقعہ یہ ہے کہ جماعتوں کی روانگی کے وقت جو ہدایتیں ان کو دی جاتی ہیں اُن میں پورا دین آجاتا ہے اور اگر ان کی پوری پابندی نصیب ہوجائے تو آدمی اسلامی زندگی کا صحیح نمونہ بن جائے۔

اس عاجز کے نزدیک اس کام کے سلسلہ کی سب سے بڑی ضرورت یہ ہے کہ ہدایتوں کے ذہن نشین کرانے کا زیادہ سے زیادہ اہتمام ہو اور جماعتوں میں ان کی پابندی کی فکر ہو۔ اگر یہ کام کما حقہ ہونے لگے تو جو لوگ ایک چلہ بھی جماعت کے ساتھ گزاریں گے انشاء اللہ ان کی زندگیوں میں ایسی تبدیلی آئے گی جو کام کی نافعیت کے بارہ میں ہر دیکھنے والے کو مطمئن کرے گی —— اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرمائے۔

# ماہ رمضان

## روزہ کی حکمت۔ فضائل و آداب

[حضرت والد ماجد مدظلہ کی مختلف تصانیف سے یہ مضمون ناچیز مدیر الفرقان نے مرتب کیا ہے۔ سجاد]

**روزہ کی حکمت** اللہ تعالیٰ نے انسان کو روحانیت اور حیوانیت کا یا دوسرے الفاظ میں کہیے کہ ملکوتیت اور بہیمیت کا نسخہ جامعہ بنایا ہے، اس کی طبیعت اور جبلت میں وہ سارے مادی اور سفلی تقاضے بھی ہیں جو دوسرے حیوانوں میں ہوتے ہیں، اور اسی کے ساتھ اس کی فطرت میں روحانیت اور ملکوتیت کا وہ نورانی جوہر بھی ہے جو ملاء اعلیٰ کی لطیف مخلوق فرشتوں کی خاص دولت ہے۔ انسان کی سعادت کا دارومدار اس پر ہے کہ اس کا یہ روحانی اور ملکوتی عنصر بہیمی اور حیوانی عنصر پر غالب اور حاوی رہے اور اس کو حدود کا پابند رکھے، اور یہ تب ہی ممکن ہے جبکہ بہیمی پہلو روحانی اور ملکوتی پہلو کی فرمانبرداری اور اطاعت شعاری کا عادی ہو جائے اور اس کے مقابلے میں سرکشی نہ کر سکے ـــــ روزہ کی ریاضت کا خاص مقصد و موضوع یہی ہے کہ اس کے ذریعے انسان کی حیوانیت اور بہیمیت کو اللہ تعالیٰ کے احکام کی پابندی اور ایمانی و روحانی تقاضوں کی تابعداری و فرمانبرداری کا خوگر بنایا جائے اور چونکہ یہ چیز نبوت اور شریعت کے خاص مقاصد میں سے ہے اس لیے پہلی تمام شریعتوں میں بھی روزہ کا حکم رہا ہے۔ قرآن مجید میں اس امت کو روزے کا حکم دیتے ہوئے فرمایا گیا ہے ـــــ

| | |
|---|---|
| يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ | اے ایمان والو! تم پر روزے فرض کیے گئے جس طرح تم سے پہلی امتوں پر بھی |

عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ۝ (البقرۃ۔ ع ۲۳)

فرض کیے گئے تھے (روزوں کا یہ حکم تم کو اس لیے دیا گیا ہے) تاکہ تم میں تقویٰ پیدا ہو۔

بہرحال روزہ چونکہ انسان کی قوت بہیمی کو اس کی ملکوتی اور روحانی قوت کے تابع رکھنے اور اللہ کے احکام کے مقابلہ میں نفس کی خواہشات اور پیٹ اور شہوت کے تقاضوں کو دبانے کی عادت ڈالنے کا خاص ذریعہ اور وسیلہ ہے، اس لیے اگلی امتوں کو بھی اس کا حکم دیا گیا تھا۔ اگرچہ روزوں کی مدت اور بعض دوسرے تفصیلی احکام میں ان امتوں کے خاص حالات اور ضروریات کے لحاظ سے کچھ فرق بھی تھا ——— اس آخری امت کے لیے جس کا دور دنیا کے آخری دن تک ہے سال میں ایک مہینے کے روزے فرض کیے گئے ہیں اور روزے کا وقت طلوع سحر سے غروب آفتاب تک رکھا گیا ہے۔ اور بلاشبہ یہ مدت اور یہ وقت مذکورہ بالا مقصد کے لیے اس دور کے واسطے مناسب ترین اور نہایت معتدل مدت اور وقت ہے، اس سے کم میں ریاضت اور نفس کی تربیت کا مقصد حاصل نہیں ہوتا، اور اگر اس سے زیادہ رکھا جاتا مثلاً روزے میں دن کے ساتھ رات بھی شامل کر دی جاتی، اور بس سحر کے وقت کھانے پینے کی اجازت ہوتی، یا سال میں دو چار مہینے مسلسل روزے رکھنے کا حکم ہوتا، تو انسانوں کی اکثریت کے لیے ناقابلِ برداشت اور صحتوں کے لیے مضر ہوتا ——— بہرحال طلوع سحر سے غروب آفتاب تک کا وقت اور سال میں ایک مہینے کی مدت اس دور کے عام انسانوں کے حالات کے لحاظ سے ریاضت و تربیت کے مقصد کے لیے بالکل مناسب اور معتدل ہے۔

پھر اس کے لیے مہینہ وہ مقرر کیا گیا ہے جس میں قرآن مجید کا نزول ہوا، اور جس میں بے حساب برکتوں اور رحمتوں والی رات (لیلۃ القدر) ہوتی ہے۔ ظاہر ہے کہ یہی مبارک مہینہ اس کے لیے سب سے زیادہ موزوں اور مناسب ہو سکتا تھا ——— پھر اس مہینے میں دن کے روزوں کے علاوہ رات میں بھی ایک خاص عبادت کا عمومی اور اجتماعی نظام قائم کیا گیا ہے جو تراویح کی شکل میں امت میں رائج ہے ——— دن کے روزوں کے ساتھ

رات کی تراویح کی برکات مل جانے سے اس مبارک مہینے کی نورانیت اور تاثیر میں وہ اضافہ ہو جاتا ہے جس کو اپنے اپنے ادراک و احساس کے مطابق ہر وہ بندہ محسوس کرتا ہے جو ان باتوں سے کچھ بھی تعلق اور مناسبت رکھتا ہے۔

**ماہِ رمضان کی عظمت** شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِي أُنْزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ۔ اس مبارک مہینہ کی سب سے بڑی اور اصولی فضیلت تو وہی ہے جس کا ذکر قرآن پاک میں کیا گیا ہے یعنی یہ کہ اس میں اللہ کا مقدس کلام اور آخری پیغام نازل ہوا جس نے ہمیشہ کے لیے نجات کی راہ اور حق کے راستہ کو روشن کر دیا اور جس کے ذریعہ لوگوں پر سعادت کے دروازے کھول دیے گئے "شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِي أُنْزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنَاتٍ مِّنَ الْهُدَىٰ وَالْفُرْقَانِ ۚ"

فی الحقیقت جس موسم اور جس مہینے میں اللہ پاک کا اتنا بڑا لطف و کرم اپنے بندوں پر ہوا ہو اس سے زیادہ معظم اور محترم مہینہ اور ہو بھی کون سکتا ہے کسی عاشق مزاج سے پوچھیے کہ بتلاؤ کون دن اور کون زمانہ سب سے بہتر ہے وہ اگر جذباتِ عشق کا سچا سرمایہ دار ہوگا تو یہی کہے گا کہ جس دن اور جس زمانہ میں محبوب کی نظرِ کرم میری طرف متوجہ ہو اور وہ مجھے مثلاً اپنی دید یا ہم کلامی کا شرف بخشے یا مقامِ قرب ہی سے نوازے

خوشا وقتے و خرم روزگارے
کہ یارے برخورد از وصلِ یارے

علیٰ ہذا اگر آپ اس سے پوچھیں کہ بتلاؤ کون سی بستی اور کون سا شہر سب سے اچھا ہے؟ تو وہ یہی جواب دے گا کہ جہاں میرا محبوب بستا ہے۔ عارف رومی نے کہا ہے ؎

گفت معشوقے بعاشق کے فتا! | تو بغربت دیدۂ بس شہرہا
پس کدامے شہر زانہا خوشتر است | گفت آں شہرے کہ در وے دلبر است

---

بہر حال رمضان مبارک کا سب سے بڑا شرف یہی ہے کہ خدا کی رحمت کی آخری اور مکمل قسط، نجات و فلاح کا دستور اور حیاتِ ابدی کا قانون بن کر، قرآن کی شکل میں اسی مبارک

مہینہ میں نازل کی گئی یعنی اس ماہِ مبارک میں اس کا نزول شروع ہوا۔ اب احادیث میں اس مہینہ کی جو اور برکتیں وارد ہوئی ہیں وہ سب درحقیقت اسی بنیاد پر مبنی ہیں، یعنی ان برکتوں اور فضیلتوں کے ساتھ اس مہینے کو اسی واسطے خاص کیا گیا ہے کہ یہ نزولِ قرآن کا مہینہ ہے۔

اور چونکہ قرآن کا نزول براہِ راست رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ہوا، اور آپ ہی اس نعمتِ الٰہی کی پوری طرح قدر پہچاننے والے تھے اس لیے رمضان کی رحمتوں اور برکتوں کا احساس بھی آپ کو بے حد و حساب ہوتا تھا جس کا کچھ اندازہ آپ کے اس ارشاد سے کیا جا سکتا ہے کہ "اگر لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ رمضان کیا چیز ہے تو میری امت یہ تمنا کرے کہ سارا سال رمضان ہی ہو جائے"

("ترغیب و ترہیب" بحوالہ ابن خزیمہ و بیہقی و ابوالشیخ)

اور یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رمضان مبارک کے فضائل اور اس کی خصوصیات کے بیان کا بہت اہتمام فرماتے تھے۔ ذیل میں اس سلسلہ کے آپ کے چند ارشادات پیش کیے جاتے ہیں۔

## رمضان کی آمد پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک عمومی بیان

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کی روایت سے حدیث کی متعدد کتابوں میں منقول ہے کہ شعبان کی آخری تاریخ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے سامنے عمومی طور پر ایک تقریر فرمائی جس میں آپ نے فرمایا:

"اے لوگو! تم پر ایک عظمت اور برکت والا مہینہ سایہ افگن ہو رہا ہے، اس مبارک مہینہ کی ایک رات (شبِ قدر) ہزار مہینوں سے بہتر ہے، اس مہینے کے روزے اللہ تعالیٰ نے فرض کیے ہیں اور اس کی راتوں میں بارگاہِ خداوندی میں کھڑا ہونے (یعنی نماز تراویح پڑھنے) کو نفل عبادت مقرر کیا ہے (جس کا بہت بڑا ثواب رکھا ہے) جو شخص اس مہینے میں اللہ کی رضا اور اس کا قرب حاصل کرنے کے لیے کوئی غیر فرض عبادت (یعنی سنت یا نفل) ادا کرے گا تو اس کو دوسرے زمانہ کے فرضوں کے برابر

---

ؒ کما رواہ البیہقی و اختارہ ابن اسحٰق راجع فتح الباری

اس کا ثواب ملے گا، اور اس مہینے میں فرض ادا کرنے کا ثواب دوسرے زمانے کے ستّر فرضوں کے برابر ملے گا۔ یہ صبر کا مہینہ ہے، اور صبر کا بدلہ جنّت ہے۔ یہ ہمدردی اور غمخواری کا مہینہ ہے، اور یہی وہ مہینہ ہے جس میں مومن بندوں کے رزق میں اضافہ کیا جاتا ہے۔ جس نے اس مہینے میں کسی روزہ دار کو (اللہ کی رضا اور ثواب حاصل کرنے کے لیے) افطار کرایا تو اس کے لیے گناہوں کی مغفرت اور آتشِ دوزخ سے آزادی کا ذریعہ ہوگا اور اس کو روزہ دار کے برابر ثواب دیا جائے گا، بغیر اس کے کہ روزہ دار کے ثواب میں کوئی کمی کی جائے۔ —— آپ سے عرض کیا گیا کہ: یا رسول اللہ! ہم میں سے ہر ایک کو تو افطار کرانے کا سامان میسر نہیں ہوتا (تو کیا غربا، اس عظیم ثواب سے محروم رہیں گے؟) آپ نے فرمایا کہ: اللہ تعالیٰ یہ ثواب اس شخص کو بھی دے گا جو دودھ کی تھوڑی سی لسّی پر یا صرف پانی ہی کے ایک گھونٹ پر کسی روزہ دار کا روزہ افطار کرا دے (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سلسلۂ کلام جاری رکھتے ہوئے آگے ارشاد فرمایا کہ) اور جو کوئی کسی روزہ دار کو پورا کھانا کھلا دے اس کو اللہ تعالیٰ میرے حوض (یعنی کوثر) سے ایسا سیراب کرے گا جس کے بعد اس کو کبھی پیاس ہی نہیں لگے گی تا آنکہ وہ جنّت میں پہنچ جائے گا —— (اس کے بعد آپ نے فرمایا) اس ماہِ مبارک کا ابتدائی حصّہ رحمت ہے اور درمیانی حصہ مغفرت ہے اور آخری حصّہ آتشِ دوزخ سے آزادی ہے (اس کے بعد آپ نے فرمایا) اور جو آدمی اس مہینے میں اپنے غلام و خادم کے کام میں تخفیف اور کمی کر دے گا اللہ تعالیٰ اس کی مغفرت فرما دے گا اور اس کو دوزخ سے رہائی اور آزادی دے گا —— (شعب الایمان للبیہقی)

—— اس خطبہ نبویؐ کا مطلب و مدعا واضح ہے، تاہم اس کے چند اجزاء کی مزید وضاحت کے لیے کچھ عرض کیا جاتا ہے۔ ——

(۱) اس خطبہ میں ماہِ رمضان کی سب سے بڑی اور پہلی عظمت و فضیلت یہ بیان کی گئی ہے کہ اس میں ایک ایسی رات ہوتی ہے جو ہزار دنوں اور راتوں سے نہیں، بلکہ ہزار مہینوں سے بہتر ہے۔ یہ بات جیسا کہ معلوم ہے قرآن مجید سورۃ القدر میں بھی فرمائی گئی ہے بلکہ

اس پوری سورۃ میں اس مبارک رات کی عظمت اور فضیلت ہی کا بیان ہے، اور اس رات کی عظمت و اہمیت سمجھنے کے لیے بس یہی بات کافی ہے۔

ایک ہزار مہینوں میں قریباً تیس ہزار راتیں ہوتی ہیں، اس لیلۃ القدر کے ایک ہزار مہینوں سے بہتر ہونے کا مطلب یہ سمجھنا چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ سے تعلق رکھنے والے اور اس کے قرب و رضا کے طالب بندے اس ایک رات میں قرب الٰہی کی اتنی مسافت طے کر سکتے ہیں جو دوسری ہزاروں راتوں میں طے نہیں ہو سکتی۔ ہم جس طرح اپنی اس مادی دنیا میں دیکھتے ہیں کہ تیز رفتار ہوائی جہاز یا راکٹ کے ذریعہ اب ایک دن بلکہ ایک گھنٹہ میں اس سے زیادہ مسافت طے کی جاسکتی ہے جتنی پرانے زمانے میں سیکڑوں برس میں طے ہوا کرتی تھی۔ اسی طرح حصولِ رضائے خداوندی اور قرب الٰہی کے سفر کی رفتار لیلۃ القدر میں اتنی تیز کر دی جاتی ہے کہ جو بات صادق طالبوں کو سیکڑوں مہینوں میں حاصل نہیں ہو سکتی وہ اس مبارک رات میں حاصل ہو جاتی ہے۔

اسی طرح اور اسی کی روشنی میں حضورؐ کے اس ارشاد کا مطلب بھی سمجھنا چاہیے کہ اس مبارک مہینہ میں جو شخص کسی قسم کی نفلی نیکی کرے گا اس کا ثواب دوسرے زمانہ کی فرض نیکی کے برابر ملے گا، اور فرض نیکی کرنے والے کو دوسرے زمانہ کے ستر فرض ادا کرنے کا ثواب ملے گا ــــ گویا "لیلۃ القدر" کی خصوصیت تو رمضان مبارک کی ایک مخصوص رات کی خصوصیت ہے، لیکن نیکی کا ثواب ستر گنا ملنا یہ رمضان مبارک کے ہر دن اور ہر رات کی برکت اور فضیلت ہے اللہ تعالیٰ ہمیں ان حقیقتوں کا یقین نصیب فرمائے، اور ان سے مستفید اور متمتع ہونے کی توفیق دے۔

(۲) اس خطبہ میں رمضان کے بارے میں فرمایا گیا ہے کہ یہ صبر اور غمخواری کا مہینہ ہے۔ دینی زبان میں صبر کے اصل معنی ہیں اللہ کی رضا کے لیے اپنے نفس کی خواہشوں کو دبانا اور تلخیوں اور ناگواریوں کو جھیلنا ظاہر ہے کہ روزہ کا اول و آخر بالکل یہی ہے، اسی طرح روزہ رکھ کر ہر روزہ دار کو تجربہ ہوتا ہے کہ فاقہ کیسی تکلیف کی چیز ہے، اس سے اس کے اندر ان غرباء اور مساکین کی ہمدردی اور غمخواری کا جذبہ پیدا ہونا چاہیے جو بیچارے ناداری کی وجہ سے

فاقوں پہ فاقے کرتے ہیں۔ اس لیے رمضان کا مہینہ بلا شبہ صبر اور غمخواری کا مہینہ ہے۔

(۳) یہ بھی فرمایا گیا ہے کہ:۔۔۔ "اس بابرکت مہینہ میں اہل ایمان کے رزق میں اضافہ کیا جاتا ہے" ۔۔۔ اس کا تجربہ تو بلا استثناء ہر صاحب ایمان روزہ دار کو ہوتا ہے کہ رمضان مبارک میں جتنا اچھا اور جتنی فراغت سے کھانے پینے کو ملتا ہے باقی گیارہ مہینوں میں اتنا نصیب نہیں ہوتا، خواہ اس عالم اسباب میں وہ کسی بھی راستے سے آئے، سب اللہ ہی کے حکم سے اور اسی کے فیصلے سے آتا ہے۔

(۴) خطبہ کے آخر میں فرمایا گیا ہے کہ:۔۔۔ "رمضان کا ابتدائی حصہ رحمت ہے، درمیانی حصہ مغفرت ہے، اور آخری حصہ جہنم سے آزادی کا وقت ہے"۔

اس عاجز کے نزدیک اس کی راجح اور دل کو زیادہ لگنے والی توجیہ اور تشریح یہ ہے کہ رمضان کی برکتوں سے مستفید ہونے والے بندے تین طرح کے ہو سکتے ہیں، ایک وہ اصحاب صلاح و تقویٰ جو ہمیشہ گناہوں سے بچنے کا اہتمام رکھتے ہیں اور جب کبھی ان سے کوئی خطا اور لغزش ہو جاتی ہے تو اسی وقت توبہ و استغفار سے اس کی صفائی و تلافی کر لیتے ہیں، تو ان بندوں پر تو شروع مہینہ ہی سے بلکہ اس کی پہلی ہی رات سے اللہ کی رحمتوں کی بارش ہونے لگتی ہے۔ دوسرا طبقہ ان لوگوں کا ہے جو ایسے متقی اور پرہیزگار تو نہیں ہیں لیکن اس لحاظ سے بالکل گئے گزرے بھی نہیں ہیں، تو ایسے لوگ جب رمضان کے ابتدائی حصے میں روزوں اور دوسرے اعمالِ خیر اور توبہ استغفار کے ذریعے اپنے حال کی بہتری اور اپنے کو رحمت و مغفرت کے لائق بنا لیتے ہیں، تو درمیانی حصے میں ان کی بھی مغفرت اور معافی کا فیصلہ فرما دیا جاتا ہے۔۔۔ اور تیسرا طبقہ اُن لوگوں کا ہے جو اپنے نفسوں پر بہت ظلم کر چکے ہیں اور ان کا حال بڑا ابتر رہا ہے، اور اپنی بداعمالیوں سے وہ گویا دوزخ کے پورے پورے مستحق ہو چکے ہیں، وہ بھی جب رمضان کے پہلے اور درمیانی حصے میں عام مسلمانوں کے ساتھ روزے رکھ کے اور توبہ و استغفار کر کے اپنی سیاہ کاریوں کی کچھ صفائی اور تلافی کر لیتے ہیں تو اخیر عشرہ میں (جو دریائے رحمت کے جوش کا عشرہ ہے) اللہ تعالیٰ دوزخ سے ان کی بھی نجات اور رہائی کا فیصلہ فرما دیتا ہے۔۔۔

اس تشریح کی بنا پر رمضان مبارک کے ابتدائی حصے کی رحمت، درمیانی حصے کی مغفرت اور

آخری حصے میں جہنم سے آزادی کا تعلق بالترتیب اُمّتِ مسلمہ کے ان مذکورۂ بالا تین طبقوں سے ہوگا۔ واللہ اعلم۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:۔ جب رمضان آتا ہے تو جنّت کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں اور دوزخ کے دروازے بند کر دیے جاتے ہیں اور شیاطین جکڑ دیے جاتے ہیں ــــ (اور ایک روایت میں بجائے "ابواب جنّت" کے "ابواب رحمت" کا لفظ ہے) (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

ــــ استاذ الاساتذہ حضرت شاہ ولی اللہؒ نے "حجۃ اللہ البالغہ" میں اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے جو کچھ تحریر فرمایا ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ اللہ کے صالح اور اطاعت شعار بندے رمضان میں چونکہ طاعات و حسنات میں مشغول و منہمک ہو جاتے ہیں، وہ دنوں کو روزہ رکھ کے ذکر و تلاوت میں گزارتے ہیں اور راتوں کا بڑا حصہ تراویح و تہجد اور دعاء و استغفار میں بسر کرتے ہیں اور ان کے انوار و برکات سے متأثر ہو کر عوام مومنین کے قلوب بھی رمضان مبارک میں عبادات اور نیکیوں کی طرف زیادہ راغب اور بہت سے گناہوں سے کنارہ کش ہو جاتے ہیں، تو اسلام اور ایمان کے حلقے میں سعادت اور تقوے کے اس عمومی رجحان اور نیکی اور عبادت کی اس عام فضا کے پیدا ہو جانے کی وجہ سے وہ تمام طبائع جن میں کچھ بھی صلاحیت ہوتی ہے اللہ کی مرضیات کی جانب مائل اور شر و خباثت سے متنفر ہو جاتی ہیں، اور پھر اس ماہ مبارک میں تھوڑے سے عمل خیر کی قیمت بھی اللہ تعالیٰ کی جانب سے دوسرے دنوں کی بہ نسبت بہت زیادہ بڑھادی جاتی ہے، تو ان سب باتوں کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ان لوگوں کے لیے جنّت کے دروازے کھل جاتے ہیں اور جہنّم کے دروازے ان پر بند کر دیے جاتے ہیں۔ اور شیاطین ان کو گمراہ کرنے سے عاجز اور بے بس ہو جاتے ہیں۔

اس تشریح کے مطابق ان تینوں باتوں (یعنی جنّت و رحمت کے دروازے کھل جانے، دوزخ کے دروازے بند ہو جانے اور شیاطین کے مقید اور بے بس کر دیے جانے) کا تعلق صرف اُن اہل ایمان سے ہے، جو رمضانِ مبارک میں خیر و سعادت حاصل کرنے کی طرف مائل ہوتے اور

رمضان کی رحمتوں اور برکتوں سے مستفید ہونے کے لیے عبادات و طاعات کو اپنا شغل بنا لیتے ہیں ـــــ باقی رہے وہ کفار اور خدا ناشناس اور وہ خدافراموش اور غفلت شعار لوگ، جو رمضان اور اس کے احکام و برکات سے کوئی سروکار ہی نہیں رکھتے اور نہ اس کے آنے پر ان کی زندگیوں میں کوئی تبدیلی ہوتی ہے، ظاہر ہے کہ اس قسم کی بشارتوں کا اُن سے کوئی تعلق نہیں، انھوں نے جب اپنے آپ کو خود ہی محروم کرلیا ہے اور بارہ مہینے شیطان کی پیروی پر وہ مطمئن ہیں تو پھر اللہ کے یہاں بھی اُن کے لیے محرومی کے سوا اور کچھ نہیں۔

## روزہ کی قیمت اور اس کی تاثیر

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (روزہ کی فضیلت اور قدر و قیمت بیان کرتے ہوئے) ارشاد فرمایا کہ آدمی کے ہر اچھے عمل کا ثواب دس گنے سے سات سو گنے تک بڑھایا جاتا ہے (یعنی اس امت مرحومہ کے اعمالِ خیر کے متعلق عام قانونِ الٰہی یہی ہے کہ ایک نیکی کا اجر اگلی امتوں کے لحاظ سے کم از کم دس گنا ضرور عطا ہوگا اور بعض اوقات عمل کرنے والے کے خاص حالات اور اخلاص و خشیت وغیرہ کیفیات کی وجہ سے اس سے بھی بہت زیادہ عطا ہوگا، یہاں تک کہ بعض مقبول بندوں کو اُن کے اعمالِ حسنہ کا اجر سات سو گنا عطا فرمایا جائے گا۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کے اس عام قانونِ رحمت کا ذکر کرکے فرمایا) مگر اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:۔ روزہ اس عام قانون سے مستثنیٰ اور بالا تر ہے، وہ بندہ کی طرف سے خاص میرے لیے ایک تحفہ ہے، اور میں ہی (جس طرح چاہوں گا) اس کا اجر و ثواب دوں گا۔ میرا بندہ میری رضا کے واسطے اپنی خواہش نفس، اور اپنا کھانا پینا چھوڑ دیتا ہے (پس میں خود ہی اپنی مرضی کے مطابق اس کی اس قربانی اور نفس کشی کا صلہ دوں گا) روزہ دار کے لیے دو مسرتیں ہیں:۔ ایک افطار کے وقت اور دوسری اپنے مالک و مولیٰ کی بارگاہ میں حضوری اور شرفِ باریابی کے وقت۔ اور قسم ہے کہ روزہ دار کے مُنھ کی بو اللہ کے نزدیک مشک کی خوشبو

سے بھی بہتر ہے (یعنی انسانوں کے لیے مشک کی خوشبو جتنی اچھی اور جتنی پیاری ہے اللہ کے ہاں روزہ دار کے منہ کی بُو اس سے بھی اچھی ہے) اور روزہ دنیا میں شیطان ونفس کے حملوں سے بچاؤ کے لیے اور آخرت میں آتش دوزخ سے حفاظت کے لیے ڈھال ہے۔ اور جب تم میں سے کسی کا روزہ ہو تو چاہیے کہ وہ بیہودہ اور فحش باتیں نہ بکے اور شور و شغب نہ کرے اور اگر کوئی دوسرا اس سے گالی گلوچ یا جھگڑا ڈنٹا کرے تو کہہ دے کہ میں روزہ دار ہوں۔

(صحیح بخاری و صحیح مسلم)

—— حدیث کے اکثر وضاحت طلب اجزاء کی تشریح ترجمہ کے ضمن میں کردی گئی ہے۔ آخر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو یہ ہدایت فرمائی ہے کہ:۔ "جب کسی کا روزہ ہو تو وہ فحش اور گندی باتیں اور شور و شغب بالکل نہ کرے" اور اگر بالفرض کوئی دوسرا اس سے اُلجھے اور گالیاں بکے جب بھی یہ کوئی سخت بات نہ کہے، بلکہ صرف اتنا کہہ دے کہ:۔ "بھائی! میرا روزہ ہے" —— اس آخری ہدایت میں اشارہ ہے کہ اس حدیث میں روزہ کی جو خاص فضیلتیں اور برکتیں بیان کی گئی ہیں یہ انہی روزوں کی ہیں جن میں شہوتِ نفس اور کھانے پینے کے علاوہ گناہوں سے حتیٰ کہ بُری اور ناپسندیدہ باتوں سے بھی پرہیز کیا گیا ہو —— ایک دوسری حدیث میں (جو عنقریب درج ہوگی) فرمایا گیا ہے کہ:۔ جو شخص روزہ رکھے لیکن بُرے کاموں اور غلط باتوں سے پرہیز نہ کرے تو اس کے بھوکے پیاسے رہنے کی اللہ کو کوئی احتیاج نہیں ہے۔

حضرت سہل بن سعد ساعدی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:۔ جنت کے دروازوں میں ایک خاص دروازہ ہے جس کو "باب الریّان" کہا جاتا ہے۔ اس دروازے سے قیامت کے دن صرف روزہ داروں کا داخلہ ہوگا، ان کے سوا کوئی اس دروازے سے داخل نہیں ہوسکے گا۔ اس دن پکارا جائے گا کہ کدھر ہیں وہ بندے جو اللہ کے لیے روزے رکھا کرتے تھے (اور بھوک پیاس کی تکلیف اٹھایا کرتے تھے)، وہ اس پکار پر چل پڑیں گے، ان کے سوا

کسی اور کا اس دروازے سے داخلہ نہیں ہو سکے گا۔ جب وہ روزہ دار اس دروازے سے جنت میں پہونچ جائیں گے تو یہ دروازہ بند کر دیا جائے گا، پھر کسی کا اس سے داخلہ نہیں ہو سکے گا۔ ——— (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

——— روزہ میں جس تکلیف کا احساس سب سے زیادہ ہوتا ہے اور جو روزہ دار کی سب سے بڑی قربانی ہے وہ اس کا پیاسا رہنا ہے، اس لیے اس کو جو صلہ اور انعام دیا جائے اُس میں سب سے زیادہ نمایاں اور غالب پہلو سیرابی کا ہونا چاہیے۔ اسی مناسبت سے جنت میں روزہ داروں کے داخلہ کے لیے جو مخصوص دروازہ مقرر کیا گیا ہے اس کی خاص صفت سیرابی و شادابی ہے۔ رَیّان کے لغوی معنی ہیں 'پورا پورا سیراب'، یہ بھرپور سیرابی تو اس دروازہ کی صفت ہے جس سے روزہ داروں کا داخلہ ہو گا، آگے جنت میں پہونچ کر جو کچھ اللہ تعالیٰ کے انعامات ان پر ہوں گے ان کا علم تو بس اُس اللہ تعالیٰ ہی کو ہے جس کا ارشاد ہے کہ: ———

| | |
|---|---|
| اَلصَّوْمُ لِیْ وَ اَنَا | بندہ کا روزہ بس میرے لیے ہے اور |
| اَجْزِیْ بِہٖ ——— | میں خود ہی اس کا صلہ دوں گا۔ |

حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ، مجھے کسی عمل کا حکم فرمائیے، جس سے اللہ تعالیٰ مجھے نفع دے؟ آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ، روزہ رکھا کرو، اس کی مثل کوئی بھی عمل نہیں ہے۔

——— (سنن نسائی)

——— نماز، روزہ، صدقہ، حج اور خلق اللہ کی خدمت وغیرہ اعمالِ صالحہ ہیں یہ بات مشترک ہونے کے باوجود کہ یہ سب تقرب الی اللہ کا ذریعہ اور وسیلہ ہیں، ان کی الگ الگ کچھ خاص تاثیرات اور خصوصیات بھی ہیں جن میں یہ ایک دوسرے سے ممتاز اور منفرد ہیں۔ گویا:۔ ع ——— "ہر گلے را رنگ و بوئے دیگر است"

ان انفرادی اور امتیازی خصوصیات کے لحاظ سے ان میں سے ہر ایک کے بارے میں کہا جا سکتا ہے کہ، "اس کے مثل کوئی عمل نہیں ہے" ——— مثلاً نفس کو مغلوب اور مقہور کرنے اور اس کی خواہشوں کو دبانے کے لحاظ سے کہا جا سکتا ہے کہ اس صفت میں کوئی دوسرا

عمل روزہ کے مثل نہیں ہے ——— پس حضرت ابو امامہ کی اس حدیث میں روزہ کے بارے میں جو فرمایا گیا ہے کہ "اس کے مثل کوئی عمل نہیں ہے" اس کی حقیقت یہی سمجھنی چاہیئے۔ نیز ملحوظ رہنا چاہیئے کہ ابو امامہ کے خاص حالات میں اُن کے لیے زیادہ نفع مند روزہ ہی تھا، اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اسی کی ہدایت فرمائی ———
اور اسی حدیث کی بعض روایات میں ہے کہ ابو امامہ نے یہ جواب پانے کے بعد دوبارہ اور سہ بارہ بھی عرض کیا کہ: "مجھے کسی عمل کا حکم فرمائیے جس کو میں کیا کروں" تو دونوں دفعہ آپ نے روزہ ہی کی ہدایت فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ: "بس روزہ رکھا کرو، اس کے مثل کوئی دوسرا عمل نہیں ہے" یعنی تمھارے خاص حالات میں تم کو اسی سے زیادہ نفع ہوگا۔ واللہ اعلم

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: جو لوگ رمضان کے روزے ایمان و احتساب کے ساتھ رکھیں گے ان کے سب گذشتہ گناہ معاف کر دیے جائیں گے اور ایسے ہی جو لوگ ایمان و احتساب کے ساتھ رمضان کی راتوں میں نوافل (تراویح و تہجد) پڑھیں گے اُن کے بھی سب پچھلے گناہ معاف کر دیے جائیں گے، اور اسی طرح جو لوگ شب قدر میں ایمان و احتساب کے ساتھ نوافل پڑھیں گے اُن کے بھی سارے پچھلے گناہ معاف کر دیے جائیں گے۔

——— (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

——— اس حدیث میں رمضان کے روزوں، اس کی راتوں کے نوافل اور خصوصیت سے شب قدر کے نوافل کو پچھلے گناہوں کی مغفرت اور معافی کا یقینی وسیلہ بتایا گیا ہے بشرطیکہ یہ روزے اور نوافل ایمان و احتساب کے ساتھ ہوں ——— یہ ایمان و احتساب خاص دینی اصطلاحیں ہیں اور ان کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ جو نیک عمل کیا جائے اس کی بنیاد اس کا محرک بس اللہ و رسول کو ماننا اور ان کے وعدہ و وعید پر یقین لانا اور ان کے بتائے ہوئے اجر و ثواب کی طمع اور امید ہی ہو، کوئی دوسرا جذبہ اور مقصد اس کا محرک نہ ہو اسی ایمان و احتساب سے ہمارے اعمال کا تعلق اللہ تعالیٰ سے جڑتا ہے، بلکہ یہی ایمان و احتساب ہمارے اعمال کے قلب و روح ہیں، اگر یہ نہ ہوں تو پھر ظاہر کے لحاظ سے بڑے سے بڑے اعمال بھی بے جان

اور کھوٹ کھلے ہیں جو خدانخواستہ قیامت کے دن کھوٹے سکّے ثابت ہوں گے، اور ایمان واحتساب کے ساتھ بندے کا ایک عمل بھی اللہ کے ہاں اتنا عزیز اور قیمتی ہے کہ اس کے صدقہ اور طفیل میں اس کے برسہا برس کے گناہ معاف ہو سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ایمان واحتساب کی یہ صفت اپنے فضل سے نصیب فرمائے۔

## روزہ کے حقوق وآداب :۔

جو چیز جس قدر مفید اور قیمتی ہوتی ہے، اسی قدر نازک اور حساس بھی ہوتی ہے۔ احادیث سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ روزہ کا عمل بھی بہت سی نزاکتیں رکھتا ہے۔ اور اس کے آداب کی پوری رعایت اس کی افادیت وتاثیر کے ظہور کے لیے اولین شرط ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ "جس شخص نے رمضان کے روزے رکھے اور اُن کی حدود وآداب کو اچھی طرح پہنچانا اور ان سب امور کی رعایت رکھی جن کی رعایت روزہ دار کے لیے ضروری ہے تو رمضان کے روزے اس کے پہلے گناہوں کا کفارہ ہو جائیں گے۔

(صحیح ابن حبان، سنن بیہقی)

## پہلی شرط ایمان واحتساب :۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو لوگ رمضان کے روزے ایمان واحتساب کے ساتھ رکھیں گے اُن کے گذشتہ گناہ معاف کر دیے جائیں گے، اور ایسے ہی جو لوگ ایمان واحتساب کے ساتھ رمضان کی راتوں میں نوافل (تراویح وتہجد) پڑھیں گے ان کے بھی سب گزشتہ گناہ بخشد یے جائیں گے۔" (بخاری ومسلم)

اس حدیث میں رمضان کے روزوں اور اس کی راتوں کے نوافل کے موجب مغفرت ہونے کو ایمان واحتساب کے ساتھ مشروط کیا گیا ہے ——— یہ دو خاص دینی اصطلاحیں ہیں اور ان کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ کوئی عبادت اور کوئی نیک کام اس یقین کے ساتھ

کیا جائے کہ یہ اللہ کا حکم ہے، اور قرآن و حدیث میں اُس کا جو اجر و ثواب بتلایا گیا ہے وہ بالکل برحق ہے اور بشرط قبولیت اس کا ملنا یقینی ہے اور پھر وہ عمل اُس ثواب موعود ہی کی امید اور رضا الٰہی کی طمع ہی میں کیا جائے۔ بس ان دو کیفیتوں ہی کا نام ایمان و احتساب ہے، انہی سے اعمال میں روح پڑتی ہے اور انہی کے ذریعہ ہمارے اعمال کا ربط و تعلق اللہ تعالیٰ سے جڑ جاتا ہے اور ان کے بغیر جو عمل کیے جائیں، خواہ وہ بظاہر کیسے ہی شاندار کیوں نہ ہوں لیکن درحقیقت وہ صرف "رسوم" اور بے روح ڈھانچے ہیں جن کی اللہ کے یہاں اور قیامت میں اور آخرت میں کوئی قیمت نہیں، اگرچہ وہ جہاد جیسا سرفروشانہ عمل ہی کیوں نہ ہو ——— افسوس اس چیز کی طرف سے آج کل بڑی غفلت ہے۔ حالانکہ یہ سارے دین کا گویا مغز ہے۔ ایک حدیث میں آتا ہے۔

> اللہ تعالیٰ تمھاری صورتوں تمھارے جسموں اور تمھارے ظاہری عملوں کو نہیں دیکھتا بلکہ وہ تمھارے دلوں اور تمھاری نیتوں کو دیکھتا ہے۔

پس جو لوگ محض ماحول اور سوسائٹی کی عام ہوا کی وجہ سے روزے رکھتے ہیں یا بادلِ ناخواستہ محض اس وجہ سے تراویح میں شریک ہوتے ہیں کہ لوگ ان کو کم ہمت نہ سمجھیں یقیناً ان کے روزے اور ان کی تراویح بالکل بے حاصل ہیں۔ حدیث شریف ہے۔

> کتنے ہی روزہ دار ہیں کہ ان کے روزوں کا حاصل بھوک پیاس کے سوا کچھ نہیں اور کتنے ہی راتوں کو نمازیں پڑھنے والے ہیں کہ ان کی نمازوں کا حاصل رات کے جاگنے کے سوا کچھ نہیں (یعنی ان کو اپنے روزوں اور اپنی رات کی نمازوں کا کوئی اجر و ثواب ملنے والا نہیں)۔ (ابن خزیمہ وحاکم عن ابی ہریرہ)

الغرض اعمال خیر کے فضائل میں ایمان و احتساب کی شرط ہر جگہ پیش نظر رہنی چاہیے۔ اعمال کی فضیلتیں اسی سے وابستہ ہیں۔ فانما الاعمال بالنیات وانما لامرءٍ مانوی (حدیث)

اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل کے قصد اور اس کی رضا جوئی کی نیت اور ثواب اخروی کی طلب و طمع کے بغیر ہر عمل کھوکھلا اور بے جان ہے۔

## دوسری شرط معصیتوں اور لغو کاموں سے پرہیز:-

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:-

"جب کسی کا روزہ ہو تو فحش اور بے ہودہ باتیں بالکل نہ کرے اور شور و شغب کا بھی مرتکب نہ ہو، اور اگر کوئی دوسرا اس کو گالیاں بھی دے یا جھگڑا کرے تو کہہ دے کہ میں روزہ سے ہوں۔"　　(صحیح بخاری و مسلم)

اس کے علاوہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہی اس بارہ میں ایک دوسری حدیث یہ بھی مروی ہے کہ:-

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے (روزہ رکھتے ہوئے) جھوٹ اور بیہودہ باتیں اور غلط و بیہودہ اعمال نہ چھوڑے تو اللہ کو اس کے بھوکے پیاسے رہنے کی کوئی پرواہ نہیں۔"　　(بخاری، ابوداؤد، ترمذی)

اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "روزہ فقط کھانے پینے سے رک جانے کا نام نہیں ہے بلکہ بیہودہ کاموں اور بُری باتوں سے بھی رکا جائے تو حقیقی روزہ ہے۔ پس اگر کوئی تم سے روزہ کی حالت میں گالی گلوج کرے یا بدتمیزی سے پیش آئے تو اس سے کہدو کہ میں روزہ سے ہوں۔"　　(ابن خزیمہ، ابن حبان، حاکم)

حضرت ابو عبیدہ سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا آپ فرماتے تھے کہ روزہ ڈھال ہے جب تک کہ آدمی اس کو پھاڑ نہ ڈالے۔"　　(نسائی، ابن ماجہ)

—— بعض دوسری احادیث میں آیا ہے کہ روزہ جھوٹ اور غیبت وغیرہ سے پھٹ جاتا ہے یعنی اس میں ایسا خلل اور رخنہ آجاتا ہے کہ پھر "ڈھال" ہونے کی صفت اس میں باقی نہیں رہتی۔

افسوس! حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ان ارشادات کی طرف بہت ہی کم لوگوں کی

توجہ ہے وہ روزے رکھتے ہیں مگر جھوٹ، غیبت اور دوسرے بُرے کاموں سے روزہ میں بھی احتیاط نہیں کرتے، بلکہ بہت سے تو لغو اور بیہودہ باتوں اور شیطانی تفریحوں اور تماشوں میں اپنا روزہ کاٹتے ہیں ـــــــ حالانکہ یہ چیزیں اللہ کی طرف سے دائماً اور ہر زمانہ میں حرام اور گناہ قرار دی گئی ہیں اور رمضان کے محترم و مقدس مہینے اور روزہ کی مبارک ساعتوں میں ان کی حرمت و معصیت اور بھی زیادہ شدید ہو جاتی ہے۔ بالخصوص غیبت سے تو روزہ دار کو بہت ہی بچنا چاہیے۔ قرآن مجید میں غیبت کو اپنے بھائی کا مردار گوشت کھانا کہا گیا ہے۔ تو جو لوگ روزہ رکھتے ہیں مگر غیبت سے پرہیز نہیں کرتے گویا وہ اپنی روزمرہ کی غذا اور پانی تو چھوڑ دیتے ہیں۔ لیکن کسی بھائی کا مردار گوشت چبا چبا کر کھاتے اور نگلتے ہیں۔ اس سے ان کے روزہ پر جیسا کچھ اثر پڑتا ہو گا وہ ظاہر ہے۔

## معصیتوں اور لغو کاموں سے پرہیز کی ایک تدبیر:-

یہاں اس بات کی طرف توجہ دلانا بھی ان شاء اللہ مفید ہو گا کہ خانۂ خالی را دیو می گیرد کے مصداق رمضان کے اوقات اگر ذکر و عبادت اور رمضان سے مناسبت رکھنے والے اعمالِ خیر میں مشغول نہیں ہوں گے تو لغو کاموں اور معصیتوں سے بچنا بہت مشکل ہو گا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ایک ارشاد میں رمضان مبارک میں چار کاموں کے اہتمام کی تاکید فرمائی ہے جس میں غالباً یہ مصلحت بھی مقصود ہے کہ ان کی برکت سے لغو کاموں سے بچنا آسان ہو جائے گا۔ وہ چار کام یہ ہیں۔

۱- کلمۂ لا الٰہ الا اللہ کے ذکر کی کثرت۔

۲- اپنے لیے اللہ سے استغفار کی کثرت۔

۳- جنت کی دعا۔

۴- دوزخ سے نجات کی دعا۔

## قیام رمضان یا تراویح :-

رمضان میں دن کے فرض روزوں کے علاوہ دوسری شبینہ عبادت "قیام لیل" (گویا تراویح) کا ہم کو حکم دیا گیا ہے۔ اس کو اگرچہ فرض نہیں کیا گیا ہے مگر ایک اعلیٰ درجہ کی اور بڑی برکت والی عبادت ہے، جن دلوں کو اللہ تعالیٰ کی معرفت و محبت اور اس کے ساتھ تعلق عبدیت کا کچھ حصہ ملا ہے وہی اُس لذت اور سرمستی و محویت کو کچھ جان سکتے ہیں جو سارا دن بھوک پیاس کے مجاہدہ میں کاٹنے کے بعد دربار خداوندی کی اس حضوری میں ان کو حاصل ہوتی ہے۔

خوشا وقتے و خرم روزگارے
کہ یارے برخورد از وصل یارے

گویا دن کا روزہ، عاشقانہ جذب و خود فراموشی کا ایک مظاہرہ اور طالب صادق کا مجاہدہ تھا کہ کھانا پینا بھی بھلا دیا گیا تھا، اور رات کی یہ طویل قیام و قراءت والی نماز اُس عارفانہ سکون اور عابدانہ عجز و نیاز کی صورت ہے جو اُس مجاہدہ کے بعد حاصل ہونا ہی چاہیے۔ اس نماز کی فضیلت میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا یہ ارشاد ملاحظہ کیجیے:

> حضور صلی اللہ علیہ وسلم رمضان کی راتوں کی نماز کی خاص طور سے ترغیب دیا کرتے تھے مگر سختی کے ساتھ حکم نہیں فرماتے تھے۔ اور ترغیب کے سلسلہ میں آپ ارشاد فرماتے تھے کہ جو شخص رمضان کی راتوں میں نوافل پڑھے اس کے پہلے گناہ معاف کر دیے جاتے ہیں۔ (بخاری، مسلم، ترمذی، ابوداؤد، نسائی)

### شب قدر :-

رمضان مبارک کے متعلق حضرت سلمان فارسی کی روایت سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جو ایک مفصل خطبہ شروع میں نقل ہو چکا ہے اس میں گزر چکا ہے کہ "اس رمضان کے مہینہ میں شب قدر ہوتی ہے اور شب قدر ہزار مہینوں سے بہتر ہے"۔

شب قدر کی عظمت اور اہمیت کا ذکر قرآن مجید میں بلکہ اس کی ایک پوری سورت میں بھی کیا گیا ہے اور اس طرح کیا گیا ہے کہ گویا اس کی عظمتیں ہمارے بیان بلکہ ہمارے فہم و ادراک کی حدود سے بھی باہر ہیں، یہ بیان فرمانے کے بعد کہ قرآن کو ہم نے شب قدر میں نازل کیا۔ (انا انزلناہ فی لیلۃ القدر) ارشاد فرمایا گیا ہے وما ادراک مالیلۃ القدر (تمھیں کیا پتہ لیلۃ القدر کیا ہے)۔

پھر فرمایا گیا ہے "لیلۃ القدر خیر من الف شھر" شب قدر ہزار مہینوں سے بہتر ہے) پھر اُس کی برکات اور اس کی روحانی رونقوں کا ذکر اس طرح فرمایا گیا ہے:-

| | |
|---|---|
| تنزل الملئکۃ والروح فیھا | فرشتے اور روح (روح القدس حضرت |
| باذن ربھم من کل امر سلام | جبرئیل) اس رات میں اپنے مالک کے حکم |
| ھی حتی مطلع الفجر ؏ | سے تمام فیصلے لیکر اترتے ہیں سراسر سلامتی |

کی رات ہے طلوع صبح صادق تک (برکتوں اور روحانی رونقوں کا یہ سلسلہ قائم رہتا ہے۔)

قرآن مجید کی اس سورۃ سے لیلۃ القدر کے متعلق چار باتیں صراحۃً معلوم ہوئیں، - قرآن اسی رات میں نازل ہوا یعنی نازل ہونا شروع ہوا۔

یہ رات ہزار مہینوں سے بہتر ہے یعنی اس کی عبادت کا اجر و ثواب ہزار مہینے کی عبادت کے اجر و ثواب سے بھی زیادہ ہے۔ (و ما ھو مرادہ تعالیٰ)

اس میں ملائکہ کا بکثرت نزول ہوتا ہے۔

یہ سلامتی کی رات ہے، اور اس رات میں یہ ساری برکتیں اور رحمتیں صبح صادق تک رہتی ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے نزول قرآن کے لیے مہینوں میں جس طرح رمضان کو منتخب کیا جو سب مہینوں سے اعلیٰ و اشرف اور سب سے زیادہ رحمتوں اور برکتوں والا ہے، اسی طرح اس نے اس کے نزول کے واسطے راتوں میں سے شب قدر کا انتخاب کیا جو سال کی ساری راتوں میں افضل بلکہ بنص قرآن ہزار مہینوں سے بہتر ہے۔

لیلۃ القدر کی فضیلت و اہمیت کے بارہ میں قرآن مجید کے اس بیان کے علاوہ احادیث میں بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے چند چیزیں مروی ہیں۔

(۱) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص شبِ قدر میں ایمان و احتساب کے ساتھ کھڑا ہو (یعنی اس رات میں نوافل پڑھے) تو اس کے پہلے سب گناہ معاف کر دیے جائیں گے۔

(بخاری و مسلم)

—— اس حدیث میں بھی قیام لیلۃ القدر کے موجبِ مغفرت ہونے کو ایمان و احتساب کے ساتھ مشروط کیا گیا ہے۔ اور ہم پہلے عرض کر چکے ہیں کہ اعمال کی فضیلتوں میں یہ شرط عام ہے، ہر عمل میں فضیلت اور روحانیت اسی ایمان و احتساب سے آتی ہے۔ بلکہ یہ وہ اکسیر کی چٹکی ہے کہ مباحات کو طاعات اور عادات کو عبادات بنا دیتی ہے۔

**تنبیہ**: جن احادیث میں کسی عمل خیر کی یہ برکت اور تاثیر بتلائی جاتی ہے کہ ان کی وجہ سے پہلے یا بعد کے سب گناہ معاف ہو جاتے ہیں ان کے بارہ میں ہمیشہ یہ ملحوظ رہنا چاہیے کہ اس سے مراد صرف صغیرہ گناہ ہوتے ہیں باقی کبیرہ گناہوں کے متعلق قرآن پاک سے بھی معلوم ہوتا ہے اور علماءِ حق کا اس پر اتفاق بھی ہے کہ وہ بغیر توبہ کے معاف نہیں ہوتے۔[عہ] رہا یہ سوال کہ پھر ان احادیث میں صراحۃً صغیرہ کی قید کیوں نہیں ذکر کی گئی؟ —— علماء نے اس کے چند جوابات دیے ہیں جن میں اس عاجز کے دل کو سب سے زیادہ لگنے والا یہ ہے کہ عہدِ نبوی میں ایسے "مسلمان" کا تصور ہی نہیں تھا جو کبیرہ گناہ کرے اور پھر تائب بھی نہ ہو —— کبائر کو بے فکری سے بطور عادت کے اختیار کر لینا اور اس فجور پر مطمئن اور مگن رہنا "منافق" کا مقام ہے اگرچہ آج کل مسلمان کہلانے والوں میں ایسے بدکرداروں کی کتنی ہی کثرت کیوں نہ ہو گئی ہو —— مسلمان کی اصل شان یہ ہے کہ اس سے گناہ کبیرہ کبھی سرزد نہ ہو اور اگر کبھی شیطان اس سے ایسی حرکت کرا دے تو فوراً ندامت اور توبہ سے اس کے اثر کو دھو ڈالے۔

(۲) حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، شبِ قدر میں حضرت جبرئیل فرشتوں کی ایک جماعت کے ساتھ اُترتے ہیں اور اللہ کے جو بندے کھڑے یا بیٹھے عبادت و ذکر الٰہی میں مشغول ہوتے ہیں ان کے

---

عہ ہاں اللہ تعالیٰ چاہے معاف فرما دے۔

واسطے یہ سب فرشتے خیر و رحمت کی دعا کرتے ہیں ........

(بیہقی فی شعب الایمان۔ مشکوٰۃ)

(۳) امام مالک اپنی موطأ[1] میں روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اگلی امتوں کے لوگوں کی عمریں دکھلائی گئیں تو شاید آپ کو اپنی امت کی عمروں کو بہ نسبت اُن کے کم دیکھ کر یہ خیال ہوا کہ میری امت کے لوگ عمل کے اُس درجہ تک نہ پہنچ سکیں گے جس پر اگلی امتوں کے یہ لوگ پہنچے ہیں۔ تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو شبِ قدر عطا فرمائی جو ہزار مہینوں سے بہتر و افضل ہے۔" (اور جس میں عبادت کرنے کا ثواب برسہا برس کی عبادت کے اجر و ثواب کے برابر ہے۔)

لیلۃ القدر کی تعیین کے بارہ میں مختلف احادیث اور اقوالِ علماء کو پیش نظر رکھنے کے بعد یہی قول راجح معلوم ہوتا ہے کہ حتمی طور پر اس کے لیے کوئی تاریخ مقرر نہیں ہے، ہاں عموماً یہ رات رمضان کے عشرہ اخیرہ کی راتوں میں اور علی الاغلب اس کی طاق راتوں میں ہوتی ہے۔ پس چاہیے کہ اس کی طمع و امید میں رمضان کی ہر رات میں بالخصوص اس کے عشرہ اخیرہ کی راتوں میں اور خاص کر عشرہ اخیرہ کی کبھی طاق راتوں میں عبادت اور دعا کا ضرور اہتمام کیا جائے ۔۔۔۔۔ جیسا کہ معلوم ہو چکا قرآن مجید میں کبھی اس ایک رات کو ہزار مہینوں سے بہتر بتایا گیا ہے جس کا مطلب یہ سمجھا گیا ہے کہ اس کی عبادت کا درجہ اللہ کے یہاں ہزار مہینوں کی عبادت سے زیادہ ہے، اور ہزار مہینوں کو اگر جوڑا جائے تو ۸۳ برس چار مہینے کا زمانہ ہوتا ہے، گویا جس کو اس رات میں عبادت کرنا نصیب ہو جائے تو علاوہ دوسری خاص رحمتوں اور برکتوں کے تراسی (۸۳) برس چار مہینے کی عبادت کے اجر کا مستحق ہوتا ہے، نہیں، بلکہ اس سے زیادہ کا کیونکہ قرآن مجید میں "لیلۃ القدر" کو ہزار مہینوں کے برابر نہیں بلکہ اُن سے بہتر فرمایا گیا ہے۔ اور اللہ کی قدرت اور اُس کے خزانوں میں کوئی کمی نہیں۔ یفعل اللہ ما یشاء و یحکم ما یرید۔

پس ایک مہینے رمضان کی ۲۹۔۳۰ راتیں ہی نہیں بلکہ پورے سال کی ساری راتوں کا کچھ حصہ کبھی اگر آدمی اس خیال سے عبادت و دعا اور توجہ الی اللہ کے لیے دے دیا کرے

---

[1] موطأ کی یہ روایت بلاغات امام مالک سے ہے اور امام مالک کے بلاغات حجت مانے گئے ہیں۔ ۱۲

کہ ان میں کوئی رات ضرور ہی "لیلۃ القدر" ہوگی تو کوئی بڑی بات نہیں۔ ورنہ کم از کم رمضان کی اور خاص کر اس کے عشرۂ اخیرہ کی راتوں میں تو ضرور ہی اس دولت کے حاصل کرنے کی کوشش کی جائے۔

عرفی اگر بگریہ میسر شدے وصال
صد سال می تواں بہ تمنا گریستن

لیلۃ القدر کے بارہ میں ایک حدیث اور بھی یاد رکھنے کی ہے ـــــــــ

(۴) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے میں نے پوچھا کہ حضرت! اگر مجھے شبِ قدر کا پتہ چل جاوے تو میں اللہ سے کیا دُعا مانگوں؟ آپ نے فرمایا یہ عرض کرو کہ ـــ

اَللّٰهُمَّ اِنَّكَ عَفُوٌّ تُحِبُّ　　اے میرے اللہ تو بہت معاف کرنے والا ہے۔ معاف کرنے
الْعَفْوَ فَاعْفُ عَنِّيْ　　کو پسند کرتا ہے پس مجھے بھی معاف فرما دے۔

(احمد، ابن ماجہ، ترمذی، مشکوٰۃ)

## رمضان کی آخری رات:-

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ۔ رمضان کی آخری رات میں آپ کی اُمت کے لیے مغفرت اور بخشش کا فیصلہ کیا جاتا ہے۔ آپ سے دریافت کیا گیا: یارسول اللہ! کیا وہ شبِ قدر ہوتی ہے؟۔ آپ نے فرمایا کہ۔ شب قدر تو نہیں ہوتی، لیکن بات یہ ہے کہ عمل کرنے والا جب اپنا عمل پورا کر دے تو اس کو پوری اجرت مل جاتی ہے۔ ـــــــــ (مسند احمد)

ـــــــ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ رمضان مبارک کی آخری رات بھی خاص مغفرت کے فیصلہ کی رات ہے لیکن اس رات میں مغفرت اور بخشش کا فیصلہ انہی بندوں کے لیے ہوگا جو رمضان مبارک کے عملی مطالبات کسی درجہ میں پورے کر کے اس کا استحقاق پیدا کرلیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس کی توفیق دے۔

## اعتکاف :-

رمضان مبارک اور بالخصوص اس کے آخری عشرہ کے اعمال میں سے ایک اعتکاف بھی ہے ـــــ اعتکاف کی حقیقت یہ ہے کہ ہر طرف سے یکسو اور سب سے منقطع ہو کر بس اللہ سے لو لگا کے اس کے در پہ (یعنی کسی مسجد کے کونہ میں) پڑ جائے، اور سب سے الگ تنہائی میں اس کی عبادت اور اسی کے ذکر و فکر میں مشغول رہے، یہ خواص بلکہ اخص الخواص کی عبادت ہے۔ اس عبادت کے لیے بہترین وقت رمضان مبارک اور خاص کر اس کا آخری عشرہ ہی ہو سکتا تھا اس لیے اسی کو اس کے لیے انتخاب کیا گیا۔

نزول قرآن سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طبیعت مبارک میں سب سے یکسو اور الگ ہو کر تنہائی میں اللہ تعالیٰ کی عبادت اور اس کے ذکر و فکر کا جو بیتابانہ جذبہ پیدا ہوا تھا جس کے نتیجہ میں آپ مسلسل کئی مہینے غار حرا میں خلوت گزینی کرتے رہے، یہ گویا آپ کا پہلا اعتکاف تھا اور اس اعتکاف ہی میں آپ کی روحانیت اس مقام تک پہونچ گئی تھی کہ آپ پر قرآن مجید کا نزول شروع ہو جائے، چنانچہ حرا کے اس اعتکاف کے آخری ایام ہی میں اللہ کے حامل وحی فرشتے جبرئیل سورۂ اقرأ کی ابتدائی آیتیں لے کر نازل ہوئے ـــــ تحقیق یہ ہے کہ یہ رمضان مبارک کا مہینہ[1] اور اس کا آخری عشرہ تھا اور وہ رات شب قدر تھی، اس لیے بھی اعتکاف کے لیے رمضان مبارک کے آخری عشرہ کا انتخاب کیا گیا۔

روح کی تربیت و ترقی اور نفسانی قوتوں پر اس کو غالب کرنے کے لیے پورے مہینے رمضان کے روزے تو تمام افراد امت پر فرض کیے گئے، گویا کہ اپنے باطن میں ملکوتیت کو غالب اور بہیمیت کو مغلوب کرنے کے لیے اتنا مجاہدہ اور نفسانی خواہشات کی اتنی قربانی تو ہر مسلمان کے لیے لازم کر دی گئی کہ وہ اس پورے محترم اور مقدس مہینے میں اللہ کے حکم کی تعمیل اور اس کی عبادت کی نیت سے دن کو نہ کھائے نہ پیوے، نہ بیوی سے متمتع ہو، اور اسی کے ساتھ ہر قسم کے گناہوں بلکہ فضول باتوں سے بھی پرہیز کرے اور یہ پورا مہینہ ان پابندیوں کے ساتھ گزارے ـــــ پس یہ تو رمضان مبارک میں روحانی تربیت و تزکیہ کا عوامی اور کمپلسری کورس مقرر کیا گیا، اور اس سے آگے تعلق باللہ میں ترقی اور ملاء اعلیٰ سے خصوصی مناسبت پیدا کرنے کے لیے اعتکاف رکھا گیا۔

---

[1] کما رواہ البیہقی واختارہ ابن اسحاق۔ راجع فتح الباری۔

اس اعتکاف میں اللہ کا بندہ سب سے کٹ کے اور سب سے ہٹ کے اپنے مالک و مولا کے آستانے پر اور گویا اسی کے قدموں میں پڑ جاتا ہے، اس کو یاد کرتا ہے، اسی کے دھیان میں رہتا ہے اس کی تسبیح و تقدیس کرتا ہے، اس کے حضور میں توبہ و استغفار کرتا ہے، اپنے گناہوں اور قصوروں پر روتا ہے اور رحیم و کریم مالک سے رحمت و مغفرت مانگتا ہے، اس کی رضا اور اس کا قرب چاہتا ہے، اسی حال میں اس کے دن گزرتے ہیں اور اسی حال میں اسکی راتیں ــــ ظاہر ہے کہ اس سے بڑھ کر کسی بندے کی سعادت اور کیا ہو سکتی ہے ــــ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اہتمام سے ہر سال رمضان کے آخری عشرہ کا اعتکاف فرماتے تھے، بلکہ ایک سال کسی وجہ سے رہ گیا تو اگلے سال آپ نے دو عشروں کا اعتکاف فرمایا ــــ

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رمضان کے آخری عشرہ میں اعتکاف فرمایا کرتے تھے۔ ایک سال آپ اعتکاف نہیں کر سکے تو اگلے سال بیس دن کا اعتکاف فرمایا ــــ (جامع ترمذی)

حضرت انسؓ کی اس روایت میں یہ مذکور نہیں ہے کہ ایک سال اعتکاف نہ ہو سکنے کی کیا وجہ پیش آئی تھی۔ سنن نسائی اور سنن ابی داؤد وغیرہ میں حضرت اُبی بن کعب کی ایک حدیث مروی ہے اُس میں تصریح ہے کہ ایک سال رمضان کے عشرۂ اخیرہ میں آپ کو کوئی سفر کرنا پڑ گیا تھا اس کی وجہ سے اعتکاف نہیں ہو سکا تھا اس لیے اگلے سال آپ نے بیس دن کا اعتکاف فرمایا۔

اور صحیح بخاری میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے مروی ہے کہ جس سال آپ کا وصال ہوا اس سال کے رمضان میں بھی آپ نے بیس دن کا اعتکاف فرمایا تھا یہ بیس دن کا اعتکاف غالباً اس وجہ سے فرمایا تھا کہ آپ کو یہ اشارہ مل چکا تھا کہ عنقریب آپ کو اس دنیا سے اٹھا لیا جائے گا اس لیے اعتکاف جیسے اعمال کا شغف بڑھ جانا بالکل قدرتی بات تھی ؎

وعدۂ وصل چوں شود نزدیک
آتشِ شوق تیز تر گردد

## اعتکاف کے اصولی احکام :-

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے، فرمایا کہ معتکف کے لیے شرعی دستور اور ضابطہ یہ ہے کہ وہ نہ مریض کی عیادت کو جائے، نہ نماز جنازہ میں شرکت کے لیے باہر نکلے، نہ عورت سے صحبت کرے، نہ بوس وکنار کرے، اور اپنی ضرورتوں کے لیے مسجد سے باہر نہ جائے، سوائے اُن حوائج کے جو بالکل ناگزیر ہیں (جیسے پیشاب پاخانہ وغیرہ) اور اعتکاف (روزہ کے ساتھ ہونا چاہیے) بغیر روزہ کے اعتکاف نہیں، اور مسجد جامع میں ہونا چاہیے، اس کے سوا نہیں ———— (سنن ابی داؤد)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اعتکاف کرنے والے کے بارے میں فرمایا کہ وہ (اعتکاف کی وجہ سے اور مسجد میں مقید ہو جانے کی وجہ سے) گناہوں سے بچا رہتا ہے، اور اس کا نیکیوں کا حساب ساری نیکیاں کرنے والے بندے کی طرح جاری رہتا ہے، اور نامۂ اعمال میں لکھا جاتا رہتا ہے ———— (سنن ابن ماجہ)

جب بندہ اعتکاف کی نیت سے اپنے کو مسجد میں مقید کر دیتا ہے تو اگرچہ وہ عبادت اور ذکر و تلاوت وغیرہ کے راستے سے اپنی نیکیوں میں خوب اضافہ کرتا ہے لیکن بعض بہت بڑی نیکیوں سے وہ مجبور بھی ہو جاتا ہے، مثلاً وہ بیماروں کی عیادت اور خدمت نہیں کر سکتا جو بہت بڑے ثواب کا کام ہے، کسی لاچار مسکین، یتیم اور بیوہ کی مدد کے لیے دوڑ دھوپ نہیں کر سکتا کسی میت کو غسل نہیں دے سکتا، جو اگر ثواب کے لیے اور اخلاص کے ساتھ ہو تو بہت بڑے اجر کا کام ہے، اسی طرح نماز جنازہ کی شرکت کے لیے نہیں نکل سکتا، میت کے ساتھ قبرستان نہیں جا سکتا جس کے ایک ایک قدم پر گناہ معاف ہوتے ہیں اور نیکیاں لکھی جاتی ہیں ———— لیکن اس حدیث میں اعتکاف والے کو بشارت سنائی گئی ہے کہ اُس کے حساب اور اس کے صحیفۂ اعمال میں اللہ تعالیٰ کے حکم سے وہ سب نیکیاں بھی لکھی جاتی ہیں جن کے کرنے سے وہ اعتکاف کی وجہ سے مجبور ہو جاتا ہے، اور وہ ان کا عادی تھا۔ ؎

کیا نصیب اللہ اکبر لوٹنے کی جائے ہے

# اسراء و معراج۔ چند اشارات و اسرار قرآن مجید کی روشنی میں

(قسط ۲)

خلیل الرحمٰن سجاد ندوی

## واقعۂ اسراء ایک ہمہ گیر انقلاب کا اعلان

ہم نے اوپر عرض کیا ہے کہ واقعہ معراج کے دو مرحلے ہیں۔ ایک مرحلہ مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک، اور دوسرا مسجد اقصیٰ سے سدرۃ المنتہیٰ تک۔ ان دونوں مرحلوں کے دو الگ الگ مقصد تھے۔ ہم نے اس جانب بھی اشارہ کیا تھا کہ پہلے مرحلہ کا صراحۃً ذکر سورۂ بنی اسرائیل میں (جس کا دوسرا نام سورۂ اسراء بھی ہے) کیا گیا ہے اور دوسرے مرحلہ کا سورۂ النجم میں۔ صرف اسی بات پر فن تفسیر کے اصول و قواعد کی روشنی میں غور کرنے سے ان دونوں مرحلوں کے اشارات و مقاصد سمجھ میں آسکتے ہیں ـــــ ذیل کی سطروں میں اس اجمال کی تفصیل ملاحظہ فرمائیے۔

اتنی بات تو عام طور سے لوگ جانتے ہیں کہ واقعات، حالات اور ضرورتوں کے تحت اللہ تعالیٰ کی طرف سے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر آیات نازل ہوتی تھیں۔ اور آپ کے جن صحابہ کے ذمے آیات کو لکھ کر محفوظ کرنا ہوتا تھا، ان سے آپ وہ آیتیں نازل ہونے کے فوراً بعد ہی لکھوا دیا کرتے تھے ـــــ اور خود ہی ان آیات کی جگہ کا تعین بھی فرما دیا کرتے تھے ـــــ آیات کی ترتیب اور ان کے مقام کے سلسلہ میں اس اہتمام سے فن تفسیر کے ائمہ و محققین نے یہ انتہائی اہم اصول اخذ کیا ہے کہ آیت کے مفہوم کو سمجھنے کے لیے دوسری چیزوں کے ساتھ اس سورت کے مرکزی مضمون کو بھی

سمجھنا ضروری ہوتا ہے جس میں وہ آیت درج کی گئی ہے ـــــ مثلاً اگر کسی سورت میں کسی واقعہ کی طرف اشارہ ہے تو اس واقعہ کے اشاروں اور پیغام کو سمجھنے کے لیے یہ ضروری ہوگا کہ اس سورت کے مرکزی مضمون کو اچھی طرح سمجھ لیا جائے ـــــ اسی اصول کی بناء پر واقعہ اسراء کے مقصد کو سمجھنے کے لیے ہمیں سورۂ بنی اسرائیل اور سورۂ النجم کا اجمالی مطالعہ کرنا ہوگا۔ آئیے پہلے سورۂ بنی اسرائیل کا اجمالی جائزہ لیں جس کا آغاز ہی واقعۂ اسراء کی طرف اشارہ سے ہوا ہے۔

## سورۂ بنی اسرائیل کا مرکزی موضوع

حضرت ابراہیم علیہ السلام اس خدائی و فطری نظام حیات کے بانی تھے جس کو دین اسلام یا ملت ابراہیمی کہا جاتا ہے ـــــ ان کے گھرانے کو اللہ تعالیٰ نے دنیا میں اس نظام حیات کی ترویج و بقا اور انسانیت کی امامت و قیادت کا عظیم منصب اور نازک کام سپرد فرمایا تھا۔ ان کے دو بیٹے تھے حضرت اسماعیل اور حضرت اسحاق ـــــ اس کرۂ ارض پر دین حق کے دو ہی بڑے مرکز تھے۔ عرب میں کعبہ اور شام میں بیت المقدس، حضرت حضرت اسحاق کی نسل کو جن کا مشہور نام بنی اسرائیل ہے بیت المقدس کی اور بنو اسماعیل کو کعبہ کی تولیت عطا ہوئی تھی جو در اصل ان دونوں مراکز سے ملت ابراہیمی اور دین حق کی حفاظت کی ذمہ داری کا ایک رمز و نشان اور اس کی ادائیگی کے صلہ میں خدائی انعام کی حیثیت رکھتی تھی۔ لیکن یہ دونوں خانوادے رفتہ رفتہ اس منصب امامت کو اپنا خاندانی حق اور دائمی و موروثی منصب سمجھ بیٹھے، اور اس کے شرائط تقاضوں اور مطالبوں کو بھول گئے۔ بنو اسرائیل میں باطنی رذائل نے جڑ پکڑ لی، کذب و افتراء، تحریف و تاویل، بغض و حسد، تفرقہ و انتشار، نخوت دینداد، ضمیر فروشی اور بزدلی و مکاری ان کے قومی کردار کی بنیادی خصوصیات بن گئیں اور بنو اسماعیل شرک و خرافات اور اوہام پرستی کا شکار ہو گئے ـــــ لہٰذا اللہ تعالیٰ کے بے لاگ قانون کے مطابق ان دونوں کو اس کا حق نہیں رہ گیا تھا کہ دونوں مراکز کی تولیت ان خاندانوں کے ہاتھ میں باقی رہے ـــــ اور اب نظام عالم میں ایک بڑی تبدیلی کی ضرورت تھی ـــــ اس تبدیلی کے لیے اللہ تعالیٰ

نے بنو اسماعیل ہی کے ایک فرزند محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا انتخاب فرمایا تھا، اور مشیت الٰہی میں یہ طے ہو چکا تھا کہ اب ملت ابراہیمی کی حفاظت، اس کے احیاء و تجدید اور اس کی تکمیل کا کام ان کے سپرد کیا جائے۔ اور اس کے لیے یہ ضروری تھا کہ ملت ابراہیمی کے دونوں مرکزوں کی تولیت بھی انہی کو اور ان کے واسطے سے ان کے سچے متبعین کو عطا ہو (خواہ ان کا تعلق کسی بھی خاندان سے ہو)

سورۂ بنی اسرائیل کا مرکزی مضمون درحقیقت اسی عظیم انقلاب اور بنو اسرائیل اور مشرکین قریش دونوں پر اتمام حجت کا اعلان ہے۔ اس سورت کے مضامین کا تفصیلی بیان اس مضمون میں نہیں آسکتا، اس کے لیے تفسیر کی کتابوں کا مطالعہ کیا جائے۔ یہاں ناچیز راقم سطور اپنی ناقص فہم کے مطابق ان کا خلاصہ عرض کرتا ہے۔

پہلی آیت میں واقعۂ اسراء کی طرف اشارہ ہے۔ ہمارے نزدیک واقعۂ اسراء کا وہی مقصد ہے جو سورۂ بنی اسرائیل کا، اسی وجہ سے اُسی سے اس سورت کو شروع کیا گیا ہے۔ یہ بات ابھی اجمالاً ہی عرض کی جا سکتی ہے۔ سورت کے اجمالی مطالعہ کے بعد یہ بات خود بخود واضح ہو جائے گی۔

آیت ۲ سے ۸ تک بنو اسرائیل کو ان کی اپنی تاریخ یاد دلائی گئی ہے کہ ارض مقدس کی تولیت کا شرف انھیں ملت ابراہیمی کی حفاظت کے صلہ کے طور پر بخشا گیا تھا، چنانچہ ماضی میں دو مرتبہ یہ شرف ان سے چھینا جا چکا ہے۔ پہلی مرتبہ بابل کے بادشاہ بخت نصر کے ہاتھوں، جس نے انھیں وہاں سے جلا وطن کیا، بیت المقدس کی اینٹ سے اینٹ بجادی، اور توراۃ کے پرزے پرزے کر دیے ـــــــ پھر ان حالات کی مار نے انھیں اللہ کی طرف متوجہ کیا اور انبیاء نے اصلاح و تجدید کا کام کر کے ایک نئی روح ایمانی قوم میں پھونک دی تو انھیں دوبارہ بیت المقدس کی تولیت دے دی گئی ـــــــ لیکن پھر جب انھوں نے ایمان و اطاعت کی راہ چھوڑ دی تو ان پر یونانیوں اور رومیوں کو مسلط کر دیا گیا جنھوں نے بیت المقدس کو جلا کر خاکستر کر دیا، اور بنو اسرائیل کا قتل عام کیا ـــــــ ان آیات میں اس تاریخ کو یاد دلا کر یہ حقیقت بنو اسرائیل کے سامنے رکھی گئی ہے

کہ تمھارا یہ زعم خود تمھاری تاریخ کی روشنی میں بے بنیاد ہے کہ دنیا کی مذہبی پیشوائی اور مرکز ہدایت کی تولیت تمھارا خاندانی اجارہ اور دائمی حق ہے ــــــ یہ شرف تمھیں ایمان و اطاعت کے نتیجہ میں حاصل ہوا تھا۔ اب اگر آئندہ بھی تم خدا کی رحمت کے مستحق بننا چاہتے ہو تو اپنے ایمان و اعمال کی اصلاح کرو جس کا دروازہ ہم نے نبی امیؐ کے ذریعہ کھول دیا ہے۔ (عسیٰ ربکم أن یرحمکم) ورنہ ہمارا قانونِ عدل دائمی ہے، کفر و سرکشی کی سزا تمھیں وہی ملے گی جو اس سے پہلے دو مرتبہ مل چکی ہے (وان عدتم عدنا) اور اصل سزا تو جہنم میں ملے گی (وجعلنا جهنم للكافرين حصيرا)

آیت ۹ سے ۲۱ تک میں روئے سخن مشرکین مکہ کی طرف ہے۔ جو بار بار عذاب کا مطالبہ کرتے تھے ــــــ ان کو سب سے بڑی نشانی قرآن مجید اور اس کی دعوت "صراط مستقیم" کی طرف متوجہ کیا گیا اور پھر رات اور دن کی آفاقی نشانی کی طرف توجہ دلائی گئی۔ اور پھر یہ سنت الٰہی بتائی گئی کہ قوم پر عذاب اس وقت آتا ہے جب خدا کا نبی اس میں مبعوث ہو جاتا ہے اور وہ اس قوم پر حجت قائم کر دیتا ہے لیکن قوم کفر و انکار کی روش نہیں چھوڑتی اس طرح قریش کو ان کے کفر و انکار کی بدولت ان کے انجام بد سے باخبر کر دیا گیا جس کا لازمی نتیجہ کعبہ کی تولیت سے ان کی محرومی ہے۔

آیت ۲۲ سے ۳۹ تک میں بارہ احکام درج کیے گئے ہیں جو دراصل پورے اسلام اور قرآنی دعوت کی بنیاد ہیں۔ مختصر عبارت میں یہ احکام یہ ہیں:۔

۱۔ شرک سے بچو، ۲۔ والدین کی اطاعت و عزت کرو، ۳۔ اہل حقوق یعنی قرابت داروں، مسکینوں اور مسافروں کے حقوق ادا کرو، ۴۔ اعتدال اور کفایت شعاری اختیار کرو، ۵۔ قتل اولاد کی ممانعت، ۶۔ زنا اور اس کے محرکات کی ممانعت، ۷۔ قتل کی ممانعت، ۸۔ یتیم کے ساتھ بہتر سلوک اور اس کے مال میں خیانت کے شبہ سے بھی دوری کی ہدایت، ۹۔ ایفائے عہد کی ہدایت، ۱۰۔ ناپ تول میں دیانت داری کی ہدایت، ۱۱۔ نامعلوم باتوں کی پیروی نہ کرنے کی ہدایت یعنی تہمت بدگمانی اور الزام تراشی کی ممانعت، ۱۲۔ غرور اور تکبر کی ممانعت۔

راقم سطور کے خیال میں ان احکام کے اس سیاق میں ذکر کرنے کی دو حکمتیں ہو سکتی ہیں۔
پہلی یہ کہ بنی اسرائیل اور مشرکین مکہ دونوں کے سامنے ایک بار پھر جامع انداز سے پوری قرآنی دعوت کا خلاصہ رکھ دیا جائے، تاکہ حق تفصیلاً اور اجمالاً دونوں طرح واضح ہو۔ اور حجت تمام ہو۔

دوسری حکمت یہ بھی ہو سکتی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے و رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج کے موقع پر اپنے حضور خاص میں طلب کیا تھا تو یہ بارہ احکام دونوں مرکزوں کی تولیت اور دینی امامت و قیادت کے شرائط نامے کے بطور آپؐ کو عطا کیے گئے ——— اور اس طرح امت محمدیہ کو یہ بتانا مقصود تھا کہ در اصل یہ شرطیں تھیں اس نظام حیات سے وابستگی اور اس کی دعوت و اشاعت کی بھاری ذمہ داری کو اٹھانے کے نتیجہ میں عطا کیا جا رہا ہے۔۔۔۔۔۔

اس حکمت کا ایک قرینہ یہ ہے کہ ان احکام کی تفصیل کے بعد آخر میں ارشاد ہوا ہے:

ذالک مما اوحی الیک ربک من الحکمۃ — یہ تمام باتیں اس حکمت کا جزء ہیں جو اللہ نے تم پر القاء کی ہے۔

اور معراج کے موقع پر اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو کچھ باتیں وحی کے ذریعہ عطا کی تھیں، سورۂ النجم میں فرمایا گیا ہے

فاوحی الی عبدہ ما اوحی — پھر خدا نے اپنے بندہ کی طرف وحی کی جو کچھ کہ وحی کی

تو کیا یہ قرین قیاس نہیں ہے کہ حکمت کی ان باتوں میں سے جن کا تعلق احکام و شرائع سے تھا وہ یہی ۱۲ ہوں؟

اس حکمت کا دوسرا قرینہ یہ ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کوہ طور پر اللہ تعالیٰ سے ہمکلامی نصیب ہوئی تھی جو بنی اسرائیل کی ہجرت اور فتح اور فرعونیوں کی ہلاکت کی تمہید تھی تو وہاں بھی اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰؑ کو دس احکام دیے تھے جو ان بارہ احکام سے ملتے جلتے ہیں، ان احکام کی طرف اشارہ اسی سورۂ بنی اسرائیل کے آخر میں

آیا ہے۔ آگے چل کر ہم اس کے بارے میں بھی انشاء اللہ مختصراً عرض کریں گے۔ یہاں تو ہمیں صرف یہ عرض کرنا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جس طرح کوہ طور پر یہ دس احکام دیے گئے، بالکل اسی طرح ہو سکتا ہے کہ یہ بارہ احکام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج کے موقع پر عطا کیے گئے ہوں ــــــ اور اسی بنیاد پر ہمارا یہ خیال ہے کہ ان آیات کا تعلق بھی بنی اسرائیل اور قریش مکہ کی بیت المقدس اور کعبہ کی تولیت سے محرومی اور اس رتبۂ بلند پر امت محمدیہ کی سرفرازی اور اس کی آئندہ فتوحات اور اس کے دشمنوں کی بدانجامی سے براہ راست ہے۔

آیت ۴۰ سے ۵۰ تک روئے سخن مشرکین عرب کی طرف ہے۔ اور قرآن کی دعوت کے دو بنیادی ستونوں ایمان باللہ اور ایمان بالآخرت کے کچھ اور دلائل دیے گئے ہیں۔ اور اس طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ ان مشرکین کی قرآن سے بیزاری کا اصل سبب یہ ہے کہ وہ دو بنیادی حقیقتوں اللہ اور آخرت پر ایمان کی دعوت دیتا ہے اور انھیں ان دونوں سے توحش ہے ــــــ درمیان میں روئے سخن اہل ایمان کی طرف بطور التفات ہوا ہے۔ اُن کو صبر و ضبط کی تلقین کی گئی ہے۔ اور دعوت کا یہ اہم اصول دیا گیا ہے کہ دعوت کی اس گرما گرمی کے دور میں تبلیغ حق کے جوش میں کوئی ایسی بات زبان سے نہ نکالیں جو مخالفین کے لیے مزید اشتعال کا سبب بن جائے اور شیطان اسے فتنہ کا ذریعہ بنالے۔ اور غیر ضروری مباحث مثلاً انبیاء کے مراتب کی تعیین میں نہ الجھیں۔ بہر حال اس سیاق میں ان آیات کو درج کرنے سے صاف اندازہ ہوتا ہے کہ ان کا مقصد دعوت حق کے سلسلہ میں مشرکین پر حجت تمام کرنا ہے۔

آیت ۵۰ سے ۶۰ تک عذاب الٰہی کے بارے میں سنت الٰہی کا بیان ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ جب کسی قوم میں کوئی پیغمبر مبعوث ہوتا ہے تو وہ ہر طرح سے اسے حق کی دعوت دیتا ہے ــــــ لیکن قوم معجزات طلب کرتی ہے۔ بالآخر معجزات پیش کر دیے جاتے ہیں اور جب وہ اس پر بھی ایمان نہیں لاتی تو پیغمبر کو ہجرت کا حکم ہوتا ہے اور اس کے بعد اس بدبخت قوم پر خدا کا عذاب نازل ہوتا ہے ــــــ اسی ذیل میں یہ بھی واضح کر دیا گیا کہ معجزات کا مقصد اصلی تنبیہ و تخویف اور آخری وارننگ دینا ہوتا ہے۔ اور عموماً کافر معجزات کی

تکذیب ہی کرتے ہیں اسی لیے اللہ تعالیٰ معجزات دکھانے میں جلدی نہیں کرتا۔ اس ذیل میں قرآن مجید نے پچھلے بعض انبیاء کے معجزات کے سلسلہ میں ان کی قوموں کے رویہ اور اس کے نتیجہ میں ان کے انجام کا ذکر کرنے کے بعد معراج نبوی کا بھی ذکر کیا ہے ——— جس کا حاصل یہ ہے کہ معراج میں جو تنبیہہ مضمر تھی کہ اب مسجد حرام اور مسجد اقصیٰ دونوں کی تولیت ان کے موجودہ خائن متولیوں سے چھین کر نبی امی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ پر ایمان لانے والوں کے حوالہ کی جانے والی ہے۔ انھوں نے اس سے فائدہ اٹھانے کے بجائے معراج ہی کا انکار کیا اور نبی کا مذاق اڑایا۔ اور اب مذکورہ بالا سنت الٰہی کی آخری دفعہ کے نفاذ کا وقت آگیا ہے ........

واقعہ معراج سے ان آیات کا تعلق اشارۃً نہیں بلکہ صراحۃً ہے۔ اور اس میں واقعہ معراج میں مضمر اعلان و تنبیہہ کی طرف بھی اشارہ کر دیا گیا ہے۔

آیت ۶۱ سے ۶۵ تک ان کافروں کے انکار کا اصل سبب بیان کیا گیا ہے کہ وہ غرور، تکبر اور نعمتوں میں مست ہو کر منعم حقیقی کو بھول جانے کی عادت کی وجہ سے ان کھلی نشانیوں کو دیکھ کر بھی ایمان نہیں لاتے۔ ابلیس اس سنت سیئہ کا بانی ہے اور یہ لوگ اسی کی پیروی کر رہے ہیں اور ان کا سلسلۂ نسب اسی سے ملتا ہے۔

آیت ۶۶ سے ۷۲ تک انسان کے اس ناشکرے پن کا ذکر کیا گیا ہے جو اس کی اس بری عادت کا سبب ہے۔ اور پھر انسانوں کی دو گروہوں میں تقسیم کی گئی ہے۔ ایک گروہ ان کا جو دنیا کو کھلی آنکھوں سے دیکھتے ہیں، نشانیوں، معجزات اور واقعات سے سبق لیتے ہیں ان کے اشارات کو سمجھتے ہیں اور دوسرا گروہ ان انسانوں کا ہے جو ہمیشہ اندھے بنے رہتے ہیں بڑے سے بڑے واقعہ سے کوئی سبق نہیں لیتے بلکہ اس کو تسلیم ہی نہیں کرتے۔ ان دونوں گروہوں کا اخروی انجام بھی بیان کیا گیا ہے۔

اس سیاق میں ان آیات کو درج کرنے سے یہ واضح اشارہ ملتا ہے کہ معراج جیسی عظیم نشانی کو جھٹلانے کی وجہ دراصل ان کا تکبر، ناشکری کی عادت اور ان کی آنکھوں کا اندھاپن اور نور بصیرت سے محرومی ہے۔ اس موقع پر یہ سب جتانے کا اور ان کا اخروی انجام بتانے کا

مقصد اولین ان مشرکوں پر مکمل طور سے اتمام حجت ہی ہے۔

آیت ۷۳ سے ۷۷ تک جو بات اب تک اشاروں کی زبان میں کہی جا رہی تھی وہ اب پوری صراحت کے ساتھ کہہ دی گئی۔ ان آیات کا روئے سخن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہے۔ آپ کو مخاطب کر کے یہ کہا گیا ہے کہ مخالفین کی تمام مخالفتوں کے علی الرغم اپنے موقف حق پر جمے رہو، اب وہ وقت قریب ہے کہ یہ دشمنانِ حق تمھیں دل برداشتہ کر کے سرزمین مکہ سے نکلنے پر مجبور کر دیں۔ اگر ایسا ہوا تو تمھارے چلے جانے کے بعد یہ بھی اطمینان سے بہت کم ہی رہ سکیں گے تم سے پہلے جتنے رسول ہم نے بھیجے ہیں سب کے ساتھ یہی معاملہ رہا ہے۔

ان آیات کے بارے میں ان کے مفہوم کی روشنی میں قطعیت کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ یہ ہجرت سے کچھ ہی پہلے اور معراج کے بعد نازل ہوئیں کیونکہ ہجرت اتمامِ حجت کے بعد ہی ہوتی ہے، اور اتمام حجت معراج ہی سے ہوا جیسا کہ اوپر کی سطروں میں اس کی وضاحت کی جا چکی ہے ـــــ اس روشنی میں ان آیات کا معراج نبوی سے گہرا اور براہ راست تعلق صاف دیکھا جا سکتا ہے۔

آیت ۷۸ سے ۸۱ تک ہجرت، اس کے بعد کے نازک حالات اور ان کے نتیجہ میں رونما ہونے والے ہمہ گیر انقلاب کے کٹھن مرحلوں سے گزرنے کے لیے طاقت کے سرچشمہ کے طور پر نماز پنجگانہ اور تہجد کے اہتمام کی تلقین کی گئی ہے اور ہجرت کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک دعا کی تعلیم دی گئی اور ظاہری ناسازگار حالات کے علی الرغم غلبۂ حق اور فتح مکہ کی بشارت دی گئی۔ یہاں یہ بات ذہن میں تازہ کر لیجیے کہ نماز پنجگانہ معراج ہی میں فرض کی گئی ہے۔ یعنی دوسرے الفاظ میں آئندہ پیش آنے والے معرکوں میں کام آنے والا ہتھیار معراج ہی میں امت کو دیا گیا تھا۔ کیونکہ معراج ان معرکوں کے آغاز کی علامت تھی۔

آیت ۸۲ سے ۱۰۰ تک روئے سخن ان کافروں کی طرف ہو گیا ہے۔ پہلے تو ان کی اس کج روی پر اظہار افسوس کیا گیا ہے کہ وہ قرآن جیسی نعمت عظمیٰ کی ناقدری کر رہے ہیں حالانکہ وہ ان کے لیے باعث شفا اور وسیلۂ رحمت ہے۔ پھر اسی ضمن میں اتمام حجت ہی کے قصد سے

وحی و رسالت، قرآن، قیامت، معراج اور معجزات پر ان کافروں کے جو اعتراضات تھے ان کے جوابات تفصیل سے دیے گئے ہیں ____ واقعہ معراج کے متعلق کافروں کے رویہ کا ان الفاظ میں ذکر کیا گیا ہے۔

"ولن نؤمن لرقیک حتی تنزل علینا کتاباً نقرؤہ" (ہم آپ کے آسمان پر جانے کو اس وقت تک تسلیم نہیں کریں گے جب تک آپ (ہمارے سامنے آسمان پر نہ چڑھ جائیں اور) وہاں سے پورا قرآن مکمل لکھا ہوا لاکر ہمارے ہاتھ میں نہ دے دیں۔)

اس طرح یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ان آیات کے پس منظر میں کہیں واقعہ معراج اور اس کے نتیجہ میں ازسرنو سامنے آنے والے اشکالات و اعتراضات ہیں۔ دوسرے الفاظ میں واقعہ معراج جس عظیم انقلاب کا پیش خیمہ تھا، ان آیات میں کافروں پر حجت قائم کرکے اس انقلاب کی شرطوں کو پورا اور اس کے لیے میدان تیار کیا جا رہا ہے۔

آیت ۱۰۱ سے ۱۰۴ تک حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کوہ طور پر اللہ نے ہم کلامی کا شرف بخشنے کے بعد جو دس احکام دیے تھے ان کی طرف اشارہ ہے اور ان احکام کے سلسلہ میں فرعونیوں کے معاندانہ رویہ اور اس کے نتیجہ کا ذکر ہے۔ ان تین آیات میں مذکور اس واقعہ کی واقعہ معراج سے خصوصی مناسبت کی وجہ سے ان پر قدرے تفصیلی گفتگو ضروری ہے۔ پہلے آیات اور ان کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیے۔

| | |
|---|---|
| ولقد آتینا موسیٰ تسع آیات | ہم نے کوہ طور پر موسیٰ کو نو واضح احکام |
| بینٰت فسئل بنی اسرائیل | دیے، تو پوچھ لو بنی اسرائیل سے کہ جب |
| اذ جاءھم فقال لہ فرعون انی | موسیٰ بنی اسرائیل کے پاس آئے (اور |

---

لے راقم سطور کے خیال میں یہ بات تقریباً یقینی ہے کہ مشرکین مکہ نے اس جملہ میں واقعہ معراج ہی کی طرف اشارہ کیا تھا۔ اس کا کھلا قرینہ یہ ہے کہ ان کے متعدد مطالبوں میں سے جو ان آیات میں مذکور ہیں ایک مطالبہ آپ کے آسمان پر جانے کا مطالبہ تھا۔ چونکہ معراج کا واقعہ پیش آچکا تھا اس لیے آپ کی طرف سے یہ جواب دیا جا سکتا تھا کہ معراج کے بعد اس مطالبہ کا کیا جواز ہے؟ مشرکین نے اس کی پیش بندی کے لیے یہ کہدیا کہ اسے تو ہم مانتے ہی نہیں، اس لیے کہ اسے ہم نے دیکھا نہیں۔ ہم تو تب مانیں گے جب آپ ہمارے سامنے آسمان پر چڑھیں اور وہاں سے پورا قرآن لاکر ہمارے ہاتھ میں دیدیں ___ علامہ سید سلیمان ندوی نے اس آیت سے یہی مفہوم اخذ کیا ہے۔

لأظنك يا موسى مسحوراً ، قال لقد علمت ما أنزل هؤلاء إلا رب السماوات والأرض بصائر وإني لأظنك يا فرعون مثبوراً فأراد أن يستفزهم من الأرض فأغرقناه ومن معه جميعا وقلنا من بعده لبني إسرائيل اسكنوا الأرض فإذا جاء وعد الآخرة جئنا بكم لفيفاً

ان احکام کی تعلیم و دعوت ان میں شروع کی) تو فرعون نے اُن سے کہا کہ اے موسیٰ! مجھے یقین ہے کہ تم پر کسی نے جادو کر دیا ہے۔ موسیٰ نے جواباً کہا کہ اے فرعون تجھے اچھی طرح معلوم ہے کہ یہ احکام آسمان و زمین کے رب ہی نے اپنے بندوں کی آنکھیں کھولنے اور انھیں دانائی سکھانے کے لیے اتارے ہیں اور سنو! مجھے یقین ہے کہ تم ہلاک و برباد ہو جاؤ گے (اس کے بعد) فرعون نے چاہا کہ بنی اسرائیل کو ملک سے نکال دے تو ہم نے اس کو اور اس کے تمام ساتھیوں کو غرق کر دیا اور اس کے بعد ہم نے بنی اسرائیل سے کہا کہ اب تم ملک میں رہو، اور جب آخری انجام کا وقت آئے گا ہم تم کو سمیٹ کر لے آئیں گے۔

اس آیت میں حضرت موسیٰ اور بنی اسرائیل کی تاریخ کے جس واقعہ کا ذکر ہے اس کی سطح نبوی اور سورۂ بنی اسرائیل کے موضوع و مقصد سے مناسبت کے بارے میں کچھ عرض کرنے سے پہلے ایک اشکال کا ازالہ ضروری ہے۔

اس آیت میں "تسع آیات بینات" (نو واضح نشانیاں) کا لفظ آیا ہے جن کا ترجمہ ہم نے نو واضح احکام سے کیا ہے۔ عام طور سے کتب تفسیر میں ان نو نشانیوں سے مراد حضرت موسیٰ کے نو معجزات لیے گئے ہیں جن کا قرآن مجید میں مختلف مقامات پر ذکر ہے لیکن ہمارے اس ترجمہ کی بنیاد وہ حدیث ہے جس میں مذکور ہے کہ دو یہودیوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تسع آیات بینات کا مفہوم دریافت کیا۔ آپ نے فرمایا وہ یہ ہیں: کسی[1] کو خدا کا شریک نہ بناؤ، زنا[2] نہ کرو، ناحق[3] کسی کو قتل نہ کرو، چوری[4] نہ کرو، جادو[5] نہ کرو، کسی[6] حاکم کے پاس کسی بے گناہ کا جھوٹا مقدمہ نہ پیش کرو، سود[7] نہ کھاؤ، کسی پاک[8] دامن پر تہمت نہ لگاؤ، اور[9] میدان جہاد سے نہ بھاگو، اور خاص تمھارے لیے اے یہودیو دسواں حکم مزید یہ ہے کہ سبت (ہفتہ) کے دن

زیادتی نہ کرو۔[1]

توراۃ کے موجودہ ترجمے میں بھی ان دس احکام کا الفاظ کے تھوڑے فرق کے ساتھ ذکر ہے۔[2]

یہاں یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ یہ احکام حدیث نبوی اور توراۃ دونوں کے بیان کے مطابق دس ہیں، اور آیت میں ۹ کا عدد مذکور ہے ـــ اس شبہ کا جواب، خود اسی حدیث میں موجود ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ۹ احکام تو ایک سلسلۂ کلام میں ذکر فرمائے اور دسویں حکم کو الگ یہ کہہ کر ذکر فرمایا کہ یہ صرف تم یہودیوں ہی کے لیے تھا ـــ اس کی اسی خصوصیت کی وجہ سے اسے "آیات بینات" سے خارج کر دیا گیا کیونکہ اس لفظ کا مکمل اطلاق ان اصولی احکام ہی پر ہوتا ہے جو کہ ملت ابراہیمی سے تعلق رکھنے والی ہر شریعت اور آسمانی ہدایت میں ہوتے ہیں، کیونکہ وہی اس کی نبوی دعوت اور ملت ابراہیمی کی طرف اس کے انتساب کے صحیح ہونے کا ثبوت ہوتے ہیں۔

اس بات کا کہ ۹ نشانیوں سے مراد یہی احکام ہیں جو حدیث میں بیان ہوئے ہیں۔ ایک قرینہ یہ بھی ہے کہ اس آیت میں اس طرف اشارہ موجود ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان ۹ نشانیوں کو بنی اسرائیل کے سامنے پیش کیا تھا، فرعون کے سامنے نہیں۔[3] جو قوم ایمان لا چکی ہو اس کی تربیت کے لیے احکام و ہدایات اور نظام حیات کی ضرورت ہوتی ہے معجزات کی نہیں، معجزات کی ضرورت تو منکروں پر اتمام حجت کے لیے ہوتی ہے۔ اس کا دوسرا قرینہ یہ بھی ہے کہ فرعون نے موسیٰ علیہ السلام کو "سحر زدہ" قرار دیا، اگر وہ ان کے ہاتھ پر معجزات اور خارق عادت اشیاء کا ظہور دیکھتا تو وہ خود انھیں ساحر اور شعبدہ باز ٹھیراتا نہ کہ سحر زدہ، جیسا کہ اس وقت ہوا تھا جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس کے سامنے کچھ نشانیاں اور معجزات پیش کیے، اس وقت اس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ساحر

---

[1] یہ حدیث جامع ترمذی، سنن ابن ماجہ، مستدرک حاکم، مسند احمد، سنن نسائی اور سنن بیہقی میں ہے۔ امام ترمذی نے اس کو "حسن صحیح" اور حاکم نے اسے "صحیح لا نعرف له علة" قرار دیا ہے۔ [2] توراۃ، سفر استثناء ۵-۶، [3] آیت کے ان الفاظ پر غور فرمایا جائے "فسئل بنی اسرائیل اذ جاءھم"

علیم اور جادوگر کا خطاب دیا تھا[۲] ـــــ زیرِ بحث آیت میں بیان ہے کہ اس نے انھیں سحر زدہ قرار دیا۔ یہ اس بات کا کھلا قرینہ ہے کہ یہ واقعہ دعوتِ موسوی کے اس مرحلہ سے تعلق رکھتا ہے جس میں انھوں نے فرعونی تہذیب اور نظامِ حیات کے بالکل خلاف ایک دوسرا نظامِ حیات اور ایک نیا تمدن بنی اسرائیل کے سامنے پیش کیا تو اس نے ان کی اس بات کو نہ چلنے دینے اور اپنے تمدن کی ساکھ کو برقرار رکھنے کے لیے یہی پروپیگنڈہ کرنا شروع کیا کہ موسیٰ جو یہ بہکی بہکی باتیں کر رہے ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ کسی کے جادو کا نشانہ بن گئے ہیں۔۔۔۔ یہ

الغرض مذکورہ بالا احادیث اور ان قرائن کی روشنی میں یقین کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ کوہِ طور پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جو آیات بینات دی گئی تھیں ان سے مراد احکام و ہدایات کا وہ مجموعہ اور دینِ فطرت کے بنیادی اصول و قواعد پر مشتمل وہ "دستورِ حیات" ہے جس کا ذکر اوپر کی سطروں میں ہم نے کیا۔

اوپر ہم یہ عرض کر چکے ہیں کہ معراج کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بارہ احکام عطا ہوئے تھے اُن بارہ احکام کا تقابل ان دس احکام سے کیا جائے جو حضرت موسیٰ کو کوہِ طور پر ان کی حضوری خاص کے موقع پر جو اُن کی معراج تھی، دیے گئے تھے تو یہی نظر آئے گا کہ وہ بارہ ان دس کا تکملہ اور نقشِ ثانی ہی ہیں۔

ان دونوں جلیل القدر نبیوں کی سیرت کے اس واقعہ کی باہمی مشابہت کے یہ کئی پہلو ہیں۔

۱۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام ایک طویل مدت تک فرعون اور اس کے اہل دربار کو سمجھاتے رہے مگر وہ ایمان نہ لائے۔ بالآخر حضرت موسیٰ کو بنی اسرائیل کو لے کر مصر سے ہجرت کرنا پڑی۔ اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک طویل مدت تک مکہ والوں کو دعوت دیتے رہے

---

[۱] مثال کے طور پر ملاحظہ ہو سورۂ اعراف کی آیات ۱۰۴ تا ۱۰۹، سورۂ یونس کی آیات ۷۵، ۷۷، سورۂ طٰہٰ کی آیات ۵۷ و ۶۳ و ۷۱ [۲] حضرات اہلِ علم اس واقعہ کے دعوتِ موسوی کے اس مرحلہ سے تعلق کو اس آیت میں موجود حانے تعقیب سے سمجھ سکتے ہیں۔ ارشاد ہوا ہے۔ "ولقد آتینا موسیٰ تسع آیات بینات فسئل بنی اسرائیل اذ جاءھم فقال لہ فرعون انی لاظنک یا موسیٰ مسحورا"

لیکن جب ان کی غالب اکثریت ایمان نہ لائی تو آپ نے مکہ مکرمہ سے ہجرت فرمائی۔

۲۔ ہجرت سے کچھ ہی پہلے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کوہ طور پر خدا کی ہمکلامی نصیب ہوئی اور دس احکام عطا ہوئے، اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی ہجرت سے تقریباً ایک سال پہلے معراج ہوئی اور بارہ ۱۲ احکام عطا ہوئے۔

ان دونوں پہلوؤں کی روشنی میں سمجھا جا سکتا ہے کہ ان آیات کی واقعۂ معراج سے کیا خصوصی مناسبت ہے؟ یہاں اس سلسلہ میں یہ بات اور ذہن میں تازہ کر لیجیے کہ سورۂ بنی اسرائیل کی اکثر آیات مکہ مکرمہ کے آخری دور میں اور ہجرت سے پہلے کے قریبی زمانہ میں نازل ہوئیں ——— اس موقع پر مکہ والوں کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی سیرت کا یہ واقعہ سنانے کا منشا اس اعلان کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے کہ جس طرح ہم نے ان کو کوہ طور پر بلا کر اپنا قرب خصوصی بخشا تھا، اور کچھ احکام دیے تھے، فرعونیوں نے جب ——— ان احکام کے سلسلہ میں معاندانہ رویہ اختیار کیا تو ہم نے موسیٰ کو ہجرت کا حکم دے دیا جو در اصل فرعونیوں کی ہلاکت اور ان کی قوت و شوکت بلکہ وجود کے خاتمہ کی تمہید تھا، اسی طرح اگر تم معراج نبوی کو جھٹلاؤ گے، اور اس موقع پر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا کیے گئے احکام کے سلسلہ میں معاندانہ رویہ اختیار کرو گے تو اس کے بعد ہم اُن کو ہجرت کا حکم دے دیں گے اور اس کے بعد تمہارے ساتھ فرعونیوں کی تاریخ دوہرائی جائے گی ——— تاریخ شاہد ہے کہ ایسا ہی ہوا۔

اوپر کی سطروں میں کی گئی تشریح سے ہمارا اصل مقصد ان آیات کی سورۂ بنی اسرائیل کے مرکزی مضمون، اور واقعۂ معراج اور اس کے مقصد اولین سے مناسبت کی وضاحت کرنا تھا، مختصراً اس کا خلاصہ یہ ہے کہ سفر معراج محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت، اور اس کے نتیجہ میں رونما ہونے والے انقلاب کا اعلان تھا، اس موقع پر آپ کو اس انقلاب کے شرائط کے طور پر بارہ احکام دیے گئے تھے ——— معراج کی اس حکمت کو سمجھانے اور اس کے انکار اور ان احکام کو قبول نہ کرنے کے نتیجہ میں آنے والے خداوندی عذاب سے آگاہ کرنے کے لیے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی سیرت کا اس سے بالکل ملتا جلتا واقعہ ان آیات میں مشرکین مکہ کو

بنا دیا گیا ـــــــ رہی یہ بات کہ ان دونوں موقعوں پر احکام دینے کی کیا خاص حکمت ہے اور اس سے کیا نتیجہ اخذ کیا جانا چاہیے، تو اس کی بابت اس مضمون کے آخر میں انشاءاللہ کچھ عرض کیا جائے گا۔

آیت ۱۰۵ سے آخر سورت تک ایک بار پھر۔ آخری تنبیہ (انذار) اور سورت کے خلاصہ کے طور پر محمد رسول اللہ کے منصب و مقام اور قرآن کی حقانیت کو واضح کیا گیا ہے۔ اس سلسلہ میں صالحین اہل کتاب کے حقیقت پسندانہ اور منصفانہ طرز عمل کے آئینہ میں مشرکین مکہ اور عام اہل کتاب کو ان کا چہرہ دکھایا گیا اور قرآن اور اسلامی طریقہ عبادت کو قبول نہ کرنے کے ایک مضحکہ خیز بہانے کا جواب بھی دیا گیا ـــــــ اور آخر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ہدایت کی گئی ہے کہ ان مشرکین کی ساری مخالفانہ تگ و دو کے باوجود صرف اللہ کی عظمت و کبریائی اور اسی کی حمد و ثنا کا نہایت اہتمام سے اظہار و اعلان کرتے رہو کہ یہی وہ ہتھیار ہے جس سے تم اور تمھارے حلقہ بگوش اہل ایمان ہر مقابلے میں غالب رہیں گے۔

## سورۂ بنی اسرائیل اور واقعۂ معراج

سورۂ بنی اسرائیل کے مطالب کے اس اجمالی تجزیہ سے یہ حقیقت امید ہے کہ واضح ہو گئی ہو گی کہ ہجرت سے کچھ ہی پہلے نازل ہونے والی اس پوری سورت کا واقعہ معراج سے قریبی تعلق ہے۔

اور یہ بات بھی واضح ہو گئی ہو گی کہ یہ پوری سورت ایک ہی محور کے اردگرد گھومتی ہے جسے ہم انذار و تخویف سے تعبیر کر سکتے ہیں، جس کا رخ مشرکین مکہ (بنی اسماعیل) اور بنی اسرائیل کی طرف تھا۔ سورت کے پیغام کو منضبط الفاظ میں اس طرح بیان کیا جا سکتا ہے:۔

مشرکین مکہ پر اتمام حجت اور ان کو عذاب کے بارے میں اللہ کی سنت بتا کر، اور قرآنی دعوت کے بنیادی عناصر کو ان کے سامنے پیش کر کے آخری انذار و تنبیہ، بنی اسرائیل اور مشرکین دونوں کو ان کے مسلسل مخالفانہ و معاندانہ طرز عمل کے نتیجہ میں مغضوبیت، ذلت و خسران ہلاکت و بربادی اور اس کی علامت کے طور پر ملت ابراہیمی کے دونوں مرکزوں کی تولیت سے ان کی معزولی کا اعلان اور اس بارے میں اللہ کے فیصلے سے ان کو آگاہ کرنا۔

ہم نے اوپر جو تفسیری اصول ذکر کیا تھا۔ یعنی یہ کہ کسی سورت میں مذکور واقعہ کے اشاروں کو سمجھنے کے لیے اس سورت کے مرکزی مضمون کو سمجھنا بھی ضروری ہوتا ہے۔ اس کی روشنی میں پورے اعتماد کے ساتھ کہا جاسکتا ہے کہ واقعۂ معراج کے پہلے مرحلے (اسراء) کے سورۂ بنی اسرائیل کے بالکل آغاز میں ذکر کیے جانے سے یہ اشارہ ملتا ہے کہ اس کا بھی یہی ایک بنیادی مقصد ہے۔ اس موقع پر ہم ایک بار پھر آپ کی توجہ اس سورت کی آیات ۵۷ تا ۶۰ کی جانب مبذول کریں گے جن میں اللہ تعالیٰ نے اپنا قانون بیان فرمایا ہے کہ نبی کی دعوت کو جب قوم قبول نہیں کرتی اور معجزات کا مطالبہ کرتی ہے تو بہت سی نشانیوں کے بعد آخر میں ایک ایسا معجزہ دیا جاتا ہے جس کے انکار کے بعد نبی کو اس بستی سے ہجرت کر جانے کا حکم دے دیا جاتا ہے اور پھر اس قوم پر عذاب آجاتا ہے۔ اس موقع پر معجزات کا واحد مقصد "تخویف" قرار دیتے ہوئے فرمایا گیا ہے

| | |
|---|---|
| وما نرسل بالآیات الا تخویفا | یہ نشانیاں ہم صرف (اپنے عذاب سے) ڈرانے ہی کے لیے بھیجتے ہیں۔ |

اس اصولی اعلان کے بعد تین بڑی تنبیہوں کا ذکر فرمایا گیا ہے جن میں ایک "معراج" ہے ——— اس سیاق میں معراج کے ذکر ہی سے یہ مفہوم اخذ ہوتا ہے کہ یہ بھی ایک تنبیہ ہے جو منکروں اور کافروں کو ان کی بد انجامی سے آگاہ کرنے کے لیے دی گئی تھی ——— اس مفہوم کو مزید تقویت اس سے ملتی ہے کہ اس موقع پر مذکور تینوں تنبیہوں کے ذکر کے بعد ارشاد ہوا ہے۔ ونخوفھم فما یزیدھم الا طغیانًا کبیرًا (یعنی ہم تو ان کو ان باتوں سے مستقبل کے خطرات سے آگاہ کر رہے ہیں لیکن ان کا حال یہ ہے کہ ان کی سرکشی بڑھتی جارہی ہے)

اس سیاق و سباق سے یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ معراج کا مقصد اولین بھی انذار و تخویف تھا ——— جس کا رخ مشرکین مکہ اور بنی اسرائیل دونوں کی طرف تھا۔ اس طور پر کہ مشرکین کے لیے تو اس میں ایک عظیم معجزہ ہونے کے علاوہ مسجد حرام پر ان کے غاصبانہ دور تسلط و اقتدار کے خاتمہ کی تنبیہ مضمر تھی، یعنی اگر وہ اس معجزہ کے بعد محمد رسول اللہ کی رسالت اور اللہ کی ربوبیت و الوہیت کو قبول کرلیں اور اس میں مضمر اس اشارہ کو سمجھ لیں

تو خیریت ہے۔ ورنہ یہ آخری موقع ہے۔ اس کے بعد انھیں کوئی موقع نہ دیا جائے گا۔

بنی اسرائیل جن سے ابھی تک دعوت محمدی کا براہ راست خطاب نہیں ہوا تھا ـــــ کے لیے اس واقعہ کی حیثیت بھی ایک عظیم معجزہ کے علاوہ ملت ابراہیمی اور اس کے مشترقی مرکز مسجد اقصیٰ کی تولیت سے ان کی معزولی کے اعلان کی تھی۔ یعنی یہ کہ اب رسول اللہ صلعم کو مدینہ کی طرف ہجرت کی اجازت ملنے والی ہے، جہاں بنی اسرائیل دعوت محمدی کے مخاطب بنیں گے اور انھیں از سر نو اللہ کی طرف رجوع کا موقع ملے گا، اگر انھوں نے اس دعوت حق کو قبول کر لیا اور اس آخری موقع سے فائدہ اٹھا لیا تو اللہ اُن پر اپنی رحمت کا دروازہ کھولے گا۔ ورنہ ذلت و خواری کے ساتھ انھیں ان کے منصب سے معزول کر دیا جائے گا۔ جیسا کہ حکمت الٰہی میں قرار پا چکا ہے ـــــ مشرکین اور بنی اسرائیل ان دونوں کے لیے تخویف و انذار کے یہی پہلو سفر معراج کے پہلے مرحلے (اسرا) کا مقصد اولین ہیں۔ اور اسی لیے اس کا آغاز مشرکین کے مرکز تسلط مسجد حرام سے ہوا اور اختتام بنی اسرائیل کے مرکز مسجد اقصیٰ پر ہوا ـــــ

اب آپ نے دیکھا کہ واقعہ اسرا اور سورۂ بنی اسرائیل دونوں کے مقصد میں کتنی یکسانیت ہے۔ دونوں کا محور ایک ہی ہے اور وہ ہے انذار و تخویف ـــــ یہی وجہ ہے کہ سورۂ بنی اسرائیل کا دوسرا نام سورۂ اسرا بھی ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ اس سورت کا آغاز بھی واقعہ اسرا سے کیا گیا ہے۔ اور اس طرح گویا یہ اشارہ دیا گیا ہے کہ پوری سورت میں جو کچھ تفصیلاً ہے وہ واقعہ اسرا میں اجمالاً اور اشارۃً ہے ـــــ سورت کے عنوان۔ اس کے مزاج اور پوری سورت کے مضامین میں جو یکسانیت ہوتی ہے، اور اس پر غور کرنے سے قرآن مجید کے معانی اور اس کے اعجاز کے پہلو جس طرح واضح ہوتے ہیں ـــــ امید ہے کہ اس بے بضاعت کی طالب علمانہ کوشش سے کم از کم اس اہم تفسیری اصول پر مدھم سی روشنی تو پڑ ہی گئی ہوگی۔ (باقی)

# ایک نومسلم کے قبول اسلام کی داستان عبرت

## "مِنَ الظُّلُمَاتِ اِلَی النُّوْر"

## منتخبات — یا — جھلکیاں

گزشتہ شمارہ کے نگاہ اولیں کے صفحات میں جناب مولانا غازی احمد صاحب نومسلم، اور ان کی آپ بیتی "من الظلمات الی النور" کا کچھ تعارف کرایا گیا تھا، اور لکھا گیا تھا کہ اس کتاب کی غیر معمولی تاثیر اور افادیت کے پیش نظر فیصلہ کیا گیا ہے کہ انشاء اللہ آئندہ شمارہ میں اس کی تلخیص شائع کر دی جائے گی — لیکن جب تلخیص کے ارادہ سے کتاب کو ہاتھ میں لیا گیا تو اندازہ ہوا کہ یہ اس قسم کی کتابوں میں سے ہے جنکی تلخیص نہیں کی جاسکتی۔ اس لیے طے کیا گیا کہ اس کے کچھ منتخب حصے ہی مرتب کر کے نذر ناظرین کر دیے جائیں۔

اس کے مطالعہ کے وقت یہ بات پیش نظر رہنی چاہیے کہ مولانا غازی احمد صاحب نے اسلام اب سے ۴۵ سال پہلے ۱۹۳۰ء میں قبول کیا تھا جبکہ ان کی عمر ۱۴ سال کی تھی اور وہ بوچھال (ضلع جہلم) مڈل اسکول میں آٹھویں جماعت میں پڑھ رہے تھے، اور قبول اسلام کی یہ سرگزشت انھوں نے اس کے ۴۱-۴۲ سال کے بعد لکھی ہے جبکہ وہ عالم فاضل اور بی اے، ایم اے ہونے کے بعد انٹر کالج بوچھال کے پرنسپل تھے اور ان کی عمر ساٹھ کے قریب پہنچ رہی تھی۔ (مرتب)

---

[گزشتہ شمارہ سے معلوم ہو چکا ہے کہ مولانا غازی احمد (سابق کرشن لعل)، جو ایک معزز

اور دولتمند ہندو خاندان کے چشم و چراغ تھے، اُن کے دل میں کس طرح طلب حق و ہدایت کا جذبہ پیدا ہوا اور پھر انھوں نے اُس کے لیے کس طرح اپنے ہندو دھرم کے مطابق عبادتیں، ریاضتیں اور دعائیں کیں۔ اسی زمانے میں اسلام سے متعلق کچھ کتابوں کا مطالعہ بھی کیا، پھر انہی دنوں میں وہ دو دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے خواب میں مشرف ہوئے، اور خواب ہی میں آپ کے مبارک ہاتھ پر اسلام قبول کیا۔——
اس کے بعد انھوں نے خوب سوچ سمجھ کے اپنا آبائی دھرم ترک کر کے اسلام قبول کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ اپنے قبولِ اسلام کے دن کا واقعہ بیان کرتے ہوئے انھوں نے لکھا ہے:

## والدہ اور بھائیوں سے الوداع

بروز جمعۃ المبارک یکم محرم الحرام ۱۳۵۷ھ مطابق چار مارچ ۱۹۳۸ء صبح سویرے حسب معمول نیند سے بیدار ہوا لیکن آج خلافِ معمول دل کی دھڑکنیں شدت اختیار کر چکی تھیں۔ والدہ صاحبہ صبح کا ناشتہ تیار کر رہی تھیں۔ میں نے سوچا کہ ماں کا پکایا ہوا ناشتہ آج میرا آخری ناشتہ ہے۔ پھر شاید زندگی بھر یہ ممتا بھرا ناشتہ نصیب نہ ہو۔ کھانے کے دوران بہانے بہانے والدہ ماجدہ کے پاؤں کو چھو لیا۔ فرمایا کیا کر رہے ہو۔ عرض کیا یہاں میری پنسل تھی۔ ماں کے مقدس پاؤں کو ہاتھ لگا کر دل کی دھڑکن میں قدرے کمی کا احساس ہوا۔ خاموش زبان سے اپنے قصوروں کی معافی مانگی۔ (والدہ مکرمہ کو خبر نہ تھی کہ کیا ہونے والا ہے۔)

دل ہی دل میں کہہ رہا تھا، میری پیاری ماں! شاید آپ کی اپنے بیٹے سے یہ آخری ملاقات ہو۔ شاید آپ کے پاؤں چھونے کا زریں موقع پھر میسر نہ آئے، مجھے معاف کر دینا۔ میں آپ کی جس پریشانی کا باعث بننے والا ہوں اس کی بھی پیشگی معافی کا خواستگار ہوں۔ آنسوؤں کا سیلاب اُمڈ آنے کے لیے بے تاب تھا۔ ضبط کے بند ٹوٹتے جا رہے تھے۔ بڑی مشکل سے جذبات پر قابو پایا۔ مبادا یہ آنسو کہیں قلبی عزائم کی غمازی نہ کر دیں۔

بہانے بہانے سے تینوں چھوٹے بھائیوں موہن لال، ارجن داس اور پریم داس کے سروں پر ہاتھ پھیر لیا اور خاموشی سے الوداعی جملے کہے میرے پیارے بھائیو! تم میری ماں کے بیٹے ہو۔ مجھے تم سے شدید محبت ہے۔ لیکن میں ہمیشہ کے لیے تم سے جدا ہو رہا ہوں۔ شاید پھر

تم اور ہم مل کر نہ رہ سکیں تمھاری جدائی کا داغ ہمیشہ میرے دل میں رہے گا۔ میری زیادتیاں معاف کر دینا۔ ہمیشہ میرے دل میں تمھاری یاد رہے گی ——— اُف بے صبر آنسو گوشہائے چشم سے میرا بھانڈا پھوڑنے کے لیے بہہ نکلے ؎

مجھے تو ناز تھا ضبط غم درد محبت پر
یہ آنسو آج کیوں بے تاب ہو ہو کر نکلتے ہیں

والدہ مکرمہ نے دیکھ لیا۔ فرمایا۔ ارے تم تو رو رہے ہو۔ میں نے کہا دھوئیں کی وجہ سے آنکھوں میں پانی آ گیا ہے۔ سادہ دل اور پاکباز ماں بیٹے کی باتوں میں آ گئی۔

**گھر سے الوداع**[1]

میں نے ماں اور بھائیوں کو بزبان خاموشی الوداع کر کے بستہ اٹھایا امی جان سے اسکول کی فیس لی اور اسکول جانے کے لیے تیار ہو گیا۔ وسطِ صحن میں پہنچ کر گھر پر ایک اچٹتی سی نگاہ ڈالی اور کہا۔ اے میرے پیارے گھر! میں نے اپنی زندگی کی چودہ بہاریں تیرے سائے تلے گزاری ہیں مجھے تیرے ذرّے ذرّے سے اُنس اور لگاؤ ہے۔ آج میں تجھے الوداع کہہ کر ہمیشہ کے لیے جا رہا ہوں شاید پھر عمر بھر تیرے سائے میں وقت گزارنے کا موقعہ ہاتھ نہ آئے۔ میں تجھے مجبوراً چھوڑ کر جا رہا ہوں۔ تجھے بھی میرا آخری سلام ہو۔

ان جذبات کے سیلاب کو سینے میں دبائے گھر سے نکل کھڑا ہوا جب والدہ صاحبہ کی پُر شفقت نگاہوں سے اوجھل ہو گیا تو صبر و ضبط کے تمام بند ٹوٹ گئے۔ میں ایک حقیر سے تنکے کی طرح جذبات و احساسات کی رو میں بہتا جا رہا تھا۔ آنسو تھے کہ تھمنے کا نام نہ لیتے تھے۔ بڑی دقت سے گاؤں کو عبور کیا۔ راستے میں ایک مسلمان عورت نے روتا دیکھ کر کہا۔ آج تمھیں والدہ نے مارا ہے نا! میں نے دل میں کہا والدہ نے نہیں والدہ کی محبت و شفقت نے مارا ہے۔

---

[1] الفرقان کے گذشتہ شمارہ سے ناظرین کو معلوم ہو چکا ہے کہ مولانا غازی احمد صاحب کا گھر پونچھ سے قریباً دو میل کے فاصلہ پر موضع میانی میں تھا۔ اُن کے والد لالہ بھیم سین اُس وقت کی ریاست کشمیر میں ایک اعلیٰ عہدہ پر تھے اور اُن کا قیام وہیں رہتا تھا۔

راستے میں جی بھر کر رو دیا۔ والدہ ماجدہ اور بھائیوں کی صورتیں آنکھوں کے سامنے گردش کر رہی تھیں۔ والدہ اور بھائیوں کے آیندہ بہنے والے آنسو مجھے نظر آرہے تھے۔ دور تک میں بھی اُن کے فراق میں روتا چلا گیا۔ آپ شاید مجھے بزدل تصور کریں۔ لیکن میں کیا کرتا دل کے ہاتھوں مجبور تھا۔ بھلا اس کم سنی، ناتجربہ کاری اور بچپنے میں ماں باپ کو چھوڑ دینا آسان ہے؟ نہیں ہرگز نہیں۔ لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا دستِ شفقت (جس میں بحالت خواب میں نے اپنا ہاتھ دے کر اسلام قبول کیا تھا) مجھے کشاں کشاں لیے جا رہا تھا۔ میں نے انجام سے بے خبر ہو کر آنکھیں بند کر لی تھیں۔ اور اب یہ سطور تحریر کرتے ہوئے بھی آنسوؤں کا سیلاب اُمڈ رہا ہے کیوں کہ قلم پرانے زخموں کو پھر کرید رہا ہے۔"

[اس کے آگے مولانا غازی احمد صاحب نے بوچھال پہنچکر جامع مسجد میں جمعہ کی نماز سے پہلے، مولانا عبدالرؤف صاحبؒ کے ہاتھ پر باقاعدہ اسلام قبول کرنے کا اور اس کے بعد مولانا موصوف کے ساتھ جمعہ کی نماز ادا کرنے کا ذکر کیا ہے، جو ان کی زندگی کی پہلی نماز تھی —— اس کے بعد غازی صاحب نے اپنے گھر کا حال بیان کرتے ہوئے لکھا ہے۔]

**میرے گھر کی کیفیت** اب تصویر کا دوسرا رُخ ملاحظہ فرمائیے۔ جس دن میں نے اسلام قبول کیا، والدہ صاحبہ اور دادی صاحبہ کو بارہ بجے کے قریب اطلاع مل گئی۔ ہمارے گھر میں صفِ ماتم بچھ گئی۔ والد صاحب اور دیگر رشتہ داروں کو بذریعہ ٹیلی گرام مطلع کر دیا گیا۔ والد صاحب کو اطلاع دی گئی کہ بوچھال کے مسلمانوں نے کرشن لعل کو جبراً مسلمان بنا لیا ہے۔ اور اب وہ مسلمانوں کے قبضہ میں ہے۔ علاقہ کے ہندو حضرات اظہار افسوس کے لیے ہمارے گھر آنے لگے۔ انھوں نے دادی صاحبہ کو مقدمہ کرنے کے لیے کہا۔ لیکن دادی صاحبہ نے تمام امور والد صاحب کے آنے تک ملتوی کر دیے۔

**والدہ سے پہلی ملاقات** ۹ مارچ کو میں سائیکل پر سوار ہو کر (بوچھال کے) صوبیدار خان زمان صاحب کے کنوئیں پر غسل کرنے آیا۔ (صوبیدار صاحب کا باغ بوچھال اور (ہمارے گاؤں) میانی کے وسط میں واقع ہے۔ کسی طرح میری آمد کا والدہ محترمہ کو پتہ چل گیا۔ والدہ محترمہ میری خالہ کی معیت میں کنوئیں پر تشریف لے آئیں مجھے دیکھتے ہی زار و قطار

---

۱ء مولانا عبدالرؤف صاحب کے ساتھ کرشن لعل کی پہلی ملاقات اور تعلق کا حال بھی ناظرین کو گزشتہ شمارہ سے معلوم ہو چکا ہے۔

رونے لگیں اور پاس آکر گلے لگا لیا۔ کنویں پر مسلمان عورتیں پانی بھر رہی تھیں والدہ کو روتا دیکھ کر ان کا دل بھی بھر آیا۔

والدہ مکرمہ نے روتے ہوئے فرمایا بیٹا! تو نے تو ہمیں کہیں کا نہ چھوڑا۔ تو نے ہمارے خاندان کی عزت خاک میں ملا دی۔ والدہ نے میرا بازو پکڑ لیا۔ اور کہا چلو بیٹا گھر چلیں۔ میں نے کہا امی جان میں اب بھی آپ ہی کا بیٹا ہوں۔ تبدیلیٔ مذہب سے ماں بیٹے کا رشتہ ٹوٹ تو نہیں جاتا۔ بلکہ اسلام تو ماں باپ کی خدمت بجا لانے کا حکم دیتا ہے۔ میں ہر وقت آپ کی خدمت کے لیے حاضر ہوں۔

والدہ صاحبہ نے فرمایا میرے ساتھ گھر چلو تمھارے بھائی چار پانچ روز سے رو رہے ہیں اور تمھارے لیے بہت پریشان ہیں۔ امی جان میں چند روز بعد خود حاضر ہو جاؤں گا۔ اب آپ اپنے گھر تشریف لے جائیں میں کسی دن خود آپ کی خدمت میں حاضری دوں گا۔

والدہ ماجدہ نے بتایا کہ دو تین روز تک تمھارے والد صاحب بھی تشریف لے آئیں گے تمھارے دیگر رشتہ دار کرنل نانک چند اور تمھارے خالو دیال چند وغیرہ پہنچ چکے ہیں۔

**ملاقات کے بعد**

والدہ صاحبہ روتے دھوتے گھر تشریف لے گئیں اور میں بوچھال روانہ ہوا۔ ماں کے سامنے تو میں نے بڑے ضبط و تحمل کا مظاہرہ کیا۔ مگر واپسی پر راستے میں جی بھر کر غبار خاطر نکالا۔ ماں کی محبت اور شفقت کا احساس جدا ہونے کے بعد ہوا۔ روتے روتے دل و دماغ کی حالت غیر ہو گئی۔ اللہ تعالیٰ نے استقامت عطا فرمائی میرے حواس بجا ہوئے تو میں نے اللہ رب العزت کی بارگاہ میں التجا کی۔ میرے اللہ! مجھے صبر و سکون عطا فرمائیں۔ ایسا نہ ہو کہ میرے پائے ثبات میں لغزش آجائے اور صراط مستقیم سے ڈگمگا جاؤں۔ الحمد للہ میرے رب نے میرے دل کو سکون عطا فرما دیا۔

میں نے تین چار دنوں میں پوری نماز یاد کر لی ہر نماز بڑی مسرت اور پورے انہماک سے ادا کرنے لگا، ہفتہ عشرہ خاموشی سے گزر گیا اور کوئی خاص واقعہ رونما نہ ہوا۔"

[اس کے آگے غازی صاحب نے قانونی کارروائیوں کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے۔ ]

**قانونی کارروائیوں کا سلسلہ**

۱۹ مارچ ۱۹۳۸ء کو میرے خالو دیال چند صاحب۔

جو کلکتہ آفس راولپنڈی میں ایک اعلیٰ عہدہ پر فائز تھے۔ اور دادی صاحبہ پولیس اسٹیشن کلر کہار میں سب انسپکٹر پولیس کے پاس رپورٹ درج کرانے گئیں۔ کہ ہمارے عزیز کو بوچھال کلاں کے مسلمانوں نے ڈرا دھمکا کر جبراً مسلمان بنا لیا ہے۔ اب مسلمانوں نے زبردستی اپنے قبضہ میں رکھا ہوا ہے۔ ہمارا لڑکا ابھی نابالغ ہے۔ آپ بوچھال کلاں آکر ہمارا لڑکا ہمیں واپس دلا دیں، ہمیں بچے کی جان کا خطرہ ہے۔

میرے ان رشتہ داروں کو ایس آئی صاحب نے ہدایت کی کہ تین بجے بوچھال کلاں پولیس چوکی پر پہنچ جائیں۔ میں بھی پولیس کی جمعیت لے کر آجاؤں گا۔

**پولیس چوکی پر** ۱۹ مارچ کو ہم مسجد میں ظہر کی نماز ادا کر رہے تھے کہ پولیس کا ایک سپاہی مولانا کو اور مجھے بلانے آیا۔ نماز سے فارغ ہو کر تمام نمازی بھی میرے ساتھ ہو لیے۔ پولیس چوکی پر جا کر دیکھا تو میرے بہت سے رشتہ دار وہاں پہلے ہی موجود تھے۔ البتہ والد صاحب نظر نہ آئے۔ وہ ابھی (کشمیر سے) گھر تشریف نہیں لائے تھے۔

دادی صاحبہ مجھے دیکھتے ہی زور زور سے رونے لگیں۔ اٹھ کر میرے پاس آگئیں اور غصے میں کہا۔ بے حیا تو نے یہ کیا کرتوت کیا، اپنے پوتر دھرم کو بھرشٹ کر دیا۔ شرم کرو اور میرے ساتھ گھر چلو تمھاری اس غلطی پر تمھیں کچھ نہیں کہا جائے گا، ڈرنے کی کوئی بات نہیں تھانیدار صاحب موجود ہیں یہ تمھیں گھر تک بحفاظت لے جائیں گے۔ جس مسلمان نے تجھے ڈرایا دھمکایا ہے اس کا نام تھانیدار صاحب کو بتا دو۔

سب انسپکٹر صاحب نے پوچھا: "تم نے کیوں اسلام قبول کیا؟" —— میں نے جواباً کہا "جناب اسلام کی حقانیت اور صداقت نے مجھے اسلام قبول کرنے پر مجبور کیا۔"

ایس آئی صاحب: "تمھیں کس نے اسلام لانے کی ترغیب دی؟"

میں نے کہا: "جناب میں نے اپنی مرضی سے اسلام قبول کیا ہے۔ اس معاملہ میں کسی دوسرے کا ہاتھ نہیں ہے۔ یہ میرا ذاتی معاملہ ہے۔"

ایس۔ آئی صاحب! آخر ماں باپ کو چھوڑ دینے اور مذہب کے تبدیل کرنے کی وجہ کیا ہے؟"

میں نے جواب میں کہا: "میں نے خود چند اسلامی کتب کا مطالعہ کیا ہے جن سے اسلام کی صداقت

مجھ پر منکشف ہو گئی۔

ایس آئی صاحب: "اگر کسی مسلمان شخص نے یا مولوی عبدالرؤف صاحب نے تمھیں ڈرا دھمکا کر مسلمان بنایا ہے تو مجھے بتا دیں۔ میں اس کے خلاف قانونی کارروائی کروں گا۔ تمھارے رشتہ داروں کا کہنا ہے کہ ابھی تم نابالغ ہو تم اپنی مرضی سے اتنا بڑا فیصلہ کرنے کے اہل نہیں ہو۔"

جناب! میں پہلے بھی عرض کر چکا ہوں کہ میرے اسلام لانے میں کسی ترغیب و تحریص اور کسی ترہیب و تہدید کا کوئی دخل نہیں۔ میں نے سوچ سمجھ کر اور اپنی رضا و رغبت سے یہ فیصلہ کیا ہے۔ میرے رشتہ دار چونکہ اس حقیقت سے نابلد ہیں اس لیے اس قسم کے الزامات عاید کر رہے ہیں۔

سب انسپکٹر صاحب میرے خالو کو مخاطب کر کے کہنے لگے۔ بتائیے اب میں کیا کر سکتا ہوں۔ تمھارے لڑکے کے بیانات تمھاری رپورٹ کے خلاف ہیں۔ میں تو بچے کے بیانات کی روشنی میں ہی کوئی قدم اٹھا سکتا ہوں۔ آپ نے بھی تمام بیانات بنفس نفیس سن لیے ہیں۔

دیال چند صاحب نے سب انسپکٹر صاحب سے گزارش کی۔ اگر اجازت ہو تو میں بچے کے ساتھ تنہائی میں کچھ باتیں کرنا چاہتا ہوں۔ سب انسپکٹر صاحب نے فرمایا آپ بخوشی ایسا کر سکتے ہیں۔ خالو صاحب نے مجھے وہاں سے اٹھالیا اور پولیس چوکی کی پچھلی جانب لے گئے۔

## خالو صاحب کی ترغیب

فرمانے لگے عزیز کرشن لعل! آپ کو معلوم ہی ہے کہ میں راولپنڈی میں بہت بڑا افسر ہوں۔ پولیس میری مرضی کے خلاف کچھ نہیں کر سکتی۔ آپ کو کسی سے ڈرنے کی ضرورت نہیں۔ میں آپ کو اپنے ساتھ راولپنڈی لے جاؤں گا۔ اور وہاں اچھے اسکول میں تمھیں داخل کرا دوں گا۔ میں نے تمھارے لیے موٹر کار بھی خرید لی ہے۔ اور ایک امیر گھرانے میں تمھارے رشتے کی بات بھی طے کر لی ہے۔ بھگوان کے لیے تم میری بات مان لو اور سب انسپکٹر صاحب کے سامنے کہہ دو کہ میں خالو کے ساتھ جانا چاہتا ہوں۔ خالو صاحب نے ترغیب و تحریص میں کوئی کسر نہ چھوڑی میں خاموشی سے سب کچھ سنتا رہا میری خاموشی کو شاید انھوں نے رضا پر محمول کیا۔ فرمانے لگے آؤ تھانیدار صاحب

کے سامنے میرے ساتھ چلنے پر رضامندی کا اظہار کر دو۔

میں نے عرض کیا خالو صاحب! میں نے آپ کی ہر بات کو غور سے سُنا ہے اور میں نے ہر بات کو سمجھا بھی ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ اسلام کے مقابلے میں یہ عیش و عشرت اور یہ چند روزہ لذائذ کوئی حیثیت نہیں رکھتے ہیں، ایمان جیسی بیش بہا دولت کو چھوڑ کر ان عارضی اشیاء کو ترجیح نہیں دے سکتا ——— میرے جواب سے خالو صاحب خاموش ہو گئے۔

جب ہم واپس آئے تو خالو صاحب نے سب انسپکٹر صاحب سے کہہ دیا۔ کہ بچے نے میری بات ماننے سے انکار کر دیا ہے، اور اپنی ہٹ دھرمی پر قائم ہے۔

ایس آئی صاحب نے میرے رشتہ داروں سے کہا کہ ان حالات میں آپ کے لیے میں کچھ نہیں کر سکتا۔ بہتر ہے کہ آپ حصولِ انصاف کے لیے اپنا مقدمہ موضع بھون میں جے سنگھ صاحب آنریری مجسٹریٹ کی خدمت میں پیش کریں۔ وہ با اختیار شخص ہیں اور مقدمہ کی جزئیات پر وہ پورے عدل و انصاف سے توجہ کریں گے۔

## رات پولیس چوکی پر

دادی صاحبہ اور دوسرے رشتہ دار واپس چلے گئے۔ دیال چند صاحب نے سب انسپکٹر صاحب سے گزارش کی۔ کہ آپ صبح بچے کو بھون لے آئیں ہم بھی وہاں پہنچ جائیں گے۔ انسپکٹر صاحب نے مجھے کہا کہ تمھیں یہ رات چوکی ہی میں بسر کرنا ہو گی (میرے ساتھ کے) معززین نے کہا کہ بچے کو ہمارے ساتھ بھیج دیں ہم صبح آپ کے پاس حاضر کر دیں گے مگر تھانیدار صاحب نہ مانے۔ اور میں نے رات پولیس کی نگرانی میں بسر کی۔

صبح مولانا صاحب، صوفی جان محمد صاحب اور میں پولیس کی نگرانی میں اڈہ بوچھال کلاں سے بس میں سوار ہوئے اور بخیر و عافیت نو بجے بھون پہنچ گئے۔ ہم بس سے اتر کر عدالت کی طرف چل پڑے۔ میری دادی صاحبہ اور دوسرے رشتہ دار بھی سیانی اڈہ سے اسی بس میں سوار ہوئے تھے۔

## جے سنگھ کی عدالت میں

ہمیں عدالت میں پہنچ کر تھوڑی دیر انتظار کرنا پڑا۔ اس اثنا میں بھون کے بہت سارے ہندو اور سکھ بھی

احاطۂ عدالت میں آ گئے جن میں سے بعض مجسٹریٹ صاحب کے رشتہ دار بھی تھے۔ بھون کے بہت سے مسلمان بھی جمع ہو گئے۔ احاطۂ عدالت لوگوں سے بھر گیا۔

جج سنگھ صاحب تشریف لائے تو اس قدر انبوہ دیکھ حیران ہوئے۔ لوگوں کو حکم دیا کہ کوئی شخص کمرۂ عدالت کے قریب نہ آئے۔ میرے رشتہ دار شاید پہلے ہی درخواست دے چکے تھے۔ تھانیدار صاحب کو حکم ملا کہ بچے کو پیش کیا جائے۔ میں تھانیدار صاحب کی معیت میں عدالت میں پیش ہوا۔ دیکھا تو عدالت میں میرے رشتہ داروں کے علاوہ بہت سے ہندو اور سکھ بھی موجود تھے۔

جج سنگھ صاحب نے مجھے مخاطب کرتے ہوئے فرمایا۔ بیٹا! میں جو بات آپ سے پوچھتا جاؤں سچ سچ بتاتے جاؤ۔ تمھیں یہاں کسی قسم کا اندیشہ یا خطرہ نہیں ہے۔

مجسٹریٹ صاحب۔ "سب سے پہلے تو یہ بتاؤ کہ اس چھوٹی سی عمر میں اپنے والدین کا دھرم کیوں چھوڑا؟"

"جناب! میں نے اسلام میں جن خوبیوں کا مشاہدہ کیا ہے وہ ہندو دھرم میں مفقود ہیں۔ اسلام پروردگار کی وحدت و یکتائی کا درس دیتا ہے۔ ہندو دھرم میں بت پرستی کو بنیادی حیثیت حاصل ہے۔ اسلام بتاتا ہے کہ تمام کائنات کا خالق ہی عبادت کے لائق ہے صرف اسی کی بارگاہ میں سر جھکانا چاہیے۔ مگر ہندو حضرات بتوں اور دیوتاؤں کی عبادت کرتے ہیں انھی کے نام کی اپنی حاجات اور مشکلات میں دہائی دیتے ہیں اور انھیں متصرف خیال کرتے ہیں۔ یہی شرک ہے اسلام سختی سے جس کی مخالفت کرتا ہے؟

میرا جواب سننے پر مجسٹریٹ صاحب نے فرمایا۔ یاد رکھو یہ مسلمان جو آج تمھارے ساتھ ہیں قلیل عرصہ میں تمھارا ساتھ چھوڑ دیں گے۔ اور تم در بدر دھکے کھاتے پھرو گے۔ سوائے بھیک مانگنے کے تمھارا کوئی کام نہ ہوگا۔ میں نے تمھاری طرح کئی نومسلم در بدر بھیک مانگتے دیکھے ہیں۔ بہتر ہے کہ تم اپنے والدین کو نہ چھوڑو۔ مجھے پتہ چلا ہے کہ تمھارے والدین اور بھائی تمھارے لیے بہت بے چین ہیں۔ ماں باپ کو پریشان کرنا بہت بڑا پاپ ہے دیکھو میں اپنے تجربے کی بناء پر تمیں نصیحت کرتا ہوں کہ اگر تم والدین کے پاس نہ گئے

تو تم ذلیل و خوار ہو جاؤ گے۔ میں حالات کے نشیب و فراز سے واقف ہوں۔ یہ مسلمان عنقریب تمھیں بے یار و مددگار چھوڑ دیں گے۔ بہتر ہے میری بات مان لو۔ میں خاموشی سے سنتا رہا۔

سامعین نے خیال کیا کہ بچہ جے سنگھ کی باتوں سے بہت متاثر ہوا ہے۔ میری دادی صاحبہ میرے پاس کھڑی سن رہی تھیں۔ از خود کہہ اٹھیں۔ جناب کرشن لعل نے کہہ دیا ہے کہ اب میں دادی صاحبہ کے ساتھ جانے کو تیار ہوں۔

میں نے کہا "جناب! دادی صاحبہ از خود ہی فرما رہی ہیں۔ میں نے جو فیصلہ کیا ہے سوچ سمجھ کر کیا ہے۔ مسلمان ساتھ دیں یا نہ دیں۔ اس سے میرے فیصلے کا کوئی تعلق نہیں۔"

دادی صاحبہ نے روتے ہوئے مجسٹریٹ صاحب کی خدمت میں گزارش کی کہ اگر یہ ہمارے ساتھ نہیں آتا تو اُسے مسلمانوں کے ساتھ کبھی نہ جانے دیں۔ آپ اُسے قید میں ڈال دیں۔

جے سنگھ صاحب نے فرمایا۔ "ماں! ان حالات کے تحت میں کچھ نہیں کر سکتا۔"

میں نے گذارش کی۔ "جناب! مجھے عمر قید بھی اپنے ارادے سے باز نہیں رکھ سکتی۔ میں تمام عمر جیل کے مصائب تو برداشت کر سکتا ہوں۔ مگر اللہ تعالیٰ اور نبی رحمت کو نہیں چھوڑ سکتا۔"

اتنے میں میرا ایک رشتہ دار بول پڑا۔ جناب! ہمارا لڑکا نابالغ ہے۔ تعزیرات ہند کے قوانین کے تحت یہ آبائی مذہب ترک نہیں کر سکتا۔ اس کے طبی معائنے کا حکم صادر فرمایا جائے۔

مجسٹریٹ صاحب نے تھانیدار صاحب کو تحریری حکم دیا کہ اُسے سول ہسپتال چکوال میں لے جاؤ اور طبی معائنہ کرانے کے بعد اُسے ایس ڈی او صاحب کی عدالت میں پیش کرو شاید تمھارے حق میں فیصلہ ہو جائے۔

## ایس ڈی او چکوال کی عدالت میں

ہم مع پولیس و دیگر افراد چکوال رسول اسپتال لے گئے۔ ڈاکٹر صاحب نے طبی معائنہ

کے بعد سرٹیفکیٹ دے دیا۔ کہ غازی احمد عمر بلوغت کو پہنچ چکا ہے ـــــــ سرٹیفکیٹ کے حصول کے بعد مجھے ایس ڈی او صاحب کی عدالت میں لے جایا گیا۔ ایس ڈی او صاحب نے مجھ سے حالات دریافت کئے اور میں نے بلا کم و کاست تمام حالات بیان کر دیے ساتھ ہی میڈیکل سرٹیفکیٹ بھی پیش کیا گیا۔

ایس ڈی او صاحب نے میرے اقربا سے کہا مقدمے کا دارومدار ملزم کے بیان پر ہے۔ اس کے بیانات تمھاری حمایت میں نہیں۔ میں اس سلسلے میں کچھ نہیں کر سکتا۔ آپ اعلیٰ عدالت میں قانونی چارہ جوئی کریں۔

## ایک خواب

انہی ایام میں ایک رات خواب میں دیکھا کہ میں ایک مکان میں بیٹھا ہوں اور تمام لوگ ایک میدان میں جمع ہو رہے ہیں اور قیامت کا آغاز ہو چکا ہے میں بھی میدان کی طرف چل پڑا۔ سورج بڑی شدت و حدت کے ساتھ ہمارے سروں کے قریب چمک رہا تھا۔ جب سورج کی گرمی بہت شدید ہو گئی تو ایک بادل اٹھا اور میرے سر پہ سایہ فگن ہو گیا۔ پھر موسلا دھار بارش برسنے لگی اور میری آنکھ کھل گئی ـــــــ مولانا عبدالرؤف صاحب کو صبح کی نماز کے بعد خواب بتایا۔ فرمایا کوئی اور آزمائش تم پر آنے والی ہے لیکن بفضل اللہ تم اس آزمائش میں کامیاب و کامرانی سے ہمکنار رہو گے۔ میں نے اسکول میں باقاعدگی سے جانا شروع کر دیا۔

## والد صاحب کی آمد

اپریل کے وسط میں والد صاحب گھر تشریف لے آئے تمام کوائف سے آگاہ ہونے کے بعد گاؤں کے معزز و صاحب اثر بند و حضرات کو بلایا۔ اور مشورہ کیا کہ ان حالات میں کونسا اقدام موزوں ہو گا بعض حضرات نے مشورہ دیا۔ کہ قانونی طور پر کیس کا جیتنا ممکن نہیں۔ کیونکہ تمھارا بیٹا تمھارے خلاف بیان دے چکا ہے اور آئندہ بھی یہی توقع ہے۔ ایسا بچہ سارے خاندان کے ماتھے پر کلنک کا ٹیکہ ہے۔ مناسب ہے کہ کسی طرح اُسے بوچھال سے باہر بلا کر ختم کر دیا جائے تاکہ آپ کی عزت محفوظ رہ سکے۔ ورنہ آپ کے باقی بچوں کو ان حالات میں کوئی شخص رشتہ دینے پر بھی تیار نہ ہو گا۔ اپنی عزت اور دھرم کے بچاؤ کے لیے آپ کو یہ قربانی دینا ہو گی۔

والد صاحب نے اس رائے کو قبول نہیں کیا اور فرمایا اس میں بڑے خطرات ہیں۔ ایک دیگر بزرجمہر صاحب نے فرمایا۔ میں آپ کو مناسب راستہ دکھاتا ہوں۔ اس سے سانپ بھی مر جائے گا اور لاٹھی بھی بچ جائے گی۔ تم اپنے بیٹے کے ساتھ صلح کر لو۔ تاکہ وہ گھر میں آمدورفت شروع کر دے۔ جب باہمی اعتماد کی فضا بحال ہو جائے تو کبھی چپکے سے کھانے کی چیز میں زہر دے دیا جائے۔ اس طرح آسانی سے آپ اپنا مقصد حاصل کر لیں گے۔

**ماں کی مامتا اور شفقت و محبت** والدہ صاحبہ باہر بیٹھے یہ ساری گفتگو سن رہی تھیں۔ بھلا ایک ماں کا دل کب برداشت کر سکتا ہے کہ اس کے لخت جگر کی زندگی ختم کر دی جائے۔ مذہب اور دھرم کا اختلاف مادرانہ الفت کی راہ میں حائل نہیں ہو سکتا۔ والدہ مکرمہ نے صبح سویرے ہی غلام محمد موچی کو الگ بلا کر پانچ روپے دیے اور کہا کہ بوچھال جا کر میرے بیٹے کو پیغام دے آؤ کہ جب تک میں تمھیں نہ بلاؤں ہرگز میانی نہ آنا اور جب تک کھانے کی کوئی چیز میں خود نہ دوں کسی ہندو سے کوئی چیز لے کر ہرگز نہ کھانا۔ غلام محمد مرحوم تلاش کرتا کرتا مولانا کے مکان پر پہنچا۔ اور مجھے والدہ کا پیغام دیا۔ تشکر و امتنان کے چند قطرے میری آنکھوں سے بہہ نکلے۔ میں نے رب العزت کے حضور دعا کی یا اللہ ایسی شفیق ماں کی ہدایت کی کوئی صورت پیدا فرما دے تاکہ ان کی دنیا و آخرت سنور جائے۔

**جہلم عدالت میں مقدمہ** ہندو معززین کے صلاح مشورہ سے یہ طے پایا کہ ضلعی عدالت میں حبس بے جا کا مقدمہ دائر کیا جائے۔ دوسرے دن والد صاحب نے جہلم جا کر مقدمہ دائر کر دیا کہ میرے نابالغ بیٹے کو زبردستی مسلمان کر لیا گیا ہے۔ اور اُسے مقید رکھا ہوا ہے۔ علاقے میں مسلمان اکثریت میں ہیں اور ہم اقلیت میں۔ لہٰذا ہم بچے کو مسلمانوں کی گرفت سے آزاد نہیں کرا سکتے۔ والد صاحب نے بوچھال اسکول کے ہیڈ ماسٹر ملک محمد طفیل صاحب۔ مولانا عبد الرؤف صاحب۔ صوبیدار خان زمان صاحب اور ریشم خاں[1] ولد نور خان سکنہ میانی کے متعلق رپورٹ درج کرائی کہ بچے کو ورغلانے اور مسلمان کرنے

---

[1] ریشم خاں بھی مڈل اسکول بوچھال میں پڑھتا تھا۔ اسی نے کرشن لعل کو مولانا عبد الرؤف سے واقف کرایا تھا۔

میں ان لوگوں کا خصوصی تعلق ہے۔ مقدمہ دائر کرنے کے بعد والد صاحب واپس گھر تشریف لائے اور کسی شخص کو مقدمہ دائر کرنے کا علم نہ ہوا۔

**جہلم کے لیے سمن** اواخر اپریل میں ملک محمد طفیل صاحب ہیڈ ماسٹر۔ مولانا عبدالرؤف صاحب، صوبیدار خان زمان۔ اور ریشم خان کے سمن لے کر جہلم سے پیادہ آیا کہ فلاں تاریخ بچے کو ساتھ لے کر عدالت میں حاضری دو۔ ہیڈ ماسٹر صاحب کے سوا دیگر حضرات نے دستخط کر دیے۔

مقررہ تاریخ پر عدالت میں پیشی کے لیے مولانا صاحب، صوبیدار صاحب۔ ریشم صاحب اور میں بوچھال سے بس میں سوار ہوئے میانی اڈہ سے والد صاحب اور چند رشتہ دار بھی اسی بس میں تشریف لے آئے۔ جب کلر کہار اڈہ پر بس رکی۔ تو والد صاحب نے بلایا۔ میری بات سنو۔ میں بس سے اترا۔ والد صاحب نے الگ جا کر کہا بیٹا جہلم جا کر میری عزت کا خیال رکھنا۔ آخر میں تمہارا باپ ہوں مجھ سے بڑھ کر تمہارا خیر خواہ کون ہو سکتا ہے۔ ان مسلمانوں کی ہمدردی صرف چند دن کے لیے ہے بعد میں تم ذلیل ہو جاؤ گے بھیک مانگ کر گزارہ کرنا پڑے گا۔ اور اس وقت ہم بھی تمہیں منہ نہ لگائیں گے۔ بہتر ہے کہ عدالت میں جا کر ہمارے حق میں بیان دے دو۔ اور چند مسلمانوں کے جن کے خلاف ہم نے شکایت درج کرائی ہے نام لے دو کہ انہی نے مجھے ڈرا دھمکا کر مسلمان کیا ہے —— جج صاحب بھی اگرچہ مسلمان ہیں لیکن وہ میری مدد کرنے کا پختہ عہد کر چکے ہیں۔ میں اس سلسلہ میں کافی روپیہ خرچ کر چکا ہوں۔ یہ تمام تفصیلات بعد میں تمہیں بتا دوں گا۔

میں نے کہا جناب اگر آپ مقدمہ نہ کرتے تو اچھا تھا۔ ایک تو آپ نے خواہ مخواہ اخراجات برداشت کیے۔ دوسرے آپ کا مقصد بھی حل نہ ہوگا۔ کیونکہ میں نے جو فیصلہ کیا ہے سوچ سمجھ کر کیا ہے۔ اگر چند روز بعد مسلمان مجھ سے کنارہ کشی کر لیں۔ اور آپ بھی مجھے منہ نہ لگائیں۔ مجھے در بدر بھیک مانگنا پڑے۔ یا میں بھوکا مر جاؤں تب بھی میں اسلام کو ترک کرنے کا تصور تک نہیں کر سکتا —— ابا جان میں کسی لالچ کے تحت مسلمان نہیں ہوا، گھر میں کسی چیز کی کمی نہ تھی نہ میں نے کسی عورت کے عشق میں اپنا دھرم چھوڑا ہے۔ آپ ایک خوبصورت لڑکی

سے میری سنگسی کرنے کی تیاریاں کر رہے تھے۔ نہ میں کسی کے دباؤ کے تحت گھر سے نکلا ہوں۔ ورنہ میں عدالت میں بیان دے کر اپنی جان چھڑا سکتا تھا۔ آپ میرے والد ہیں میں آپ کا احترام کرتا ہوں۔ لیکن مذہب کے معاملے میں آپ کا حکم ماننے سے قاصر ہوں۔ آپ مجھے معاف کر دیں۔

والد صاحب خاموش ہو گئے اور میں بس میں بیٹھ گیا۔ مولانا صاحب کو تمام بات سے آگاہ کر دیا۔ چکوال سے جہلم کے لیے بس تبدیل کی اور دوپہر کے وقت جہلم پہنچ گئے جہلم میں ایک مولوی صاحب کے گھر قیام کیا۔ مولانا نے مولوی صاحب کو تمام حالات سے آگاہ کیا۔ رات کے وقت مولوی صاحب نے جج صاحب کے ریڈر سے ملاقات کرائی گفتگو کرنے سے پتہ چلا کہ حالات شاید ہمارا ساتھ نہ دیں۔ ریڈر صاحب کے تیور بھی بدلے ہوئے نظر آتے تھے والد صاحب یا جہلم کے ہندو شاید ان سے بھی مل چکے تھے اور معاملہ کر چکے تھے۔

**عدالت میں**

عدالت میں پیشی ہوئی۔ والد صاحب کے ساتھ جہلم کے تین چار ہندو تھے۔ والد صاحب میرے پاس آ کر کھڑے ہو گئے۔ اور آہستہ سے کہا بیٹا! اب میری عزت کا سوال ہے اب بھی اگر تم نے میری حمایت نہ کی تو میں کہیں کا نہ رہوں گا۔ میانی میں ہمارا رہنا مشکل ہو جائے گا۔ اگر تمھیں کسی کا ڈر ہے تو اب جج صاحب کے سامنے بتا دو اُسے قید کرا دیا جائے گا۔ تم جس چیز کا مطالبہ کرو گے میں مہیا کروں گا۔ جج صاحب کے سامنے صرف اتنا کہہ دو کہ میں اپنے والد کے پاس رہنا چاہتا ہوں۔

میں خاموش رہا اور زمانہ کے انقلابات پر غور کرتا رہا۔ کہ اللہ تعالیٰ تک رسائی حاصل کرنے کے لیے کس قدر رکاوٹیں راہ میں حائل ہیں۔ روزی کی فکر۔ رہنے سہنے کے لوازمات۔ والدین اور بھائیوں کی محبت۔ تعلقات خانہ داری اور ہزاروں دلچسپیاں۔ اگر ان امور کو ثانوی حیثیت نہ دی جائے تو انسان قرب خداوندی سے محروم رہتا ہے ——— میں نے والد صاحب سے کہہ دیا۔ ابا جان! اس معاملہ میں آپ کا بیٹا مجبور و بے بس ہے۔

جج صاحب ریڈر کو کچھ لکھوا رہے تھے۔ فراغت پانے کے بعد ہماری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا۔ ارے لڑکے تم ہی مسلمان ہوئے ہو؟ ——— جی ہاں!

تمھارا نام کیا ہے۔ کس جماعت میں اور کون سے سکول میں پڑھتے ہو۔ میں ہر سوال کا جواب دیتا رہا۔ تمھیں کس شخص نے اسلام لانے کو کہا۔ جناب میں اپنی مرضی سے مسلمان ہوا ہوں کسی دوسرے شخص کا کوئی دخل نہیں۔ (والد صاحب کی طرف اشارہ کرتے ہوئے) یہ صاحب تمھارے والد ہیں۔ "جی ہاں" کیا تم اپنے والد کے ساتھ جانا چاہتے ہو۔ جناب "ہرگز نہیں" اگر کسی مسلمان نے تم پر دباؤ ڈالا ہے تو اس کا نام بتاؤ میں اسے قید کردوں گا۔ جناب میرے اسلام لانے میں کسی شخص کا دخل نہیں۔"

جج صاحب نے تمام حضرات کو باہر جانے کا حکم دیا۔ مجھے اور والد صاحب کو اشارہ کرکے روک لیا۔ فرمایا تم ابھی نابالغ ہو۔ بلوغت تک تمھیں اپنے والد کے پاس رہنا ہوگا۔ میں نے عرض کیا "جناب! میں عاقل و بالغ ہوں۔ گھر کے حالات کو صاحب خانہ ہی بہتر طور پر جانتا ہے۔

والد صاحب کے ساتھ جہلم کے جو ہندو حضرات تھے۔ ان میں سے ایک نے ضمانت دی جج صاحب نے والد کے ساتھ جانے کا حکم دیا۔ میں نے انکار کردیا۔

**ہندوؤں کی حراست میں**

جج صاحب نے والد صاحب اور دوسرے حضرات سے کہا۔ کہ اُسے پکڑ کرلے جاؤ۔ ہندو حضرات پکڑنے آگے بڑھے میں نے عدالت کے دروازے سے بھاگ جانے کی کوشش کی۔ مگر انھوں نے پکڑ لیا۔ عدالت کے باہر کار کھڑی تھی مجھے زبردستی اس میں ڈال دیا گیا اور کار چل پڑی۔

کار دریائے جہلم کے کنارے ایک دو منزلہ مکان کے پاس آکر رکی مجھے دوسری منزل میں لے گئے۔ مجھے کچھ علم نہ تھا کہ کیا ہو رہا ہے۔ میں جج صاحب کی قساوت قلبی پر حیران تھا۔ کہ میرے انکار کے باوجود کیوں مجھے والد صاحب کے سپرد کیا گیا۔ اتنے میں آس پاس کے بہت سے ہندو حضرات جمع ہو گئے۔ میں متواتر روئے جا رہا تھا۔ چائے وغیرہ پیش کی گئی۔ مگر میں نے انکار کردیا۔ شام تک رونے دھونے کے سوا کوئی کام نہ تھا۔ اس اجنبی ماحول میں مجھ پر قیامت کا سا عالم تھا۔ رات کو کچھ کھائے پیے بغیر روتے روتے سو گیا۔

**مقدمہ کے حالات**

میں نے ایک روز والد صاحب سے دریافت کیا۔ براہِ کرم مجھے

مقدمہ کی حقیقت سے تو آگاہ کریں۔ والد صاحب نے فرمایا۔ ہمیں دوسری پیشی کے لیے دس دن کی تاریخ دی گئی ہے۔ دسویں دن ہمیں پھر عدالت میں پیش ہونا ہے۔ اگر تم نے ہمارے حق میں بیان دے دیے تو ہم مقدمہ جیت جائیں گے۔ اور اگر تم نے ہمارا ساتھ نہ دیا تو بھی ہماری کامیابی یقینی ہے۔ اب تم مسلمانوں کو بھول جاؤ اب وہ تمھاری شکل بھی نہ دیکھ پائیں گے۔ دس دن تک عدالت نے تمھیں ہمارے سپرد کیا ہے۔

## اللہ تعالیٰ سے دُعا

والد صاحب کی باتیں سن کر میں لرز اُٹھا۔ اور میری قوتِ فکر مفلوج ہو گئی۔ لیکن زبان سے کچھ نہ کہہ سکا۔ یا اللہ! آپ ہی مجھے اس عذاب سے نجات دلا سکتے ہیں۔ میرے اللہ میری نحیف اور ننھی جان آزمائش کی متحمل نہیں ہو سکتی۔ میرے رب میں تین چار روز سے کوئی نماز ادا نہیں کر سکا۔ نماز کے اوقات میں قیام۔ رکوع اور سجود کے بغیر نماز پڑھ لیتا ہوں۔ یا اللہ میری ان نمازوں کو قبول فرما۔ اور مسلمانوں کے پاس واپس جانے کے ذرائع مہیا فرما دے!

## جہلم میں قیام

والد صاحب آئندہ پیشی تک جہلم ہی میں قیام پذیر رہے۔ دوسرے روز والد صاحب نے کہا کہ آؤ تمھیں بازار کی سیر کرائیں۔ دو تین ہندو حضرات بھی ساتھ تھے۔ ہم ایک ٹانگہ میں سوار ہوئے۔ ایک دفتر کے سامنے ٹانگہ جا رکا۔ ہم دفتر کے اندر داخل ہوئے۔ ایک انگریز صاحب تشریف فرما تھے۔ اُس نے مجھے دیکھا اور ایک کاغذ پر کچھ لکھ کر والد صاحب کے حوالے کر دیا۔ والد صاحب نے جیب سے رقم نکال کر پیش کر دی۔ —— یہ ڈسٹرکٹ ہیلتھ آفیسر صاحب کا دفتر تھا۔ والد صاحب نے بتایا کہ یہ بہت بڑا ڈاکٹر ہے اس نے لکھ کر دے دیا ہے کہ تم نابالغ ہو، اب اگر جج صاحب کے سامنے تم نے میرے ساتھ آنے سے انکار کیا تو تم ساری عمر کے لیے جیل میں ڈال دیے جاؤ گے۔ اور وہاں ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مر جاؤ گے —— یہ باتیں سن کر میں گھبرا گیا۔ یا اللہ! اب میں کیا کروں گا۔ اب تو ساری عمر جیل میں رہنا پڑے گا۔ لیکن اللہ تعالیٰ ہی کوئی سبیل پیدا فرما دیں گے۔

## دوبارہ عدالت میں

نویں دن والد صاحب کے پاس چار پانچ ہندو حضرات اور آ گئے والد صاحب اور مجھے ساتھ چلنے کو کہا۔ ہم دونوں ساتھ

چل پڑے۔ مجھے منزل کا علم نہ تھا۔ ہم ٹانگہ میں سوار تھے۔ ٹانگہ عدالت کے پاس جاکر رکا۔ تو میں نے والد صاحب سے دریافت کیا۔ تاریخ پیشی تو کل ہے۔ آج آپ کدھر آ گئے ہیں۔ والد صاحب نے جواب دیا کہ واقعی تاریخ تو کل ہے۔ آج ایک ضروری کام کے سلسلے میں جج صاحب سے ملنے آئے ہیں۔ ہم عدالت میں پہنچے۔ جج صاحب کرسیٔ عدل و انصاف پر براجمان تھے۔ والد صاحب سے مخاطب ہو کر فرمایا۔ بچے کو لے آئے ہیں؟ اس کو اپنے پاس آرام سے رکھنا۔ دو سال بعد اسے اجازت ہو گی جہاں چاہے رہ سکتا ہے۔ آپ ضمانت کے کاغذات کی تکمیل کریں۔

مجھے اس وقت پتہ چلا کہ یہ حضرات تاریخ سے ایک دن پہلے ہی اپنے حق میں فیصلہ کرا رہے ہیں۔ میں نے جج صاحب سے گزارش کی میں کسی صورت میں بھی والد صاحب کے پاس رہنے کو تیار نہیں ہوں۔ مگر طوطی کی آواز نقار خانے میں کون سنتا۔ چند کھوٹے سکوں کے عوض انصاف کا خون کر دیا گیا۔

> آگے مولانا غازی احمد صاحب کے بیان سے معلوم ہو گا کہ اُن کے والد نے اس جج کو دس ہزار روپئے کی رشوت دیکر یہ فیصلہ حاصل کیا تھا۔ دل کیسا خون ہوتا ہے یہ خیال کر کے کہ رشوت لیکر یہ ظالمانہ اور غیر انسانی فیصلہ کرنے والا یہ بدبخت جج اسلام کا نام لیوا تھا ــــ یہ ہے ہمارا آج کا مسلم معاشرہ۔
> اگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے غازی احمد صاحب کی ہدایت و استقامت کا فیصلہ نہ ہو چکا ہوتا تو تنہا یہی واقعہ اور تجربہ ان کو اسلام سے برگشتہ کر کے پھر سے اپنا آبائی دھرم اختیار کرنے کے لیے کافی ہوتا۔

آگے مولانا غازی احمد صاحب نے ذکر کیا ہے کہ اس عدالتی فیصلہ نے مجھے والد صاحب کے ساتھ جانے پر مجبور کر دیا ــ اس کے بعد میں مولانا عبدالرؤف صاحب اور کسی بھی مسلمان سے رابطہ قائم نہیں کر سکا۔ اور ان کو میرے بارے میں کچھ نہیں معلوم ہو سکا۔

والد صاحب پہلے مجھے لیکر لاہور گئے، پھر انھوں نے فیصلہ کر لیا کہ وہ مجھے اپنے

ساتھ کشمیر لے جائیں گے، جہاں بسلسلہ ملازمت اُن کا قیام رہتا تھا، اور مجھے وہیں رکھیں گے تاکہ بوچھال کے مسلمانوں سے رابطہ قائم کرنے کا میرے لیے کوئی امکان ہی نہ رہے۔ چنانچہ انھوں نے ایسا ہی کیا۔

اس کے آگے مولانا غازی احمد صاحب نے اپنے والد صاحب کے ساتھ اور گویا ان کی قید میں، لاہور سے کشمیر کے سفر کا تفصیل سے ذکر کیا ہے۔ لکھتے ہیں

**لاہور سے کشمیر** ہم نے لاہور سے سفر کا آغاز کیا، نصف شب کا عمل ہوگا کہ ہم جموں پہنچ گئے ...... دو روزہ ہیں قیام کیا۔ اس قیام کے دوران میرے پیٹ میں درد کی شکایت پیدا ہو گئی، میں نے لیٹرین میں بیٹھ کر مولانا عبدالرؤف صاحب کے لیے خط لکھا (اس کا مضمون یہ تھا کہ والد صاحب مجھے کشمیر لے جارہے ہیں۔ آپ دعا فرمائیں جس طرح بھی ممکن ہوگا میں بھاگ کر آپ کے پاس پہنچنے کی کوشش کروں گا) لیکن رات کے وقت جبکہ میں سو رہا تھا والد صاحب نے وہ خط میری جیب سے نکال لیا اور اپنے پاس رکھ لیا۔ جیب سے خط غائب پاکر میرا ماتھا ٹھنکا کہ اب ضرور کسی مصیبت کا سامنا ہوگا۔

ایک دو دن بعد جب میری طبیعت بحال ہو گئی تو جموں سے آگے کے لیے سفر شروع کیا (یہ بڑا دشوار گزار سفر تھا جس میں دو دن مسلسل ہم دونوں باپ بیٹوں کو پیدل بھی چلنا پڑا) تین دن میں قصبہ بھدرواہ پہنچنا ہوا جہاں اس کمپنی کا دفتر تھا جس سے والد صاحب کا ملازمت کا تعلق تھا۔)

**بھدرواہ میں آمد** والد صاحب بھدرواہ پہنچتے ہی ہری کرشن اینڈ کمپنی کے ہیڈ آفس میں گئے، اپنی حاضری کی رپورٹ دی، آفس انچارج کو میرے تمام حالات سے مطلع کیا۔ رات ہم نے کمپنی کے مہمان خانے میں بسر کی۔

**قبول اسلام کی سزا** جب صبح بیدار ہوئے تو والد صاحب نے فرمایا تھوڑی دور ہی تازہ پانی کا چشمہ ہے چلو وہاں چل کر غسل کر آئیں۔ ایک اور پنڈت نما صاحب بھی ساتھ ہو لیے۔ جب ہم چشمہ پر پہنچے تو والد صاحب اور دوسرے صاحب باتوں میں مصروف ہو گئے مقدمہ کے حالات کا تذکرہ تھا۔ والد صاحب نے مجھے کہا تم ادھر

اُدھر گھوم پھر آؤ۔ میں وہاں سے کچھ فاصلے پر چلا گیا اور قدرتی مناظر دیکھنے میں محو ہو گیا۔ کہیں آدھ گھنٹے بعد والد صاحب نے آواز دی اِدھر آؤ۔

فرمایا کہ یہ دریا تمھیں دکھائی دے رہا ہے جو عین ہمارے نیچے نصف میل کی گہرائی پر وادی میں بپھرتا ہوا بہہ رہا ہے۔ میں تم سے کچھ باتیں پوچھنا چاہتا ہوں۔ اگر تم نے ٹھیک ٹھیک جواب نہیں دیا تو میں تمھیں دھکا دے کر دریا میں پھینک دوں گا۔ میری پہلی اور آخری بات یہ ہے کہ اپنے دل و دماغ سے گندگی دور کر دو! ـــــ میں نے عرض کیا "دو تین ماہ ہونے کو آرہے ہیں میں نے دماغ صاف کر لیا ہے" ـــــ والد صاحب اس تعریض کا مطلب سمجھ گئے۔ چھڑی ہاتھ میں لی اور بے تحاشا مارنا شروع کر دیا۔ میں نے شور مچانا شروع کیا مگر میری کون سنتا تھا۔ جب کافی مار پڑ چکی تو دوسرے صاحب درمیان میں آگئے والد صاحب نے انھیں بھی غصّے سے جھڑک دیا۔ وہ صاحب سہم گئے۔ ـــــ آج والد صاحب کا غصّہ شباب پر تھا ـــــ والد صاحب کی سزا کا مرکز میری رانیں اور ٹانگیں تھیں۔ رانوں سے خون بہہ نکلا اور میری ساری شلوار خون آلود ہو گئی۔ میں بے تاب ہو کر گر پڑا تو میرے سینے منہ اور سر پر بوٹوں کی ٹھوکروں کی نوازش ہونے لگی۔ ناک اور منہ سے خون جاری ہو گیا۔ والد صاحب جب دل کی بھڑاس نکال چکے تو فرمایا ـــــ چل او کتے میری آنکھوں سے اوجھل ہو جا۔ اور جہاں تیری مرضی ہے بھٹکتا پھر"۔

میں ابھی تک زمین پر پڑا تھا۔ گرجدار آواز میں فرمایا۔ حرامزادے تو نے سنا نہیں میں نے کیا کہا ہے۔ فوراً یہاں سے دفع ہو جاؤ۔ میں بمشکل تمام اُٹھا اور ایک طرف کو چل پڑا۔ دل میں خوش ہوا کہ شاید والد صاحب نے تنگ آکر مجھے میرے حال پر چھوڑ دیا ہے۔ میں کسی نہ کسی طریق سے پوچھال تک پہنچ جاؤں گا۔

میں نے بیس تیس قدم ہی اُٹھائے ہوں گے کہ پھر تیز تند آواز آئی۔ اوے کتے اِدھر آ کہاں جا رہا ہے۔ میں واپس لوٹا فرمایا۔ میں آج آخری فیصلہ کرنا چاہتا ہوں۔ اب کیا ارادہ ہے میں کچھ نہ کہہ سکا۔ "منہ سے بکتے کیوں نہیں"۔ میں بدستور خاموش رہا۔ حرامزادے کے دل میں اب بھی کجی ہے۔ منہ پر تھپڑوں کی بارش ہونے لگی۔ میں اس قدر شدید سزا کی

وجہ سے پھر گرنے کو تھا کہ تھام لیا اور فرمایا۔ اب تو میرے قابل نہیں رہا تو نے مجھے تمام خاندان میں برادری میں۔ علاقے میں برسر عام اور عدالتوں میں ذلیل کیا۔ میں نے تیرے لیے پندرہ بیس ہزار روپیہ خرچ کیا۔ تیرے مسلمان جج کے ساتھ میں نے تیرا سودا دس ہزار میں کیا۔ میں تجھے آرام سے زندگی ہرگز بسر نہ کرنے دوں گا۔

والد صاحب غصے سے کانپ رہے تھے۔ آگے بڑھے اور دھکا دے کر کہا حرامزادے میں تجھے ابھی دریا میں پھینکنے والا ہوں۔ دوسرا شخص جوان کے ساتھ تھا، والد صاحب کی ٹانگوں سے لپٹ گیا۔ لالہ جی! بھگوان کا نام پیش کرتا ہوں۔ ایسا نہ کریں۔ نادان بچہ ہے کچھ عرصہ بعد سمجھ جائے گا۔ بھگوان کے لیے اس پر رحم کریں۔ اگر آپ نے اُسے دریا میں پھینک دیا تو اس کا انجام دونوں کے لیے خطرناک ہو گا۔ آپ تو کئی ہزار روپے کی ضمانت دے کر اُسے لائے ہیں۔

والد صاحب بھلا کہاں ماننے والے تھے۔ فرمایا۔ میں آج زندہ نہیں چھوڑوں گا۔ اسے اسلام کا مزا چکھاؤں گا۔ وہ صاحب والد کے قدموں سے لپٹ کر رونے لگے۔ والد صاحب ایک پتھر پر بیٹھ گئے۔ فرمایا میں اپنے آپے میں نہیں ہوں ذرا مجھے سوچنے کا موقع دو۔

**اللہ تعالیٰ سے گزارش**

مجھے بھی تھوڑی دیر سوچنے کا موقع مل گیا۔ میں نے خاموش زبان سے اپنے رب کو پکارا۔ میرے اللہ میرا حشر تیرے سامنے ہے۔ شاید ابھی والد صاحب دریا میں دھکیل دیں اور میری زندگی اختتام کو پہنچ جائے مگر مجھے موت کا کوئی ڈر نہیں۔ میرے اللہ میں مر کر اس زخمی بدن۔ خون آلودہ چہرے۔ متورم ہونٹوں اور خون آلود لباس کے ساتھ تیرے حبیبؐ کے دربار میں پہنچ جاؤں گا۔ اور ادب سے عرض کروں گا۔ میرے آقا! آپ نے جو ایمان مجھے بطور امانت دیا تھا۔ میں نے اس میں خیانت نہیں کی۔ میں نے دریا میں گر کر جان تو دے دی ہے۔ مگر آپ کی عطا کردہ مقدس امانت پر حرف نہیں آنے دیا۔ میرا جسم۔ میری رانیں۔ میری ٹانگیں اور میرے متورم ہونٹ میرے اخلاص کے گواہ ہیں۔ میرے آقا! اگرچہ میں چھوٹا سا بچہ ہوں۔ لیکن آپ کی اس شفقت نے جو آپ نے خانہ کعبہ کی دیوار تلے مجھ پر فرمائی مجھے رستم و سہراب سے زیادہ حوصلہ عطا کر دیا ہے

والد صاحب بے شک۔ دریا میں دھکیل دیں میں تیار ہوں۔ میں نے دل میں فیصلہ کر لیا۔ کہ سچ کہوں گا۔ منافقت اور سیاسی مصلحت بینی سے کام نہیں لوں گا۔ ورنہ آقا کے سامنے ندامت ہوگی۔

## زخموں کا علاج

"ادھر آؤ" والد صاحب کی آواز نے چونکا دیا۔ فرمایا شلوار اتار کر دھوتی باندھ لو۔ اور چشمے کے پانی سے منہ دھو لو۔ خود والد صاحب شلوار دھونے لگے۔ شلوار کی وجہ سے چشمے کا پانی رنگین ہوگیا۔ منہ دھونے کے بعد شدت سے درد محسوس ہونے لگا۔ میں دھوتی باندھے ہی دفتر کے مہمان خانے میں واپس ہوا۔ ایک ڈاکٹر صاحب نے زخموں پر مرہم پٹی کی اور مجھے بستر پر لٹا دیا گیا۔ خواب آور دوا کے اثر سے شاید میں جلد ہی سو گیا۔ چند گھنٹوں بعد جب آنکھ کھلی تو گرم گرم دودھ سے میری تواضع کی گئی۔ اور ہوش و حواس بحال ہوئے۔

## مولانا کو خط

دوسری صبح تک میری طبیعت کچھ سنبھل چکی تھی۔ چہرے کا ورم اتر گیا تھا۔ البتہ ٹانگوں کے زخم درد کر رہے تھے۔ والد صاحب قلم دوات اور کاغذ لے آئے اور فرمایا یہ قلم لو اور لکھو۔ میں نے عرض کیا کیا لکھوں۔ والد صاحب نے مضمون بتایا تو میرے ہاتھ لکھنے سے رک گئے۔ والد صاحب نے میرے چہرے پر زوردار تھپڑ جما دیا۔ کان سائیں سائیں کرنے لگے۔ اور میں نے لکھنا شروع کر دیا۔ والد صاحب لکھواتے گئے اور میں تحریر کرتا گیا

(والد صاحب نے یہ خط مولانا صاحب کو لکھوایا تھا میں نے یہ خیال کر کے لکھ دیا کہ میں نہیں لکھ رہا ہوں، والد صاحب مار مار کے لکھوا رہے ہیں۔ اور میں جلدی ہی دوسرا خط لکھ کر واقعی صورت حال کی اطلاع مولانا صاحب کو دیدوں گا۔)

(میرے ارسال کردہ خطوط مولانا کے پاس تھے۔ میں بعینہٖ نقل کر رہا ہوں)

مولوی عبد الرؤف

دیکھو میں نے پرماتما کی کرپا سے کھوئے ہوئے دھرم کو واپس کر لیا ہے۔ یہ سب بھگوان کی دیا ہے۔ ورنہ میں نے تو ایک بار اپنی پوتر آتما کو بھرشٹ کر دیا تھا۔

اب میرے واپس آنے کی کوئی امید نہ رکھو میں تم سب کو قید کرا سکتا تھا۔ مگر جو

ہندو ہونے کے میرے دل میں رحم آ گیا۔ تم کو میری اس مہربانی کا شکریہ ادا کرنا چاہیئے۔ آئندہ مت کسی ہندو کو مسلمان بنانے کی کوشش کرو۔ میں پرماتما کا شکریہ ادا نہیں کر سکتا جس نے مجھے تمھاری قید سے بچایا۔ میرا کوٹ اور کمبل۔ جو تمھارے پاس ہے میرے گھر میانی روانہ کر دو۔

از طرف

کرشن لعل ۔ بھدرواہ

والد صاحب یہ خط میرے قلم سے لکھوا کر شاید مطمئن ہو گئے۔

## اسکول میں داخلہ

دو تین دن بعد جب میری طبیعت بحال ہو گئی تو والد صاحب بھدرواہ کے ہائی اسکول میں لے گئے۔ تمام حالات سے ہیڈ ماسٹر صاحب کو آگاہ کیا اور بتایا کہ میں اُسے آپ کے اسکول میں داخل کرانا چاہتا ہوں۔ بشرطیکہ اس کی مکمل نگرانی کی جائے اور اسے مسلمان طلبہ سے نہ ملنے دیا جائے۔ ہیڈ ماسٹر صاحب نے کہا کہ تمام اسٹاف ہندو اساتذہ پر مشتمل ہے۔ میں اسٹاف میٹنگ کر کے اسٹاف کو کو انف سے آگاہ کر دوں گا۔ ہر استاد بچے کا خیال رکھے گا —— دوسرے روز مجھے ۹ میں جماعت میں داخل کرا دیا گیا۔ جماعت کے طلبہ کی تعداد تیس چالیس کے قریب تھی۔ ان میں شاید دس بارہ لڑکے مسلمان تھے۔ باقی سب ہندو۔

## والد صاحب کی روانگی

والد صاحب بھدرواہ سے بائیس میل دور بھلیس میں کمپنی کے کام کے نگران تھے۔ انھیں جلد ہی اپنی ڈیوٹی پر جانا تھا۔ دوسرے دن انھوں نے روانگی کا پروگرام بنالیا۔ شام مجھے ایک دوست نہال چند صاحب کے گھر لے گئے جو اسی کمپنی میں ملازم تھے۔ اُن کو کہا کہ میں صبح کام پر جانا چاہتا ہوں۔ اور میرا ارادہ ہے کہ کرشن لعل کو آپ کے ہاں چھوڑ جاؤں۔ تمام اخراجات میں ادا کرتا رہوں گا۔ نہال چند صاحب مجھے اپنے ہاں رکھنے پر رضامند ہو گئے لیکن اخراجات لینے سے انکار کر دیا نہال چند صاحب سے والد صاحب نے کافی دیر تک تنہائی میں بات چیت کی۔ جس کا مجھے کوئی علم نہ تھا۔

(دوسرے دن والد صاحب مجھے کچھ نصیحتیں کر کے اپنی ڈیوٹی انجام دینے کے لیے روانہ ہو گئے میری ضروریات کے لیے سو روپئے نہال چند صاحب کو دیتے گئے)

**والد صاحب کے جانے کے بعد** والد صاحب کے بخیریت روانہ ہو جانے کے بعد میں نے قدرے اطمینان محسوس کیا۔ مگر معلوم نہیں کیا وجہ تھی کہ مجھے والد صاحب کی جدائی کا احساس ہو رہا تھا۔ ان کا اترا ہوا چہرہ میری نگاہوں کے سامنے پھر جاتا۔ میں سوچتا کہ میں نے والد صاحب کو کس قدر پریشان کیا ہے، وہ ہزاروں روپے میری وجہ سے پانی کی طرح بہا چکے ہیں۔ والد صاحب کے بارے میرے دل میں رحم و محبت کے جذبات ابھر آتے۔

میں نے اسکول جانا شروع کر دیا۔ نہال چند صاحب کے صاحبزادے اور ایک دیگر ہم جماعت ہر وقت کراماً کاتبین کی طرح میرے ساتھ رہتے۔ اسکول میں اکیلے جانے کی اجازت نہ تھی۔ اور نہ میں تنہا کہیں آجا سکتا تھا۔ جب چھٹی کے دن کہیں بازار جانا ہوتا تو پنا لال یا بدری ناتھ میں سے ایک ساتھی ضرور میرا ساتھ دیتا۔

اشیائے ضرورت کی خریداری کے لیے نہال چند صاحب کبھی نقد رقم مجھے نہ دیتے بلکہ بازار سے مطلوبہ چیز خود خرید کر لے آتے۔ ہر طرح سے میری سہولت کا خیال رکھتے لیکن ساتھ ہی ساتھ میری نگرانی کے فرائض بھی پوری تندہی سے سرانجام دے رہے تھے۔

**مولانا کو خط** والد صاحب کی روانگی کے بعد میرے نزدیک سب سے اہم کام یہ تھا کہ مولانا عبدالرؤف صاحب کو خط ارسال کروں۔ اپنی جماعت کے ایک مسلمان طالب علم دوست محمد سے میری شناسائی ہو گئی۔ میں نے اس کی ہمدردی حاصل کرنے کے لیے اُسے اپنی داستان غم سنا دی۔ دوست محمد نے ہر طرح سے میری مدد کرنے کا اقرار کیا۔ میں نے خط لکھ کر دوست محمد کے سپرد کیا۔ تاکہ اُسے پوسٹ کر دے۔

میرا خط مولانا کے پاس محفوظ تھا۔ آپ کی آگاہی کے لیے اس کی نقل تحریر کرتا ہوں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بخدمت جناب مولانا عبدالرؤف صاحب

السلام علیکم۔ اس سے قبل میرا ایک خط آپ کو مل چکا ہوگا۔ میں اللہ تعالیٰ کی قسم

لکھا کر کہتا ہوں کہ وہ خط میں نے اپنی مرضی سے نہیں لکھا۔ بلکہ مجھے سزا دے کر مجبوراً لکھوایا گیا ہے۔ میرا کوٹ اور کمبل ہرگز میانی روانہ نہ کریں۔

الحمدللہ! میں اسلام پر حسب سابق قائم ہوں۔ ترک اسلام کے لیے مجھے بے حد سزائیں دی گئی ہیں۔ مگر اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے میرے ایمان کی پختگی میں کسی قسم کی کمی نہیں آئی۔

اس سے پہلے کئی بار خط ارسال کرنے کی کوشش کی مگر ناکام رہا۔ والد صاحب نے مجھے یہاں ہائی اسکول میں داخل کرا دیا ہے اور خود یہاں سے بائیس میل دور ہیں۔ میں انشاءاللہ جلد ہی بھاگ کر آپ کے پاس پہنچ جاؤں گا۔ آپ لوگوں سے دور رہ کر میں بہت پریشان ہوں۔ آپ میری رہائی کے لیے خدا سے دعا کریں۔ میری طرف سے تمام دوستوں کو سلام۔

آپ کا خادم

غازی احمد نومسلم　　　(جاری)

---

حضرت مولانا حبیب الرحمٰن الاعظمی

# مصنف عبد الرزاق کی کتاب الجامع؟
# یا ــــــ جامع معمر؟

رسالہ "جامعۃ الرشاد" اعظم گڑھ کے ذریعہ میرے قدیم کرمفرما ڈاکٹر حمید اللہ صاحب کے ایک جدید انکشاف کا علم ہوا، اس انکشاف میں میری ایڈٹ کردہ مصنف عبدالرزاق کی کتاب الجامع کو جامع معمر قرار دیتے ہوئے مجھ پر انھوں نے عدم انتباہ کا الزام لگایا ہے۔ میں اس بارے میں ان کو معذور تصور کرتا ہوں، اور تحقیق و صداقت سے قطعاً عاری اس الزام پر ان کو کوئی ملامت بھی نہیں کرتا، ایسا لگتا ہے کہ ڈاکٹر صاحب کسی خام مسلم مستشرق کی باتوں میں آگئے ہیں۔

کوئی شخص جس کی نظر سے "الأوائل" للشیخ سعید سنبل، یا شاہ عبد العزیز محدث دہلوی کی بستان المحدثین بھی گذری ہو وہ مجھ کو عدم انتباہ کے ساتھ مطعون نہیں کر سکتا۔

"اوائل" شیخ محمد سعید سنبل کی تالیف ہے۔ حضرت شاہ محمد اسحاق مہاجر مکی نے اس کی سند عمر بن عبد الکریم مکی سے لی ہے، انھوں نے علامہ شیخ محمد طاہر سے، اور انھوں نے اپنے والد شیخ محمد سعید سنبل سے اس کی روایت کی ہے۔

"اوائل سنبل" میں حدیث کی چالیس کتابوں سے عموماً ہر ایک کتاب کی پہلی حدیث جمع کی گئی ہے، مگر مصنف عبد الرزاق کی آخری حدیث نقل کی ہے، لکھتے ہیں

وبالسند المتقدم إلى الامام الحجة عبد الرزاق الصنعاني: أخبرنا معمر عن ثابت عن أنس رضي الله عنه قال: كان شعر رسول الله صلى الله عليه وسلم إلى أنصاف أذنيه ۔ وهو آخر مصنفه (ص ۲۲)

اب آپ مصنف عبد الرزاق کی گیارھویں جلد ہاتھ میں لیجیے جس میں مصنف عبد الرزاق کی کتاب الجامع ختم ہوتی ہے، اور دیکھیے کہ کتاب الجامع کس حدیث پر ختم ہوتی ہے، اگر وہ یہی حدیث ہے، جس کو شیخ محمد سعید سنبل نے مصنف عبد الرزاق کی آخری حدیث قرار دیا ہے، تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ شاہ محمد اسحاق کے شیخ الشیخ کے شیخ کو بھی انتباہ نہیں ہوا، وہ بھی اس رازِ سربستہ کو نہ پا سکے کہ یہ مصنف کی آخری حدیث نہیں ہے، بلکہ جامع معمر کی آخری حدیث ہے۔

اسی طرح شیخ مشائخ الہند شاہ عبد العزیز دہلوی بستان المحدثین میں رقم طراز ہیں:-

طرفہ این است کہ مصنف خود را ختم کردہ است بشمائل، و شمائل را ختم برذکر موئے آں حضرتؐ تمام کردہ می گوید: حدثنا معمر عن ثابت عن أنس رضي الله عنه قال: كان شعر النبي (صلى الله عليه وسلم) إلى أنصاف أذنيه، (ص ۵۱) (طبع مصطفائی کانپور)

لیجیے! شیخ المشائخ کو بھی انتباہ نہیں ہوا، کہ اس حدیث پر مصنفِ عبد الرزاق نہیں ختم ہو رہی ہے، بلکہ جامع معمر ختم ہو رہی ہے۔

مصنفِ عبد الرزاق کی آخری کتاب، کتاب الجامع کو، جامع معمر قرار دینے والوں نے اس کی اکثر حدیثوں کو بروایت معمر پاکر اپنے استشراق کے زور سے اس کو جامع معمر یقین کرلیا، وہ اور کچھ نہیں، پوری کتاب الجامع کو حرفاً حرفاً پڑھ لیتے تو یہ دعوے کرتے ہوئے ان کو خود شرم محسوس ہوتی۔

مجھے استیعاب کے ساتھ تو ذکر کرنے کی فرصت نہیں ہے، مثال کے طور پر چند حدیثوں کی نشاندہی کرتا ہوں، کہ ان کا کوئی تعلق معمر سے نہیں ہے، بلکہ ان کو عبد الرزاق

نے اپنے دوسرے شیوخِ حدیث سے روایت کیا ہے۔

ملاحظہ فرمائیے: حدیث ۱۹۴۴۰، وحدیث ۱۹۴۷۵، وحدیث ۱۹۴۸۲، وحدیث ۱۹۶۴۳، وحدیث ۱۹۶۷۱، وحدیث ۱۹۷۰۹، وحدیث ۱۹۷۲۰،

(مصنف عبدالرزاق جلد ۱۰)

اسی طرح جلد ۱۱ کی حدیث ۱۹۷۶۲، وحدیث ۱۹۷۶۶، وحدیث ۱۹۷۷۱، وحدیث ۱۹۷۷۲، وحدیث ۱۹۷۸۱، وحدیث ۱۹۷۹۰، وحدیث ۱۹۷۹۴، وحدیث ۱۹۷۹۵، وحدیث ۱۹۷۹۸، وحدیث ۱۹۷۹۸، حدیث ۱۹۸۰۱، وحدیث ۱۹۸۰۷، وحدیث ۱۹۸۴۴، وحدیث ۱۹۸۴۸، وحدیث ۱۹۸۵۸، وحدیث ۱۹۸۷۷، و حدیث ۱۹۸۹۲، وحدیث ۱۹۹۶۳، وحدیث ۲۰۰۰۰، وحدیث ۲۰۰۹۲، وحدیث ۲۰۰۹۳، وحدیث ۲۰۰۹۴، وحدیث ۲۰۰۹۵، وحدیث ۲۰۱۱۷، وحدیث ۲۰۱۲۶، وحدیث ۲۰۱۳۶، وحدیث ۲۰۲۴۸، وحدیث ۲۰۲۹۲، وحدیث ۲۰۹۵۱،

صاحب کشف الظنون نے امام عبدالرزاق کی کتاب الجامع کا ذکر کیا ہے، اور فؤاد سید نیز شیخ ناصر الدین البانی نے لکھا ہے کہ الجامع لعبد الرزاق کا ایک نسخہ مکتبہ ظاہریہ دمشق میں محفوظ ہے۔ فؤاد سید نے یہ بھی لکھا ہے، کہ اس نسخہ پر ۵۵۵ھ کا ایک سماع درج ہے، نیز دوسرے سماعات لکھی ہیں ــــ تو کیا یہ سب محدثین غلط فہمی سے جامع معمر کو جامع عبدالرزاق سمجھ کر، جامع عبدالرزاق کے سماع کا ثبوت تحریر فرما رہے ہیں؟

---

# انتخاب

## حضرت شیخ الہندؒ کی بے نفسی و تواضع

[ماہنامہ "البلاغ کراچی" جو حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ کے خلف الصدق مولانا محمد تقی عثمانی کی ادارت میں شائع ہوتا ہے، اب سے ۴-۵ سال پہلے حضرت مفتی صاحب مرحوم و مغفور کی یادگار کے طور پر اس کا "مفتی اعظم نمبر" شائع ہوا تھا "الفرقان" میں اس کا تعارف بھی کرایا گیا تھا اور اس کے بعض مضامین بھی متعدد شماروں میں نقل کیے گئے تھے۔ اتفاق سے وہ زیر مطالعہ تھا اس میں اپنی جماعت کے اسلاف و اکابر کے سبق آموز حالات و واقعات بھی خاص اہتمام سے درج کیے گئے ہیں۔ اس سلسلہ میں شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن رحمۃ اللہ علیہ کے مندرجہ ذیل دو واقعے نظر سے گزرے ـــــ اللہ تعالیٰ ہم اخلاف کو ان سے سبق لینے کی توفیق عطا فرمائے۔ واقعہ یہ ہے کہ "استکبار" اور "انا" ہمارا سب سے بڑا مرض ہے]

(۱)

"حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ جب کانپور میں مدرس تھے تو مدرسہ کے جلسے کے موقع پر انھوں نے اپنے استاد شیخ الہندؒ کو بھی مدعو کیا۔ کانپور میں بعض اہل علم معقولات (منطق فلسفہ وغیرہ) کی مہارت میں معروف تھے...... ادھر علمائے دیوبند کی توجہ چونکہ خالص دینی علوم کی طرف رہتی تھی اس لیے یہ حضرات یوں سمجھتے تھے کہ علمائے دیوبند کو معقولات میں کوئی درک نہیں حضرت تھانویؒ اس وقت نوجوان تھے ان کے دل میں حضرت شیخ الہند کو مدعو کرنے کا ایک داعیہ یہ بھی تھا کہ یہاں حضرت کی تقریر ہوگی تو کانپور کے ان علماء کو پتہ چلے گا کہ علمائے دیوبند کا علمی مقام کیا ہے اور وہ منقولات و معقولات دونوں میں کافی دستگاہ رکھتے ہیں۔ چنانچہ جلسہ منعقد ہوا اور حضرت شیخ الہند کی تقریر شروع ہوئی۔ حسن اتفاق سے تقریر کے دوران کوئی معقولی مسئلہ زیر بحث آگیا، اس وقت وہ علما جن کو حضرت تھانوی حضرت شیخ الہند کی تقریر سنانا چاہتے تھے جلسہ میں نہیں آئے تھے۔ جب حضرت کی تقریر شباب پر پہنچی اور معقولی مسئلہ کا انتہائی فاضلانہ بیان ہونے لگا تو وہ علما تشریف لائے جن کا

حضرت تھانوی کو انتظار تھا حضرت تھانوی اس موقع پر بہت مسرور ہوئے کہ اب ان حضرات کو شیخ الہند کے علمی مقام کا اندازہ ہوگا۔ لیکن ہوا یہ کہ جوں ہی حضرت شیخ الہند نے ان علماء کو دیکھا تقریر کو مختصر کر کے فوراً ختم کر دیا اور بیٹھ گئے ــــــ حضرت مولانا فخر الحسن گنگوہی موجود تھے انھوں نے یہ دیکھکر تعجب سے پوچھا کہ "حضرت اب تو تقریر کا اصل وقت آیا تھا، آپ بیٹھ کیوں گئے؟" شیخ الہندؒ نے فرمایا ہاں دراصل یہی خیال مجھے بھی آگیا تھا ــــــ مطلب یہ تھا کہ اب تک تو تقریر نیک نیتی سے خالص اللہ تعالیٰ کے لیے ہو رہی تھی۔ لیکن یہ خیال آنے کے بعد اپنا علم جتانے کے لیے ہوتی۔"

(۲)

"دار العلوم معینیہ اجمیر کے صدر مدرس حضرت مولانا معین الدین صاحب اجمیری بڑے بلند پایہ عالم خاصکر معقولات کے بڑے ماہر تھے، ان کو حضرت شیخ الہند کی ملاقات کا اشتیاق ہوا تو دیوبند تشریف لائے اور حضرت شیخ الہند کے مکان پر پہنچ گئے۔ گرمی کا موسم تھا وہاں ایک صاحب کو دیکھا جو صرف بنیان اور تہبند پہنے ہوئے تھے۔ مولانا معین الدین صاحب نے اُن سے اپنا تعارف کرایا اور کہا کہ مجھے حضرت مولانا محمود الحسن صاحب سے ملنا ہے۔ وہ صاحب بڑے تپاک سے مولانا معین الدین صاحب کو اندر لے گئے، آرام سے بٹھایا اور کہا کہ تشریف رکھیں ابھی ملاقات ہو جاتی ہے۔

مولانا اجمیری منتظر رہے، اتنے میں وہ شربت لے آئے اور مولانا کو پلایا۔ مولانا اجمیری نے فرمایا کہ حضرت مولانا محمود الحسن صاحب کو اطلاع دیدیجیے" ان صاحب نے کہا کہ آپ بے فکر رہیں اور آرام سے تشریف رکھیں۔ تھوڑی دیر بعد وہ صاحب کھانا لے آئے اور کھانے پر اصرار کیا مولانا اجمیری نے کہا کہ میں مولانا محمود الحسن صاحب سے ملنے آیا ہوں آپ ان کو اطلاع کر دیجیے ـــ ان صاحب نے کہا ان کو اطلاع ہو گئی ہے آپ کھانا تناول فرمائیں ابھی ملاقات ہو جاتی ہے ـــ مولانا اجمیری نے کھانا کھا لیا تو ان صاحب نے انھیں پنکھا جھلنا شروع کر دیا۔ جب دیر گزر گئی تو مولانا اجمیری کچھ برہم ہو گئے اور فرمایا آپ میرا وقت ضائع کر رہے ہیں۔ میں مولانا سے ملنے آیا تھا اتنی دیر ہو چکی ہے ابھی تک ملاقات نہیں ہو سکی اس پر وہ صاحب بولے

"اصل بات یہ ہے کہ یہاں مولانا تو کوئی ہے نہیں، البتہ محمود خاکسار ہی کا نام ہے"

مولانا معین الدین صاحب یہ سنکر ششدر بھگا رہ گئے، اور معلوم ہو گیا کہ شیخ الہند کیا چیز ہیں۔

# نماز میں یکسوئی کا مسئلہ:۔

[ از افادات — حضرت ڈاکٹر عبدالحیٔ عارفی دامت برکاتہ‘ (کراچی) ]

"عام طور پر لوگ کہتے ہیں کہ نماز میں یکسوئی نہیں ہوتی یہ ایک خواہ مخواہ کا خیال ہے کہ نماز میں یکسوئی نہیں ہوتی۔ دل نہیں لگتا۔ ذرا غور تو کرو کہ جب تم نے نماز کے وقت پر نماز کا ارادہ کیا، وضو کیا مسجد کی طرف روانہ ہوئے یا اپنے مصلّے پر گئے تو اس طرح دل نہیں لگا تو اور کیا ہوا؟ یہ یکسوئی نہ ہوئی تو کیا ہوئی؟ تھوڑی دیر کے لیے سب سے تعلقات منقطع کر لیے سب مشاغل چھوڑ دیے اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر ہو گئے۔ اب دل لگنے نہ لگنے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ جس قدر کے ہم مکلف تھے ہم نے وہ کر لیا۔ اب اگر غیر اختیار طور پر خیالات آتے ہیں۔ آئیں مگر ہم کو چاہیے کہ ہم ان کی طرف متوجہ نہ ہوں۔ بلکہ اپنی نماز کے ارکان کی طرف متوجہ رہیں اسی قدر یکسوئی کی ہم کو ضرورت ہے اور وہ اس طرح حاصل ہے اس کو اس طرح سمجھیے کہ نماز پڑھنے کے لیے جو شرائط ہیں وہ ہم کو پوری کرنا ہیں زمین پاک ہونا چاہیے۔ طہارت کاملہ ہونی چاہیے۔ باوضو ہونا چاہیے۔ قبلہ رُخ ہونا چاہیے۔ جب یہ شرطیں موجود ہیں تو اب شریعت آپ کو نماز ادا کرنے کی اجازت دیتی ہے آپ ظاہری آداب کے اسی قدر مکلف ہیں۔ (خیالات کا نہ آنا ہمارے اختیار میں نہیں وہ اللہ تعالیٰ ہی کے اختیار میں ہے)

ہمارے حضرت والا کا ارشاد ہے کہ تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کے مطابق اپنی نماز کی صورت بنا لو۔ کہاں تک ہاتھ اُٹھائے جائیں کہاں ہاتھ باندھے جائیں۔ رکوع میں کس طرح جھکا جائے۔ کس طرح سجدہ کیا جائے کس طرح نماز میں تلاوت کی جائے۔ غرض جو نماز کے آداب ہیں وہ بجا لاؤ اور ٹھہر ٹھہر کر اور سنبھال کر نماز کے ارکان ادا کرو پھر چاہے دل لگے یا نہ لگے۔ انشاء اللہ تعالیٰ یہی نماز مقبول ہو جائے گی۔ جس وقت نیت باندھو یہ سوچ لو کہ اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑے ہو یہ بھی ایک درجہ ہے احسان کا کیونکہ تم تجلّی کعبہ کی طرف منہ کر کے ہاتھ باندھے کھڑے ہو وہ بھی تمہاری طرف متوجہ ہے۔ یہ کس کی تجلّی ہے غور کرو اللہ جل شانہ‘ ہی کی تو تجلّی ہے۔ ایک درجہ میں یہی احسان ہے۔ نماز کی حالت میں اعضاء کو غیر ضروری حرکت نہ دو۔ بس ایک درجہ ہے یہ بھی خشوع کا اور قلب کو غیر ضروری باتوں کی طرف از خود متوجہ نہ کرو یہی خشوع ہے

رفتہ رفتہ انشاء اللہ یہی کیفیات حقیقت میں تبدیل ہو جائیں گی اپنے اختیار میں جو باتیں ہیں ہم ان ہی کے مکلف ہیں، غیر اختیاری باتوں کے ہم مکلف نہیں ہیں —— اس طرح ہماری نماز ہماری استعداد کے مطابق کامل نماز ہے اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو۔

ایک بات اور سمجھ لیجیے آپ یہ کہتے ہیں کہ نماز پڑھنے کھڑے ہو گئے تو خطرات اور وساوس اور گندے اور ناپاک تصورات نماز میں آنا شروع ہو جاتے ہیں۔ یہاں ایک بات سمجھنے کی ہے وہ یہ کہ تمہارا وضو اس وقت تک قائم ہے جب تک کوئی ناپاک چیز جسم سے خارج نہ ہو اس کے خارج ہونے پر وضو ساقط ہو جائے گا۔ مگر وہ خارج ہونے والی ناپاک چیزیں تمہارے جسم کے اندر بھری ہوئی ہیں۔ خون ناپاک ہے وہ رگ رگ میں دوڑ رہا ہے۔ پیٹ میں ریاح بھرے ہوئے ہیں۔ مثانہ میں پیشاب بھرا ہوا ہے۔ پیٹ میں فضلہ بھرا ہوا ہے۔ مگر شریعت کا فتویٰ ہے کہ ان تمام گندہ چیزوں کے باوجود جو جسم کے اندر ہیں تم پاک ہو اور نماز پڑھ سکتے ہو۔ اگر ان میں سے کوئی چیز ذرا بھی خارج ہوئی تو وضو ٹوٹ جائے گا تو ناپاک چیز کے جسم سے خارج ہونے پر وضو ٹوٹتا ہے۔ اسی طرح سمجھ لو کہ فاسد خیالات اور ناپاک تصورات جو دل و دماغ میں غیر اختیاری طور پر بھرے ہوئے ہیں سب پاک ہیں جس طرح جسم کے اندر جو دوسری گندی چیزیں بھری ہوئی پاک ہیں اسی طرح نماز کی حالت میں جو گندے اور ناپاک خیالات دل و دماغ کے اندر بھرے ہوئے ہیں وہ سب پاک ہیں۔ شریعت کا یہی حکم ہے کہ جب گندے اور ناپاک خیالات کا عمل کی صورت میں اظہار ہوگا تو ناپاک ہو جاؤ گے لیکن جب تک اظہار نہیں ہوگا پاک رہو گے۔

اتنا کھلا اور آسان راستہ ہے۔ اس کو آپ لوگوں نے کیوں اتنا پیچیدہ اور مشکل بنا رکھا ہے۔ آپ یہ کیوں چاہتے ہیں کہ ہم نماز پڑھیں تو ایسی پڑھیں کہ جیسا کھمبا کھڑا ہو۔ اس میں نہ کوئی احساسات ہوں نہ کوئی جذبات ہوں اور نہ کوئی خیالات لیکن یہ تو فطرتِ انسانی کی خصوصیت ہے کہ دل و دماغ میں ایسے خیالات و تصورات ہر وقت آتے رہتے ہیں۔ ان سے کوئی بشر خالی نہیں۔

(حضرت ڈاکٹر صاحب مدظلہ کی ایک مطبوعہ مجلسی اصلاحی تقریر سے ماخوذ)

---

# رمضان المبارک کے مبارک موقع پر خصوصی رعایات

**عام خریداروں کے لیے**
۱۰ر شوال تک موصول ہونے والے اپنی مطبوعات کے ہر آرڈر پر ۲۰ فیصد اور دیگر اداروں کی مطبوعات پر ۱۰ فیصد رعایت دی جائے گی۔ اپنی مطبوعات پر بعد کمیشن ۲۰۰ روپے کے ہر آرڈر پر ۲۵ فیصد اور دوسروں کی مطبوعات پر ۱۵ فیصد رعایت دی جائے گی۔

**تاجروں کے لیے**
اپنی و بیرونی مطبوعات کے مشترکہ بعد کمیشن -/۵۰۰ کے آرڈر پر بالترتیب خصوصی ۵ و ۲ فیصد مزید رعایت دی جائے گی۔ لیکن آرڈر کے ہمراہ -/۱۰۰ روپے پیشگی آنا ضروری ہیں

محصول ڈاک بہرصورت بذمہ خریدار ہوگا — منیجر الفرقان بک ڈپو

ہماری مطبوعات

## مولانا محمد منظور نعمانی کی ایمان افروز تالیفات

### اسلام کیا ہے؟

نہایت آسان زبان اور بجد دلنشین اور پر اثر انداز میں اسلامی تعلیمات کا جامع اور مکمل خلاصہ۔ نیا ایڈیشن بہترین کتابت و اعلیٰ طباعت سے مزین۔ قیمت -/۸

### دین و شریعت

اس کتاب میں توحید، آخرت، رسالت، نماز، روزہ، زکوٰۃ و حج، اخلاق و معاملات، دعوت و جہاد، سیاست و حکومت اور احسان و تصوف کے مباحث پر تفصیل سے روشنی ڈالی گئی ہے نیا ایڈیشن اعلیٰ طباعت کے ساتھ قیمت -/۱۰

### قرآن آپ سے کیا کہتا ہے؟

قرآنی ہدایات اور اس کی اہم تعلیمات کا ایک جامع مرقع جس میں سیکڑوں عنوانات کے تحت متعلقہ قرآنی آیات کو نہایت مؤثر اور روح پرور تشریحات کے ساتھ جمع کیا گیا ہے۔ نیا ایڈیشن نئی کتابت کے ساتھ ۲۶×۲۰ سائز پر۔ خوبصورت گردپوش سے مزین -/۱۶

### معارف الحدیث

احادیث نبوی کا کامل ایک نیا اور جامع انتخاب
اردو ترجمہ اور تشریح کے ساتھ

اس مجموعہ میں ان احادیث کا انتخاب کیا گیا ہے جن کا انسانوں کی فکری و اعتقادی اور عملی زندگی سے خاص تعلق ہے اور جن میں امت کے لیے ہدایت کا خاص سامان ہے

مجلد، جلدیں۔ اول، دوم، سوم، چہارم، پنجم، ششم، ہفتم۔
-/۱۸، -/۲۱، -/۲۰، -/۲۰، -/۲۳، -/۲۰، -/۱۸
مکمل سیٹ مجلد -/۱۵۰

### تصوف کیا ہے؟

تصوف کے موضوع پر یہ کتاب اپنے اختصار کے باوجود انصاف و تحقیق اور مباحث کے سلجھاؤ کے لحاظ سے بہت ممتاز ہے
قیمت -/۸

### تذکرہ مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ

امام ربانی شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی سوانح حیات آپ کے عرفانی اور ارشادی خصوصیات۔ قیمت مجلد -/۱۶

## ملفوظات حضرت مولانا محمد الیاسؒ

جن لوگوں نے حضرتؒ کو نہیں پایا وہ ان ملفوظات کے مطالعہ سے آپ کو پوری طرح جان اور سمجھ سکتے ہیں۔ قیمت ۶/۵۰

## کلمہ طیبہ کی حقیقت

اسلام کے کلمہ دعوت لا الٰہ الا اللّٰہ محمد رسول اللّٰہ کی ایمان افروز تشریح۔ قیمت ۲/۵۰

## نماز کی حقیقت

نماز کے مقام اور اس کی روح و حقیقت سے واقف ہونے کے لیے نیز اپنی نماز میں خشوع کی کیفیت پیدا کرنے کے لیے اس کتاب کا مطالعہ انتہائی مفید ہے۔ قیمت ۳/۵۰

## برکات رمضان

ماہ رمضان اور اس کے خاص اعمال و وظائف، تراویح و اعتکاف وغیرہ کے فضائل و برکات اور ان کی روحانی تاثیرات کا نہایت مؤثر اور شوق انگیز بیان۔ قیمت ۳/-

## منتخب تقریریں

مولانا نعمانی مدظلہ کی ایمان افروز اصلاحی و تبلیغی تقریروں کا مجموعہ جو اپنے اندر افادیت کے ہزاروں پہلوؤں کو سمیٹے ہوئے ہے۔ قیمت ۱۰/-

## آپ کون ہیں کیا ہیں؟ —— اور آپ کی منزل کیا ہے؟

مولانا نعمانی کی ایک تقریر جس میں دینی مدارس کے طلباء کے لیے ایک جامع پیغام ہے۔ قیمت ۱/۵۰

## میری طالب علمی

مولانا موصوف نے اس کتاب میں اپنی تعلیمی زندگی کے مختصر حالات بیان کیے ہیں۔ قیمت ۱/-

## شیخ محمد بن عبدالوہاب کے خلاف پروپیگنڈہ اور ہندوستان کے علمائے حق پر اس کے اثرات

شیخ محمد بن عبدالوہاب کے خلاف ان کے مذہبی و سیاسی دشمنوں کے عالمی پروپیگنڈے اور اس کے علمائے حق پر اثرات نیز انکشاف حقیقت کے بعد شیخ محمد بن عبدالوہاب کے بارے میں ان کی رائے میں تبدیلی کی پوری تفصیل —— تاریخی حقائق و شواہد کی روشنی میں۔ قیمت ۶/۵۰

## قادیانی کیوں مسلمان نہیں؟

ردّ قادیانیت پر لاجواب کتاب جو عام و خاص سب کے لیے یکساں تسلی بخش ہے۔ قیمت ۴/۵۰

## قادیانیت پر غور کرنے کا سیدھا راستہ

قادیانیت پر مولانا کا یہ مختصر رسالہ دریا بہ کوزہ کا مصداق اور قادیانیت کے زہر کا مجرب تریاق ہے۔ قیمت ۲/-

## کفر و اسلام کے حدود اور قادیانیت

اس کتابچہ میں ثابت کیا گیا ہے کہ جو شخص رسول اللہ صلعم کے بعد شرعی معنی میں نبی و رسول ہونے کا دعویٰ کرے اور جو اس کو نبی و رسول مانے وہ مسلمان نہیں۔

قیمت ۲/-

## فیصلہ کن مناظرہ

اکابر علمائے دیوبند پر مولوی احمد رضا خاں بریلوی کے سنگین تکفیری الزامات کا تحقیقی جواب۔ قیمت ۵/-

## شاہ اسمٰعیل شہید اور معاندین اہل بدعت کے الزامات

حضرت شاہ شہیدؒ جیسی مقدس ہستی پر معاندین اہل بدعت کے گروہ الزامات کا تسلی بخش اور مدلل جواب

قیمت ۳/-

## مولانا مودودی کے ساتھ میری رفاقت کی سرگزشت اور اب میرا موقف

مولانا محمد منظور نعمانی کی تازہ ترین تصنیف

اپنے طرز کی پہلی کتاب ہے ـــــ جس میں مولانا موصوف نے (جو کہ "جماعت اسلامی" کے قیام سے بہت پہلے سے مودودی صاحب سے گہرا تعلق رکھتے تھے اور جماعت اسلامی کی تاسیس میں ان کے شریک اور پہلے رفیق تھے) مودودی صاحب کی ان باتوں اور نظریات کی نشاندہی کی ہے جو امت کے لیے اور بالخصوص اُن کے متبعین کے لیے زیغ و ضلال اور فتنہ کا باعث بن سکتے ہیں۔

کتاب کے شروع میں مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کا بصیرت افروز پیش لفظ ہے۔

قیمت ۱۰/-

## تبلیغی جماعت جماعت اسلامی اور بریلوی حضرات

اس کتاب میں درج ذیل ۵ انتہائی اہم مضامین جمع کر دیے گئے ہیں (۱) تبلیغی جماعت کی اصل دعوت، بنیادی مقصد اور طریق کار کی وضاحت (۲) تبلیغی جماعت سے متعلق ایک سی، آئی، ڈی افسر کے دس سوالات کا جواب جو بہت سے دلوں میں پیدا ہوتے ہوں گے (۳) مولانا مودودی کا ایک مضمون جس میں انھوں نے اپنا یہ تاثر پورے زور قلم کے ساتھ ظاہر کیا ہے اس زمانہ میں احیاء دین کی جدوجہد کا صحیح طریقہ وہی ہے جو تبلیغی جماعت کا طریقہ ہے۔ (۴) تبلیغی جماعت پر "جماعت اسلامی" کے حضرات کی طرف سے کیے جانے والے اعتراضات کا جواب (۵) بریلوی جماعت کی تاریخ اور تبلیغی جماعت کے خلاف بریلوی حضرات کی طرف سے لگائے جانے والے الزامات اور بہتانوں کی حقیقت۔ قیمت صرف ۳/-

## دیگر مصنفین کرام کی گراں قدر تصانیف

### تجلیات ربانی

تلخیص و ترجمہ مکتوبات مجدد الف ثانی رح از مولانا نسیم احمد فریدی امروہی۔

حضرت مجدد الف ثانی رح کے ان مکتوبات میں احسان و تصوف، تعمیر باطن، حق و باطل میں امتیاز، جہاد فی سبیل اللہ، اور اقامت دین و ترویج شریعت کی ترغیب اور امت مسلمہ کی عام رہنمائی کا وہ سامان موجود ہے جو چار صدیوں سے امت کی رہنمائی کر رہا ہے

قیمت جلد اول ۱۵/- جلد دوم ۱۳/-

### مکتوبات خواجہ محمد معصوم رح

از مولانا نسیم احمد فریدی امروہی

حضرت مجدد الف ثانی رح کے صاحبزادے اور خلیفہ خواجہ محمد معصوم رح کے مکتوبات کا ذخیرہ۔ جو حضرت خواجہ کے ارشاد و ہدایت کے پورے کام کا آئینہ دار ہے۔ آخر میں شاہ بندہ عالمگیر رح کا مختصر تذکرہ بھی شامل ہے۔ قیمت ۱۴/-

### تذکرہ خواجہ باقی باللہ مع خلفاء و صاحبزادگان

مرتبہ مولانا نسیم احمد فریدی امروہی

حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہ، ان کے دونوں صاحبزادگان خواجہ عبداللہ و خواجہ عبید اللہ اور اکابر خلفاء تاج العارفین شیخ تاج سنبھلی، خواجہ اللہ داد، خواجہ ابرار شیخ حسام الدین کی سوانح حیات، معتقدات و امتیازات اور کارناموں کی تفصیل قیمت ۷/۵۰

### تذکرہ حضرت مولانا محمد یوسف رح

حضرت مولانا مرحوم کی غیر معمولی دینی اور ربانی خصوصیات کا مرقع ان کی مشہور تبلیغی دعوت کے فکری اور عملی پہلوؤں کو سمجھنے کا مستند ذریعہ اور امت کے لیے ایک انقلاب آفریں پیغام ـــــ ماہنامہ الفرقان لکھنؤ کی خصوصی اشاعت۔ نیا ایڈیشن عمدہ طباعت اور خوبصورت کور سے مزین قیمت ۱۲/-

## شیخ الحدیث نمبر

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا نور اللہ مرقدہٗ کی یاد میں شائع کیا جانے والا الفرقان کا شاندار خاص نمبر جو شائع ہوتے ہی ہاتھوں ہاتھ نکل گیا۔ بہت محدود تعداد میں موجود ہے۔ آج ہی طلب فرمائیں ورنہ دوسرے ایڈیشن کا انتظار کرنا ہوگا۔ قیمت -/۱۸

## رہنمائے تلاوت —— یا
## قرآن کریم کی بیک ریڈر

(تجوید) قرأت کے موضوع پر اپنے طرز کی واحد کتاب قرآن کریم کو صحیح اور قواعد کے مطابق پڑھنے کے لیے اس کا مطالعہ ضروری ہے۔ اس کتاب کو پڑھ کر ہی معلوم ہوسکتا ہے کہ ہم تلاوت میں کتنی سنگین غلطیاں کرتے ہیں۔

قیمت صرف -/۱۲

## دربار نبوت کی حاضری

از مولانا مناظر احسن گیلانی

حج کے سفر کی عاشقانہ و مستانہ داستان۔ مولانا موصوف کے البیلے طرز بیان میں پڑھیے۔ قیمت -/۳

## انیس نسواں

از بیگم اصغر حسین صاحبہ

عورتوں کے لیے بہترین اصلاحی کتاب۔ عام فہم زبان میں۔ قیمت -/۳

## صحبتے با اہل دل

مرتبہ: مولانا سید ابو الحسن علی ندوی

حضرت شاہ محمد یعقوب بھوپالی کی عرفانی اور اصلاحی مجالس کا مرقع اور ان کے ارشادات و ملفوظات کا مجموعہ۔ قیمت -/۱۴

## تاریخ میلاد

از مولانا حکیم عبد الشکور صاحب مرزا پوری

مجلسِ میلاد کی مفصل تاریخ، اس کے بارے میں علماء کی آراء اور اس سلسلہ میں نقطۂ اعتدال کیا ہے۔ یہ سب اس کتاب میں پڑھیے۔ قیمت -/۸

## تذکرہ شاہ اسماعیل شہیدؒ

از مولانا نسیم احمد فریدی امروہی

حضرت شاہ اسماعیل شہیدؒ کی مختصر سوانح حیات ۲/۵۰

## تھوڑی دیر اہل حق کے ساتھ

صحابہ کرام، تابعین، علماء و مشائخ اور دوسرے اکابر امت کے ایمان افروز سبق آموز حالات و واقعات اور ان کے ایمانی و روحانی ارشادات کا انتخاب۔ قیمت ۳/۵۰

## وصایا شیخ شہاب الدین سہروردیؒ

مرتبہ مولانا نسیم احمد فریدی امروہی

یہ نایاب وصایا اپنے اندر بڑی کشش و دلآویزی رکھتے ہیں۔ قیمت ۱/۵۰

ملنے کا پتہ: الفرقان بکڈپو ۳۱ نیا گاؤں مغربی نظیر آباد۔ لکھنؤ

## قرآن مجید، حمائلیں، پارے، قاعدے

- قرآن مجید مترجم عکسی کلاں۔ ترجمہ از حکیم الامت مولانا تھانویؒ سائز ۱۵ × ۱۰ انچ۔۔ صفحات ۱۲ سطری عربی متن ۲ سطری اردو ترجمہ۔ بطور ریگزین ۱۲۰/-
- قرآن مجید اشرفی حوالہ ما ترجمہ مولانا اشرف علی تھانویؒ رنگین طباعت مجلد رنگین ۲۶/-
- قرآن مجید مصری فرقانی عکسی جلی حروف عمدہ کاغذ وطباعت ۳۲/-
- قرآن مجید مصری ہر سپارہ ڈر والا ۳۴/-
- قرآن مجید عکسی حافظی نظامی ۱۲۷ ۲۵/-
- قرآن مجید ۶۲ ۲۰/-
- قرآن مجید شل نظامی ۴۵/-
- قرآن شریف ۲۳ ۲۰/-
- حمائل اشرفی حافظی نظامی ۱۴۲ ۹/-
- عکسی حمائل ۲۶ ۹/۵۰
- قرآن مجید ۵ عکسی ۳۰×۲۰ سائز عمدہ کاغذ وطباعت ۲۲/-
- پارہ ۱ تا ۶ خورد وکلاں -/۷۵
- پارہ عم -/۷۵
- یسرنا القرآن خورد ۱/۵۰
- 〃 〃 کلاں رنگین ۳/-
- قاعدہ بغدادی -/۳۰
- 〃 〃 پلاسٹک ۲/۵۰
- یازدہ سورہ ۳/۵۰
- سولہ سورہ ۶/۵۰
- الحزب الاعظم ۸/-

## تفاسیر قرآن وعلوم قرآنی

- تفسیر بیان القرآن مکمل مجلد بات چری ۲۲۰/-
- ترجمان القرآن (مولانا آزاد) ۱۲۰/-
- تفسیر قادری مکمل ۲ جلد ۱۵۰/-
- تفسیر ماجدی تا پارہ ۱۱ ۴۵/-
- تفسیر فوز الکبیر اردو ۵/-
- تعلیم القرآن ۷/۵۰
- مطالعہ قرآن کے اصول ومبادی ۱۲/-
- معرکہ ایمان ومادیت ۹/-
- تیسیر القرآن ۱۰/-
- ارض القرآن ۲۶/-

## تجوید (قرأت قرآن)

- رہنمائے تلاوت ۱۲/-
- آسان تجوید -/۹۰
- تسہیل التجوید ۲/-

## حدیث وعلوم حدیث

- اصول حدیث -/۷۵
- زاد سفر مکمل ۳۶/-
- خصائل نبویؐ شرح شمائل ترمذی ۲۵/-
- فضل الباری ۶/۵۰
- فن اسماء الرجال ۳/۵۰
- نصائح رسول کریمؐ ۱/۷۵
- حدیث کا بنیادی کردار ۲/-
- بزم پیغمبر ۴/-
- محدثین عظام اور ان کے علمی کارنامے ۲۰/-

## فقہ وفتاوی

- علم الفقہ مکمل (مولانا عبد الشکورؒ) ۴۰/-
- جواہر الفقہ اول ودوم ۶۵/-
- فتاوی رحیمیہ (مولانا مفتی عبد الرحیم لاجپوری) اول تا سوم ۱۰۵/-
- مفتاح الجنۃ ۷/-
- تعلیم الاسلام مکمل ۵/۵۰
- ارکان اسلام ۵/۵۰
- ارکان اربعہ ۲۲/-
- اختلاف الائمہ ۵/-

## مسائل واحکام

- اشرف الجواب ۳۰/-
- احکام المیت -/۴۰
- اغلاط العوام ۱/۵۰
- قربانی ۲/۶۰
- تجہیز وتکفین کے احکام ۳/-
- تعلیم الدین ۵/-
- دین کی باتیں ۹/-
- رمضان اور اس کے روزے ۱/۵۰
- شب براءت ۱/۵۰
- مردوں اور عورتوں کے مخصوص مسائل ۲/۵۰
- مسائل اذان ۵/۵۰
- مسائل سجدہ سہو ۴/-
- مسئلہ تعدد ازدواج ۱/۲۵
- معاشرتی مسائل ۱۵/-

## فضائل

| کتاب | قیمت |
|---|---|
| فضائل نماز شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ | ۲/۵ |
| فضائل رمضان 〃 | ۳/- |
| فضائل صدقات 〃 | ۲۲/- |
| فضائل حج 〃 | ۸/۵۰ |
| فضائل ذکر 〃 | ۵/۵۰ |
| فضائل درود 〃 | ۴/۵۰ |
| فضائل قرآن 〃 | ۳/۵۰ |
| فضائل تبلیغ 〃 | ۲/- |
| فضائل اخلاق و اخلاص 〃 | ۱/۷۵ |
| فضائل روزہ | -/۵۰ |
| فضائل استغفار | ۳/- |
| فضائل بسم اللہ | ۳/- |
| فضائل مسواک | ۳/۵۰ |
| فضائل نکاح | ۲/- |
| کتب فضائل پر اشکالات اور ان کے جوابات | ۶/۵۰ |
| تبلیغی نصاب اول | ۲۷/- |
| 〃 دوم | ۳۲/- |
| فضائل زبان عربی | ۲/- |
| زاد الصلوٰۃ | ۲/- |
| توبہ و استغفار کے فضائل | ۱/- |
| اکابر کا رمضان | ۲/۵۰ |
| حضرت شیخ کا رمضان بقیام پاکستان | ۲/۵۰ |

## سیرت نبوی

| کتاب | قیمت |
|---|---|
| سیرت النبی مکمل، جلدیں غیر مجلد (مجلد کے لیے فی جلد -/۴ مزید) | ۲۰۱/- |
| قائد بدر واحد | ۱۵/- |
| نبی رحمت (مولانا علی میاں) | ۳۵/- |
| اصح السیر | ۳۹/- |
| النبی الخاتم | ۱۳/- |
| پیغمبر اسلام | ۲/- |
| آخری نبی | ۲/- |
| پیغمبر عالم | ۲۰/- |
| حب رسول | ۱/- |
| رحمت عالم | ۵/- |
| رسول اللہ | ۴/- |
| سیرت خاتم الانبیاء | ۹/۵۰ |
| سیرت الرسول | ۳/- |
| شیم الحبیب | ۳/- |
| محسن عالم | ۱/۵۰ |
| نشر الطیب فی ذکر النبی الحبیب | ۹/- |
| نفحۂ عنبریہ بذکر میلاد خیر البریہ | ۳/- |
| وفات النبی | ۴/- |
| ہمارے حضور | ۵/- |
| منصب نبوت اور اس کے عالی مقام حاملین | ۱۶/- |
| نبوت نے انسانیت کو کیا دیا | ۲/- |
| واقعہ معراج النبی | -/۲۵ |
| رسول اکرم | ۴/۵۰ |

## سیر و سوانح

| کتاب | قیمت |
|---|---|
| الانور | ۴۰/- |
| امت کی مائیں | ۷/- |
| انوار معصومیہ | ۲۵/- |
| تحقیق و انصاف کی عدالت میں ایک مصلح کا مقدمہ | ۳/۵۰ |
| جب ایمان کی بہار آئی | ۱۲/- |
| حیات اشرف | ۶/- |
| حیات خلیل | ۲۵/- |
| سوانح حضرت شیخ الحدیث (مولانا علی میاں) | ۲۰/- |
| سوانح حضرت رائے پوریؒ | ۱۵/- |
| سوانح حضرت مولانا محمد یوسفؒ | ۳۰/- |
| سو بڑے آدمی | ۱۰/۵۰ |
| سیرت پاک خواجہ معین الدین چشتیؒ | -/۵۰ |
| سیرت خلفاء راشدین | ۱۰/- |
| سیرت سید احمد شہیدؒ مکمل (مولانا علی میاں) | ۶۰/- |
| سیرت مولانا محمد علی مونگیریؒ | ۱۵/- |
| شیخ حسن البناءؒ | ۲/۵۰ |
| صدر یار جنگ | ۱۵/- |
| فاتح بیت المقدس | ۳/- |
| طارق بن زیاد | ۲/۵۰ |
| مسلمان بہادر لڑکے | ۳/- |
| حیاۃ الصحابہ اردو (مکمل سو جلد) | ۹۰/- |
| اکابر دیوبند اتباع سنت کی روشنی میں | ۵/- |
| اکابر کا تقویٰ | ۸/- |

## تذکرے

| کتاب | قیمت |
|---|---|
| پرانے چراغ۔ اول دوم (مولانا علی میاں) | ۴۳/- |
| تذکرۃ الخلیل | ۲۵/- |
| تذکرۃ الرشید | ۴۰/- |
| تذکرۃ المشائخ | ۱۰/- |
| تذکرہ مولانا محمد یوسف (حضرت جی نمبر) | ۱۳/- |
| تذکرہ حضرت شیخ (الفرقان شیخ نمبر) | ۱۴/- |
| تذکرہ شاہ طیب بنارسی | ۳/- |
| تذکرہ شاہ فضل رحمٰن گنج مرادآبادی | ۶/- |
| تذکرہ مولانا محمد اویس ندوی | ۱۰/- |
| چار ستارے | ۸/- |
| دس بڑے مسلمان | ۲۰/- |
| دس جنتی | ۲/- |
| ذکر زبیر | ۳/- |

## حج پر کتابیں

| کتاب | قیمت |
|---|---|
| آپ حج کیسے کریں | ۹/- |
| آسان حج | ۲/۲۵ |
| آئینہ حرم مع تصاویر مقامات مقدسہ | ۲۵/- |
| حج کے چند مشاہدات و احساسات | ۳/- |
| حج و مقامات حج | ۶/- |
| رفیق حج | ۱۲/- |
| دیار حبیب | ۱۲/- |
| سفر حجاز (مولانا عبدالماجد دریابادی) | ۴۰/- |
| کاروان مدینہ (مولانا علی میاں) | ۱۲/- |
| دربار نبوت کی حاضری | ۲/- |

## تاریخ

| کتاب | قیمت |
|---|---|
| انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج و زوال کا اثر | ۲۰/- |
| تاریخ اسلام مکمل (از اکبر شاہ) | ۱۲۰/- |
| تاریخ اسلام مکمل (شاہ معین الدین ندوی) | ۷۷/- |
| تاریخ دعوت و عزیمت مکمل | ۸۰/- |
| ایسٹ انڈیا کمپنی اور باغی علماء | ۴/- |
| دریائے کابل سے یرموک تک | ۱۶/- |
| ذکر الشہادتین | ۵/- |
| عہد نبوی کے میدان جنگ | ۶/- |
| یاد ایام تاریخ گجرات عکسی | ۷/- |
| بزم تیموریہ اول تا سوم | ۵۱/- |
| بزم رفتگان دوم | ۲۴/- |
| بزم صوفیہ | ۱۶/- |
| تاریخ دولت عثمانیہ اول و دوم | ۴۴/- |
| تاریخ صقلیہ مکمل ۲ حصے | ۴۷/- |
| مذہب و تمدن | ۷/- |
| صلیبی جنگ | ۳/- |

## مکاتیب

| کتاب | قیمت |
|---|---|
| اکابر کے خطوط | ۱۲/- |
| مکاتیب رشیدیہ | ۱۲/- |
| مکتوبات ماجدی عکسی | ۴۰/- |
| مکتوبات نبوی | ۸/- |
| مرقومات امدادیہ | ۱۲/- |
| تبرکات | ۵/- |

## تصوف

| کتاب | قیمت |
|---|---|
| ارشاد الملوک | ۸/- |
| اکابر کا سلوک و احسان | ۵/- |
| اکسیر ہدایت ترجمہ کیمیائے سعادت | ۸۰/- |
| اکمال الشیم | ۱۲/- |
| البدائع (مولانا تھانوی) | ۲۰/- |
| بہجۃ القلوب | ۳/۵۰ |
| تزکیہ و احسان یا تصوف و سلوک | ۱۰/- |
| تسہیل قصد السبیل عکسی | ۵/۵۰ |
| تاریخ مشائخ چشت | ۱۳/۵۰ |
| صراط المستقیم | ۱۴/- |
| فیض شیخ | ۵/- |
| محبوب العارفین | ۴/۵۰ |
| السنۃ الجلیہ فی الچشتیۃ العلیہ (سلسلۂ چشتیہ اور اتباع سنت) | ۱۰/- |

## ملفوظات

| کتاب | قیمت |
|---|---|
| الکلام الحسن | ۴/- |
| امداد المشتاق | ۳۰/- |
| شمائم امدادیہ | ۶/- |
| صحبتے با اولیاء | ۹/- |
| مزید المجید | ۳/۵۰ |
| کلمۃ الحق | ۴/۵۰ |
| فیوض الخالق | ۱/۵۰ |
| حسن العزیز مکمل | ۶۰/- |
| ارشادات شیخ الاسلام | ۵/- |

| رد بدعت و شیعت | | مختلف موضوعات پر اہم کتابیں | | | |
|---|---|---|---|---|---|
| انگشت بوسی سے بائبل بوسی تک | ۳/۵۰ | آپ بیتی مولانا عبدالماجد دریابادی | ۲۵/- | قادیانیت مطالعہ اور جائزہ | ۶/- |
| اصلاح الرسوم | ۴/- | طوفان سے ساحل تک | ۱۶/- | دو ہفتے مغرب اقصیٰ مراکش میں | ۶/- |
| بشریت انبیاء | ۱۰/- | خلق عظیم | ۲/- | دو مہینے امریکہ میں | ۱۵/- |
| بلاغ المبین | ۱۰/۵۰ | زبان کی خوبیاں | ۵/- | سیاحت ماجدی یا اسفر | ۳۰/- |
| بہار تعزیہ و بدعات مروجہ | -/۶۰ | اسلام اور عہد حاضر | ۱۰/- | مشرق اوسط کی ڈائری | ۱۵/- |
| تکفیر کے پردے میں | ۸/- | اسلام اور غیر اسلامی تہذیب | ۱۰/- | اسلامی سیاست | ۱۲/- |
| چالیس بدعتیں | ۲/۵۰ | اسلامیات اور مغربی مستشرقین | ۶/- | حسن معاشرت | ۳/- |
| حق پر کون ہے | ۳/۵۰ | اسلامیت و مغربیت کی کشمکش | ۱۰/- | عورت کیا کچھ کرسکتی ہے۔ | ۴/۵۰ |
| حق نما | ۱/- | اصلاحی نصاب (مولانا تھانویؒ) | ۴۵/- | مسلمان بیوی | ۴/- |
| حقیقت نما | ۲/- | تجارت اور اسلام | ۳/- | اردو عربی ڈکشنری | ۱۵/- |
| دین حق اور علماء ربانی شرک و بدعت کے خلاف کیوں | ۳/- | تحدید نسل اور اسلامی تعلیمات | ۱۰/- | مرنے کے بعد کیا ہوگا | ۱۰/- |
| | | جزاء الاعمال عکسی | ۷/۵۰ | میدان حشر | ۵/۷۵ |
| راہ سنت | ۱۲/۵۰ | نقوش اقبال | ۱۲/- | دستور حیات (مولانا علی میاں) | ۱۲/- |
| رضاخانیت کا تنقیدی جائزہ | ۹/- | فریب تمدن | ۱۵/- | عالم عربی کا المیہ | ۱۳/- |
| فاتحہ کی حقیقت | ۱/- | واقعات الصالحین | ۵/- | علم | ۳/۵۰ |
| فتاویٰ اعلیٰ حضرت | ۱/- | جنت کی کنجی | ۱۰/- | گناہ بے لذت | ۳/- |
| مذہب شیعہ کے چالیس بنیادی عقیدے | ۳/- | تبلیغ و دعوت کا معجزانہ اسلوب | ۱۰/- | مسلمان کیا کریں | ۷/- |
| تعزیہ علماء اسلام کی نظر میں | ۱/- | تبلیغی تحریک کی ابتدا اور اس کے بنیادی اصول | ۵/- | کتاب الصلوٰۃ (نماز کی عظمت) | ۱۰/- |
| شیعوں کے ۱۱ اہم سوالات کے جواب | ۳/- | | | مسنون دعائیں | ۳/- |
| شیعہ اور قرآن | ۱۲/- | جماعت تبلیغ کے لیے روانگی کی ہدایات | ۵/۵۰ | مسنون و مقبول دعائیں | ۲/۵۰ |
| فتح حقانی | ۸/- | | | آداب زندگی عکسی | ۷/- |
| قاتلان حسین کی خانہ تلاشی | ۴/- | پڑوسی کے حقوق | ۱/۵۰ | آداب المعلمین | ۲/۲۵ |
| تعارف مذہب شیعہ | ۱۵/- | حقوق والدین | ۳/- | نبیوں کے حالات (ہندی) | ۱۵/- |
| چراغ سنت | ۴/- | میاں بیوی کے حقوق | ۳/- | مرنے کے بعد کیا ہوگا (ہندی) | ۱۵/- |

ملنے کا پتہ:- کتب خانہ الفرقان (۳۱ نیا گاؤں مغربی) نظیر آباد - لکھنؤ

ممالک غیر سے

بحری ڈاک سے ٣ پونڈ
ہوائی ڈاک سے ٧ پونڈ
ایک شمارہ کی قیمت ہندوستان میں
-/٢

چندہ سالانہ

ہندوستان میں -/٣٠
پاکستان سے پاکستانی سکہ میں -/٥٠
بنگلادیش سے ہندوستانی سکہ میں
-/٢٢

جلد (٥١) | بابت شوال المکرم ١٤٠٣ھ مطابق اگست ١٩٨٣ء | شمارہ (٨)



## اگر اس دائرہ میں ◯ سُرخ نشان ہے تو

اس کا مطلب یہ ہو کہ آپ کی مدت خریداری ختم ہوگئی ہے براہ کرم آئندہ کے لیے چندہ ارسال کریں یا خریداری کا ارادہ نہ ہو تو مطلع فرمائیں۔ چندہ یا دوسری اطلاع مہینے کے آخر تک آجانا چاہیے۔ پرچہ وی پی نہیں کیا جائے گا۔

**نمبر خریداری:** براہ کرم خط و کتابت کرتے وقت اور منی آرڈر کوپن پر اپنا خریداری نمبر ضرور لکھ دیا کریں جو پتہ کی چٹ پر لکھا ہوتا ہے۔

**تاریخ اشاعت:** الفرقان ہر انگریزی مہینے کے پہلے ہفتہ میں روانہ کر دیا جاتا ہے اگر مہینے کے آخر تک کسی صاحب کو پرچہ نہ ملے تو فوراً مطلع فرمائیں اس کی اطلاع اگلے مہینے کی ٥ تاریخ تک آجانا چاہیے اس کے بعد رسالہ کی ذمہ داری دفتر پر نہ ہوگی۔

**پاکستان کے خریدار حضرات** مبلغ -/٣٠ روپے ہندوستانی سکہ میں کسی بھی ذریعہ سے دفتر الفرقان لکھنؤ کو روانہ فرمائیں یا پاکستانی سکہ میں -/٥٠ روپے ناظم ادارہ اصلاح و تبلیغ آسٹریلین بلڈنگ لاہور کو بھیج دیں۔

محمد حسان نعمانی پرنٹر پبلشر نے تنویر پریس لکھنؤ میں چھپوا کر دفتر الفرقان ٣١ نیا گاؤں مغربی لکھنؤ سے شائع کیا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

# نگاہِ اولیں

محمد منظور نعمانی

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن

## حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب اِلیٰ رحمۃ اللہ

الفرقان کے بیرونی ممالک کے ناظرین میں بھی غالباً کوئی نہ ہوگا جس کو قاری صاحب کے حادثۂ وفات کی اطلاع نہ ہو چکی ہو ــــــ اس میں کس کو شبہ ہو سکتا ہے کہ "کُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَۃُ الْمَوْتِ" کے اٹل خداوندی قانون کے مطابق اپنے اپنے مقررہ وقت پر ہم سب اسی راستہ سے اسی منزل کی طرف جانے والے ہیں "اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن" کا یہی مطلب و مدعا اور یہی پیغام ہے۔ اللہ تعالیٰ توفیق دے کہ کسی وقت بھی اس سے غفلت نہ ہو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے "کفیٰ بالموت واعظاً" (نصیحت کے لیے بس موت (کا خیال و دھیان) بالکل کافی ہے)

اس عاجز راقم سطور کو قاری صاحب کے حادثۂ وفات پر بالخصوص اس احساس سے شدید رنج و صدمہ ہے کہ یہ ایسے وقت ہوا جبکہ دارالعلوم سے متعلق اُن معاملات کی وجہ سے جن کا ذکر الفرقان میں آتا رہا ہے، ہمارے ذاتی ابینی (باہمی تعلقات) میں وہ خوشگواری نہیں رہی تھی جو ابتدائے تعلق و تعارف (تقریباً ۶۰ سال) سے ابتک چلی آرہی تھی۔ ــــــ دل میں شدت سے یہ حسرت ابھرتی ہے کہ کاش ہم ان واقعات سے پہلے ہی دنیا سے اُٹھا لیے گئے ہوتے یٰلَیْتَنِیْ مِتُّ قَبْلَ ھٰذَا وَکُنْتُ نَسْیًا مَّنْسِیًّا۔

لیکن ہماری موت و حیات کی طرح ہماری زندگی کے افعال و اعمال اور واقعات و احوال بھی ازل سے مقدر ہو چکے ہیں۔ جو ماضی کے لیے مقدر تھا وہ ہو چکا۔ مستقبل کے لیے

جو مقدر ہے وہ ہو کے رہے گا۔ "ما قدر اللہ فسوف یکون" خاصکر دارالعلوم کے ان معاملات میں اپنی طبیعت و مزاج کے خلاف اس عاجز کے ابتلا کی توجیہ اس کے سوا نہیں کی جا سکتی کہ یونہی مقدر تھا ورنہ میں تو ان واقعات سے بہت پہلے قریباً ۲۰ سال پہلے ایک دفعہ مجلس شوریٰ کی رکنیت سے استعفا دے چکا تھا اس وقت میرے اساتذہ بھی حیات تھے انھوں نے بھی حکم فرمایا کہ میں استعفے پر اصرار نہ کروں اور رکنیت کا تعلق قائم رکھوں۔ مجھے ماننا پڑا۔ پھر اس کے بعد بھی کئی بار استعفے کا ارادہ کیا اور اگر اپنی رائے اور دل کے داعیہ پر عمل کر لیتا تو دارالعلوم کے موجودہ نزاعی قضیہ کے سلسلہ میں میرا ذکر بھی نہ آتا مگر میرا ابتلا مقدر ہو چکا تھا، اس لیے ہو کے رہا۔ لا رادّ لما قضاہ۔

الفرقان میں کبھی اس کا ذکر آ چکا ہے کہ اب سے قریباً ۱۲-۱۳ سال پہلے دارالعلوم کے بعض حالات و معاملات کی وجہ سے میرے دل میں اس کا شدید داعیہ پیدا ہوا کہ مجلس شوریٰ کی رکنیت سے خاموشی سے استعفا دے کر اپنے کو اس کی ذمہ داریوں اور مسؤلیت سے الگ کر لیا جائے لیکن اس دور میں کوئی اہم فیصلہ میں شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا نور اللہ مرقدہٗ کے مشورہ کے بغیر نہیں کرتا تھا، سہارنپور ان کی خدمت میں حاضر ہوا اور صورت حال عرض کی۔ حضرت شیخ نے فرمایا کہ مولوی صاحب جو کچھ تم نے بتلایا مجھے اس سے زیادہ معلوم ہے۔ لیکن میری رائے استعفے کی نہیں ہے۔ میرے نزدیک تمہارا مجلس شوریٰ میں رہنا دارالعلوم کے لیے مفید اور ضروری ہے۔ البتہ جس بات کو تم صحیح نہ سمجھو صفائی سے اس کے بارہ میں اپنی رائے ظاہر کر دو نہ مانی جائے تو تم پر کوئی ذمہ داری نہیں! ـــــ میں نے حضرت شیخ کے فرمانے کے مطابق استعفے کا ارادہ اُس وقت ترک کر دیا۔

اس کے کچھ عرصہ بعد پھر کسی معاملہ پر استعفے کا تقاضا دل میں پیدا ہوا اور پھر میں نے حضرت شیخ کی خدمت میں عرض کیا، حضرت نے اب کے بھی وہی فرمایا جو پہلے فرمایا تھا۔

آخری دفعہ اجلاس صد سالہ کے بعد بعض خاص واقعات اور محرکات کی بنا پر بہت ہی شدت سے استعفے کا داعیہ دل میں پیدا ہوا، اس وقت حضرت شیخ کا قیام مدینہ منورہ میں تھا، میں نے مفصل عریضہ لکھا شیخ کا جواب آیا کہ حضرت حاجی صاحب قدس سرہٗ اور حضرت گنگوہی نور اللہ مرقدہٗ اہم معاملات میں سات دن متواتر استخارہ کے لیے فرمایا کرتے تھے۔ اب میرا مشورہ یہی ہے کہ آپ سات دن متواتر استخارہ مسنونہ کریں اور اپنے معاملہ کو اللہ تعالیٰ کے حوالہ کردیں۔ اس کے بعد جو کبھی رجحان ہو اس پر عمل کرلیا جائے۔

اکابر نے لکھا ہے کہ استخارہ کے لیے یہ ضروری ہے کہ اپنی رائے اور اندرونی داعیہ کو بالکل فنا کرکے استخارہ کیا جائے ــــ لیکن میرے دل میں اس وقت استعفے کا ایسا شدید تقاضا اور داعیہ تھا کہ میں اس کے فنا کرنے پر قادر نہیں تھا، اس لیے وہ سات روزہ استخارہ نہیں کیا جاسکا اور میں اس وقت کا منتظر رہا جب اپنی رائے کو فنا کرکے استخارہ کرسکوں ــــ اسی حال میں دن گزر رہے تھے کہ ہماری اور پوری جماعت کی بدقسمتی سے دار العلوم سے متعلق نامبارک واقعات کا وہ افسوسناک سلسلہ شروع ہوگیا جس کے بارے میں حسب ضرورت الفرقان میں لکھا جاتا رہا ہے۔ اور مجلس شوریٰ کے رکن ہونے کی حیثیت سے میں نے جو اپنی ذمہ داری سمجھی اس کو ادا کرنے کی کوشش کی ــــ ہم میں سے کوئی بھی معصومیت کا دعویٰ نہیں کرسکتا، راقم سطور اتنا ہی عرض کرسکتا ہے کہ ضمیر اس پر مطمئن ہے کہ اس سلسلہ میں جو کچھ کیا اپنے نزدیک دار العلوم کا حق اور اپنا فرض سمجھ کر کیا ــــ اس کے باوجود "وَمَا أُبَرِّئُ نَفْسِي إِنَّ النَّفْسَ لَأَمَّارَةٌ بِالسُّوءِ إِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّي إِنَّ رَبِّي غَفُورٌ رَّحِيمٌ"

بات بہت طویل ہوگئی، مقصد صرف یہ عرض کرنا تھا کہ ایک دفعہ استعفا دیدینے اور اس کے بعد بھی بار بار استعفے کے ارادے اور شدید تقاضے کے باوجود اس اختلاف کے شروع ہوجانے تک استعفا دے کر الگ ہوجانے کی نوبت نہ آنا اور میرا اس میں مبتلا ہونا اس لیے ہوا کہ یہی مقدر ہوچکا تھا۔

صحابہ کرام خاصکر عشرۂ مبشرہ میں حضرت علی مرتضیٰ اور حضرت طلحہ وحضرت زبیر رضی اللہ عنہم کے مابین جو اختلاف ہوا جو صرف کہنے سننے یا لکھنے لکھانے تک محدود نہیں رہا بلکہ نوبت قتل وقتال کی آئی، یہاں تک موخرالذکر دونوں حضرات اسی میں شہید ہوئے، اس کے بارے میں بھی آخری بات یہی کہی جا سکتی ہے کہ اللہ علیم وحکیم کی طرف سے یہ مقدر ہو چکا تھا اور اس میں بھی یقیناً حکمتیں تھیں، خواہ ہم سمجھ سکیں یا نہ سمجھ سکیں۔
غرض ان سب باتوں کے پیش نظر ہونے کے باوجود اور وہ حدیث پاک بھی حافظہ میں ہونے کے باوجود جس میں حضرت آدمؑ اور حضرت موسیٰؑ کا عالم بالا کا وہ مکالمہ ذکر فرمایا گیا ہے۔ جو ایسے مواقع پر موجب تسکین ہو سکتا ہے، جب قاری صاحب کے حادثۂ وفات کی خبر سنی تو خاصکر اس احساس کی وجہ سے شدید رنج وقلق ہوا کہ اس کا امکان ختم ہو گیا کہ ہم اس زندگی ہی میں اپنے قلوب اور معاملات کو صاف کر سکیں ۔۔۔ ماشاء اللہ کان وما لم یشأ لم یکن

کئی مہینے پہلے ارادہ کیا تھا کہ قاری صاحب کی خدمت میں ایک مفصل خط لکھوں اور دارالعلوم کے ان معاملات کے سلسلہ میں مخلصانہ مشورہ عرض کروں اور ذات البین کی صفائی کی ایک کوشش کروں۔ اس کے لیے مناسب وقت وفضا کا اور صحت کے لحاظ سے اُن کی حالت بہتر ہونے کا انتظار کرتا رہا۔ لیکن اللہ کی مشیت جس مناسب وقت کا انتظار تھا وہ کبھی نہیں آیا اور خرابیٔ صحت اور ضعف ونقاہت کے بارے میں بھی ایسی اطلاعات ملتی رہیں جنکی وجہ سے وہ خط لکھنا میں نے مناسب نہیں سمجھا اور مناسب وبہتر وقت کا انتظار کرتا رہا ۔۔۔ اسی حالت میں ایک دن اخبار میں پڑھا کہ قاری صاحب تشویشناک علالت کی حالت میں دہلی کے فلاں ہسپتال میں داخل کر دیے گئے ہیں تو اپنی غرض سے بھی ان کی صحت کے لیے دعائیں کیں تاکہ جو کچھ عرض کرنا ضروری سمجھتا ہوں عرض کر سکوں ۔۔۔ کچھ دن کے بعد معلوم ہوا کہ حالت کچھ بہتر ہو گئی ہے اور دہلی سے مکان دیوبند تشریف لے آئے ہیں لیکن ضعف ونقاہت انتہائی درجہ کا ہے تو میں نے طے کیا کہ جو کچھ میں دارالعلوم کے معاملات سے متعلق کہنا چاہتا ہوں وہ تو بہت طویل اور

غور طلب ہو گا، اس حالت میں وہ لکھنا تو مناسب نہیں البتہ آخرت کے لیے اپنا معاملہ صاف کرنے کے واسطے مختصر عریضہ بلا انتظار اسی وقت لکھ دینا چاہیے۔ چنانچہ ۲۸ر اپریل کو مندرجہ ذیل عریضہ لکھا :-

باسمہ سبحانہ وتعالیٰ

معظمی محترمی حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب دامت فیوضکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ ــــ خدا کرے مزاج گرامی بخیر ہو، عرصہ سے جناب کی خدمت میں عریضہ کے ذریعے کچھ عرض کرنے کا ارادہ تھا لیکن مناسب وقت اور فضا کا انتظار کرتا رہا مگر اللہ تعالیٰ کی مشیت کہ ایسا وقت ابتک نہ آسکا۔ ــــ پچھلے دنوں جناب کی شدید علالت اور علاج کے لیے دہلی کے کسی ہسپتال میں داخلہ کی خبر اخبار میں پڑھی تھی تو ارادہ کر لیا تھا۔ کہ اللہ تعالیٰ آپ کو صحت عطا فرمائے تو اب کسی وقت کا انتظار کیے بغیر ہی عریضہ لکھوں گا ــــ کل ایک صاحب نے جو حال ہی میں دیوبند گئے تھے اور جناب کی خدمت میں بھی حاضر ہوئے تھے، انھوں نے جناب کے ضعف ونقاہت کا حال بتایا تو اب وہ سب کچھ لکھنے کا ارادہ ترک کر کے جو لکھنا چاہتا تھا اس وقت صرف اتنا ہی عرض کرنا چاہتا ہوں کہ دارالعلوم کے سلسلہ میں، بدقسمتی سے جو اختلافات ہمارے درمیان پیدا ہوا جس کا کبھی تصور بھی نہیں کیا جاسکتا تھا۔ مجلس شوریٰ کے ایک رکن کی حیثیت سے میرا بھی اس میں حصہ رہا، اس سلسلہ میں میں نے جو کچھ لکھا یا عملاً کیا اگرچہ یہ سمجھ کر لکھا یا کیا کہ یہ دارالعلوم اور جماعت کا مجھ پر حق ہے اور اگر میں نے اس میں کوتاہی کی تو اللہ تعالیٰ کے حضور میں اس کی جواب دہی کرنی پڑے گی ــــ تاہم میں بشر ہوں، خطا اور نفس وشیطان کے شر سے محفوظ نہیں ہوں (وما ابرء نفسی ان النفس لامّارۃ بالسوٓء) بالکل ممکن ہے کہ اس سلسلہ میں

جناب کے حق میں مجھ سے تعدّی (زیادتی) ہوئی ہو۔ اس کے لیے عاجزانہ طور پر معافی کا طالب وسائل ہوں، امید ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد "وَلْيَعْفُوا وَلْيَصْفَحُوا أَلَا تُحِبُّونَ أَنْ يَغْفِرَ اللَّهُ لَكُمْ" کو پیش نظر رکھتے ہوئے معاف اور آخرت کے مواخذہ سے بری فرما کر اس عاجز پر احسان فرمائیں گے۔

اس اختلاف کے زمانے میں بھی اپنے لیے باعث خیر وسعادت سمجھ کر جناب کے لیے بھی دعا کرتا رہا ہوں اور خود دعا کا محتاج وطالب ہوں۔ مکرر عرض ہے کہ جناب کے ضعف ونقاہت کا جو حال معلوم ہوا ہے اس کو پیش نظر رکھتے ہوئے اس وقت صرف اتنا ہی عرض کرنا مناسب سمجھتا ہوں اللہ تعالیٰ جناب کو اپنے فضل وکرم سے صحت وتوانائی عطا فرمائے تو انشاء اللہ اصلاح ذات البین ہی کی غرض سے وہ چند باتیں عرض کروں گا جو عرض کرنا چاہتا تھا ــــــ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھ کو اس کا موقع عطا فرمائے۔ اور اس کو میرے لیے جناب والا کے لیے اور دار العلوم اور پوری جماعت کے لیے نافع بنائے۔ وماھو علی اللہ بعزیز۔ والسلام

محمد منظور نعمانی

---

حضرت قاری صاحب کی طرف سے اس کا جواب آیا جو درج ذیل ہے:

محترم المقام حضرت مولانا محمد منظور نعمانی زید مجدکم السلام علیکم

گرامی نامہ مورخہ ۲۸ اپریل ۱۹۸۳ء باعث شرف اور موجب تسلی ہوا۔ یہ میرے لیے روح کی غذا اور صحتمندی کی علامت ہے۔ آج کا دور کرب کا دور ہے۔ اخلاقی انتشار عالمی پیمانے پر بڑھ رہا ہے ننانوے فی صدی غلط فہمیاں چھائی ہوئی ہیں اور ایک فی صدی حقیقت پر حاوی ہیں۔

دار العلوم دیوبند صرف ایک مدرسہ نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی امانت ہے۔

آج کے لادینی دور میں دین کے ہر شعبہ میں امت کی رہنمائی اور عوام امت کی خدمت اس کا نصب العین رہا ہے۔ آج اس کا کیا حال ہے؟ اور ہم اللہ کے سامنے مسئول ہیں ــــ یہ ہے وہ سوز جس سے میرا جسم ہڈیوں کا ڈھانچہ رہ گیا ہے ــــ میں دہلی میں پنت ہسپتال میں رہا۔ اب دیوبند ہوں، میرا کھانا پینا صرف دوا ہے ــــ ڈاکٹر کہتے ہیں کہ کوئی مرض نہیں اور حال یہ ہے کہ دوسروں کے ہاتھوں میں ہوں، نہ اپنی ذات کا غم ہے نہ اپنے عزیزوں کا بلکہ غم دار العلوم کا ہے ــــ جماعت جو ۱۱۶ برس تک اوروں کے لیے ہدایت، تقویٰ، اور توحید کی علامت تھی بکھر کر رہ گئی ہے۔ یہی میری بیماری ہے۔ ویسے یہ عمر کا تقاضا ہے ــــ

اس عالم بیچارگی اور بیماری میں آپ کا مکتوب گرامی ملا۔ جسے میں اپنے لیے اور دار العلوم کے لیے روحانی صحتمندی کی علامت سمجھتا ہوں۔ آنمحترم نے معافی کے الفاظ لکھے ہیں۔ آنمحترم سے زیادہ کون جانتا ہے کہ میں نے اپنے چھوٹوں کو بھی کبھی خطادار نہیں سمجھا کہ ان کی زبان پر معافی کی بات آئے ــــ معاملہ ہم میں سے کسی کی ذات کا نہیں نہ معافی کا بلکہ ہمارے اسلاف کی یادگار دار العلوم کا ہے ــــ ہم سب اپنی خطاؤں کی معافی اللہ سے مانگیں، اور کچھ مانگیں تو دعا مانگیں ہم سب کو توفیق نصیب ہو اور آخرت کی جوابدہی سے نجات ملے۔ ؎

من و تو ہر دو خواجہ تاشانیم بندۂ بارگاہ سلطانیم

اس دن سے جس نے دار العلوم اور جماعت دار العلوم کو یہ دن دکھائے میں نے تین لفظ اختیار کر لیے ہیں السکوت، والصبر، والغنی انہی تینوں پر اب بھی قائم ہوں زندگی کی آخری آرزو اور آخری دعا یہ ہے کہ دار العلوم کا پہلا رنگ، جس میں روحانیت تھی، خلوص تھا اور سب ایک تھے، اور فیصلے ایک رائے سے ہوتے تھے، پھر بحال ہو جائے۔ آنمحترم سے دعا کی

درخواست ہے۔ والامر بید اللہ الکریم۔ والسلام

محمد طیب غفرلہ ، ۸۳ء

(بلاشبہ قاری صاحب کا لکھا یا ہوا یہ مکتوب گرامی ان کی اصل فطرت کے عین مطابق ہے۔ کاش......)

قاری صاحب کے اس مکتوب گرامی کے ملنے کے بعد بھی یہی معلوم ہوتا رہا کہ ضعف و نقاہت میں کوئی کمی نہیں ہے اس لیے جو مفصل عریضہ لکھنے کے بارے میں سوچا تھا وہ لکھنا مناسب نہیں سمجھا اور بہتر حالت کا انتظار رہا۔ پھر اخبار ہی سے معلوم ہوا کہ طبیعت زیادہ ناساز اور موجب تشویش ہو گئی تو دوبارہ دہلی ہسپتال میں داخل کیا گیا ہے ـــــ اس کے بعد ۱۷ر شوال کو اچانک حادثۂ وفات کی اطلاع ملی تو اس احساس کے تحت کہ اس کا پورا امکان ہے کہ مجھ سے اُن کے بارے میں تعدی اور زیادتی ہوئی ہو اور اس کا تو صرف امکان ہی نہیں قریب بہ یقین گمان ہے کہ دارالعلوم کے اس بحرانی دور میں اور اس سے پہلے بھی زبان کی بے احتیاطی سے ان کی غیبت کرنے یا کانوں سے سننے کا ارتکاب ہوا ہو، اس کی امکانی تلافی کے لیے میں نے اپنے لیے ضروری سمجھا کہ اُن کے لیے دعا اور ایصال ثواب کا زیادہ سے زیادہ اہتمام کیا جائے ـــــ اس کے ذکر کر دینے میں بھی کوئی مضائقہ نہیں بلکہ موجودہ حالات میں اچھا ہی سمجھتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے اس کا ایسا اہتمام نصیب فرمایا کہ اپنے والدین مرحومین اور خاص اکابر و محسنین اور مخصوص اعزہ و اقرباء کے علاوہ شاید ہی کبھی کسی کے لیے ایسا اہتمام نصیب ہوا ہو۔ اور جیسا کہ عرض کیا گیا یہ سب اپنی ذاتی غرض کے لیے اور اپنی تقصیرات کی تلافی کی نیت سے کیا گیا ـــــ اللہ تعالیٰ قبول فرمائے اور اس کو قاری صاحب کی روح کے لیے راحت و شادمانی کا وسیلہ بنائے ـــــ اپنے ناظرین سے بھی گزارش ہے کہ وہ بھی مغفرت و رحمت کی دعا کا اور جس قدر بطیب خاطر ہو سکے ایصال ثواب کا اہتمام فرمائیں۔ اس عاجز پر بھی احسان ہو گا۔

---

# قاری صاحب میری نظر میں:-

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے - اذکروا محاسن موتاکم وکفوا عن مساویھم ——— اس کی تعمیل کرتے ہوئے یہ عاجز قاری صاحب کے بارے میں اپنے معلومات اور احساسات عرض کرتا ہے۔

اب سے ٹھیک ۶۰ سال پہلے ۱۳۴۳ھ میں شوال کا مہینہ تھا کہ راقم سطور ایک طالب علم کی حیثیت سے دارالعلوم دیوبند میں داخل ہوا۔ قاری صاحب کو پہلی دفعہ تب ہی دیکھا، ان کی عمر اس وقت ۲۷ - ۲۸ سال کی تھی، ہماری نظروں میں وہ حدیث نبوی کی تعبیر کے مطابق "شاب صالح" (جوان صالح) تھے۔ میں چونکہ تعلیم کے آخری مرحلہ کے لیے دارالعلوم گیا تھا اس لیے درس و تعلیم کا تعلق صرف ان اکابر اساتذہ سے رہا جو آخری مرحلہ کے اسباق پڑھاتے تھے۔ قاری صاحب سے کوئی خاص تعلق نہیں رہا سوا اس کے کہ وہی اس زمانے میں دارالعلوم کی مسجد میں پانچوں وقت نماز پڑھاتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے خوبروئی کے ساتھ خوش آوازی کی نعمت بھی بھرپور عطا فرمائی تھی، اور فن قراءت وتجوید میں ایسا کمال حاصل کیا تھا کہ "قاری" ان کے اسم گرامی کا جز بن گیا تھا، جہری نمازوں میں ان کی قراءت بڑی دلکش ہوتی تھی۔ دارالعلوم دیکھنے کے لیے باہر سے آنے والے جس طرح دارالعلوم کی اس وقت کی دوسری دل آویز خصوصیات سے متاثر ہوتے تھے اسی طرح قاری صاحب کی نمازوں کی قراءت سے بھی بڑا اچھا اثر لیتے تھے۔

راقم سطور طالب علم کی حیثیت سے دو سال دارالعلوم میں رہا، ان کی اقتدا میں نمازیں پڑھنے کے علاوہ شاذ و نادر ہی خصوصی ملاقات کی نوبت آئی ہوگی، اس کی وجہ یہ تھی کہ کم آمیزی جو میری فطرت میں ہے اور شاید مرض کی حد تک ہے، وہ دارالعلوم کی طالب علمی کے اس دور میں حد سے بڑھی ہوئی تھی۔

اس طالب علمی کا دور ختم ہونے کے بعد اپنی جماعت کے انجمنوں، مدرسوں کے جلسوں میں شرکت کی نوبت آتی تو اکثر قاری صاحب بھی تشریف فرما ہوتے۔ وہ ہماری جماعت کے علماء میں (جن کو اس عاجز نے دیکھا) حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ کو

مستثنیٰ کرکے سب سے اچھے مقرر اور واعظ تھے۔ ان کی تقریر بڑی عالمانہ اور حکیمانہ ہوتی مدوجزر اور جوش وخروش بالکل نہ ہوتا لیکن سامعین کے لیے بڑی دلکش اور تسکین بخش ہوتی، اللہ تعالیٰ نے مشکل مضامین کی تفہیم پر بڑی قدرت عطا فرمائی تھی۔

ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَشَاءُ

رجب ۱۳۶۲ھ میں (جس کو اب چالیس سال سے زیادہ ہو چکے) یہ عاجز دارالعلوم کی مجلس شوریٰ کا رکن منتخب ہوا، اس کے بعد شوریٰ اور عاملہ کے جلسوں میں قاری صاحب سے بلاواسطہ ربط ہوا تو یہ حقیقت سامنے آئی کہ اللہ تعالیٰ نے جس طرح ان کو ظاہری محاسن میں خوبروئی، خوش آوازی اور خوش بیانی سے نوازا ہے اسی طرح باطنی محاسن میں خوش اخلاقی تحمل، رعایت ومروت اور نرم مزاجی بھی بھرپور عطا فرمائی ہیں ——— راقم سطور اس موقع پر یہ عرض کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں سمجھتا کہ ان میں رعایت ومروت اور نرم مزاجی حد سے بڑھی ہوئی تھی، جو دارالعلوم دیوبند جیسے کسی ادارہ کے منتظم کے لیے مناسب نہیں ہوتی۔ اور اسی وجہ سے ایسا ہوا کہ جب عمر کے اس آخری دور میں قدرتی نظام کے مطابق ان کے جسمانی، ظاہری اعضا کی طرح معاملہ فہمی اور دقیقہ رسی کی صلاحیت بھی متاثر ہو گئی تھی تو بعض ان ناخداترس، مفاد پرست لوگوں نے جنھوں نے ان کا تقرب واعتماد حاصل کر لیا تھا، دارالعلوم کے بارے میں ان کو کچھ ایسے اقدامات پر آمادہ کر لیا جو ان کے عمر بھر کے طرزِ عمل اور ان کی فطرت کے بھی خلاف تھے۔ راقم سطور ان افسوسناک اقدامات کے بارے میں، اپنے ایک مستقل رسالہ میں جس کا عنوان ہے "دارالعلوم دیوبند کا قضیہ عوام کی عدالت میں" تفصیل سے لکھ چکا ہے (اور یہ رسالہ دارالعلوم کے دفتر اہتمام سے شائع ہو چکا ہے) ان اقدامات نے دارالعلوم اور جماعت دارالعلوم کو شدید فتنہ اور عذاب میں مبتلا کر دیا اور خود قاری صاحب کی شخصیت کو اتنا نقصان پہنچایا جو ان کا کوئی بڑے سے بڑا دشمن بھی نہیں پہنچا سکتا تھا ——— راقم سطور نے بارہا مختلف مجلسوں اور صحبتوں میں کہا ہے کہ اس فتنہ میں ہم لوگوں میں سب سے زیادہ مظلوم قاری صاحب کی ذات ہے۔ ان پر ظلم خود ان کے ناعاقبت اندیش دوستوں نے کیا، ان سے ایسے اقدامات کرائے جن کی کوئی تاویل و توجیہ بھی نہیں کی جاسکتی اور مجلس شوریٰ کو اپنا فرض ادا

کرنے اور دارالعلوم کو بُرے انجام سے بچانے کے لیے بعض ایسے فیصلے کرنے پڑے جو اُس کے ارکان کے لیے ناخوشگوار تھے۔

اب سُنا ہے کہ سب سے آخر میں ان لوگوں نے قاری صاحب سے کوئی "وصیت نامہ" بھی لکھوایا ہے۔ اس کا جو مضمون معلوم ہوا ہے اگر واقعی وہی ہے تو یہ اُن پر ان لوگوں کا سب سے بڑا ظلم ہے۔ اللہ ہی جانتا ہے کہ یہ لوگ قاری صاحب کے نادان دوست ہیں یا دانا دشمن۔

———— اس سارے معاملہ میں ہم سب کے لیے بڑا سبق ہے۔ اللہ ہر طرح کے شر ور فتن سے خاص کر قرناءِ سوء کے سنگین فتنہ سے ہماری حفاظت فرمائے ـــ اس کی حفاظت کے بغیر ہم میں سے کوئی بھی محفوظ و مامون نہیں۔

بہر حال اب جب کہ قاری صاحب ہماری اس دنیا میں نہیں رہے اور ہم بھی یقیناً وہیں جانے والے ہیں جہاں وہ پہنچ چکے ہیں تو اب بس یہی عرض کرنا ہے :

"انتم لنا سلف ونحن علی اثرکم خلف، یغفر اللہ لنا ولکم وجمعنا وایاکم فی دار السلام"

محمد منظور نعمانی
۱۲ ر شوال ۱۴۰۳ھ

---

## خطاب عید الفطر ـ آئندہ شمارے میں

قارئین کرام کو اس شمارے میں حضرت والد ماجد مدظلہ کی عید الفطر کی تقریر کا انتظار و اشتیاق ہوگا۔ ان کی خدمت میں عرض ہے کہ بعض مجبوریوں کی بناء پر اس شمارے میں یہ تقریر شامل نہیں ہو سکی۔ انشاء اللہ آئندہ شمارے میں پیش کی جائیگی اس تاخیر کے لیے ہماری معذرت قبول فرمائیں۔

خلیل الرحمٰن سجاد

# سعودی عرب میں رؤیتِ ہلال

(از ڈاکٹر مولانا عبداللہ عباس ندوی، استاذ جامعۃ ام القریٰ مکہ مکرمہ)

---

اب سے قریباً دو سال پہلے اکتوبر ۸۲ء کے الفرقان کے شمارہ میں جناب ضیاء الدین لاہوری ایم اے کا ایک مضمون بعنوان "مسئلہ رویت ہلال جدید سائنسی تحقیق کی روشنی میں" شائع ہوا تھا، اس میں انھوں نے ثابت کیا تھا کہ یہ خیال غلط ہے کہ سائنس کی ترقی کے اس دور میں ماہرین فلکیات کسی حساب سے رویت ہلال کی بالکل صحیح پیشینگوئی کر سکتے ہیں۔ اس کے ثبوت میں انھوں نے یورپ کے مسلّم ماہرین فلکیات کے بیانات نقل کیے تھے۔ جو اُن کے اس مدعا کے ثابت کرنے کے لیے بظاہر کافی تھے —— مضمون کے آخر میں انھوں نے یہ بھی لکھا تھا کہ سعودی عرب میں تاریخ کا تعین رویت ہلال کی بنیاد پر نہیں ہوتا بلکہ حساب کی بنیاد پر ہوتا ہے۔

اس عاجز (محمد منظور نعمانی) کو چونکہ یہی معلوم تھا کہ سعودی عرب میں واقعی قمری تاریخ کا تعین رویت کی شہادت پر کیا جاتا ہے اور سرکاری تاریخ وہاں کی جنتری کے حساب سے چلتی ہے (جو پہلے سے تیار کر لی جاتی ہے اور دونوں تاریخوں میں کبھی کبھی فرق بھی ہوتا ہے) اس لیے میں نے یہ سمجھا کہ غالباً ضیاء الدین صاحب کو وہاں کے تاریخ کے دوہرے نظام کے بارے میں یہ تفصیل معلوم نہیں ہے اور انھوں نے جو لکھا ہے وہ غلط فہمی پر مبنی ہے" اس لیے مضمون کے ختم پر میں نے نوٹ لکھا —— اس میں وضاحت سے وہاں کے تاریخ کے دونوں نظاموں کا ذکر کیا اور لکھا کہ سرکاری جنتری تو آئندہ پورے سال کی

سال شروع ہونے سے پہلے ہی تیار ہو کر شائع ہو جاتی ہے اور سرکاری کاموں اور بازاری کاروبار میں وہی چلتی ہے، وہ رویت کی بنیاد پر ہو کبھی نہیں سکتی، کسی حساب اور قیاس ہی سے تیار کی جاتی ہوگی لیکن واقعی قمری تاریخ کا تعین خاص کر رمضان، عید اور حج کی تاریخ کا فیصلہ وہاں رویت ہی کی بنیاد پر ہوتا ہے۔

اس کے بعد ضیاء الدین صاحب نے دوسرا مضمون لکھا جس کا عنوان تھا۔ "عالم اسلام میں رویت ہلال پر مکمل اتفاق کا مسئلہ" یہ مضمون دسمبر ۸۲ء کے شمارے میں شائع ہوا تھا۔ اس کے بعد انھوں نے تیسرا مضمون اس سلسلہ میں لکھا جس کا عنوان تھا "رویت ہلال اور سعودی عرب" یہ جنوری ۸۳ء کے الفرقان میں شائع ہوا تھا۔ ان دونوں مضمونوں میں انھوں نے بظاہر بہت مدلل طور پر یہ ثابت کرنے کی کوشش کی تھی کہ سعودی عرب میں رمضان، عید اور حج کی تاریخ کا تعین کبھی رویت کی بنیاد پر نہیں ہوتا بلکہ حساب ہی کی بنیاد پر نہیں ہوتا بلکہ حساب ہی کی بنیاد پر ہوتا ہے، اور غلط بھی ہوتا ہے ——

ان دونوں مضمونوں خاص کر آخری مضمون کے سامنے آنے کے بعد ضرورت محسوس ہوئی کہ اس بارے میں پوری تحقیق کر کے اس کا نتیجہ الفرقان میں شائع کیا جائے۔ حسن اتفاق سے اب سے چند مہینے پہلے ہمارے دوست ڈاکٹر مولانا عبداللہ عباس ندوی تشریف لائے جو قریباً ۲۰ سال سے مکہ مکرمہ ہی میں رہتے ہیں، اب وہیں کے شہری ہیں اور اس وقت وہاں کی یونیورسٹی "جامعہ ام القریٰ" میں پروفیسر ہیں، میں نے اُن کے سامنے اس مسئلہ کا ذکر کیا، اور جنوری کا وہ شمارہ بھی دیکھنے کے لیے دیدیا جس میں ضیاء الدین صاحب کا آخری مضمون شائع ہوا تھا —— اُن کو اس بارے میں ذاتی طور پر جو کچھ معلوم تھا وہ انھوں نے بتلایا میں نے اُن سے عرض کیا کہ آپ اپنی ان معلومات کو ایک مضمون کی شکل میں مرتب کر دیجیے تاکہ الفرقان میں شائع کیا جا سکے ۔

اللہ تعالیٰ جزائے خیر عطا فرمائے۔ انھوں نے وہ لکھ کر بھیجدیا جو ذیل میں نذر ناظرین کیا جا رہا ہے ــــ لیکن ابھی وہ الفرقان میں شائع نہیں ہو سکا تھا کہ اس سال کا وہ رمضان مبارک آگیا جو چند ہی روز پہلے ختم ہوا ہے ــــ مولانا موصوف نے پہلی رمضان کو مجھے مکہ مکرمہ سے خط لکھا اور وہاں کے ایک روزنامہ کے دو تراشے اس کے ساتھ بھیجے جن میں رویت ہلال کی خبر اور اُس کے بارہ میں سرکاری اعلان بھی شائع ہوا تھا ــــ

مضمون کے آخر میں مولانا موصوف کے اس مکتوب کا اقتباس اور دونوں تراشوں کا ترجمہ بھی شامل کیا جا رہا ہے۔ اس کے بعد اس میں کسی شک شبہ کی گنجائش نہیں رہتی کہ سعودی عرب میں خاصکر رمضان، عید اور حج کی تاریخ کا تعین اور اعلان کسی حساب کی بنیاد پر نہیں کیا جاتا رویت ہلال کی شہادت ہی کی بنیاد پر کیا جاتا ہے ــــ

اس طویل تمہیدی نوٹ کے بعد ناظرین کرام محترم ڈاکٹر عبداللہ عباس ندوی کا اصل مضمون ملاحظہ فرمائیں۔ ــــ محمد منظور نعمانی

بسم اللہ والحمد للہ والصلوٰۃ والسلام علی رسول اللہ

مملکت سعودی عرب میں رویت ہلال کا فیصلہ اور اعلان چشم سر سے چاند دیکھنے والوں کی شہادت کی بنا پر ہوتا ہے۔ اور شہادتیں صرف اُن لوگوں کی قبول کی جاتی ہیں جن کے ثقہ اور معتبر ہونے کا یا تو قاضی کو براہ راست علم ہو یا اس کے ثقہ ہونے کی شہادت ایسے معتبر لوگ دیں جنکی دیانت و امانت قاضی کو معلوم ہو، وہ شخص جو شاہد کے ثقہ ہونے کی تصدیق کرتا ہے اس کو "مُزکّی" کہتے ہیں۔ چنانچہ وہاں عدالتوں میں گواہ کے ساتھ مزکّی بھی پیش ہوا کرتا ہے۔

جیسا کہ سب جانتے ہیں شریعت میں گواہی دو آدمیوں کی قبول کی جاتی ہے۔ سعودی عرب میں دو گواہوں کے ساتھ دو مزکّی بھی ہوتے ہیں۔ چاند کے سلسلہ میں اور خصوصاً رمضان، عید اور حج کے مہینوں کے چاند میں تحقیق و گرمئی کا اہتمام معمول

سے زیادہ سختی کے ساتھ ہوتا ہے، عام طور پر دو گواہ نہیں بلکہ ایک جماعت آکر قاضی کے سامنے گواہی دیتی ہے۔ ان میں ثقہ اور معتبر لوگوں کے بیانات قطعیہ ہوتے ہیں، اکثر ان سے جرح بھی کی جاتی ہے، پھر ان کی شہادتوں کو قاضی القضاۃ کے سامنے پیش کیا جاتا ہے، اُس کی تصدیق کے بعد معاملہ ولی الامر (بادشاہ) کے سامنے پیش ہوتا ہے، بادشاہ وقت کی توثیق کے بعد اس کا اعلان ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان مہینوں کے چاند کا اعلان متصلاً مغرب کے بعد کبھی نہیں ہوا، ہمیشہ کئی گھنٹے کی تاخیر سے خبر آتی ہے کہ رؤیت ثابت ہو گئی یا رؤیت ثابت نہیں ہوئی۔

لیکن سرکاری جنتری (تقویم ام القریٰ) یقیناً حساب کی روشنی میں تیار کی جاتی ہے، اور علمائے فلکیات کی ایک کمیٹی ہے جو ہر سال اس کو تیار کرتی ہے۔ موجودہ عالم فلکیات جس کی سرکردگی میں یہ کام ہوتا ہے اس کا نام "الاستاذ عبدالرحیم ادریس کلکنتی" ہے، تمام سرکاری، دفتری اور تعلیمی اداروں میں اسی جنتری کی بنا پر عمل در آمد ہوتا ہے۔ واضح رہے کہ ہاں صرف اسلامی (قمری) تاریخ پر عمل ہوتا ہے۔ لیکن اکثر ایسا ہوتا ہے کہ واقعی رؤیت ہلال سے جو تاریخ متعین ہوتی ہے اس سے یہ جنتری جو حساب کی بنیاد پر تیار ہوتی ہے دونوں میں اختلاف رہتا ہے۔ اس لیے کہا جاتا ہے کہ آج تقویم کے لحاظ سے یہ تاریخ ہے اور رؤیت کے اعتبار سے یہ تاریخ ہے۔

یہ بات کسی ظن و تخمین یا اندازہ کی بنیاد پر نہیں بلکہ برسہا برس کے عینی مشاہدہ اور بلا واسطہ معلومات کی بنیاد پر عرض کر رہا ہوں، اس بات کا امکان عقلی تو ہو سکتا ہے کہ رؤیت کی شہادت دینے والے اور ان کا تزکیہ کرنے والے سب کے سب جھوٹ پر متفق ہو گئے ہوں اور اس وجہ سے وہاں کی تاریخیں غلط ہوتی ہوں۔ لیکن یہ بات خلاف واقعہ ہے کہ وہاں عید اور رمضان اور ذی الحجہ کی رؤیت کا اثبات کمپیوٹر کے حساب پر —— قران شمس و قمر کے مفروضہ پر کیا جاتا ہے۔

کمپیوٹر کا جہاں تک تعلق ہے وہ ابھی پوری طرح سعودی عرب میں رائج نہیں ہوا ہے۔ تین سال سے سعودی ایرلائن میں اس کا رواج ہوا ہے، بعض کمپنیوں میں

اور یونیورسٹیوں میں اس سے کام لیا جا رہا ہے۔ اور اب بعض وزارتوں نے بھی شروع کیا ہے۔ چاند کی رویت کے لیے جو معلومات کمپیوٹروں میں تخزین FEED کیے جا سکتے ہیں۔ ان کا ابھی دور دور تک کوئی سراغ نہیں مل سکتا۔ "الریاض" میں کیا خبر شائع ہوئی ہے وہ میں نے نہیں دیکھی۔ گمان ہے کہ یہ ایک انفرادی رائے ہوگی کہ ایسا کیا جائے، لیکن اس کا یہ مطلب نکالنا کہ ایسا ہو گیا اور ہو رہا ہے، اور گیارہ سال کے پچھلے ریکارڈ سے یہ ثابت ہوتا ہے، یہ سب فرضی بات ہے۔ صورت حال سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔

الفرقان کے شمارہ ماہ جنوری ۱۹۸۳ء میں جو مضمون ضیاء الدین لاہوری صاحب کا شائع ہوا ہے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ۱۳۹۵ھ اور ۱۳۹۶ھ کے ذی الحجہ کے چاند قرانِ شمس و قمر سے پہلے دیکھ لیے گئے" اگر ایسا ہے تو اسی سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ قرانِ شمس و قمر کی بنیاد کا مفروضہ غلط ہے۔

اس سلسلہ میں ایک بات اور وضاحت طلب ہے کہ مکہ کرمہ میں چاند کہاں اور کیسے دیکھا جاتا ہے جبکہ وہ پہاڑوں سے گھری ہوئی ایک وادی ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ زمانۂ قدیم میں مکہ مکرمہ کی ایک اونچی پہاڑی کی چوٹی پر سے لوگ چاند دیکھنے کی کوشش کیا کرتے تھے، ان لوگوں نے وہاں ایک مسجد بنا دی تھی جس کا نام مسجد الہلال پڑ گیا تھا۔ ناواقف حجاج اس کو مسجد بلال کہتے تھے۔ اس پہاڑی کے علاوہ بحر کمہ (جو جیشہ کمپ کے رُخ پر ۳۰ کیلومیٹر دور ہے) اس کے ساحل سے بھی چاند دیکھے جاتے ہیں۔ شمال مکہ میں تبوک و معان تک ایک ہی افق ہے، وہاں سے بھی چاند دیکھنے کی اطلاع آیا کرتی تھی۔ اب پورے سعودی عرب میں ہر شہر میں چاند دیکھنے کی جگہیں مقرر ہیں اور لوگ کوشش بھی کرتے ہیں۔ خاص طور پر رمضان اور عید کے چاند دیکھنے کی کوشش کرنے والوں کو میں نے خود دیکھا ہے تاکہ وہ دوسروں کو دکھا کر اپنی سبقت کو قاضی سے بتا سکیں۔

میں نے لاہوری صاحب کے وہ مقالات نہیں پڑھے جس میں انھوں نے یورپ کے ماہرینِ فلکیات کی آراء بیان کر کے ثابت کیا ہے کہ میلادِ ہلال (BIRTHOFMOON

کے وقت کا تعین ہو سکتا ہے مگر کسی ذریعہ سے اس کے بروز (APPEARENCE) کا وقت جبکہ وہ چشم مجرد (NAKEDEYE) سے نظر آسکے متعین نہیں کیا جا سکتا۔

چونکہ یہ میرا موضوع نہیں ہے اس لیے اس پر رائے زنی نہیں کر سکتا۔ البتہ برطانیہ سے جو ہر سال عالمی تقویم "المنارک" کے نام سے شائع ہوتی ہے اس میں تو ہر افق پر چاند کی پیدائش اور اس کے ظاہر ہونے کا وقت دیا جاتا ہے۔ معلوم نہیں کہ موجودہ تحقیقات جن کا ذکر لاہوری صاحب نے فرمایا ہے وہ اس جنتری کی معلومات سے کس حد تک متفق ہیں۔

بہرحال یہ مفروضہ اپنی جگہ پر قطعاً صحیح نہیں ہے کہ سعودی عرب میں اب بیا کبھی کبھی رویت کا اعلان حساب و اعداد کی روشنی میں مشینی (کمپیوٹر) یا غیر مشینی ذریعہ سے کیا گیا ہے ہاں کسی اور سبب سے غلطی ہو رہی ہو اس کا امکان عقلی ہو سکتا ہے وَلَا اُزَكِّيْ عَلَى اللّٰهِ اَحَدًا

---

ڈاکٹر مولانا عبد اللہ عباس ندوی نے اپنے تازہ مکتوب مورخہ یکم رمضان ۱۴۰۳ھ مطابق ۱۱ جون ۱۹۸۳ء (یوم دوشنبہ ایسا (جس کا اوپر نوٹ میں ذکر کیا گیا ہے) تحریر فرمایا ہے:۔

"آج ۱۱ جون کو یہاں (مکہ مکرمہ میں) پہلی رمضان ہے۔ تقویم (سرکاری جنتری) میں آج ۳۰ شعبان ہے، لیکن کل چاند نظر آگیا اور گواہیوں کے طویل مرحلوں کے گزرنے کے بعد رات کے ایک بجے تو بیں دغنا شروع ہوئیں اور ٹیلی ویژن پر اعلان ہوا، آج صبح کے اخبارات میں جو سرکاری بیان شائع ہوا ہے، اس کا تراشا خدمت عالی میں بھیج رہا ہوں، میری غرض صرف یہ ہے کہ لاکھوں انسانوں کے روزے اور حج کو مشتبہ قرار دینے والی بات کی تردید ہو جائے اور بندگان خدا کو اس بارے میں اطمینان حاصل ہو ــــــ"

---

یہ دونوں تراشے جدہ سے شائع ہونے والے روزنامہ "المدینۃ" کی پہلی اور دوسری رمضان کی اشاعتوں کے ہیں۔ ان کے ترجمے ذیل میں درج ہیں۔

(۱)

جدہ۔ کل شام رمضان کا چاند نظر آجانے کی وجہ سے آج ہفتہ کے دن سے ماہ مبارک شروع ہوگیا اس بارے میں جاری ہونے والے فرمان شاہی کا متن درج ذیل ہے:

"عدالت عالیہ (مجلس قضاء اعلیٰ) کے نزدیک معتبر عینی شاہدوں کی شہادت کی بنا پر شرعی طور پر رمضان مبارک ۱۴۰۰ھ کے آغاز کا آج ہفتہ کی رات (۱۱ر جون ۱۹۸۰ء) سے ثبوت ہوگیا ہے۔ لہٰذا کل ہفتہ کا دن رمضان مبارک کا پہلا دن ہوگا"

(روزنامہ المدینہ جدہ یکم رمضان ۱۴۰۰ھ ۱۱ر جون ۱۹۸۰ء)

اسی اخبار "المدینۃ" کی اگلے دن کی اشاعت میں ایک نوٹ لکھا گیا ہے جس کا ترجمہ یہ ہے:۔

(۲)

# رمضان کے آغاز کے اعلان میں تاخیر اور اسکے کچھ دلچسپ نتائج

اس سال ہلال رمضان کی رویت کے اعلان میں تاخیر کے دلچسپ نتائج سامنے آئے۔ یاد رہے کہ یہ تاخیر کئی وجہ سے ناگزیر ہوتی ہے۔ سب سے پہلی وجہ وہ کارروائیاں ہیں جو ثبوت رویت کے لیے ضروری ہوتی ہیں۔ مثلاً شرعی عدالت کے سامنے رویت کی شہادت کا آنا، پھر اس شہادت کے سلسلہ میں شرعاً قابل اعتبار ہونے کا اطمینان۔ ان دونوں مرحلوں کے بعد تیسرا مرحلہ ہوتا ہے کہ وہ عدالت جس کے سامنے شہادت پہنچتی ہے، وہ رویت ہلال کے مخصوص اعلیٰ ذمہ داروں کو اس کی اطلاع پہنچاتی ہے۔ ظاہر ہے کہ ان سب کارروائیوں میں وقت لگ ہی جاتا ہے۔ اور جب کبھی رویت کے اعلان میں دیر ہوتی ہے

کوئی نہ کوئی دلچسپ واقعہ ضرور پیش آتا ہے۔

مدینہ منورہ کے بڑی عمر کے باشندوں کو یاد ہوگا کہ ایک مرتبہ رمضان کے آغاز کی خبر توپ کے گولے کے ذریعہ اُس وقت ملی تھی جبکہ آدھا دن گزر چکا تھا اور لوگ دوپہر کا کھانا کھانے کی تیاری کر رہے تھے ـــــــــ

اسی طرح کا ایک لطیفہ ہمارے اخبار کے ایک کارکن کے ساتھ اب پیش آیا وہ کل رات دس بجے تک رؤیت کی اطلاع کے انتظار کے بعد سو گئے، اور صبح معمول کے مطابق نماز فجر کے بعد ناشتہ کر کے باہر نکلے، تو بازار بند دیکھا، اس سے انھیں کچھ شبہ ہوا، اتنے میں ایک دوست نے ان کو رمضان کے آغاز کی مبارکباد دی تب اُن کا شبہ یقین سے بدلا۔

روزنامہ المدینہ جدہ ۲؍رمضان المبارک ۱۴۰۳ھ ۱۲؍جون ۱۹۸۳ء

---

## اسی موضوع سے متعلق کچھ مزید

راقم سطور نے اسی رمضان مبارک میں شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا نور اللہ مرقدہٗ کی "آپ بیتی" کی تلخیص کا کام کیا۔ جیسا کہ معلوم ہے حضرت کا قیام زندگی کے آخری دس سالوں میں حجاز مقدس زیادہ تر مدینہ منورہ میں رہا۔ آپ بیتی میں کئی جگہ رمضان یا عید یا حج کے چاند کے بارے میں حضرت شیخ کے بیانات سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ وہاں تاریخ کا فیصلہ اور اعلان کسی حساب کی بنیاد پر نہیں بلکہ رؤیت ہلال کی شہادت ہی کی بنیاد کیا جاتا ہے۔

رمضان مبارک ۱۳۹۸ھ کے نصف اول میں حضرت شیخ کا قیام مکہ مکرمہ رہا اور نصف آخر میں مدینہ منورہ آخری عشرہ کا اعتکاف بھی مسجد نبوی میں فرمایا ـــــــ آپ بیتی ۷ میں حضرت نے لکھوایا ہے:۔

۲۰؍رمضان کی شام سے اعتکاف کیا ۔۔۔۔۔۔ ۲۹؍کا چاند ہوا، عشا کی نماز کے

بعد قاضی صاحب نے بھرائی ہوئی آواز میں اعلان کیا کہ شہادت شرعیہ سے رؤیت ثابت ہوگئی اور رمضان ختم ہوگیا۔

(آپ بیتی ۔۔ صفحہ ۲۹۳)

اور آپ بیتی ۔۔ میں ۱۳۹۳ھ کے مدینہ منورہ کے قیام کا ذکر کرتے ہوئے حضرت شیخ نے فرمایا ہے۔

شروع رمضان میں چونکہ رویت کا ثبوت دیر میں ہوا تھا اس لیے پہلی شب میں قرآن شریف شروع نہیں ہوا تھا دوسری تاریخ سے شروع ہوا تھا۔

(آپ بیتی ۔۔ صـ ۔۔)

اسی آپ بیتی ۔۔ میں ۱۳۹۱ھ کے حج کا بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے:۔

۷ر ذی الحجہ کو ٹیلی ویژن وغیرہ پر اعلان ہوا کہ تاریخ بدل گئی اور اب حج بجائے ۲۰ر نومبر کے ۱۹ر نومبر کو ہوگا۔ (آپ بیتی ۔۔ صـ ۲۳۵)

ظاہر ہے کہ تاریخ کی اس تبدیلی کی وجہ یہی ہو سکتی ہے کہ بعد میں ایک دن پہلے رؤیت کی شہادت فراہم ہو گئی ——— اگر کمپیوٹر یا کسی بھی حساب سے رؤیت کا فیصلہ کیا جاتا تو تاریخ کی تبدیلی کا اور اسی طرح دیر سے ثبوت فراہم ہونے کا کوئی امکان ہی نہ ہوتا۔

حضرت شیخ کی آپ بیتی میں ان کے علاوہ بھی اسی طرح کی متعدد مثالیں ہیں۔

بہرحال ان چیزوں کے سامنے آجانے کے بعد اس میں شبہ کی گنجائش نہیں رہتی کہ سعودی عرب میں واقعی قمری تاریخ کا فیصلہ اور اعلان رؤیت ہلال کی شہادت ہی کی بنیاد پر کیا جاتا ہے جو صحیح شرعی طریقہ ہے۔ واللہ یقول الحق وھو یھدی السبیل۔

**بعد کا اضافہ** | مندرجہ بالا سطروں پر یہ مضمون ختم ہو گیا تھا کتابت بھی ہو چکی تھی کہ مولانا عبداللہ عباس ندوی کے بھیجے ہوئے اخبار "المدینہ" مورخہ ۳۰ر رمضان کے دو تراشے بذریعہ ڈاک موصول ہوئے جن میں سے ایک اسال ۲۹ر رمضان کو

شوال کا چاند نظر نہ آنے کی بنا پر تیسویں روزہ کا اعلان ہے۔ اس خبر کا ترجمہ حسب ذیل ہے:۔

"طائف۔ مجلس قضاء اعلیٰ کے سربراہ شیخ صالح اللحیدان نے اخبار "المدینہ" کو بیان دیتے ہوئے کہا ہے کہ اتوار کا دن رمضان کا آخری (تیسواں) دن ہوگا اور عید الفطر کل دوشنبہ کو ہوگی۔ انھوں نے کہا کہ مجلس کے سامنے شوال کے چاند کی رؤیت کی کوئی شہادت نہیں آئی اس لیے اتوار کے دن تیسواں روزہ رکھا جائے گا۔ کیونکہ رؤیت نہ ہونے کی صورت میں تیس دن پورے ہونے کے بعد ہی مہینہ کو ختم قرار دیا جاسکتا ہے"

دوسرا تراشہ اخبار "المدینہ" (۳۰ رمضان) کے اداریہ کا ہے۔ جس کا عنوان ہے "رؤیت ہی ثبوت ہلال کی بنیاد ہے" —— اخبار المدینہ کے فاضل ایڈیٹر نے اپنے اس اداریتی کالم میں سعودی عرب بلکہ پورے عالم اسلام کی معروف و مستند شخصیت شیخ عبدالعزیز بن باز کے ایک بیان کا ذکر کیا ہے جس میں بقول فاضل ایڈیٹر شیخ نے واضح اور دوٹوک انداز سے یہ بات کہی ہے کہ:۔

"فطری طور پر چاند نظر آنے پر ہی مکمل بھروسہ کیا جاسکتا ہے۔ اگرچہ رصدگاہوں اور اور دوسرے آلات سے مدد لینے کی ممانعت نہیں ہے لیکن ان چیزوں پر اعتماد اور ان کو رؤیت کا معیار قرار دینا اس طور پر کہ رؤیت ان مشینی آلات کی شہادت کے بغیر تسلیم ہی نہ کی جائے قطعاً ممنوع ہے —— (شیخ نے اپنے بیان میں ان حسابات کی روشنی میں چاند کی پیدائش ہونے یا نہ ہونے کا فیصلہ کرنے والوں کے درمیان اکثر واقع ہونے والے اختلاف رائے کی طرف بھی اشارہ کیا ہے جس کی وجہ سے ان مصنوعی وسائل پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا۔)

آگے چل کر فاضل ایڈیٹر نے شیخ عبداللہ ابن باز کے مذکورہ بالا بیان پر تبصرہ کرتے ہوئے مزید لکھا ہے کہ شیخ کے اس بیان سے یہ بات پوری طرح واضح ہوگئی ہے کہ مملکت سعودیہ میں گذشتہ سالوں کی طرح اس سال بھی رؤیت کا ثبوت شرعی طور پر ہی ہوا ہے۔

بہرحال مندرجہ بالا واقعاتی شہادتوں اور شیخ ابن باز کے اس واضح بیان کے بعد صرف حساب پر اعتماد کرتے ہوئے یہ کہنا کہ سعودی عرب میں رؤیت ہلال کا مسئلہ تمام تر غیر شرعی اصولوں پر طے ہوتا ہے وہ ہمارے احتیاط کے خلاف ہے جو ہمارے دین کی اہم تعلیمات میں سے ہے۔ خصوصاً ایک ایسے مسئلہ میں جس سے دنیا بھر کے مسلمانوں میں اپنے حج کے بارے میں خواہ مخواہ شبہ پیدا ہو جائے ——

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی

# نواب صاحب چھتاری خطوط کے آئینہ میں

میری اور سعید الملک نواب حافظ سر احمد سعید خاں آف چھتاری کی عمر اور حیثیت اور مشاغل میں اتنا تفاوت اور اختلاف تھا کہ میرا ان کے حلقہ احباب اور معاصرین میں شریک ہونا ایک بعید از قیاس اور غیر معمولی بات تھی۔ میں ان کا تذکرہ ایک خاندانی رئیس و نواب کی حیثیت سے سنا کرتا تھا، جو اپنی تمام دنیاوی سربلندیوں، اعزاز اور وجاہت کے ساتھ جو اس دور کے کسی مسلمان رئیس کو انگریزی اقتدار میں حاصل ہو سکتی تھی اپنی اسلامیت کو قائم رکھتے ہوئے حفظ قرآن کی دولت کو نہ صرف سینے میں محفوظ کیے ہوئے بلکہ لندن کے قیام اور لکھنؤ اور نینی تال کے گورنمنٹ ہاؤس میں اس کے رمضان مبارک میں سنانے کا معمول جاری رکھے ہوئے اور علمائے حق سے محبت و عقیدت کا رشتہ قائم کیے ہوئے تھے۔ میں نے ان کی سب سے پہلے اس وقت زیارت کی جبکہ وہ یوپی کے گورنر تھے اور ۱۹۳۲ء کی کسی تاریخ کو دارالعلوم ندوۃ العلماء کی مسجد کا سنگ بنیاد رکھنے تشریف لائے تھے اور اس تقریب میں ایک جلسہ ترتیب دیا گیا تھا جس میں نواب صدر یار جنگ مولانا حبیب الرحمٰن خاں شیروانی بھی شریک تھے۔

میرا علی گڑھ بار بار جانا ہوتا تھا اور حبیب منزل میں جو نواب صاحب کی کوٹھی کے پہلو میں ہے اپنے بزرگ و مخدوم نواب صدر یار جنگ مولانا حبیب الرحمٰن خاں شیروانی کی خدمت میں حاضری دینا ضروری تھی۔ لیکن کبھی نواب صاحب کی خدمت میں حاضری کی نوبت نہیں آئی۔ نہ ان سے ہم کلامی کا شرف حاصل ہوا۔ یہ ہم کلامی ایک مرتبہ ٹیلیفون پر

ضرور ہوئی اور اس کی ضرورت یہ پیش آئی کہ ندوۃ العلماء مالی مشکلات کے دور سے گزر رہا تھا اس کو نظام ٹرسٹ سے جس کی کمیٹی کے نواب صاحب صدر رہتے رجوع کرنے کی ضرورت پیش آئی۔ حیدر آباد کے دوستوں نے بتایا کہ نواب صاحب اس کے ایک ٹرسٹی اور اسی کمیٹی کے ایک با اثر رکن ہیں آپ ان کو متوجہ کریں، میں نے ٹیلیفون پر ان سے گفتگو کی اپنا تعارف کرایا اور اس مسئلہ میں ان سے مدد کی درخواست کی، انھوں نے بڑی خوش اخلاقی اور فراخ دلی کے ساتھ وعدہ فرمایا اور آمادگی ظاہر کی اور اس کا جلد ایفا بھی ہو گیا۔

میری ان کی پہلی رو در رو ملاقات اس وقت ہوئی جب ۱۹۸۰ء کی کسی تاریخ کو وہ میری علی گڑھ کی قیام گاہ ڈاکٹر ابرار مصطفیٰ خاں کے بنگلہ پر فیصل ایوارڈ کے اعزاز پر مجھے مبارک باد دینے کے لیے نفس نفیس تشریف لائے اور اس پر اپنی بڑی مسرت کا اظہار کیا۔ میں شرمندہ بھی ہوا اور ان کی کریم النفسی اور عالی ظرفی سے متاثر بھی، کہ اس وقت نواب صاحب کی عمر ۹۱-۹۲ سال سے متجاوز تھی، یہ ملاقات میرے لیے اپنی بعض تصنیفات کے پیش کرنے کی تمہید بن گئی۔ اس سے پہلے میں ان کی آپ بیتی (خود نوشت سوانح عمری) کا مطالعہ کر چکا تھا مجھے اندازہ تھا کہ وہ اردو زبان و ادب کا پاکیزہ ذوق رکھتے ہیں اور کم سے کم طبقہ رؤسا کے اہل قلم کی (نواب صدر یار جنگ کو مستثنیٰ کر کے کہ وہ عالم و ادیب و صاحب طرز انشا پرداز تھے) صف اول میں جگہ پانے کے مستحق ہیں۔ میں نے ان کی خدمت میں تازہ تصنیف "پرانے چراغ" کی دوسری جلد جو تازہ تازہ شائع ہوئی تھی بھیجنے کی جرأت کی اس کے کچھ عرصہ بعد "تاریخ دعوت و عزیمت" کا چوتھا حصہ جو حضرت مجدد الف ثانیؒ کے حالات سے مخصوص ہے بھیجا، نواب صاحب کا ان دونوں کتابوں کی رسید اور ان پر اپنے تاثرات کے اظہار کے سلسلہ میں جو خط آیا وہ ان کے نہ صرف ادبی ذوق بلکہ ان کی دینی اور باطنی کیفیات کا بھی آئینہ دار ہے، اس کتاب کے آخری مضامین میں میرا اپنی مرحومہ ہمشیرہ سیدہ امۃ اللہ تسنیم صاحبہ مصنفہ "زاد سفر" پر بھی ایک موثر اور

دلدوز مضمون تھا جو خاص کیفیت اور قلبی تاثر کی حالت میں لکھا گیا تھا اس میں ان کے دعاو مناجات کے چند اشعار بھی بطور نمونہ پیش کیے گئے تھے جو درد واثر میں ڈوبے ہوئے تھے اور ایک ٹوٹے ہوئے شیشۂ دل کی صدا تھی، ان میں سے چند اشعار یہ تھے

گنج قفس سے بدتر اپنا ہے آشیانہ — اس قید بے کسی میں گذرا ہے زمانہ
مغموم دل پہ یارب لازم ہے رحم کھانا — کرتی ہوں میں شکایت تجھ سے یہ عاجزانہ
بار الم ہے دل پر طاقت نہیں ہے دل میں — کیونکر ہو صبر مجھ سے ہمت نہیں ہے دل میں

اور اس نظم کے خصوصاً یہ دو شعر تو بہت ہی درد انگیز اور پرسوز ہیں۔

کب سے لیے کھڑی ہوں میں کاسۂ گدائی — اب تک ملا نہ مجھ کو اور شام ہونے آئی
بندہ نواز میری منت کی لاج رکھ لے — میری نہیں تو اپنی رحمت کی لاج رکھ لے

نواب صاحب خاص طور پر ان اشعار کو پڑھ کر بڑے متاثر ہوئے اور انھوں نے اپنے تاثر کا بے تکلف اظہار کیا جس سے اندازہ ہوا کہ ان کو دعا و مناجات سے اور اس دولت خدا داد سے بھی (جو فقراء اور اہل دل کی خصوصیت سمجھی جاتی ہے) حصہ ملا تھا، اس خط کو پڑھیے اور اس قسمت و سعادت پر رشک کیجیے کہ اس دولت و امارت کے ساتھ اللہ نے اپنے ایک بندے کو انابت و توفیق دعا اور سارے اسباب مسرت و سکون کے ساتھ دل شکستگی کی دولت بھی عطا فرمائی تھی، ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيهِ مَن يَشَاءُ

راحت منزل، علی گڑھ

مخدومی و مکرمی! السلام علیکم و رحمۃ اللہ

جناب کا عطیہ "پرانے چراغ" تو عرصہ ہوا ختم کر چکا ہوں، اور اب "تاریخ دعوت و عزیمت" قریب ختم ہے، یوں تو پرانے چراغ" اردو ادب کے جواہر سے بھری ہوئی ہے، لیکن مجھے جس قدر روحانی نفع آپ کی ہمشیرہ صاحبہ مرحومہ کے تذکرہ سے ملا وہ میرے لیے بڑی نعمت ہے اور مجھے اس سے بارگاہ الٰہی میں التجا کرنے کا طریقہ آگیا، خاص کر جو چند اشعار تذکرہ کے

آخر میں ہیں، وہ ایک زخمی دل کی آہ ہیں کہ جس سے دریائے رحمت جوش میں آتا ہے۔ وہی قلب محزوں کی آواز ہے جس سے باب رحمت کھلتا ہے اور یہی وہ فریاد ہے کہ جس کے واسطے "اجابت از درِ حق بہر استقبال می آید"
میری دراز عمر میں مجھے کئی ایسے موقع آئے ہیں کہ باری تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے راہ ہدایت دکھائی ہے، کبھی انتہائی شفقت کے ساتھ ایک بار جب کہ میں لندن میں تھا ایسی تنبیہہ فرمائی کہ مجھے اس خواب کی حالت میں یقین کامل تھا کہ وہ لمحہ میری زندگی کا آخری لمحہ تھا، میرا تمام جسم پسینے میں بھیگ گیا تھا اور میں کانپ رہا تھا، آپ کا وقت ان پرانی کیفیات کی تفصیل لکھ کر ضائع کرنا نہیں چاہتا لیکن میں شکر گزار ہوں کہ آپ نے "پرانے چراغ" بھیجکر مجھے دعا کرنا سکھا دیا۔ جزاک اللہ
میں مبلغ پانچسو روپیہ کا چک زکات کی مد سے بھیج رہا ہوں تاکہ غریب طلبا کی مدد کی جاسکے اور دعا کرتا ہوں کہ باری تعالیٰ ذات گرامی کو عرصہ دراز تک قائم رکھے میں اپنی عمر کے بانوے ۹۲ سال ختم کر چکا ہوں اور اس کی رحمت کا منتظر ہوں "ہو چکی شام شفق باقی ہے"

آپ کا نیاز مند

احمد سعید

یکم فروری ۱۹۸۳ء علی گڑھ

تقدیری بات اور نواب صاحب کے خلوص کا کرشمہ، کہ مجھے یہ خط حرمین شریفین کے قیام کے دوران مکہ معظمہ میں ملا، اس خط کو پڑھ کر مجھ پر یہ اثر ہوا کہ میں نے مقام ابراہیم کے قریب ان کے لیے خصوصیت سے دعا کی، اور یہ سمجھتے ہوئے کہ اس سے وہ بہت خوش ہوں گے میں نے اس کی اطلاع دینی بھی مناسب سمجھی کہ ہر صاحب ایمان کا اس پر مسرور ہونا قدرتی امر ہے کہ اس کے لیے ایسے مقام قرب و مقبولیت میں دعا کی جائے۔ ع

ذکر میرا مجھ سے بہتر ہے جو اس محفل میں ہے

اور نواب صاحب کو اپنے بزرگ دادا اور مربی نواب محمود علی خاں صاحب کی وجہ سے جو حرمین شریفین ہجرت کے خیال سے چلے گئے تھے لیکن پھر شیخ العرب والعجم حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی کی ہدایت پر اپنے ہونہار پوتے کی تربیت کے لیے جس کے والد کا انتقال ہو گیا تھا ہندوستان بھیجے گئے، حرم مکی سے موروثی تعلق اور قلبی وابستگی تھی، نواب صاحب نے اس خط کو پڑھ کر جو خط لکھا اس نے اس خیال کی تصدیق کر دی ان کا یہ خط درج کیا جاتا ہے۔

مکرمی و مخدومی مولانا ابو الحسن علی صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ برکاتہ

یہ میری خوش نصیبی ہے اور باری تعالیٰ کا کرم ہے کہ میرا خط جناب والا کو اس وقت ملا جب آپ کا قیام مکہ مکرمہ میں تھا، اور آپ نے اپنے کرم سے میرے واسطے مقام ابراہیم کے قریب دعا فرمائی۔ مجھے یقین ہے کہ آپ کی دعا میرے واسطے ضرور مقبول ہوئی، یہ بھی تو ممکن تھا کہ میرا خط دفتر میں آپ کے انتظار میں روک لیا جاتا۔ لیکن باری تعالیٰ کا کرم ہے کہ وہ آپ کو اس وقت اور اس جگہ ملا جہاں اس کی رحمتوں کی بارش ہر وقت ہوتی رہتی ہے، میں تہ دل سے آپ کے کرم کا مرہون منت ہوں۔

جناب والا کی ہمشیرہ مرحومہ کی مناجات کا وہ شعر کہ جس میں یہ کہا گیا ہے کہ گناہوں کی لاج نہیں تو اپنی رحمت کی لاج رکھ لے۔ مجھے دعا کے وقت یاد آجاتا ہے خدا اپنے کرم سے باوجود میرے گناہوں کے میری لاج دنیا اور آخرت میں رکھ لے آمین۔

آپ کا نیاز مند

احمد سعید

مورخہ ۱۷ مارچ ۱۹۸۳ء علی گڑھ

غالباً میں نے "پرانے چراغ" کا پہلا حصہ نہیں بھیجا تھا اس کے سلسلہ میں نواب صاحب کا ایک دوسرا خط بھی ہے جو ۴ر نومبر سنہ ۸۱ء کا لکھا ہوا ہے وہ بھی یہاں نقل کیا جاتا ہے جس سے خاص طور پر ان کے ادبی ذوق اور تحریر کی شگفتگی کا اظہار ہوتا ہے۔

مکرمی و محترمی مولانا سید ابوالحسن علی ندوی صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ برکاتہٗ

جناب والا کا عطیہ "پرانے چراغ" باعث شکر و امتنان ہوا۔ ایک چراغ سحری کے لیے اس سے بہتر اور بے بہا تحفہ کیا ہو سکتا ہے؟ عمر کی ۹۲ سال کی منزل پر انیس کا یہ شعر حسب حال ہے ؎

انیس دم کا بھروسہ نہیں ٹھہر جاؤ
چراغ کو لیے کہاں سامنے ہوا کے چلے

جن حضرات کا ذکر آپ نے "پرانے چراغ" میں کیا ہے ان میں کئی مرحومین ایسے ہیں جن سے نہ صرف نیاز حاصل تھا بلکہ قلبی تعلق تھا اور رشید احمد صدیقی صاحب سے تو بالکل ایسے مراسم تھے کہ جیسے ہم دونوں ایک خاندان کے افراد ہیں "پرانے چراغ" پڑھنے میں دل کو عجیب کیفیت ہوئی نہ صرف عمر رفتہ کو آواز دینے لگا بلکہ کبھی کبھی یہ محسوس ہوا کہ عمر رفتہ نے بھی لبیک کہا اور بیتے دن پھر آگئے، پرانی یادوں کے ساتھ وہ پرانی فضا بھی آگئی اس قدر دلکش اور فکر انگیز اردو تحریر یا تقریر دیکھنے اور سننے کا کہاں موقع ملتا ہوا "مدت ہوئی کہ آشتی چشم و گوش ہے"

باری تعالیٰ ذات گرامی کو عرصہ دراز تک مسلمانوں کی رہنمائی کے واسطے قائم رکھے۔ آمین۔

جناب والا کا گرامی نامہ صادر ہوا میں معذرت خواہ ہوں کہ "پرانے چراغ" کے عطیہ کی رسید بوجہ ناسازی مزاج نہ جا سکی

اب طبیعت بہتر ہے۔

دعا گو

احمد سعید

۸/۱۱/۸۱ علی گڑھ

**نواب صاحب کا ایک خط اور نقل کیا جاتا ہے جس پر تاریخ نہیں ہے اور وہ "تاریخ دعوت و عزیمت" جلد چہارم سے متعلق ہے مجھے معلوم ہوا تھا کہ نواب صاحب کے مورث اعلیٰ جن کی نسبت سے یہ خاندان لال خانی کہلاتا ہے حضرت مجدد الف ثانیؒ کے ہاتھ پر مسلمان ہوئے تھے اس خط میں اس نسبت کا اثر و برکت نمایاں ہوا۔ مکتوب حسب ذیل ہے۔**

مکرمی و مخدومی مولانا سید ابوالحسن علی ندوی صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ برکاتہ

جناب والا کا عطیہ "تاریخ دعوت و عزیمت" سے مستفید ہوا، بہت سی پرانی یادیں پھر تازہ ہوگئیں، اکبر کی ملحدانہ کوشش کو پڑھ رہا تھا کہ یکا یک یاد آیا کہ ایک بار جب میں U.P. کی حکومت سے وابستہ تھا تو آگرہ گیا تھا اور سکندرہ اکبر کی قبر پر بھی جانے کا موقع ملا۔ میں اصل قبر پر، جو نیچے کے حصہ میں تھی گیا، وہاں اندھیرا تھا، اور میں نے دیکھا کہ چند چمگادڑ رہنے لگی تھیں، باہر آیا تو یہ رباعی یاد آئی۔

آن قصر کہ بہرام درو جام گرفت — روبہ بچہ کرد و شیر آرام گرفت

بہرام کہ گور مے گرفتے دائم — امروز نگر کہ گور بہرام گرفت

مجھے بڑی عبرت ہوئی، کچھ روز بعد جب میں اورنگ آباد حضرت اورنگ زیب کے مزار پر حاضر ہوا تو دستار اور بکلوس لگا کر گیا۔ جوتیاں چھوڑ کر کپڑے کی جوتیاں بھی پہن کر قبر تک گیا اور فاتحہ پڑھی، لوگ وہاں اب بھی شاہی آداب کے ساتھ جاتے ہیں، میں دونوں قبروں کے اس تضاد سے بہت

متاثر ہوا۔

وحدۃ الوجود کا مسئلہ ایسا ہے کہ مجھ جیسے شخص کو اس پر لب کشائی نہ کرنا ہی مناسب ہے، مجھے حضرت مجدد الف ثانیؒ کے خطوط کا اقتباس پڑھ کر بہت تسکین ہوئی، دو الفاظ میں بہت کچھ کہدیا: "نہ بودن اور ہے اور نہ دیدن اور ہے۔" اگر بدعت، اور ایسے مسائل کے خلاف حضرت مجدد الف ثانیؒ نے آواز اٹھائی ہوتی تو ہندوستان جیسے ملک میں جہاں صدیوں سے بُت پرستی کا رواج ہے، بُت پرستی کا جواز ہو جاتا۔

میں اس طویل عریضہ کی معافی چاہتا ہوں۔ ایک چیک مبلغ چارسو روپیہ کا غریب طلبا کی خدمت کے لیے روانہ کرتا ہوں یہ زکات کی رقم ہے۔

نیازمند

احمد سعید

---

یہ چند خطوط جو راقم سطور کے خیال میں کسی تبصرہ و تعلیق کے محتاج نہیں، بڑے فطری انداز سے صاحب مکتوبات کے قلب و ذوق کی پاکیزگی، زبان و دل کی رقت و نزاہت اور علم و ادب سے طبعی مناسبت کی ترجمانی کرتے ہیں چنانچہ اس بارے میں اپنی طرف سے کچھ کہنا غیر ضروری تکلف معلوم ہوتا ہے۔

اسی خیال سے پیشِ نظر مضمون میں ان خطوط کو قارئین کے سامنے رکھ دینا ہی کافی سمجھا ہے کہ جمال فطرت رنگ آمیزی سے بے نیاز ہوتا ہے۔ ع

روئے دل آرام را حاجت مشاطہ نیست

---

مولانا غازی احمد (سابق کرشن لعل)

# ایک نومسلم کے قبول اسلام کی داستانِ عبرت

# "مِنَ الظُّلُمَاتِ اِلَی النُّوْرِ"

## منتخبات — یا — جھلکیاں

## (۲)

[اس سلسلہ کی پہلی قسط سے ناظرینِ کرام کو معلوم ہو چکا ہے کہ مولانا غازی احمد (سابق کرشن لعل) کو ضلع جہلم کے جج نے دس ہزار کی رشوت لیکر ظالمانہ طور پر اُن کے والد (لالہ بھیم سین) کے سپرد کر دیا تھا جو ان کو اپنے ساتھ کشمیر لے گئے جہاں بسلسلۂ ملازمت اُن کا قیام تھا، اور وہاں ان کو سخت اور لرزہ خیز جسمانی سزائیں دیں تاکہ وہ پھر اپنے آبائی ہندو دھرم میں واپس آجائیں، اور ایک دن مار مار کے اُن کے قلم سے بوچھال کے مولانا عبدالرؤف صاحب کو اسی مضمون کا خط بھی لکھوایا —— لیکن اس کے بعد جلد ہی مولانا غازی احمد صاحب نے دوسرا خط لکھ دیا کہ اس سے پہلا میرا جو خط آپ کو ملا ہوگا وہ میں نے خود نہیں لکھا بلکہ والد صاحب نے مار مار کے میرے قلم سے لکھوایا تھا، الحمدللہ میں اسلام پر قائم ہوں اور ان شاء اللہ جلدی ہی یہاں سے بھاگ کر آپ کے پاس پہنچ جاؤں گا اور طریقہ دوسرے خط میں تحریر کروں گا۔ ناظرین کرام یہ دونوں خط اس سلسلہ کی پہلی قسط میں پڑھ چکے ہیں۔

مولانا غازی احمد کی آپ بیتی "من الظلمات الی النور" کے اس سے آگے کے بعض منتخبات آج کی صحبت میں نذر ناظرین کیے جا رہے ہیں ـــــ

غازی صاحب نے اپنے دوسرے خط کا متن نقل کرنے کے بعد تحریر فرمایا ہے :-

**بوچھال کے کوائف** اب آپ کو بوچھال کلاں کی طرف لے آتا ہوں۔ جہلم سے روانگی کے بعد اہل بوچھال (مولانا عبدالرؤف صاحب، وغیرہ) کو کچھ علم نہ تھا کہ میں کہاں ہوں۔ کچھ روز تو میرا تذکرہ رہا۔ پھر خاموشی ہو گئی کہ دیکھیے حالات کیا رُخ اختیار کرتے ہیں۔

جب والد صاحب کا لکھوایا ہوا خط مولانا کو ملا تو وہ پڑھ کر حیران رہ گئے۔ عشاء کی نماز پر تمام لوگ جمع ہو گئے تو آپ نے لوگوں کو خط پڑھ کر سنایا۔ بعض حضرات کہنے لگے۔ مولانا ہم نہ کہتے تھے۔ کہ بچہ ہے مصائب کا مقابلہ نہ کر سکے گا۔ مولانا نے فرمایا کہ خط کی تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ خط لکھا نہیں گیا لکھوایا گیا ہے۔ میری فراست شہادت دیتی ہے کہ غازی احمد اسلام پر قائم ہے۔ اس نے سوچ سمجھ کر اسلام قبول کیا ہے۔ اس نعمت کو وہ ہاتھ سے جانے نہیں دے گا۔

کچھ روز بعد دوسرا خط بھی مولانا کو مل گیا ان کی مسرت کا ٹھکانا نہ تھا۔ اُسی وقت لوگوں کو بلوایا اور میرا خط سنایا۔ خط سن کر ہر طرف خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ مولانا نے فرمایا میں نہ کہتا تھا کہ غازی احمد اسلام پر قائم ہے ـــــ میری تحریر کے مطابق میرے دوسرے خط کا انتظار کیا جانے لگا۔

**مولانا کو دوسرا خط** از بھدوارہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بخدمت جناب مولانا صاحب السلام علیکم ۔۔۔۔۔

میں نے ایک مسلمان ہم جماعت سے راہ و رسم پیدا کر لی ہے۔ آئندہ خط کتابت کے لیے نیا پتہ تحریر کر رہا ہوں۔

مقام بھدوارہ ہائی اسکول بھدوارہ ریاست جموں طالب علم دوست محمد جماعت نہم

میں دن رات یہاں سے بھاگ آنے کی فکر میں ہوں...... اگر بوچھال سے کوئی آدمی لینے آجائے تو بہتر ہوگا، آپ جلد اطلاع دیں کہ میں کیا کروں۔ میں اس ماحول میں بہت بے چین ہوں، اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے اسلام پر تو قائم ہوں مگر آج تک نمازوں سے محروم ہوں، پیسے پاس نہیں اس لیے بیرنگ خط لکھ رہا ہوں۔

آپ کا خادم غازی احمد بھدوارہ

**میری نماز** خط میں نماز کے بارے میں میں نے عرض کیا ہے۔ اس ماحول میں نماز کا عملاً قیام تو مشکل ہی نہیں ناممکن تھا۔ صبح و شام ہندو حضرات چار زانو بیٹھ کر اور آنکھیں بند کر کے سندھیا کیا کرتے تھے۔ میں بھی صبح و شام باقاعدگی سے یہی عمل کیا کرتا۔ اور ہر روز پانچ اوقات کی نمازیں قیام۔ رکوع اور سجود کے بغیر ادا کیا کرتا۔

حقیقت یہ ہے کہ ان نمازوں میں جو سوز و گداز اور لطف ہوتا تھا وہ آج کل آزادانہ نمازوں میں حاصل نہیں ہوتا واللہ اعلم کیا وجہ تھی۔ مسلمانوں کی حالت دیکھ کر افسوس ہوتا ہے کہ تمام سہولتوں اور فراغت کے باوجود نماز جیسی عبادت سے گریزاں ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کا خاص احسان تھا کہ میں نے اس ماحول میں نماز ترک نہ کی اور مجھے یقین کامل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو رحیم و کریم ہے میری ان بے وقت اور بلا رکوع و سجود نمازوں کو قبول فرما لیا ہوگا۔

**دین میں نماز کی اہمیت اور ان دنوں کی نمازوں کی قضا** نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ مومن اور کافر کے درمیان مابہ الامتیاز امر نماز ہی تو ہے۔ میں نے کشمیر سے بھاگ کر آزادی حاصل کر لی تو تمام فوت شدہ نمازیں قضا کے طور پر ادا کیں۔ الحمد للہ چار مارچ ۱۹۴۸ء سے اب تا دمِ تحریر میرے ذمہ کوئی نماز نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ آئندہ بھی اقامت صلاۃ کی توفیق سے نوازیں۔ آمین۔

**دوسرا خط ملنے پر بوچھال کا حال** غازی احمد صاحب کا دوسرا خط جب مولانا کو ملا تو انھوں نے دوستوں کو

بلا کر باہمی مشورہ کیا فرمایا کہ غازی احمد کو لانے کے لیے کسی ایسے آدمی کے جانے کی ضرورت ہے جو ہوشیار پختہ کار اور ہر طرح کی قربانی کے لیے تیار ہو۔ کشمیر ہندو ریاست ہے خدا نخواستہ سب کچھ پیش آسکتا ہے۔

**صوفی جان محمد صاحب کا ایثار**

اس خطرناک مہم کے لیے صوفی جان محمد صاحب نے اپنے آپ کو پیش کردیا اور توکلاً علی اللہ بوچھال سے روانہ ہو کر کسی طرح بھدوارہ پہنچ گئے۔ اور میرے ہم جماعت دوست محمد کے ذریعہ اپنی آمد کی مجھے اطلاع دی۔ پھر دو رہی دور سے ملاقات اور بات چیت بھی ہو گئی۔ اور اسی دن بوچھال کے لیے خفیہ روانگی کا پروگرام بن گیا۔ (ملخصاً)

اس موقع پر غازی صاحب نے صوفی جان محمد صاحب کا تعارف کراتے ہوئے تحریر فرمایا ہے۔

**صوفی صاحب کا تعارف**

صوفی صاحب بوچھال کلاں کے رہنے والے ہیں ان کے باپ دادا کا پیشہ حجام کا تھا۔ مگر صوفی صاحب نے اس پیشہ کو ترک کر کے سائیکل مرمت کا کاروبار شروع کردیا۔ تمام مقدمات میں میرے ساتھ رہے۔ مالی لحاظ سے غریب شخص ہیں مگر مذہب پر اپنی جان تک قربان کرنے کو تیار رہتے ہیں۔ انھیں حج بیت اللہ کا عشق تھا۔ جس دن حج کے لیے روانہ ہوئے اپنے ایک دوست سے پچیس روپے قرض لیکر چلے۔ کسی نہ کسی طرح کراچی پہنچ گئے۔ اور وہاں نیشنل شپنگ کارپوریشن میں ملازمت اختیار کرلی۔ اب تک الحمد اللہ سات حج اور لاتعداد عمرے ادا کر چکے ہیں۔

این سعادت بزور بازو نیست تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

**صوفی صاحب اور رشتہ دار**

جب صوفی صاحب کے رشتہ داروں کو علم ہوا کہ وہ کشمیر جارہے ہیں تو سب ان کے گھر پہنچے۔ کیا تمھیں معلوم نہیں کہ وہاں ہندو راج ہے۔ مسلمان پستی کی زندگی گزار رہے ہیں اگر

تم خدانخواستہ پکڑے گئے، تو جان سے ہاتھ دھونے پڑیں گے۔ دوسری بات یہ ہے کہ تم اس علاقے سے ناواقف ہو راستے بڑے خطرناک اور پیچ ہیں اگر کہیں بھول گئے تو جنگل کے درندوں کا لقمہ بن جاؤ گے۔ غازی احمد ہندوؤں کی نگرانی میں ہے اس کو ساتھ لانے کی کوئی صورت نہیں اس کام میں ناکامی ہی ناکامی ہے اپنی زندگی مفت میں کیوں ضائع کرتے ہو۔

جان محمد صاحب نے پند و نصیحت سن کر جواب دیا۔ کہ میں وہاں مرجاؤں۔ یا قتل کر دیا جاؤں۔ درندوں کا لقمہ بن جاؤں یا زندہ آگ میں جلا دیا جاؤں لیکن اب وہاں جانے سے باز نہیں رہ سکتا۔ میں نے یہ ارادہ محض اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے کیا ہے۔ غازی احمد کی مدد کرنا میرا مقدس فریضہ ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ اپنی راہ میں جان کا حقیر سا نذرانہ قبول کر لیں تو اس سے بڑھ کر میرے لیے سعادت کیا ہو گی۔

## صوفی صاحب کی بھدرواہ روانگی

اللہ تعالیٰ پر توکل کرتے ہوئے صوفی صاحب نے کشمیر کے سفر کا پروگرام طے کر لیا، لوگوں سے لین دین کا قضیہ پاک کیا۔ صبح روانہ ہونے سے پہلے والدہ صاحبہ سے معافی طلب کی، اماں جی! شاید زندہ لوٹ سکوں یا ادھر ہی ختم ہو جاؤں، اپنی خطاؤں کی معافی چاہتا ہوں، والدہ نے پرنم آنکھوں سے سلامتی کی دعا کی بعد ازاں مولانا عبدالرؤف صاحب کو الوداع کہنے حاضر ہوئے۔ اور اللہ تعالیٰ پر توکل کرتے ہوئے کشتیٔ مراد کا لنگر اٹھا دیا۔

[آگے غازی صاحب نے بوچھال سے بھدرواہ (کشمیر) تک کے صوفی صاحب کے سفر کا حال بھی تفصیل سے لکھا ہے اور یہ کہ وہاں پہنچکر کس طرح انھوں نے میرے ہم جماعت دوست محمد سے ملاقات کی اور اُس کے ذریعہ مجھے اپنی آمد کی اطلاع کرائی اور پھر کس طرح ہم دونوں میں دور دور سے باتیں ہوئیں اور یہ فیصلہ ہو گیا کہ آج ہی یہاں سے نکل چلنا ہے —— اس کے آگے غازی صاحب نے صوفی صاحب کے ساتھ بھدرواہ سے فرار ہو کر بوچھال

پہنچ جانے کی پوری روداد لکھی ہے وہ ناظرین کرام انھی کے الفاظ میں ملاحظہ فرمائیں۔]

**بھدرواہ سے فرار** ابھی چھٹی میں ایک پیریڈ باقی تھا۔ میں منہ بسورے ماسٹر صاحب کی خدمت میں گیا کہ میرے پیٹ میں شدید درد ہے میں گھر جانا چاہتا ہوں۔ استاد صاحب نے اجازت دے دی۔ میں ہندو دوستوں کی نظروں سے بچتا بچاتا مقررہ جگہ پر پہنچ گیا صوفی صاحب وہاں پہلے ہی موجود تھے۔ راہبر ساتھ تھا (جس کو صوفی صاحب نے اجرت پر بھدرواہ ہی سے ساتھ لے لیا تھا) عصر کے قریب تین آدمیوں کا یہ بے سروسامان قافلہ اللہ تعالیٰ کے بھروسے پر منزل مقصود کی طرف رواں ہو گیا۔ ڈر کے مارے چہرے پر ہوائیاں اُڑ رہی تھیں۔ دل زور زور سے دھڑک رہا تھا۔ مارے خوف کے قدم اُٹھنا محال ہو رہا تھا۔ ہر دیکھنے والا ہمارے چہروں کو دیکھ کر معلوم کر سکتا تھا کہ دونوں کسی پریشانی کا شکار ہیں۔ نیز میرا لباس ہندو بچوں کی طرح تھا۔ جو ایک خطرناک علامت تھی۔ کہ یہ ہندو بچہ مسلمانوں کے ساتھ کہاں جا رہا ہے۔

جب ہم شہر کو عبور کر کے باہر نکل آئے تو ہمارے رہنما نے کہا۔ تم اتنے پریشان کیوں ہو۔ شاید تم کوئی جرم کر کے آرہے ہو؟ صوفی صاحب نے کہا ہم آگے جا کر تمھیں تمام احوال سے مطلع کر دیں گے جب ہم شہر کی حدود سے نکل آئے تو ہمارے دلوں کو قدرے سکون ہوا۔ ہر چار قدم کے بعد ہم مڑ کر دیکھ لیتے۔ ہمارے ساتھی نے کہا۔ اگر اصل بات نہ بتاؤ گے تو میں ایک قدم بھی آگے نہیں جاؤں گا۔ مجبوراً صوفی صاحب نے اُسے حالات سے آگاہ کیا۔ تب اس کی تسلی ہوئی۔ ہم نے اُسے تیز چلنے کو کہا تاکہ غروب آفتاب سے پہلے کافی دور نکل جائیں۔ بھدرواہ سے تیرہ میل کے فاصلے پر اسی سمت جنگل میں اس کا گھر تھا۔ سورج غروب ہونے سے کافی دیر بعد ہم اس کے گھر پہنچے۔ اس نے اپنی بیوی سے کھانا تیار کرنے کو کہا۔ ہم نے دودھ اور شہد کے ساتھ روٹی کھائی۔ صوفی صاحب نے اس سے شہد کا بھاؤ دریافت کیا۔ اس نے

بتایا کہ ہمارے یہاں ایک روپے کا چھ سیر ملتا ہے۔

**فرار کے بعد پہلی رات** اس گھر کے مکان میں ایک کھڑکی نما سوراخ اُسی راستے کی طرف تھا جس پر ہم آئے تھے جب دور سے کوئی متحرک روشنی نظر آتی ہمیں شبہ ہو جاتا کہ شاید ہمارے تعاقب میں لوگ آرہے ہیں مگر ہمارا میزبان ہماری ڈھارس بندھاتا تا ایک جگہ تین مشعلیں متحرک دکھائی دیں ہمیں یقین ہو گیا کہ یہ لوگ ہمارے تعاقب میں آرہے ہیں ہم نے اپنے ساتھی سے کہا (ہمارے ساتھی کا نام خظو تھا) کہ یہاں سے جلد بھاگنا چاہیئے وہ دیکھو بہت سے آدمی اِدھر نظر آرہے ہیں۔ خطو نے کہا کہ یہ لوگ دوسرے راستے پر ہیں اور اپنے اپنے ڈیروں پر واپس جارہے ہیں۔

صوفی صاحب نے خطو سے یہ طے کیا تھا کہ ہمیں بھدرواہ سے بیس میل کے فاصلہ تک چھوڑ آنا بیس میل کے بعد ریاست جموں کی حدود ختم ہو جاتی ہیں اور ریاست چنبہ کا آغاز ہوتا ہے۔

خطو کی بیوی نے خاوند کو کہا کہ یہ تو بھگوڑے معلوم ہوتے ہیں بار بار متفکر نگاہوں سے راستے کی طرف دیکھ رہے ہیں خطو نے اپنی بیوی کو ہمارے حالات بتا دیئے تو وہ بہت خوش ہوئی۔ اور مجھے دُعا کے لیے کہنے لگی۔

کھانے سے فارغ ہو کر ہم نے خطو سے کہا کہیں آگے چل کر رات بسر کرنی چاہیے اس نے جواب دیا کہ آگے راستہ خطرناک ہے برف پر سے گزرنا پڑتا ہے اور جنگل میں اگر کسی درندے نے آلیا تو کیا کریں گے۔ یہاں رات کو کوئی نہیں آتا صبح سویرے نکل پڑیں گے۔ خطو کی بیوی نے کہا کہ ان بیچاروں کو یہاں رہنے میں خطرہ ہے ان کو فلاں رشتہ دار کے ڈیرے پر لے چلو۔ وہ بادل ناخواستہ ہمارے ساتھ چل پڑا۔ راستہ پہاڑی تھا۔ عمودی قسم کی چڑھائی تھی۔ راستے میں کہیں کہیں برف موجود تھی۔ موسم خنک تھا۔ مگر ہمیں پسینہ آرہا تھا۔ تقریباً دو میل کے فاصلے پر پہاڑ کے اُوپر ایک ڈیرے پہنچ گئے۔ ہم نے اس مقام کو قدرے محفوظ پایا رات وہیں بسر کی اور علی الصبح وہاں

سے روانہ ہو گئے۔ طلوعِ آفتاب سے قبل ہم نے چار پانچ میل کا فاصلہ طے کر لیا۔ جوں جوں ریاست چنبہ کی حدود قریب آرہی تھی ہمارا اطمینان بڑھتا جا رہا تھا۔ خطو نے بتایا یہ بہت محفوظ راستہ ہے اور بھدرواہ کے بہت کم لوگوں کو اس راستے کا علم ہے۔

**ریاست چنبہ کی حدود** جب ہم سرحد پر پہنچ گئے تو خطو نے کہا اب میں واپس جاتا ہوں۔ ہم نے کہا ایک آدھ میل اور آگے چلیں مگر وہ نہ مانا اور کہا کہ مجھے آج پھر بھدرواہ جانا ہے۔ خطو نے ہمارے راستے میں آنے والے ہر گاؤں کا نام اور فاصلہ بتا دیا۔ ہم نے کاغذ پر نوٹ کر لیا۔ خطو نے گلے مل کر الوداع کہا اور دُعا کی درخواست کرتا ہوا واپس چلا گیا۔

**فرار کا دوسرا دن** ہم دونوں رب تعالیٰ کے بھروسے پر چل پڑے۔ ابھی تھوڑی دور ہی گئے تھے۔ کہ برفانی راستہ شروع ہو گیا۔ جگہ جگہ ٹھنڈے پانی کے چشمے پھوٹ رہے تھے۔ پہاڑوں کی چوٹیاں برف کی وجہ سے بالکل سفید تھیں۔ جنگل سنسان اور راستہ خطرناک تھا۔ راستہ وسط کوہ کے ساتھ ساتھ سانپ کی طرح بل کھاتا ہوا جا رہا تھا۔ اکثر جگہ کو کاٹ کر سیڑھیاں بنائی گئی تھیں جہاں سے پھسلنے کا ڈر ہوتا۔

سورج ڈھلنے تک ہم تقریباً تیس میل فاصلہ طے کر چکے تھے۔ سفر کی وجہ سے بھوک بھی چمک اُٹھی مگر وہاں پانی کے سوا کچھ نہ تھا۔ راستے میں ایک دکان دیکھ کر بہت خوش ہوئے لیکن دکان سے سوائے گڑ کے اور کچھ نہ مل سکا۔ اسی پر گزارہ کیا اور چل پڑے۔

[ آگے غازی صاحب نے اس دن کے پُرمشقت سفر کا تفصیل سے ذکر کیا ہے اور لکھا ہے کہ رات ہم نے راستہ کے ایک گاؤں سندلا میں گزاری ——
وہاں سے روانگی کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ۔ ]

**سندلا سے روانگی** اب حالت یہ تھی کہ میرے پاؤں پر ورم آچکا تھا۔ ٹانگیں درد کر رہی تھیں۔ سارا جسم نڈھال تھا۔ دوپہر تک بمشکل پانچ

میل کا فاصلہ طے کیا ہو گا۔ ہر میل کے بعد ستانے بیٹھ جاتے۔ میں تو چلنے سے انکار کر دیتا مگر صوفی صاحب پھر حوصلہ بڑھاتے تو افتاں و خیزاں چل پڑتا۔

**باتھری میں فرار کی تیسری رات**

شام کے وقت ایک گاؤں باتھری پہنچے پوچھتے پچھاتے ایک مسلمان کا گھر دریافت کیا مگر اس نے میزبانی کے فرائض سرانجام دینے سے انکار کر دیا۔ پھر بازار واپس آئے اور ایک ہندو دکاندار سے کھانے کے لیے پکوڑے مل سکے۔ ایک پاؤ کے قریب تھے۔ جن سے ہماری بھوک نہ مٹ سکی اور ہم بھوکے ہی سو رہے۔

**ڈلہوزی میں آمد**

باتھری سے پانچ میل دور مشہور صحت افزا مقام ڈلہوزی تھا جہاں سے ہمیں بس میں سوار ہونا تھا۔ میں نے صبح جان محمد صاحب سے کہہ دیا کہ سواری کا انتظام کریں۔ میں آج ایک قدم بھی پیدل نہیں چل سکتا۔ صوفی صاحب نے سواری کے لیے بڑی کوشش کی مگر کامیابی نہ ہو سکی۔ ناچار پیدل چلنا پڑا۔ ایک ایک قدم عذاب تھا خدا خدا کر کے دوپہر سے پہلے ڈلہوزی پہنچ گئے۔ کھائے پیئے بغیر تین دن کے طویل سفر نے ہمیں ادھ موا کر دیا تھا۔

**امرتسر میں آمد**

ڈلہوزی سے بس میں سوار ہو کر پٹھان کوٹ آئے اور وہاں سے امرتسر پہنچے سب سے پہلے ہوٹل میں گئے اور جی بھر کر تین دن کی بھوک مٹائی۔

اب امرتسر سے آگے سفر کرنے کا مسئلہ غور طلب تھا۔ کہ کس راستے سے گھر جائیں۔ دو معروف راستے تھے کہ یا تو بذریعہ چکوال جائیں یا بذریعہ للہ ریلوے اسٹیشن۔ دونوں راستے خطرے سے خالی نہ تھے کیونکہ یقین تھا کہ دونوں مقامات پر والد صاحب نے بذریعہ تار اطلاع دے دی ہو گی اور ہماری گرفتاری یقینی ہو گی۔ لہٰذا یہ طے کیا گیا کہ ہم لالہ موسیٰ سے ملکوال۔ کھیوڑہ۔ چوآ سیدن شاہ اور کلر کہار کے راستہ بوچھال کلاں جائیں۔ یہ راستہ تقریباً محفوظ تھا۔

**امرتسر سے روانگی**

امرتسر سے بذریعہ ریل لالہ موسیٰ پہنچے۔ رات اسٹیشن پر گزاری

اور دوسرے دن دوپہر کے وقت کھیوڑہ پہنچ گئے۔ وہاں صوفی صاحب کے ایک رشتہ دار بسلسلۂ ملازمت مقیم تھے۔ ہم ان کے گھر گئے، کھانا کھانے کے بعد صوفی صاحب ٹیلیگرام دینے تارگھر گئے، کہ ہم کل بوچھال کلاں پہنچ رہے ہیں۔

## کھیوڑہ سے بوچھال

دوسرے دن کھیوڑہ سے بذریعہ بس چوہا سیدن شاہ آئے۔ اور چوہا سیدن شاہ سے کلر کہار کی بس لی اور بخیریت کلر کہار پہنچ گئے۔ کلر کہار کے سلسلے میں کچھ پولیس کا خطرہ تھا۔ مگر وہاں خیریت رہی۔ (اور اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے بخیر و عافیت بوچھال پہنچ گئے۔)

(جاری)

**چندہ سالانہ**

ہندستان میں ۳۰/-

پاکستان سے پاکستانی سکہ میں ۵۰/-

بنگلادیش سے ہندوستانی سکہ میں ۲۲/-

**ممالک غیر سے**

بحری ڈاک سے ۳ پونڈ

ہوائی ڈاک سے ... پونڈ

ایک شمارہ کی قیمت ہندستان میں

۲/-

| شمارہ (۹) | بابت ذیقعدہ ۱۴۰۳ھ مطابق ستمبر ۱۹۸۳ء | جلد (۵۱) |
| --- | --- | --- |

| نمبر شمار | مضامین | مضمون نگار | صفحہ |
| --- | --- | --- | --- |
| ۱ | نگاہ اولیں | خلیل الرحمٰن سجاد ندوی | ۲ |
| ۲ | حضرت مولانا قاری محمد طیبؒ کے وصال پر ایک تعزیتی مکتوب | حضرت مولانا حکیم عبدالرشید محمود گنگوہی | ۱۳ |
| ۳ | خطاب عید الفطر | حضرت مولانا محمد منظور نعمانی | ۱۹ |
| ۴ | اسراء و معراج، چند اشارات و اسرار | خلیل الرحمٰن سجاد ندوی | ۲۹ |
| ۵ | انتخاب | ماخوذ | ۳۷ |

## اگر اس دائرہ میں ◯ سُرخ نشان ہے تو

اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ کی مدت خریداری ختم ہوگئی ہے براہ کرم آئندہ کے لیے چندہ ارسال کریں یا خریداری کا ارادہ نہ ہو تو مطلع فرمائیں۔ چندہ یا دوسری اطلاع مہینے کے آخر تک آجانا چاہیئے۔ پرچہ وی پی نہیں کیا جائے گا

**نمبر خریداری:** براہ کرم خط و کتابت کرتے وقت اور منی آرڈر کوپن پر اپنا خریداری نمبر ضرور لکھ دیا کریں۔ جو پتہ کی چٹ پر لکھا ہوتا ہے۔

**تاریخ اشاعت:** الفرقان ہر انگریزی مہینے کے پہلے ہفتہ میں روانہ کر دیا جاتا ہے اگر مہینے کے آخر تک کسی صاحب کو پرچہ نہ ملے تو فوراً مطلع فرمائیں۔ اگر دوبارہ بھیجنے کے لیے دفتر میں پرچہ ہوگا تو ضرور بھیجا جائے گا۔

**پاکستان کے خریدار حضرات** مبلغ ... روپے ہندستانی سکہ میں کسی بھی ذریعہ سے دفتر الفرقان لکھنؤ کو روانہ فرمائیں یا پاکستانی سکہ میں ... روپے ناظم ادارۂ اصلاح و تبلیغ آسٹریلین بلڈنگ لاہور کو بھیج دیا۔

محمد حسان نعمانی پرنٹر و پبلشر نے تنویر پریس میں چھپوا کر دفتر الفرقان ۱۱۴ نیا گاؤں مغربی لکھنؤ سے شائع کیا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

# نگاہِ اوّلین

خلیل الرحمٰن سجاد ندوی

مغربی ذرائع ابلاغ کی اطلاع کے مطابق ایران کے انقلابی رہنما آیۃ اللہ خمینی نے ایک بیان حال ہی میں جاری کیا ہے جس میں انھوں نے ایک بار پھر حج کی سیاسی حیثیت کے بارے میں اپنا موقف دہرایا ہے۔ ان ذرائع کے جاری کردہ خبر نامہ کے الفاظ یہ ہیں:

"آیت اللہ خمینی نے حج کے سلسلہ میں فتویٰ دیا ہے کہ حج کا مطلب صرف سات مرتبہ طواف کر لینا نہیں ہے بلکہ سیاسی مقاصد بھی مناسک حج میں شامل ہیں۔ ۹۵ ہزار ایرانی حاجیوں کو امام خمینی نے حکم دیا ہے کہ وہ حج کے دوران مظاہرے کر کے اُن اسلامی ممالک کے منھ پر طمانچہ لگائیں جن کے روس یا امریکہ کے ساتھ دوستانہ تعلقات ہیں۔"

بعض مبصرین کے خیال میں اس بیان کے لب و لہجہ سے یہ اشارہ ملتا ہے کہ اس مرتبہ ایرانی حجاج کسی سوچے سمجھے منصوبہ کو لے کر جا رہے ہیں۔

ہمارے محترم ناظرین کو یاد ہو گا کہ الفرقان کے مارچ و اپریل کے مشترکہ شمارہ میں ایرانی انقلاب کے بارے میں برادر معظم مولانا عتیق الرحمٰن سنبھلی مدظلہ کا ایک مفصل مضمون شائع ہوا تھا، اس میں شاہ خالد مرحوم اور جناب خمینی کی خط و کتابت بھی شائع ہوئی تھی۔ اپنے خط میں شاہ خالد نے بیت اللہ میں بلکہ طواف کے دوران ایرانی حجاج کی نعرے بازی کے سلسلہ میں خمینی صاحب سے شکایت کی تھی، اور ان سے خواہش کی تھی کہ وہ اپنے ملک کے حجاج کو سمجھائیں کہ یہ موقع اس طرح کی نعرے بازی کا نہیں اور حرمین کے ادب کے

خلاف اور روح حج کے منافی ہے ــــــــ خمینی صاحب نے اس کے جواب میں زور دار طریقے پر اپنے حجاج کے اس عمل کی وکالت کی اور اسے عین قرن اول کا اسلام ٹھیرایا۔ اور نفس مسئلہ کو بالکل نظر انداز کرتے ہوئے اسلام کی عبادت و سیاست کی جامع حیثیت، حرمین شریفین کے مرکزی مقام، مسلمانوں کے اتحاد و اتفاق اور بڑی طاقتوں کے تسلط سے آزادی کی ضرورت پر زبردست پروپیگنڈائی تقریر ارشاد فرمائی۔

اسی مضمون میں آپ ملاحظہ فرما چکے ہیں کہ ایران کے سرکاری "مہمان خانۂ بزرگ" (استقلال ہوٹل) میں انقلاب کے مزاج اور عزائم کا اظہار کرنے والے جو بینر (کپڑوں کے کتبات) جگہ جگہ آویزاں تھے ان میں ایک یہ بھی تھا:

سَنَتَّحِدُ وَ سَنُقَاتِلُ حَتّٰى نَسْتَرِدَّ مِنْ اَيْدِي الْمُغْتَصِبِيْنَ

اَرَاضِيْنَا الْمُقَدَّسَةَ اَلْقُدْسَ وَ الْكَعْبَةَ وَ الْجَوْلَانَ۔

(ہم متحد ہوں گے، جنگ آزما ہوں گے، یہاں تک کہ غاصبوں کے قبضے سے اپنی مقدس زمینیں، بیت المقدس، کعبہ اور گولان واپس لے لیں۔)

جو لوگ ایرانی اخبارات و رسائل اور پمفلٹوں کا مطالعہ کرتے رہتے ہیں۔ جن کا زبردست جال ایرانی سفارت خانہ کی چستی کے طفیل ہر طرف ہمیں پھیلا دکھائی دیتا ہے۔ اور ایرانی ریڈیو کے نشریات سنتے رہتے ہیں وہ حرمین شریفین کے بارے میں ایرانی قیادت کے ارادوں سے باخبر ہوں گے اور انھیں مذکورہ بالا بیان کے الفاظ اور لب و لہجہ سے بالکل تعجب نہ ہو گا ــــــــ اس وقت بھی ہمارے سامنے کچھ پمفلٹ ہیں جن میں بہت صاف الفاظ میں اُمت کو دعوت دی گئی ہے کہ "حرمین شریفین کو ان کے موجودہ حکمرانوں کے غاصبانہ قبضہ سے آزاد کرانے کے لیے ایرانی علم کے نیچے متحد ہو کر فوراً سرگرم عمل ہو جائے۔"

خمینی صاحب کے مذکورہ بالا بیان کی روشنی میں جیسا کہ ہم نے اوپر عرض کیا۔ یہ قوی اندیشہ ہے کہ اس سال حج کے موقع پر ایرانی حجاج کی طرف سے شورش برپا کرنے کی کوشش جو گذشتہ دو سالوں سے برابر جاری ہے زیادہ منظم انداز سے کی جائے گی۔

حج جیسے سراسر روحانی عمل کو جس کا مقصد ہی کتاب و سنت کی تصریحات کے مطابق اقامت ذکر اللہ اور تعظیم شعائر اللہ ہے، اور حرم الٰہی اور بلد امین جیسے مقدس مقام کو جہاں کے نام ہی سے وہاں کی مخصوص حرمت و تقدس کا اشارہ مل جاتا ہے اور جہاں کے بارے میں ایسے احکام کی طویل فہرست ہے جن سے وہاں کی مخصوص حیثیت اور شورش اور فتنہ و فساد کی سخت ممانعت کا پتہ چلتا ہے، اور موسم حج کو، جو کہ اشہر حرم میں ہوتا ہے، جس کے بارے میں بھی خصوصی تقدس و احترام کی روح پر مشتمل تفصیلی احکام و ہدایات ہیں، اپنے سیاسی اغراض و مقاصد اور تخریبی ارادوں کی تکمیل کے لیے استعمال کرنا ایسی جسارت ہے جس کی جرأت اسلام کے کسی خارجی دشمن کو نہیں ہو سکتی تھی۔ عالمی یہودیت اور اسلام دشمن طاقتوں کے لیے بڑی خوشی کی بات ہے کہ ان کے اس خواب کو شرمندۂ تعبیر کرنے کا مقدس کام خمینی صاحب اور ان کے پرستاروں نے اپنے ہاتھ میں لے لیا ہے۔

آئیے ذرا ایک نظر حج، حرم الٰہی اور موسم حج کے بارے میں ان احکام و ہدایات پر ڈال لی جائے جن کی طرف ابھی ہم نے اشارہ کیا ——— یہ واضح رہے کہ ہم اس خوش فہمی میں ہرگز مبتلا نہیں ہیں کہ اس قسم کی کسی وضاحتی اور علمی تحریر سے خمینی صاحب اور ان کے حلقہ بگوشوں کی رائے پر کچھ اثر پڑے گا۔ ہاں! ہمیں یہ امید ضرور ہے کہ ہمارے وہ بھائی جو کسی وجہ سے اس معاملے میں ایرانی پروپیگنڈے سے کچھ متأثر ہیں اُن کے لیے مسئلہ پر صحیح رخ سے غور کرنا باذن اللہ آسان ہو جائے گا۔

## حج کی روح اور حقیقت

اتنی بات تو مسلّم اور معروف ہے کہ اسلام اور اس کے احکام و شرائع کے بنیادی مآخذ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ہیں۔

کتاب اللہ میں حج کی حقیقت اور حکمت و غایت کے بارے میں متعدد مقامات پر صراحۃً اور اشارۃً جو کچھ فرمایا گیا ہے، اس کا ایک مختصر جائزہ پیش خدمت ہے۔

سورۂ بقرہ میں ارشاد ہوا ہے: اَلْحَجُّ اَشْهُرٌ مَّعْلُوْمٰتٌ ۚ فَمَنْ فَرَضَ فِيْهِنَّ الْحَجَّ فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوْقَ وَلَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ ۗ وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ يَّعْلَمْهُ اللّٰهُ ۗ وَتَزَوَّدُوْا فَاِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوٰى ۚ وَاتَّقُوْنِ يٰٓاُولِي الْاَلْبَابِ ۔ لَيْسَ عَلَيْكُمْ

جُنَاحٌ اَنْ تَبْتَغُوْا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ ؕ فَاِذَآ اَفَضْتُمْ مِّنْ عَرَفَاتٍ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ عِنْدَ
الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ ۪ وَاذْكُرُوْهُ كَمَا هَدٰىكُمْ ۚ وَاِنْ كُنْتُمْ مِّنْ قَبْلِهٖ لَمِنَ الضَّآلِّيْنَ ۝
ثُمَّ اَفِيْضُوْا مِنْ حَيْثُ اَفَاضَ النَّاسُ وَاسْتَغْفِرُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝
فَاِذَا قَضَيْتُمْ مَّنَاسِكَكُمْ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَذِكْرِكُمْ اٰبَآءَكُمْ اَوْ اَشَدَّ ذِكْرًا ؕ فَمِنَ
النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِى الدُّنْيَا وَمَا لَهٗ فِى الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ ۝ وَمِنْهُمْ
مَّنْ يَّقُوْلُ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِى الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِى الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ ۝
اُولٰٓئِكَ لَهُمْ نَصِيْبٌ مِّمَّا كَسَبُوْا ؕ وَاللّٰهُ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ۝ وَاذْكُرُوا اللّٰهَ فِىْٓ اَيَّامٍ
مَّعْدُوْدٰتٍ ؕ فَمَنْ تَعَجَّلَ فِىْ يَوْمَيْنِ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ ۚ وَمَنْ تَاَخَّرَ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ ۙ
لِمَنِ اتَّقٰى ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ۝

یہ مجموعۂ آیات جن احکام و مطالب پر مشتمل ہے ان کا خلاصہ یہ ہے :-

۱- حج کی نیت کے بعد شہوانی باتوں، خدا کی کسی بے حکمی اور آپس کے لڑائی جھگڑے اور زبانی حجت و تکرار کی کوئی گنجائش نہیں۔

۲- ان ہدایات پر عمل کرنے اور حج کی روح سے بہرہ مند ہونے کے لیے حاجی کو اپنے ساتھ تقوے کا زادِ راہ لانا چاہیے کہ بغیر اس کے یہ مطلوب حاصل نہ ہوگا۔

۳- حج سے اصل مقصود تو اخروی کمائی ہی ہے، لیکن اگر کوئی شخص اس اصلی مقصد کے اہتمام کے ساتھ ضمناً چھوٹا بڑا تجارتی فائدہ بھی اُٹھالے تو کوئی قباحت نہیں۔

۴- عرفات سے واپسی میں مزدلفہ میں اللہ کی یاد اور ذکر و مناجات کے اہتمام کی تاکید اور وضاحت کہ ذکر اسی طریقے پر مقبول ہے جو اللہ کی طرف سے مشروع ہے۔ اپنے خود ساختہ طریقوں (مثلاً قوالی کی محفلوں، شعر و شاعری کی نشستوں، نعرے بازیوں اور ہنگامہ آرائیوں) کو تم ذکر قرار دے دو تو اللہ کے یہاں اس کا کوئی اعتبار نہ ہوگا۔

۵- قریش والوں کو خصوصیت سے اس کا حکم کہ تمہارے لیے بھی عرفات کا وقوف ضروری ہے۔ یاد رہے کہ ان کے گڑھے ہوئے عقیدوں میں سے ایک یہ بھی تھا کہ ہمیں دوسرے لوگوں کی طرح عرفات جانے کی ضرورت نہیں، کیونکہ ہم تو بیت اللہ کے مجاور ہیں، گویا بندگی

میں کبھی انھوں نے اپنے لیے ایک امتیاز قائم کررکھا تھا۔

۶۔ اس طرف اشارہ کہ عرفات کی حاضری کا خاص مقصد اور وہاں کا خاص عمل "دعائے مغفرت" ہے۔

۷۔ مناسک حج کی ادائیگی کے دوران اور اس کے بعد ذکر الٰہی کے مسلسل اہتمام کی تاکید۔

۸۔ ان لوگوں کی اخروی محرومی کی طرف اشارہ جن کے دل ودماغ کے ہر گوشے میں دنیا کی محبت ہی رچی بسی ہوتی ہے۔ یہاں تک کہ حج میں بھی وہ قبولیت دعا کے ہر محل میں لسان قال وحال سے اپنی دنیوی آرزوؤں ہی کی تکمیل کی دعا کرتے ہیں، اخروی فلاح کی طلب ان کی زبان پر نہیں آتی، اور ان حجاج کی مقبولیت کی طرف اشارہ جو دنیا وآخرت دونوں کی بھلائی اپنے رب سے مانگتے ہیں۔ اور خاص طور سے جہنم سے نجات کی دعا ان کی دعاؤں میں غالب رہتی ہے۔

اس آخری نقطہ کی وضاحت کے لیے اس زمانہ کے مشہور عالم قرآن مولانا امین احسن اصلاحی کی یہ عبارت ہم مستعار لیتے ہیں:۔

"کتنے لوگ ہیں جو حج کرتے ہی اپنے کسی نہ کسی دنیوی مقصد کے لیے ہیں، وہ جس مقام کو بھی سمجھتے ہیں کہ یہاں دعا قبول ہوتی ہے وہاں وہ اپنی وہی درخواست پیش کرتے ہیں جو ان کے دل پر غالب ہوتی ہے...... اسی طرح کے لوگ ہیں جنھوں نے دین کی ہر چیز کو دنیوی مفادات کے سانچوں میں ڈھالنے کی کوشش کی ہے جس سے دین کا حلیہ بگڑا ہے۔ اسی طرح کے لوگ تھے جن کی دنیا پرستیوں نے حج جیسی عظیم عبادت کو بھی زمانہ جاہلیت میں جیسا کہ اوپر گزرا ایک تجارتی میلے کی شکل میں بدل دیا اور یہی رجحان ہے جو اس دور میں حج کو صرف ایک سالانہ کانگریس کی حیثیت سے نمایاں کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔ حالانکہ حج کی اصل ابراہیمی روح "ہجرت الی اللہ" ہے اس کے دنیوی فوائد صرف ضمنی ہیں"[۵]

۹۔ زمانۂ قیام منیٰ میں۔ جسے ایام تشریق کہا جاتا ہے، ذکر الٰہی کے اہتمام کی تاکید

---

[۵] تدبر قرآن ص ۴۴۳-۴۴۴ ج ۱

آگے بڑھنے سے پہلے۔ اِن آیات کی روشنی میں۔ یہ بات نوٹ کرتے چلیے کہ حج میں جس عمل کے مسلسل اہتمام کی تاکید ہے وہ ذکر و مناجات اور دعائے مغفرت ہے ـــــ اور اس عمل کی اہمیت کا اندازہ اس سے لگائیے کہ صرف اِن آیات میں تین مرتبہ اس کا حکم دیا گیا ہے، اس ترتیب کے ساتھ کہ شروع سے آخر تک پورا حج اسی رنگ میں رنگا ہوا نظر آنے لگتا ہے ـــــ اور پھر حج کی مخصوص روحانی تربیتی حیثیت کو خارجی مؤثرات سے محفوظ رکھنے کے لیے کتنے ایسے کاموں سے سختی سے روک دیا گیا جن کا وہاں کی زبردست بھیڑ بھاڑ میں زیادہ امکان ہوا کرتا ہے اور جو انسان کی روحانیت سے جوڑ نہیں کھاتے نیز ان لوگوں کو جو مقاماتِ حج میں بس دنیاوی آرام و راحت کی دعا کرتے ہیں آخرت میں سو فیصد محروم قرار دے کر اس عمل، ذکر و مناجات اور دعائے مغفرت، کی مقصدی حیثیت اور حج کے عبادتی پہلو کو کیسا نمایاں کر دیا گیا ہے؟!!

---

سورۂ بقرہ کی ان آیات کے بعد سورۂ حج کی یہ آیات ملاحظہ فرمائیے:۔

وَاَذِّنْ فِی النَّاسِ بِالْحَجِّ یَاْتُوْكَ رِجَالًا وَّعَلٰی كُلِّ ضَامِرٍ یَّاْتِیْنَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِیْقٍ ۝ لِّیَشْهَدُوْا مَنَافِعَ لَهُمْ وَیَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ فِیْۤ اَیَّامٍ مَّعْلُوْمٰتٍ عَلٰی مَا رَزَقَهُمْ مِّنْۢ بَهِیْمَةِ الْاَنْعَامِ فَكُلُوْا مِنْهَا وَاَطْعِمُوا الْبَآىِٕسَ الْفَقِیْرَ ۝ ثُمَّ لْیَقْضُوْا تَفَثَهُمْ وَلْیُوْفُوْا نُذُوْرَهُمْ وَلْیَطَّوَّفُوْا بِالْبَیْتِ الْعَتِیْقِ ۝ ذٰلِكَ وَمَنْ یُّعَظِّمْ حُرُمٰتِ اللّٰهِ فَهُوَ خَیْرٌ لَّهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ ........

ذٰلِكَ وَمَنْ یُّعَظِّمْ شَعَآىِٕرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَی الْقُلُوْبِ ۝ لَكُمْ فِیْهَا مَنَافِعُ اِلٰۤی اَجَلٍ مُّسَمًّی ثُمَّ مَحِلُّهَاۤ اِلَی الْبَیْتِ الْعَتِیْقِ ۝ وَلِكُلِّ اُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا لِّیَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلٰی مَا رَزَقَهُمْ مِّنْۢ بَهِیْمَةِ الْاَنْعَامِ فَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ فَلَهٗۤ اَسْلِمُوْا وَبَشِّرِ الْمُخْبِتِیْنَ ۝ الَّذِیْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَالصّٰبِرِیْنَ عَلٰی مَاۤ اَصَابَهُمْ وَالْمُقِیْمِی الصَّلٰوةِ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ یُنْفِقُوْنَ ۝ وَالْبُدْنَ جَعَلْنٰهَا لَكُمْ مِّنْ شَعَآىِٕرِ اللّٰهِ لَكُمْ فِیْهَا خَیْرٌ فَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَیْهَا

صَوَآفَّ ۚ فَإِذَا وَجَبَتْ جُنُوبُهَا فَكُلُوا مِنْهَا وَأَطْعِمُوا الْقَانِعَ وَالْمُعْتَرَّ ۚ كَذَٰلِكَ سَخَّرْنَاهَا لَكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ○ لَن يَنَالَ اللَّهَ لُحُومُهَا وَلَا دِمَاؤُهَا وَلَٰكِن يَنَالُهُ التَّقْوَىٰ مِنكُمْ ۚ كَذَٰلِكَ سَخَّرَهَا لَكُمْ لِتُكَبِّرُوا اللَّهَ عَلَىٰ مَا هَدَاكُمْ ۗ وَبَشِّرِ الْمُحْسِنِينَ ○

(سورۂ حج آیات ۲۷ تا ۲۹، ۳۲ تا ۳۷)

اس مجموعۂ آیات کے مطالب اجمالاً یہ ہیں:۔

۱۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو یہ حکم دیا گیا کہ وہ حج بیت اللہ کے لیے لوگوں میں منادی عام کریں، اور ساتھ ہی ان کی منادی کو غیبی قدرت سے پوری خلقت تک پہنچانے اور اسے قبول عام بخشنے کی ضمانت دی گئی۔

۲۔ یہ بشارت دی گئی کہ کرۂ ارض کے کونے کونے سے بندگانِ خدا ابراہیمی ندا پر لبیک کہیں گے اور بیت اللہ کی حاضری کی برکات کے حصول اور ذکر الٰہی کی حقیقت سے اپنے باطن کو معمور کرنے کے لیے دور دراز سے لوگ آئیں گے۔

۳۔ حج کے آخری مراسم حلق رأس اور طواف بیت اللہ وغیرہ کا بیان ہے۔ اور پھر یہ اشارہ فرمایا گیا ہے کہ ان سب احکام سے اصل مقصود "حرمات اللہ کی تعظیم و تکریم" ہے۔ اور یہی بات ایک بار پھر دہرائی گئی کہ یہ سب احکام شعائر اللہ کی تعظیم کے محور کے ارد گرد گھومتے ہیں۔ (یہ ملحوظ رہے کہ وہ چیزیں جو اللہ تعالیٰ کی ذات اقدس کے ساتھ نسبت خاصہ رکھتی ہیں اور ان پر ان کی رحمت کی خصوصی تجلی ہوتی ہے اور جن کے ساتھ کچھ ایسی تاریخ وابستہ ہوتی ہے جو اللہ کی نشانیاں، اور اس کے رسولوں کا صبر و جہاد یاد دلاتی ہے، وہ چیزیں حرمات اللہ اور شعائر اللہ کہلاتی ہیں۔)

۴۔ یہ بتایا گیا ہے کہ شرائع الٰہی میں قربانی ایک قدیم ترین عبادت ہے، اس کا مقصود اللہ کے بتائے ہوئے طریقے پر ذکر الٰہی کا قیام ہے۔ قربانی کے ذکر کے فوراً بعد اہل ایمان کو احکام الٰہی کے سامنے مکمل سپردگی کا حکم دیا گیا اور اس طرح یہ اشارہ دیا گیا کہ قربانی کی اصل روح بھی یہی "اسلام و اخبات" اور یہی تسلیم و رضا ہے۔

۵۔ یہ بات صراحۃً بھی کہہ دی گئی ہے کہ خدا کے یہاں اصل قیمت قربانی کرنے والے کے اندرونی جذبے اور "اسلام و اخبات" کی اس قلبی کیفیت کی ہے جو اس عمل کی روح اور اس کا مقصود ہے۔

---

اس مجموعۂ آیات کے متعلق یہ چند امور خاص طور سے قابل توجہ ہیں ——

۱۔ حج کے لیے آنے والوں کا مقصد بیت اللہ کی برکات و منافع کا حصول اور مخصوص طریقے سے ذکر الٰہی کا اہتمام بتایا گیا ہے —— ان برکات و منافع سے کیا مراد ہے؟ اسکی تعیین کے لیے قرآن و حدیث ہی کی طرف رجوع کیا جائے تو ہمیں نظر آئے گا کہ

ا۔ قرآن مجید میں بیت اللہ کا امتیازی وصف اس کا مرکز ہدایت و برکت ہونا بتایا گیا ہے۔ (مبارکا وھدی للعالمین) چنانچہ اسکی سب سے بڑی منفعت یہی ہدایت ہے۔

ب۔ قرآن مجید ہی میں اس کی ایک اہم برکت اس کا بدامنی اور اقتصادی بدحالی سے محفوظ ہونا بھی بتایا گیا ہے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعاؤں کا ثمرہ ہے۔ آنے والے اس پہلو سے بھی وہاں کی برکات سے بہرہ مند ہوں گے۔

ج۔ بیت اللہ کی ایک عظیم خصوصیت اسکی مرکزیت ہے۔ حج کے موقع پر لاکھوں فرزندان توحید اطراف عالم سے یہاں جمع ہوتے ہیں۔ ان کی شکلیں مختلف، رنگ مختلف، زبانیں مختلف تمدن مختلف، مگر یہاں پہنچکر سب کا لباس ایک ہو جاتا ہے سب کی زبانوں پر ایک ہی نعرہ ہوتا ہے سب ایک مرکز کے گرد گھومتے ہیں، اور ایک ہی تمدن ملت ابراہیمی کے گن گاتے ہیں۔ یہی وحدت کا رنگ ہے جو تمام مادی امتیازات کو مٹا دیتا ہے اور سب کو باہمی اتحاد و تعاون کے رشتہ میں مربوط کر دیتا ہے۔ اور یقیناً یہ حج کے عظیم منافع میں سے ہے۔

د۔ بیت اللہ کی اسی مرکزیت کا اثر ہے کہ حج کا موسم پوری دنیا میں دعوت دین کی رفتار اور مختلف مسائل و مشکلات اور تقاضوں کے بارے میں باہم مشوروں کا بہترین موقع ہوتا ہے۔ اور جب تک دعوت کا کام ایک مرکزی خلافت کی زیرنگرانی ہوتا رہا، اس وقت اسپین سے سندھ تک کے ذمہ داران دعوت حج کے موقع پر جمع ہوتے اور خلیفہ کے سامنے اپنے مسائل رکھتے

اور طریق عمل طے کرتے تھے۔ اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ حرمین شریفین میں شعائر اللہ کے زیر سایہ یہ مشورے امت کے لیے کیسے خیر و برکت کا باعث ہوتے ہوں گے۔ بلاشبہ یہ بھی حج کے عظیم منافع میں سے ہے۔

۲۔ ان آیات میں یہ بات بڑی وضاحت کے ساتھ سامنے آئی کہ حج کا ایک بڑا مقصد ان محترم مقامات کا ادب و احترام دلوں میں راسخ کرنا ہے جو ربانی نشان اور پیغمبرانہ شان کے جلوہ گاہ ہیں۔

---

یہ ہے وہ حج جس کا ذکر ہم قرآن مجید میں پاتے ہیں۔ اب آئیے دیکھیں لسان نبوت علی صاحبہ الصلوٰۃ والسلام نے حج کی کیا تشریح فرمائی ہے۔

۱۔ ایک حدیث میں آپ کا یہ ارشاد نقل کیا گیا ہے کہ "انما جعل رمی الجمار والسعی بین الصفا والمروۃ لاقامۃ ذکر اللہ" کنکری مارنے، صفا اور مروہ کے درمیان دوڑنے اور خانۂ کعبہ کے طواف کا مقصد خدا کی یاد قائم کرنے کے سوا اور کچھ نہیں ہے،

(ترمذی، نسائی، دارمی، مستدرک حاکم)

۲۔ آپ نے ارشاد فرمایا: "خانۂ کعبہ کا طواف بھی گویا نماز ہے۔ صرف فرق یہ ہے کہ تم اس میں بول سکتے ہو۔ مگر نیک بات کے سوا کچھ اور نہ بولو۔

(ترمذی، نسائی، دارمی، مستدرک حاکم)

۳۔ ایک حدیث میں ملت ابراہیمی سے تجدید تعلق کو حج کا اہم مقصد بتاتے ہوئے ارشاد ہوا ہے "مقامات حج پر (اسی نیت سے) ٹھہرو کہ تم اپنے باپ ابراہیم علیہ السلام کی میراث کے وارث ہو!"　　(ترمذی، ابوداؤد)

۴۔ ایک صحابی کے اس سوال کے جواب میں کہ "حاجی کی پہچان کیا ہے؟" آپ نے حج کی عاشقانہ اداؤں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا "الشعث التفل" (غبار آلود اور پراگندہ حال میلا کچیلا) اسی طرح ایک صحابی نے جب یہ پوچھا کہ کون سا عمل حج کو بہتر بناتا ہے تو آپ نے فرمایا "باواز بلند تلبیہ پڑھنا اور قربانی کرنا" "العج والثج" (ابن ماجہ)

ان قرآنی بیانات اور ارشادات نبویہ کے علاوہ حدیث و سیرت اور تاریخ کی کتابوں میں مذکور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم، خلفائے راشدین اور امت کے ائمہ و مصلحین کے، حج کے تفصیلی واقعات اور اسرار و شریعت کے ماہر اہل علم کی تحریریں بھی سامنے رکھی جائیں تو یہ حقیقت کھل کر سامنے آتی ہے کہ حج کی حقیقت اللہ کی رحمتوں اور برکتوں کے مورد خاص میں حاضری توبہ و انابت اور گذشتہ ضائع اور کھوئی ہوئی عمر کی تلافی کے لیے عہد، عظیم الشان ابراہیمی و اسماعیلی قربانی کی روح کو زندہ کرنا اور اپنی استعداد کے بقدر ابراہیمی جذبات اور کیفیات سے حصہ لینا اور اپنے کو ان کے رنگ میں رنگنا ہے۔ جس کو ہم کامل توحید، کامل محبت اور کامل اطاعت کے مختصر الفاظ سے تعبیر کر سکتے ہیں ـــــ اسی لیے سفر حج میں اللہ و رسول نے سب سے زیادہ جس عمل کے اہتمام کی تاکید ہے وہ ذکر الٰہی، تہلیل، تحمید، تسبیح، توبہ، استغفار اور دعا ہے۔ اور اسی لیے مقامات حج اور شعائر خداوندی کے ادب و تعظیم پر زور دیا گیا ہے۔ اور ہر اس عمل سے سختی سے روکا گیا ہے جو حج کی روح کے منافی اور ان مقامات کے ادب کے خلاف ہوں۔

---

خدارا غور فرمائیے، ایسے روحانی اور پاکیزہ شعار سے، اور اس قدر مقدس اور صاف ستھرے فریضہ سے خمینی صاحب کے اس حج کو کوئی بھی مناسبت ہے جس میں خداوند عالم کے تخت جلال کے روبرو نعرے بازیاں ہیں، ہنگامہ آرائیاں ہیں، خمینی صاحب کی تصویروں کی تقدیس ہے، شور و شغب ہے اور باہم لڑائی جھگڑے کی آگ کو بھڑکانے والی نجانے کتنی باتیں ہیں ؟؟؟ ؏

کوئی نسبت بھی ان آنکھوں سے ہے پیمانہ کو!

---

ہم نے شروع میں عرض کیا تھا کہ متعدد قرائن کی بنا پر بہت سے لوگوں کو اس سال حج کے موقع پر ایرانیوں کی طرف سے شورش برپا ہونے کا اندیشہ ہے ـــــ اپنے تمام ناظرین کرام سے یہ گذارش ہے کہ پوری امت کے لیے اور خصوصاً حجاج کرام اور زائرین حرم کے لیے امن و عافیت کی دعاؤں کا اہتمام فرمائیں۔ اور اس کے لیے بھی

دعا کریں کہ "اہلِ حرم" کو بھی اپنے مقام و منصب کا کچھ احساس ہو، اور جو نشہ ادیت اور مغربیت کا ان کے اعصاب پر سوار ہے وہ ٹوٹے، ورنہ عجب نہیں کہ ان کے ٹھاٹھ باٹھ کے دن اب رخصت ہو جائیں، اور امن و آسودگی کی جو نعمت اللہ تعالے نے انھیں اپنے مقدس گھر ہی کی برکت سے دے رکھی ہے، اس کی تولیت کا حق ادا نہ کرنے کی پاداش میں وہ ان سے چھین لی جائے۔ " فلیعبدوا ربَّ ھٰذا البیت الذی اطعمھم من جوع و آمنھم من خوف "

---

نوٹ: ارضِ حرم اور موسمِ حج کے بارے میں قرآن و حدیث کے احکام و ہدایات کا جائزہ انشاء اللہ آئندہ ماہ پیش کیا جائے گا۔ اس شمارے میں اس سے زیادہ کی گنجائش نہیں۔

---

# دو ضروری باتیں:۔

(۱) ہمارے ملک میں جو اندھیر نگری چوپٹ راج ہے اس کا اثر دوسرے شعبوں کی طرح ڈاکخانہ پر بھی ہے۔ بلکہ شاید سب سے زیادہ ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہے کہ ہر ماہ سو سے زیادہ خریداروں کو الفرقان نہیں پہونچ پاتا۔ ہمارا معمول تھا کہ رسالہ نہ ملنے کی اطلاع پر ہم دوبارہ ارسال کر دیا کرتے تھے۔ لیکن اب شکایتوں کی روز بڑھتی ہوئی تعداد کے پیش نظر سب کی فرمائش کی تعمیل نہیں کی جاسکتی۔ جب تک رسالہ ہمارے پاس ہوگا تب ہی تک تعمیل ہو سکے گی۔ ناظرین سے گذارش ہے کہ وہ اپنے ڈاکخانہ کے ذمہ داروں سے رجوع کریں۔

(۲) وی پی کے بڑھتے ہوئے محصول کی وجہ سے یہ طے کیا گیا ہے کہ صرف ان خریداروں کی خدمت میں رسالہ وی پی سے بھیجا جائے گا جو ہمیں اس کی وصولیابی کا یقین دلا دیں گے اگرچہ ہمارا مشورہ یہی ہے کہ بلا وجہ ڈاکخانہ کی نذر ۲ روپے کرنے سے بہتر یہی ہے کہ ختم مدت کی اطلاع پاتے ہی ہمارے ناظرین بذریعہ منی آرڈر زرسالانہ ارسال فرما دیں۔

(ناظم ادارہ)

## حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ کی وفات پر

# ایک بصیرت افروز مکتوب تعزیت

[امام ربانی حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی قدس سرہ کی یادگار اور ان کے حفید (پوتے) ہمارے محترم مولانا حکیم عبدالرشید محمود دامت فیوضہم کا ایک "مکتوب گرامی" "الفرقان" کے "شیخ الحدیث" نمبر میں شائع ہوا تھا اس کے ساتھ ممدوح کا مختصر تعارف بھی کرایا گیا تھا۔ اور اہل علم و معرفت کے لیے تو ان کے تعارف کا ذریعہ خود وہ مکتوب ہی تھا ۔۔۔ اب حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب علیہ الرحمہ کے حادثۂ وفات پر حکیم صاحب نے جو تعزیت نامہ حضرت قاری صاحب کے صاحبزادگان عزیز القدر کو لکھا تھا، ازراہ عنایت اس کی نقل الفرقان میں اشاعت کے لیے اس عاجز کو روانہ فرمائی ہے۔ ۔۔۔ واقعہ یہ ہے کہ اس تعزیت نامہ میں صرف اس کے خاص مخاطبین ہی کے لیے نہیں بلکہ دارالعلوم، جماعت دارالعلوم اور اکابر دارالعلوم سے تعلق رکھنے والے ہم سب لوگوں کے لیے نصیحت و بصیرت کا پورا سامان ہے ۔۔۔ "اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَذِکْریٰ لِمَنْ کَانَ لَہٗ قَلْبٌ اَوْ اَلْقَی السَّمْعَ وَھُوَ شَھِیْدٌ ہ ۔۔۔ محمد منظور نعمانی]

### گرامی قدر اکرام البررہ مولانا سالم اسلم اعظم سلمہم اللہ!

ازکی التحیات۔ مولانا طیبؒ رہ گذار آخرت ہو گئے۔ ہونا ہی تھا۔ نہ کوئی انوکھی بات ہے نہ غیر متوقع حادثہ وماجعلنا لبشر من قبلک الخلد۔ مگر دلوں کی دنیا اور یادوں کی بستی سے اُن کا نقشِ جمیل مٹ جانا ممکن نہیں۔ وہ باقیات صالحات سے بھی تھے اور "جعلھا کلمۃً باقیۃ فی عقبہ" اُن کی زندگی اور زبان بھی تھی۔ اُن کی شیریں زبانی، شگفتہ بیانی، صورت نورانی، ہوشمندی فکر، ارجمندی ذہن اور دردمندی دل کی

کو کون بھلا سکتا ہے۔ دوائر علمیہ میں ان کی جامعیت، علوم و افکار کا تنوع و تبحر ادبی ذوق، خوبیٔ تعبیر، حسین و بدیع ترجمانی۔ مجامع میں خطاب گویا فلکِ اعلےٰ سے "اذا تکلم یخیل الینا انہ یوحیٰ" کا سا کیف، حکمت ربانیہ، دلی اللّٰہی بھی ابن جوزی کی سی سحر انگیزی بھی، یہ کس صاحب ذوق و جوہر شناس کو رہ رہ کر یاد نہ آئے گی۔

اب وہ کوہ کن کی بات گئی کوہ کن کے ساتھ

عجزت النساء ان یلدن مثل طیبتہ کس کس نادرہ اور خلیقہ پر تعجب کریں۔ زبان ایسی کہ سب سمجھیں، بیان ایسا کہ دل مانے، عقل کی پاسبانی بھی، لیکن کہیں کہیں "اسے تنہا بھی چھوڑ دے" کے سے اذکار و افکار بھی ـــــ دلائل عقلی بھی، نقلی بھی، جدلی عدلی بھی، انفسی آفاقی بھی اور حقائق و معرفت آگیں بھی۔ میں نے مجلس سے اُٹھتے ہوئے اکثر لوگوں کو کہتے ہوئے سنا کہ عالم کیا ہے ایک دریا ہے۔ عجیب نابغیت۔

آخر وہ وقت آگیا "عشیۃ قیل طیب لیس فینا" انھی کا یہ شعر ہے ؎

خوگرِ عیش و طرب اب آہ اپنا دل نہیں
دور ہوائے شادمانی تو سرے قابل نہیں

یہ بھی انھی کا فرمودہ ہے:-

جلوہ گر نورِ بقا میں صورتِ سیماب ہے
اے تماشا گاہِ عالم بس تجھے آداب ہے

بے شمار محاسن و مکارم اور مناقب و محامد کے ساتھ اُن کی طبع متین، حلم و رفق سے معمور سیرت، معاملات و معاشرت میں ستھرا بے عیب موزون و متوازن کیرکٹر، جدال و مراء سے متنفر، غیر متصادم مزاج (بھائی میں لڑنا نہیں جانتا، لڑنا میری افتاد نہیں)۔ اہم امور و حوادث میں ان کی ایسی رواداری کہ بعض اشخاص کو مداہنت و تہاون کا شبہ ہو جائے۔ مگر سچ پوچھیے تو وہ مسالحت تھی نہ مداہنت۔ یہ الطاف خداوندی اس جبرامتہ پر مثالی تھے۔ اب کون ہے جو اس کا دعویٰ کر سکے۔ ہاں مگر "لبشری اتسام" کا انفکاک کبھی ممکن نہیں۔ شکن کبھی اس سے مامون نہیں ہو سکتا۔

اخیر کے چند سال حبس ضیق، غیر حق میں مشغولی، خلجان اور ذہنی انتشار کے گذرے بجز اس کے کیا کہا جائے کہ "کان امر اللہ قدرا مقدورا" اللہ تعالیٰ اُن کو کفارۂ سئیات بنا دے۔ یہ ابتلاء عام ہے عوام اور علماء حسب حالات سب ہی ان میں مبتلا ہیں۔ بقول مولانا سید سلیمان ندویؒ مسلمانوں سے اجتماعی کام کی صلاحیت اٹھتی جارہی ہے، ارتفاقی مزاج برہم ہورہا ہے، کون تجزیہ کر سکتا ہے۔ الانبیاء اشد بلاءً ثم الامثل فالامثل۔ مگر اس شخصیت کے خدو خال و جمال مجبوبی میں اُن کا محسوس ہونا ناگزیر تھا پھر ہوا جو کچھ ہوا، اور کہا گیا جو نہ کہنا تھا۔ حق بھی ناحق بھی۔ حدود کے اندر بھی متجاوز بھی اخلاص سے حق کہا گیا تو کہنے والا ماجور، ناحق اور حدود سے متجاوز کہا گیا تو اس کی شکایت ہی کیا ؎

ما نجیٰ اللہ والرسولُ معًا
من لسان الوریٰ فکیف انا

اب تعزیۃً آپ متعلقین پسماندگان سے وہی کہتا ہوں جو ایک بدوی نے حضرت عبداللہ ابن عباسؓ سے حضرت عباسؓ کی وفات پر کہا تھا ؎

خیرٌ من العباس اجرک بعدہٗ
واللہ خیرٌ منک للعباسِ

(آپ کو عباس سے بہتر اُن کی وفات کا اجر مل گیا، اور عباس کو آپ سے بہتر اللہ اور لقاء رب میسر ہو گیا)، زیادہ موجب تاسف و تالم یہ مضمون ہے "اذا مات العالِم ثلمت ثلمۃٌ فی الاسلام لایسدھا الا عالمٌ" ورنہ ویسے تو

نزلنا ساعۃً ثم ارتحلنا
کذا الدنیا رحالٌ فارتحلنا

قانون ہے ہی۔ اب عالم آخر کہاں، کب؟ اللہ جانے! البتہ اس دعا کی ضرورت ہے ؎

قرب الرحال الی دیار الآخرہ
فاجعل الٰھی خیر عمری آخرہ

آخیر میں ایک بات اور کہنے کو دل چاہتا ہے آپ حضرات اگر محسوس نہ کریں اور حق دیں۔ بہر کیف مجھے نصیحت کی عزت حاصل ہے اس لیے کہ میں آپ سن ہوں سن و سال کا تفاوت بالکل غیر معتبر ہی نہیں کہ اس حدیث کو سامنے رکھیں انا آمنۃ لاصحابی فاذا ذہبت أتی أصحابی ما یوعدون و اصحابی آمنۃ لأمتی فاذا ذہبت أصحابی أتی أمتی ما یوعدون۔ بڑوں کا اٹھنا حرمان تو ہے۔ پیش آنے والے خطرات کا احساس بھی ہے۔ ابتک جانے کتنے فتنے رکے ہوئے ہوں گے۔ انابت و استعاذہ کی ضرورت ہے۔

یہ خط ختم کر چکا تھا کہ لکھنؤ کے کچھ حضرات اور ایک قاری اسلم نامی تشریف لے آئے۔ دفعۃً نصف صدی سے کچھ زیادہ قبل کا واقعہ ذہنی اسکرین پر ابھرا۔ میرے حضرت والد صاحبؒ علیل ہو کر شفایاب ہوئے تھے دیوبند سے ایک بڑا مجمع حضرت مولانا حافظ احمد صاحبؒ، حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحبؒ، مولانا اعزاز علی علامہ ابراہیمؒ، حضرت میاں صاحبؒ وغیرہ مزاج پرسی کو تشریف لائے۔ مولانا طیب صاحب نوجوان قریباً پچیس سال کے بھی ساتھ تھے۔ بعد مغرب کا وقت تھا۔ حضرت والد صاحب نے فرمایا طیب! ایک رکوع سناؤ یاد ہے ولقد خلقنا الانسان و نعلم ما توسوس بہ نفسہ الخ سنایا۔ سماں بندھ گیا۔ آنکھیں پرنم ہو گئیں۔ میرے کانوں نے یہ خوش لحنی عمر میں پہلی مرتبہ سنی تھی ساز کبھی سونہ تھی، لگداز بھی نغمہائے دل کش سحاب اندر سحاب تھی ——— یہ پہلا نقش تھا۔ جو آج بھی تازہ ہے اس کے بعد دیوبند ہو تو بار بار سنی۔ جہری نمازوں میں بھی اکثر جب وہ ہوتے امامت وہی کرتے۔ ویسے بھی وقتاً فوقتاً ——— پھر یہ کیفیت ہو گئی کہ جس کا لحن بھی لحن طیبی سے کچھ مشابہ ہوتا میں تاڑ لیتا۔ اب برسوں سے اس کی نوبت نہیں آتی تھی کہ کچھ سنتا۔ مولانا کھولت سے گذر کر شیخوخت کی منزل میں آ گئے تھے نحیف و اور گلے کے گھنگھرو اپنا زیر و بم ختم کر چکے تھے۔

---

لہ امام ربانی حضرت گنگوہی قدس سرہٗ کے صاحبزادے حضرت حکیم مسعود احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ (الفرقان)

پرسوں یہ لکھنوی حضرات اور قاری اسلم ندوی آئے میں نے اُن سے کچھ سنانے کی فرمائش کی۔ برائے نام کچھ تشابہ تھا۔ یا ذہن نے محسوس کیا، قریب تھا کہ دل اور آنکھیں بے قابو ہو جائیں۔ بند ضبط ٹوٹ جائے قرأتِ طیب یاد آگئی۔ اوپر سے یہ حادثہ سن ہی چکا تھا "عشیۃ قیل طیب لیس فینا" آج وہ نہیں ہیں وہ عصر ختم ہو گیا، دیوبند کا زمانہ، اپنا قیام، اکابر کا مجمع، مولانا طیب کا حسین سراپا، ان کی لحنیت، طیب سب کی آنکھ کا تارہ تھے ان کی نسبت حضرت مہتمم سلالۂ قاسم الخیرات کے بیٹے ہونا ذاتی جمال و کمال مکارم خوش کلامی، خوش خطابی، خوش تعبیری مضامین خوش نوائی لحن، لباس و تلبس تک میں گونہ تزئین، جمالی امتزاج و رنگ علمی مذاکرہ میں نوالی انداز، جمال بھی، کمال بھی، نوال بھی، مگر جلال نہیں (بہ مفہوم عرفی)، ورنہ زندگی کے سب پہلو جلالت کے شاہد عدل، اور فخامت کے غماز، جو بعد میں ایسے نمایاں ہوئے کہ فخر اماثل کیے گئے۔ یہ ہرگز نہ اطراء مادح تھا نہ مبالغہ۔ اللہ ان کی قبر کو اپنے انوار سے معمور فرمائے۔ میں کہہ سکتا ہوں کہ اُن کے بہت سے بظاہر مداح و معتقدین سے زیادہ مجھے اُن کے اوصافِ ذکیہ پر اطلاع ہے، مجھے بہت سے زمان و مقام و ظروف اور اوقات و احوال میں اُن سے اور اُن کا قرب رہا ہے سفر میں حضر میں حج میں۔

ہاں مگر میں اُن کی کمزوریوں کو بھی جانتا ہوں اُن کے قامتِ بلند کے پیش نظر سئیات المقربین۔ مگر بڑے سے بڑا آدمی سینہ پر ہاتھ رکھ کر بتلائے کہ وہ اس سے بری اور خالی ہے؟ یہ تو ناگزیر ہیں "اللّٰھُمَّ استر عیوبنا و امح ذنوبنا" دعا بتلائی گئی۔ عیوب وہی کمزوریاں جو زائل نہیں ہو سکتیں مغلوب و مستور ہو سکتی ہیں، اسی لیے اُن کے صرف ستر اور ذنوب کے محو کی دعا ارشاد ہوئی۔ ایک ہفتہ ہونے کو آیا اُن کا نقشِ جمیل ذہن پر کس کس نوع و جہت سے اُبھر کر نہیں آیا، اُن کی جوانی بڑھاپا کہولت اُن کے اقوال و افکار، رفتار، مجالس، وہ اپنی ذات سے ایک انجمن تھے اب اللہ ان کو احبا برامتہ کی انجمن میں جگہ دے اور یہ ان کی صحبت کبھی

نہتی ہو۔ دل یہی چاہتا ہے کہ بس یہی ذکر کرتا رہوں۔ کوئی ذکر کرتا ہے تو میں گویا اسکے منھ سے نوالہ چھین لیتا ہوں، اور خود بات کرنے لگتا ہوں، بار بار خیال ہوتا ہے کس حال میں ہوں گے ——— "نہ قاصدے نہ سفیرے نہ مرغ نامہ برے" ——— کن کن احباب و آباء صالحین سے ملاقات ہو رہی ہو گی۔ کوئی بے قاعدگی ہوئی بھی ہو گی تو وہ "یَعْفُوْ عَنْ کَثِیْرٍ" ہے اور اُس کا "کَثِیْر" تو "کُلّ" ہی ہے۔ رب محو کردے گا۔ کتنی شہادات انام ان کے لیے ہوں گی، جنازہ پر آنے والے بھی شہداء ہی ہیں۔ کتنوں نے عقیدت سے زندگی میں مصافحہ کیا ہوگا انتم شہداء اللہ فی الارض کتنوں نے اُن کے محققانہ مدبرانہ خطاب سے شہادت حق سنی ہو گی اور خود اُن کے لیے شہادت دی ہو گی۔ خطہ ارض میں کونسا مقام ہے جہاں انھوں نے اللہ رسول کی بات نہ کہی ہو گی، ایشیا، یورپ، مغرب اقصیٰ مشرق وسطیٰ سب اُن کے اعمال نامہ میں مکتوب و محفوظ ہیں فالله آوٰہ مقام المتقین و بوأہ فی مقعد صدق عند ملیک مقتدر۔ اللہ آپ سب کو صبر و اجر دے۔ حادثہ کی اہمیت ناقابل انکار، ایسی شخصیت کا فقدان ناقابل تلافی لولا ان القلوب توقن باجتماع ثانٍ لا نفطرت المرائر بفراق المحبوبین موجب تسلیہ ہے انا للہ و انا الیہ راجعون　　　والسلام

## معذرت اور خوشخبری

معذرت اس بات کی کہ اس شمارے میں مولانا غازی احمد (سابق کرشن لعل) کی ایمان افروز آپ بیتی کی تلخیص کی تیسری قسط شامل نہیں ہے۔ انشاء اللہ آئندہ شمارے میں پیش کی جائے گی۔

خوشخبری یہ کہ انشاء اللہ یہ مکمل آپ بیتی، مصنف کے گرانقدر اضافوں اور نظر ثانی کے ساتھ، کتابی شکل میں (ہندوستان میں پہلی بار) عنقریب شائع ہو گی، اس سلسلہ میں اگلی اطلاع کا انتظار کیا جائے۔

ناظم ادارہ

حضرت مولانا محمد منظور نعمانی

# خطاب عید الفطر

## توبہ و انابت اور رجوع الی اللہ کی دعوت

[حسب معمول حضرت والد ماجد دامت برکاتہم کی وہ تقریر ہدیۂ ناظرین ہے جو اس سال نماز عید الفطر کے موقع پر دارالعلوم ندوۃ العلماء کی مسجد میں کی گئی تھی؛ تقریر ٹیپ ریکارڈ کی مدد سے دارالعلوم کے شعبۂ اختصاص فی التفسیر کے طالب علم مولوی اکبر شریف نے قلمبند کی تھی، اور حضرت مولانا کی نظر ثانی کے بعد اب افادۂ عام کی غرض سے پیش خدمت ہے۔ مدیر]

حمد و صلوٰۃ اور اعوذ و بسم اللہ کے بعد

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا تُوبُوا إِلَى اللَّهِ تَوْبَةً نَصُوحًا عَسَىٰ رَبُّكُمْ أَنْ يُكَفِّرَ عَنْكُمْ سَيِّئَاتِكُمْ وَيُدْخِلَكُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ يَوْمَ لَا يُخْزِي اللَّهُ النَّبِيَّ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ ۖ نُورُهُمْ يَسْعَىٰ بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَبِأَيْمَانِهِمْ يَقُولُونَ رَبَّنَا أَتْمِمْ لَنَا نُورَنَا وَاغْفِرْ لَنَا ۖ إِنَّكَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ

میرے عزیز بھائیو، دوستو اور بزرگو! اللہ تعالیٰ نے قریباً ایک سال کے بعد آج پھر ہمیں اور آپ کو اپنے اس گھر میں جمع فرمایا ہے اور مجھے موقع عطا فرمایا ہے کہ آپ حضرات کو اور آپ سے پہلے خود اپنے نفس کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی کچھ ہدایتیں سناؤں اور یاد دلاؤں ۔ مجھے بھی اللہ تعالیٰ عمل

کی توفیق دے اور آپ حضرات کو بھی۔

میرے عزیز بھائیو! ہم آپ نے دلوں سے مانا اور زبانوں سے اقرار کیا ہے کہ ہم سب اللہ کے بندے ہیں، وہ وحدہٗ لاشریک ہمارا خالق و مالک اور معبود ہے اور سیدنا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے نبی برحق ہیں اور قرآن پاک اس کا نازل فرمایا ہوا ہدایت نامہ اور فرمان ہے ——— ہم میں سے کسی کو اس میں شک شبہ نہیں ہے کہ قرآن پاک میں جو کچھ فرمایا گیا ہے اور رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ ارشاد فرمایا ہے وہ سب حق ہے اور اُن سب چیزوں سے زیادہ یقینی ہے جنکو ہم آنکھوں سے دیکھتے ہیں ——— ہماری اسی دنیا میں ایسی بہت سی چیزیں ہیں جن کو ہم نے خود اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھا، بس لوگوں سے اُن کا ذکر سنا ہے یا کتابوں، اخباروں میں پڑھا ہے اُن کا ہمیں ایسا ہی یقین ہے جیسا اپنی آنکھوں دیکھی چیزوں کا ہوتا ہے۔ مثلاً میں نے امریکہ اور اس کا شہر نیویارک نہیں دیکھا، لندن اور پیرس بھی نہیں دیکھا، ماسکو بھی نہیں دیکھا، بس لوگوں سے سنا ہے اور کتابوں، اخباروں میں پڑھا ہے اسی سے اِن شہروں کے دنیا میں ہونے کا ایسا یقین ہو گیا ہے کہ کبھی ان کے بارے میں شک شبہ بھی نہیں ہوتا،

میرے عزیز بھائیو! اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اور آپ سے پہلے انبیاء علیہم السلام نے بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے کچھ ایسی چیزوں کی ہمیں خبر دی ہے جن کو ہم نے آنکھوں سے نہیں دیکھا بلکہ اِس دنیا اور اِس زندگی میں ہم اُن کو دیکھ بھی نہیں سکتے۔ لیکن وہ سب چیزیں بلاشبہ برحق ہیں، ہماری آنکھوں دیکھی چیزوں سے زیادہ یقینی ہیں۔ انہی میں سے یہ بھی ہے کہ مرنے کے بعد آدمی ختم نہیں ہو جاتا بلکہ اس کا عالم بدل جاتا ہے ——— یہاں یہ بات اچھی طرح سمجھ لینی چاہیے کہ اصل انسان اس کا جسم نہیں ہے بلکہ وہ روح ہے جو نظر بھی نہیں آتی ——— میں اس وقت آپ کے سامنے بیٹھا ہوں، میری زبان بول رہی ہے، میری آنکھیں دیکھ رہی ہیں، میرے ہاتھ حرکت کر رہے ہیں، لیکن فی الحقیقت یہ سب روح کر رہی ہے جسم کے

ان حصوں سے اس کا ظہور ہو رہا ہے۔ ایک وقت آئے گا جب اللہ کے حکم سے مجھ پر موت وارد ہوگی، میری روح جسم سے نکل جائے گی، جسم بظاہر بالکل صحیح سالم ہوگا، منھ میں زبان ہوگی لیکن بول نہ سکے گی، آنکھیں ہوں گی لیکن دیکھ نہ سکیں گی، ہاتھ پاؤں ہوں گے لیکن کوئی حرکت نہ ہوگی، تو وہ میں نہیں ہوں گا، وہ میری لاش ہوگی۔ میں تو یعنی میری روح دوسرے عالم میں پہنچ چکی ہوگی ——— تو جیسا کہ میں عرض کر رہا تھا اللہ کے سب نبیوں رسولوں نے اور سب سے زیادہ وضاحت اور تفصیل کے ساتھ اس کے آخری نبی سیدنا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے بتلایا ہے کہ مرنے کے بعد انسان ختم نہیں ہو جاتا اور روح جو اصلی انسان ہے باقی رہتی ہے، اس کا عالم بدل جاتا ہے اور اس کو دوسرے عالم کا جسم عطا ہوتا ہے جس کو ہم اپنی ان آنکھوں سے دیکھ نہیں سکتے اور اعمال کے مطابق جزا اور سزا کا سلسلہ اسی دوسرے عالم والے جسم پر شروع ہو جاتا ہے۔ خواہ آدمی قبر میں دفن کیا جائے، یا دریا میں ڈوب کر دریائی جانوروں کی غذا بنا ہو، یا جلا کر راکھ کر دیا گیا ہو۔ یہ سب کچھ اس دنیا والے خاکی جسم کے ساتھ ہوتا ہے۔ روح جو اصل انسان ہے دوسرے عالم میں پہنچ جاتی ہے اور وہاں اس کو دوسرا جسم عطا ہوتا ہے اور ثواب و عذاب کا تعلق اسی روح سے اور اس دوسرے جسم سے ہوتا ہے، اور اس کا سلسلہ ہر شخص کے مرنے کے بعد ہی سے شروع ہو جاتا ہے ——— رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے "اِنَّمَا الْقَبْرُ رَوْضَةٌ مِنْ رِيَاضِ الْجَنَّةِ اَوْ حُفْرَةٌ مِنْ حُفَرِ النَّارِ" (یعنی قبر یا تو جنت کا ایک باغیچہ ہے یا دوزخ کا ایک گڑھا)۔ اس حدیث میں اور اس طرح کی ان دوسری حدیثوں میں بھی جن میں قبر کے عذاب یا ثواب کا ذکر فرمایا گیا ہے اُس سے مراد خاص قبر کا گڑھا اور قبروں میں دفن ہونے والے مردے ہی نہیں ہیں، بلکہ مرنے کے بعد کا عالم مراد ہے، مطلب یہ ہے کہ مرنے کے بعد آدمی اپنے ایمان اور اعمال کے حساب سے یا جنت کی بہاروں میں ہوگا یا دوزخ کے عذاب کی حالت میں ہوگا۔

اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بتلایا ہے اور اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں بار بار بڑی وضاحت اور تفصیل سے بیان فرمایا ہے کہ ایک وقت آئے گا جب یہ پوری دنیا اور ساری کائنات ایک دم فنا کردی جائے گی، یہ زمین و آسمان یہ پہاڑ سب فنا کر دیے جائیں گے ـــــ اسی کا نام قیامت ہے۔ پہلے زمانوں میں قیامت کو سمجھنا بہت سے کم عقلوں کے لیے مشکل تھا، اب ایک ایٹم بم یا ہائیڈروجن بم کے دھماکے سے شہر کے شہر اور علاقے کے علاقے نیست و نابود ہو جاتے ہیں۔ اس کو قیامت کا چھوٹا سا نمونہ سمجھنا چاہیے، ان کے سامنے آجانے کے بعد اب قیامت کو سمجھ لینا سب کے لیے آسان ہو گیا ہے ـــــ الحمد للہ ہمارا پہلے بھی ایمان تھا اور اب بھی ایمان ہے کہ قیامت آئے گی اور وہ سب کچھ ہوگا جس کا بیان قرآن پاک میں فرمایا گیا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس کی خبر دی ہے ـــــ پھر ایک وقت آئے گا کہ اللہ کے حکم سے وہ سب انسان جو ابتدائے دنیا سے لیکر قیامت تک پیدا کیے گئے تھے اور اپنے اپنے وقت پر مر چکے تھے وہ سب ایک دم زندہ کیے جائیں گے، میں بھی زندہ کیا جاؤں گا، آپ سب بھی زندہ کیے جائیں گے اور اللہ تعالیٰ کے دربار میں حاضری ہوگی، اللہ خود بھی علیم و خبیر ہے اس کے باوجود اس کے فرشتوں کا مرتب کیا ہوا ہماری زندگی کا پورا ریکارڈ (اعمالنامہ) ہمارے سامنے ہوگا ـــــ قرآن پاک میں فرمایا گیا ہے "وَوُضِعَ الْكِتٰبُ فَتَرَى الْمُجْرِمِيْنَ مُشْفِقِيْنَ مِمَّا فِيْهِ وَيَقُوْلُوْنَ يٰوَيْلَتَنَا مَالِ هٰذَا الْكِتٰبِ لَا يُغَادِرُ صَغِيْرَةً وَّلَا كَبِيْرَةً اِلَّآ اَحْصٰىهَا وَوَجَدُوْا مَا عَمِلُوْا حَاضِرًا ۚ وَلَا يَظْلِمُ رَبُّكَ اَحَدًا" ـــــ یہ گویا انسان کی پوری زندگی کی فلم ہوگی، میں نے، آپ نے اپنی زندگی میں جو کچھ کیا ہے، جو اچھے یا برے عمل کیے ہیں وہ اس میں نظر آئیں گے۔ اپنی اپنی زندگی کے اعمال کا خیال کر کے ہم آپ سوچیں کہ اس وقت ہمارا کیا حال ہوگا۔ میں نے اور آپ نے کتنے ہی گناہ اور برے عمل سب سے چھپا کے کیے ہوں گے لیکن وہ اس وقت اعمالنامہ میں سامنے ہوں گے، ہمیں انکار کی مجال نہ ہوگی۔ اس سے بھی

زیادہ لرزا دینے والی بات قرآن پاک میں یہ بیان فرمائی گئی ہے کہ اُس وقت اللہ تعالیٰ کے حکم سے خود ہمارے اعضاء ہمارے ہاتھ، پاؤں وغیرہ ہمارے اعمال کی گواہی دیں گے ——— فرمایا گیا ہے "اَلْیَوْمَ نَخْتِمُ عَلٰٓی اَفْوَاهِهِمْ وَ تُكَلِّمُنَآ اَیْدِیْهِمْ وَ تَشْهَدُ اَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوْا یَكْسِبُوْنَ ۝" یعنی ہمارے منہ پر مہر لگادی جائے گی، آج جو زبان بول رہی ہے اس کو بولنے کی اجازت نہ ہوگی، اللہ کے حکم سے ہمارے ہاتھ پاؤں وغیرہ اعضاء بولیں گے اور گواہی دیں گے کہ ہمیں ان اعمال میں استعمال کیا تھا۔ اور قرآن پاک ہی میں دوسری جگہ ارشاد فرمایا گیا ہے "شَهِدَ عَلَیْهِمْ سَمْعُهُمْ وَ اَبْصَارُهُمْ وَ جُلُوْدُهُمْ بِمَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ۝" مطلب یہ ہے کہ مجرمین نے خدا کو بھلا کر اور آخرت کے انجام سے بے فکر ہو کر جو بداعمالیاں اس دنیا میں کی ہوں گی قیامت کے دن اُن کی شہادت خود ان مجرمین کے کان، اور ان کی آنکھیں دیں گی اور اُنکے سارے جسم کی کھال بھی گواہی دیگی گویا ہر ہر عضو گواہی دیگا اب ہم اپنے اپنے اعمال کو یاد کر کے سوچیں کہ اس وقت ہمارا کیا حال ہوگا۔

پھر اسی طرح قرآن پاک نے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بتلایا ہے کہ میدان حشر میں ایمان اور اعمال کی اس جانچ اور حساب کتاب کے بعد بندوں کے اعمال اور حالات کے مطابق ان کے لیے دوزخ یا جنت کا فیصلہ کر دیا جائے گا اور وہ اپنے اپنے ٹھکانے پہنچا دیئے جائیں گے ——— پھر دوزخ میں جس طرح کا عذاب اور جو تکلیفیں ہونا ہیں — اور جنت میں جنتیوں کے لیے عیش و راحت اور لذت و مسرت کے جو سامان ہوں گے قرآن پاک اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ بھی تفصیل سے بیان فرمایا ہے، وہ ایسا ہے کہ اس دنیا میں اس کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا ——— ایک حدیث شریف کا مضمون ہے کہ دوزخ میں ہلکے درجہ کا عذاب یہ ہوگا کہ مجرم کے پاؤں کے تلوے کے نیچے دوزخ کی آگ کا انگارہ رکھ دیا جائے گا جس سے اس کے سر میں مغز اس طرح پکے گا جس طرح چولھے پر ہانڈی پکتی ہے ——— اللہ کی پناہ! اللہ کی پناہ!!

اور جنت کی نعمتوں، بہاروں اور لذتوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد نقل فرمایا ہے "اَعْدَدْتُ لِعِبَادِیَ الصَّالِحِیْنَ مَا لَا عَیْنٌ رَأَتْ وَلَا اُذُنٌ سَمِعَتْ وَلَا خَطَرَ عَلٰی قَلْبِ بَشَرٍ" —— "یعنی میں نے اپنے صالح اور نیک بندوں کے لیے جنت میں لذت و مسرت کے وہ سامان تیار کیے ہیں جن کو نہ کسی آنکھ نے دیکھا ہے، نہ کسی کان نے تفصیل سے ان کا حال سنا ہے جس سے اسکی حقیقت سمجھی جا سکے اور نہ کسی انسان کے دل میں اس کا خیال ہی آیا ہے" اسی لیے میں نے کہا کہ دوزخ کے عذاب اور جنت کی نعمتوں، بہاروں کا یہاں تصور بھی نہیں کیا جا سکتا اور سب سے بڑی نعمت جنت میں یہ ہو گی کہ اللہ تعالیٰ کی دوامی رضا کا پروانہ اور اُس کا خاص لطف و پیار اور ان شاء اللہ اس کا دیدار بھی نصیب ہو گا اور رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی قربت اور زیارت و ملاقات نصیب ہو گی، آپ کی خدمت میں براہ راست سلام عرض کرنا نصیب ہو گا، جس کا خواب دیکھنے کے لیے بھی ہم آپ ترستے ہیں۔

میرے عزیز بھائیو، دوستو اور بزرگو! مرنے کے بعد کی ان منزلوں کے بارے میں قبر اور برزخ کے بارے میں، قیامت، حشر نشر اور جنت، دوزخ کے بارے میں جو کچھ میں نے اس وقت بیان کیا، یہ سب اللہ کی کتاب پاک قرآن مجید اور اس کے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے بیانات ہیں ان پر ہمارا آپ کا ایمان ہے، کسی مومن کے لیے ان میں شک شبہ کی گنجائش نہیں ہے، مرنے کے بعد ہم سب ان مرحلوں سے گزریں گے اور یہ سب اپنی آنکھوں سے دیکھیں گے —— اس کے بعد میری اور آپ کی سب سے بڑی فکر یہ ہونی چاہیے کہ ہم کس طرح زندگی گزاریں کہ قبر کے عذاب اور میدان حشر کی رسوائیوں سے اور دوزخ کے انتہائی دردناک عذاب سے بچ سکیں اور جنت کی نعمتیں حاصل کر سکیں۔

میرے بھائیو! تمام انبیاء علیہم السلام اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہی بتانے کے لیے آئے تھے اور سب سے آخر میں سیدنا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تھے اور آپ کی لائی ہوئی کتاب قرآن پاک نے بڑی تفصیل اور وضاحت سے یہ بات امت کو پہنچائی ہے۔ اور وہ سب محفوظ ہے اور قیامت تک محفوظ رہے گی اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کا خاص انتظام ہے، مختصر لفظوں میں وہ بس یہ ہے کہ اگر زندگی میں اللہ و رسول کے حکموں پر چلا جائے، ان کی نافرمانی

ہے اور گناہوں سے بچا جائے اور اگر غفلت سے یا شیطان کے بہکانے یا خود اپنے شریر نفس کے تقاضے سے گناہ ہو جائے تو اللہ سے معافی مانگی جائے اور سچے دل سے توبہ کی جائے۔ اگر بندہ اس طریقہ پر چلتا رہے گا تو قرآن وحدیث نے بتلایا ہے کہ اس کی پوری امید ہے کہ اس کی مغفرت ہو جائے اور وہ قبر اور حشر اور دوزخ کے عذاب سے بالکل محفوظ رہ کر جنت میں پہنچا دیا جائے۔

میرے بھائیو! میں اپنے بارے میں جانتا ہوں کہ میں گناہوں سے ہرگز محفوظ نہیں ہوں، زندگی میں سیکڑوں ہزاروں گناہ ہوئے ہوں گے۔ آپ بھائیوں کا حال بھی کچھ ایسا ہی ہوگا۔ ہم میں کوئی بھی بے گناہ اور معصوم نہیں ہے، بس کچھ نمبروں اور درجوں کا فرق ہوگا۔ میں نے جو آیت شروع میں تلاوت کی تھی "يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا تُوبُوا إِلَى اللَّهِ تَوْبَةً نَصُوحًا ..... الخ اس آیت میں ہمارے آپ کے رحیم وکریم پروردگار نے ہم جیسے گنہگاروں ہی سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ اے ایمان والے بندو، اپنے گناہوں سے سچی توبہ کرلو۔ آگے ارشاد فرمایا ہے عَسَىٰ رَبُّكُمْ أَنْ يُكَفِّرَ عَنْكُمْ سَيِّئَاتِكُمْ وَيُدْخِلَكُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ" یعنی اگر تم سچی توبہ کرلو گے تو امید رکھو کہ تمہارا کریم پروردگار تم کو گناہوں سے پاک صاف کردے گا اور ان بہشتی باغات میں تم کو پہنچا دے گا جن کے نیچے اللہ کے دریائے رحمت کی نہریں جاری ہیں ــــ اور دوسری جگہ سورۂ زمر میں ہم جیسے گنہگاروں ہی کے لیے فرمایا گیا ہے "قُلْ يَا عِبَادِيَ الَّذِينَ أَسْرَفُوا عَلَىٰ أَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوا مِنْ رَحْمَةِ اللَّهِ ۚ إِنَّ اللَّهَ يَغْفِرُ الذُّنُوبَ جَمِيعًا ۚ إِنَّهُ هُوَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ" ــــ مطلب یہ ہے کہ ہمارے رسول آپ ہماری طرف سے اعلان فرمادیں کہ اے میرے وہ گنہگار بندو جنھوں نے گناہ اور نافرمانی کرکے اپنے نفسوں پر ظلم کیا ہے تم بھی اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہو، اس کی مغفرت ورحمت کا دروازہ تمہارے لیے بھی کھلا ہوا ہے، اس کی شان یہ ہے کہ وہ غفور ورحیم ہے، بہت بخشنے والا اور بڑا مہربان ہے، بندوں کے سارے ہی گناہ معاف فرما دیتا ہے۔ آگے اس کی رحمت ومغفرت حاصل کرنے کا طریقہ بتلایا گیا ہے۔ "وَأَنِيبُوا إِلَىٰ رَبِّكُمْ وَأَسْلِمُوا لَهُ" ــــ یعنی اب تم اپنے پروردگار کی طرف رخ کرلو اور اس کی فرمانبرداری والی زندگی اختیار کرلو ــــ

یہ دوسرے لفظوں میں توبہ ہی کی بات فرمائی گئی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ابتک تم اللہ کی طرف سے غافل تھے، شیطان کے بہکانے اور نفس کے تقاضے سے گناہ کیے جارہے تھے اور اس طرح اپنے کو تباہ و برباد کر رہے تھے۔ اب اپنی زندگی کا رُخ بدلنے کا فیصلہ کر لو، اللہ کی فرمانبرداری والی زندگی اختیار کر لو، اگر تم نے سچائی کے ساتھ یہ فیصلہ کر لیا تو تمھارے پچھلے سارے گناہ معاف کر دیے جائیں گے اور تم خدا کی رحمت اور جنت کے مستحق ہو جاؤ گے۔

یہ ہم گنہگار بندوں کے لیے ہمارے رحیم و کریم پروردگار کی ندا اور پکار ہے، وہ خود ہم کو مغفرت و رحمت اور جنت کی طرف بلا رہا ہے اور پکار رہا ہے۔ ہم بڑے بدقسمت ہوں گے اگر اس پر لبیک نہ کہیں ——— میرے بھائیو! میں بھی "لَبَّیْكَ یَا رَبِّیْ" کہوں اور آپ بھی کہیں اور اسی مبارک وقت میں، جبکہ ہم آپ پاک صاف ہو کر اللہ کے اس گھر میں حاضر ہیں، ہم نے رمضان مبارک کے روزے کل تک رکھے ہیں اور ابھی دو رکعت نماز عید کی ادا کی ہے، تو اس وقت اللہ کے حضور میں اپنے گناہوں سے توبہ کریں، اس سے معافی مانگیں، ایمان کی تجدید اور آئندہ کے لیے اطاعت و فرمانبرداری کا عہد کریں۔ اگر ہم نے ایسا کیا تو اللہ تعالیٰ کے وعدہ کی بنا پر ہمیں پوری امید رکھنی چاہیے کہ انشاء اللہ اسی وقت اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہماری مغفرت کا فیصلہ ہو جائے گا اور پھر یہ عید ہماری عید ہوگی ——— میں بھی اپنے دل کو پوری طرح اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ کر لوں آپ بھی متوجہ کریں اور ہم آپ سب اس کے حضور میں عرض کریں۔

سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ نَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ
نَسْتَغْفِرُكَ وَنَتُوْبُ اِلَيْكَ نَسْتَغْفِرُكَ وَنَتُوْبُ اِلَيْكَ۔

اے اللہ ہم دل و زبان سے گواہی دیتے ہیں کہ صرف تو ہی ہمارا خالق و پروردگار اور معبود برحق ہے ہم تیرے اور صرف تیرے بندے ہیں اور گواہی دیتے ہیں کہ سیدنا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تیرے نبی برحق اور آخری پیغمبر ہیں۔ ہم آپ پر ایمان لائے، ہم نے آپ کا دین قبول کیا اور آپ کی لائی ہوئی شریعت پر چلنے کا فیصلہ کیا ——— اے اللہ زندگی میں ابتک جو گناہ اور قصور ہم سے ہوئے ہم ان سب سے توبہ کرتے ہیں اور تجھ سے

مغفرت اور معافی مانگتے ہیں آئندہ کے لیے ارادہ اور عہد کرتے ہیں کہ ان گناہوں سے اور سب ہی گناہوں سے بچنے کی کوشش کریں گے اور تیری اور تیرے رسول پاک کی پوری فرمانبرداری کریں گے اور جب بھی ہم سے گناہ قصور ہوگا تو اس سے توبہ کریں گے اور معافی مانگیں گے، اے اللہ تو ہم کو اس کی توفیق عطا فرما اور اس میں ہماری پوری مدد فرما ـــــ اے اللہ! اے ارحم الراحمین!! تو ہمارے ساتھ وہ معاملہ نہ فرما جس کے ہم اپنی بداعمالیوں اور معصیتوں کی وجہ سے مستحق ہو گئے ہیں بلکہ وہ معاملہ فرما جو آپ کی شان رحیمی و کریمی کے لائق ہے ـــــ اللّٰھُمَّ اصنع بنا ما انت اھلہ ولا تصنع بنا ما نحن اھلہ، انت اھل المُغفِرۃ ---------- واھل الجود واھل الکرم واھل الاحسان، وصلی اللہ علیٰ نبیہ الکریم۔

میرے بھائیو! اگر ہم نے صدق دل سے یہ توبہ کی ہے اور یہ عہد اللہ تعالےٰ سے کیا ہے تو اللہ تعالےٰ کے ارشاد کے مطابق پوری امید ہے کہ اس کی طرف سے ہماری معافی اور مغفرت کا اور ہمارے لیے رحمت و جنت کا فیصلہ ہو گیا ہو گا ـــــ بس آخر میں آپ حضرات سے تین باتوں کے عہد کے لیے خصوصیت سے کہتا ہوں اوّل یہ کہ کسی قسم کا شرک ہرگز نہیں کریں گے۔ (یاد رہے کہ شرک صرف یہی نہیں ہے کہ بتوں کی یا چاند سورج یا گنگا جمنا کی پوجا کی جائے، یا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدائی میں شریک، یا خدا کا بیٹا مانا جائے۔ میرے سب بھائی صاف صاف سن لیں بزرگوں کے مزاروں پر جا کر اُن سے حاجتیں اور مرادیں مانگنا اور اس کے لیے چڑھاوے چڑھانا یہ سب بھی شرک ہے) ـــــ دوسرا عہد اس کا کریں کہ نماز ہمیشہ پابندی سے اور حتی الامکان جماعت سے ادا کریں گے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز ترک کرنے کو کفر کا عمل قرار دیا ہے۔ ایک وقت کی نماز بھی بلا عذر چھوڑ دینا زنا اور چوری اور ڈاکہ زنی سے بھی بڑا گناہ ہے ـــــ

تیسرا عہد یہ کریں کہ جن بھائیوں پر زکوٰۃ فرض ہے وہ زکوٰۃ ضرور ادا کریں گے ـــــ آپ حضرات میں سے بہت سوں کو معلوم ہو گا کہ عرب کے بعض نومسلم قبیلوں نے جنکی پوری تعلیم و تربیت نہیں ہوئی تھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد زکوٰۃ ادا

کرنے سے انکار کر دیا تھا تو صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اور تمام صحابہ نے اُن کے خلاف جہاد کرنے کا فیصلہ فرمایا تھا۔

میرے بھائیو! نماز اور زکوٰۃ کے علاوہ دین کے فرائض اور ارکان اور بھی ہیں۔ لیکن یہ دو سب سے اہم ہیں ــــ ان دونوں کی یہ بھی خصوصیت ہے کہ جو شخص ان کی پابندی کرے گا اس کو دین کے دوسرے احکام پر چلنا آسان ہو جائے گا اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کی توفیق ملے گی ــــ اور ہم تو آنکھوں سے دیکھ رہے ہے کہ جو بھائی نماز اور زکوٰۃ اہتمام سے ادا کرتے ہیں ان کو دین کے دوسرے احکام پر چلنے کی بھی توفیق مل رہی ہے۔

سب سے آخر میں دو باتیں اور عرض کرتا ہوں ــــ ایک یہ کہ دن رات میں کوئی وقت مقرر کر لیجیے جس میں آپ پوری یکسوئی کے ساتھ اپنی موت کو اور موت کے بعد کی منزلوں کو یاد کریں اور اپنے اعمال پر نظر ڈالیں اور صدق دل سے توبہ و استغفار کیا کریں ــــ یہ چھوٹا سا عمل کیمیا ہے ــــ دوسری آخری بات یہ ہے کہ اچھے دینداروں کی اور خدا سے ڈرنے والوں اور آخرت کی فکر رکھنے والوں کی صحبت تلاش کیجیے ــــ اس مقصد کے لیے جو دینی اجتماعات ہوتے ہیں اور خود دین حاصل کرنے کے لیے اور عام مسلمانوں میں دین کی اور آخرت کی فکر پیدا کرنے کے لیے جو جماعتیں چلتی پھرتی ہیں ان میں شرکت کیا کیجیے ــــ اللہ توفیق دے اور قبول فرمائے ــــ

واٰخر دعونا ان الحمد للہ رب العالمین وسلام علی المرسلین۔

(اس کے بعد طویل دعا پر خطاب ختم ہوا۔)

---

خلیل الرحمٰن سجاد ندوی

# اسراء و معراج چند اشارات و اسرار

## قرآن مجید کی روشنی میں

(قسط ۳)

[اس مضمون کی دوسری قسط میں جو جون و جولائی کے مشترکہ شمارے میں شائع ہوئی تھی، سفر معراج کے اس پہلو پر گفتگو کی گئی تھی جس کے اور سورۂ بنی اسرائیل کے مرکزی مضمون کے مابین خصوصی مناسبت کی وجہ سے سورۂ بنی اسرائیل کو واقعۂ اسراء کے تذکرہ سے شروع فرمایا گیا ـــــ اس تیسری قسط کا موضوع مقصدی حیثیت سے واقعہ اسراء و معراج کے دوسرے پہلو کی وضاحت ہے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالےٰ فہم سلیم اور قول سدید نصیب فرمائے۔]

**......لِنُرِيَهُ مِنْ آيَاتِنَا** یہ تین کلمات سورۂ بنی اسرائیل کی پہلی آیت کے ہیں۔ اور ان میں واقعہ اسراء کے اس مقصد کی طرف اشارہ ہے جس کا تعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی سے تھا، اس مقصد کی تشریح کے سلسلہ میں کچھ عرض کرنے سے پہلے پوری آیت اور اس کا ترجمہ پیش خدمت ہے۔ ارشاد ہوا ہے:

| | |
|---|---|
| سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ | پاک ہے وہ (خدا) جو رات کے وقت |
| لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ | اپنے بندہ کو مسجد حرام سے اس مسجد |
| اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا الَّذِیْ | اقصیٰ تک لے گیا جس کے ا وال |

بٰرَكْنَا حَوْلَهٗ لِنُرِيَهٗ مِنْ اٰيٰتِنَا ؕ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ ۝ کو ہم نے مبارک بنایا ہے، تاکہ ہم اپنے اس بندہ کو اپنی چند نشانیاں دکھائیں، بیشک وہ (خدا) ہی سننے والا اور دیکھنے والا ہے۔

## مشاہدۂ آیاتِ الٰہیہ اور انبیاء علیہم السلام

انبیاء علیہم السلام جن حقائق پر ایمان کی دعوت دیتے ہیں وہ سب غیبی حقائق ہیں، جو بڑی سے بڑی عقل و فہم کے مالک انسان کے دائرۂ ادراک و مشاہدہ سے باہر ہیں۔ اور اسی وجہ سے لوگوں کی بہت بڑی تعداد پوری قوت کے ساتھ ان غیبی حقائق کو جھٹلاتی ہے۔ اور انبیاء و رسل کو تکذیب و انکار اور تحقیر و استہزاء سے بھرپور فضا میں اپنی دعوت پر استقامت کے نازک اور صبر آزما دور سے گزرنا پڑتا ہے۔

قرآن مجید میں مذکور انبیاء علیہم السلام کے واقعات و واردات کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس مرحلے میں مختلف طریقوں سے اللہ تبارک و تعالیٰ اپنے نبیوں کی دلجمعی، تسلی، حوصلہ افزائی، "تطییب خاطر اور تثبیت فؤاد" کا خاص اہتمام فرماتا ہے۔ جس کی ایک شکل یہ بھی ہوتی ہے کہ انھیں آسمان و زمین کے مخفی مناظر اور خدا کی ربوبیت کے پوشیدہ مظاہر کا مشاہدہ کرایا جاتا ہے۔ اور اسی عالم میں انھیں ایسے بہت سے غیبی حقائق ایک نظر دکھا دیئے جاتے ہیں، جنھیں کوئی اور نہیں دیکھ سکتا، تاکہ انھیں اس مشاہدۂ آیات اور سیر ملکوتی کے ذریعہ یقین و معرفت اور اطمینان و ایقان کے اس مقام پر سرفراز کیا جائے جس کے بعد وہ پورے اطمینان قلبی اور اعتماد کے ساتھ غیبی حقائق کی دعوت پر جمے رہیں اور لوگوں کی پیہم تکذیب اور ناقدری سے ان کے قلوب میں ذرہ برابر تاثر نہ آئے ——— یہ الگ بات ہے کہ سب انبیاء و رسل کے مشاہدات یکساں نہیں ہوتے بلکہ ہر ایک اپنے منصب اور رتبہ کے مطابق اس مشاہدۂ ربانی سے حصہ پاتا ہے اور اپنے قلب و نگاہ کو عالم ملکوت کے

نظارے سے منور کرتا ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں قرآن مجید میں ارشاد ہوا ہے۔

| | |
|---|---|
| وَكَذٰلِكَ نُرِيٓ اِبْرٰهِيْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلِيَكُوْنَ مِنَ الْمُوْقِنِيْنَ ۝ (سورۂ انعام - ۷۵) | اور اسی طرح ہم ابراہیم کو آسمان و زمین کی بادشاہی کا مشاہدہ کراتے ہیں تاکہ (وہ اپنی قوم پر حجت قائم کرے) اور کامل اہلِ یقین میں سے بنے۔ |

اس آیت سے ہمیں صرف اتنا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اللہ تعالےٰ نے زمین و آسمان کے وسیع و عریض رقبہ میں پھیلے ہوئے عالم ملکوت کا مشاہدہ کرایا تھا، اس کی صورت و کیفیت اور دیگر تفصیلات کی طرف آیت میں کوئی اشارہ نہیں۔ اور نہ ہمیں اس حقیقت کو جاننے کے لیے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حق الیقین اور اطمینانِ قلب کے رتبۂ بلند تک پہونچانے کے لیے انھیں عالم ملکوت کا مشاہدہ کرایا گیا تھا۔ تفصیلات و کیفیات کے علم کی کوئی ضرورت ہی ہے۔ البتہ اس آیت سے متصلاً پہلے اس کا ذکر ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے نبوت ملنے کے بعد اپنے والد "آزر" کو توحید کی دعوت دی، یہاں تو صرف اتنا ہی فرمایا ہے! آزر کی طرف سے اس کا کیا جواب انھیں ملا، اس کا تذکرہ بعض دوسرے مقامات پر آیا ہے۔ مثلاً سورۂ مریم میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اپنے والد سے مفصل دعوتی گفتگو کے ذکر کے بعد۔ آزر کا یہ جواب نقل ہوا ہے:۔

| | |
|---|---|
| قَالَ اَرَاغِبٌ اَنْتَ عَنْ اٰلِهَتِيْ يٰٓاِبْرٰهِيْمُ لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهِ لَاَرْجُمَنَّكَ وَاهْجُرْنِيْ مَلِيًّا ۝ (مریم، آیت ۴۶) | ابراہیم! کیا تم میرے معبودوں سے منحرف ہو رہے ہو اگر تم باز نہ آئے تو سنگسار کردوں گا، اب تم میرے پاس سے یک دم دفع ہو جاؤ۔ |

پس سورۂ انعام میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اپنے والد سے دعوتی گفتگو کے ذکر کے متصلاً بعد عالم ملکوت کے مشاہدہ کے ذکر سے یہ بات اخذ کی جاسکتی ہے

کہ یہ سیر ملکوتی انھیں اس وقت کرائی گئی تھی جبکہ ان کی دعوت کو نہ صرف یہ کہ جھٹلایا جانے لگا بلکہ لوگ جن میں سرفہرست خود ان کے والد تھے۔ ان کے جانی دشمن بن گئے۔ اور ان سے چھٹکارا حاصل کرنے کی تدبیریں زور شور سے شروع ہو گئیں۔

توراۃ میں حضرت یعقوب کے ایک "رویاد" کا تذکرہ اس طرح آیا ہے:-

"یعقوب بیر سبع سے نکلا اور حاران کی طرف روانہ ہوا اور وہاں ایک مقام پر جا کر لیٹا، کیونکہ سورج ڈوب گیا تھا اور اسی مقام سے کچھ پتھر اپنے سر کے نیچے رکھ لیے اور وہیں سو رہا، وہاں خواب دیکھا کہ زمین سے آسمان تک ایک زینہ لگا ہوا ہے جس پر سے خدا کے فرشتے چڑھ اور اتر رہے ہیں اور خدا اس پر کھڑا ہے۔ اور اس نے کہا میں ہوں خداوند، تیرے باپ ابراہیم اور اسحاق کا خدا، جس زمین پر تو سویا ہے وہ تجھ کو اور تیری نسل کو دوں گا۔"

(تکوین -- ۲۸)

علامہ سید سلیمان ندوی رقمطراز ہیں:-

"حضرت موسیٰ علیہ السلام کو طور پر جلوۂ حق کا پرتو نظر آیا، وہی اُن کی معراج ہے۔ دیگر انبیائے بنی اسرائیل کے مشاہدات ربانی اور سیاحت روحانی کی تفصیل سے توراۃ کے صفحات معمور ہیں۔ عیسائیوں کے مجموعۂ انجیل میں یوحنا رسول کا مکاشفہ بہ تفصیل مذکور ہے جس میں ان کو خواب کے اندر بہت سے روحانی مناظر دکھائے گئے ہیں اور قیامت کے واقعات تمثیلی رنگ میں ان کے سامنے پیش کیے گئے ہیں۔"[1]

---

[1] سیرت النبی صفحہ ۳۹۴ ج ۳

الغرض ہمیشہ سے یہ سیر ملکوت انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے واردات ومشاہدات اور ان پر ہونے والے مخصوص ربانی فیوض وانعامات کا ایک جزو رہی ہے، اور جیسا کہ ہم نے اوپر قرآنی تعبیر "ولیکون من الموقنین" کی روشنی میں عرض کیا کہ اس کی اس کی حکمت وغایت ان کی تسلی ودلداری اور مرتبۂ ایقان واطمینان تک ان کی رسائی ہوا کرتی ہے۔ تاکہ وہ پورے اعتماد، مکمل اطمینان اور کامل یقین ودلجمعی کے ساتھ اپنی مخالف زمانہ دعوت پر جمے رہیں، اور پورے ماحول کی پرزور تکذیب ومخالفت سے ان کے پائے ثبات میں ذرہ برابر جنبش نہ آنے پائے۔

سیدنا وسید الاولین والآخرین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ سرور انبیاء، خاتم النبیین اور سید اولاد آدم تھے اور چونکہ آپ کو دعوت کی راہ میں ان مخالفتوں، تکلیفوں اور اذیتوں کا سامنا کرنا پڑا جو انبیاء سابقین کو پیش آنے والی اذیتوں اور تکلیفوں کی بہ نسبت کہیں زیادہ سخت تھیں۔ اس لیے اس حریم خلوت گاہِ قدس اور بارگاہِ لامکاں میں آپ کو وہاں تک رسائی حاصل ہوئی جہاں تک فرزندان آدم یا ملائکۂ مقربین میں سے کسی کا قدم نہ اس سے پہلے پہنچا تھا اور نہ اس کے بعد کبھی پہنچے گا، اور آپ کو وہ کچھ مشاہدہ کرایا گیا جو اب تک تمام مقربان بارگاہ کی حد نظر سے باہر تھا۔

یہاں یہ یاد دلانا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ نبوت کے دسویں سال صرف تین دن کے فصل سے آپ کی زوجۂ مطہرہ ام المؤمنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا اور آپ کے چچا ابوطالب کا انتقال ہو گیا۔[1] جس کے بعد سے آپ پر دشمنوں کی دست درازیوں اور اذیت رسانیوں کا سلسلہ بہت بڑھ گیا اور اب دنیا میں کوئی چارہ ساز یا غمگسار بھی نہ رہا۔ اسی فضا میں آپ بڑی امیدوں کے ساتھ بہت

---

[1] ملاحظہ ہو الفصول فی اختصار سیرۃ الرسول لابن کثیر ص۹۲، مطبوعہ بیروت سنہ ۱۴۰۰ھ

پر مشقت سفر کر کے طائف تشریف لے گئے جہاں کے قبیلۂ بنی سعد میں آپ کے ایام رضاعت گذرے تھے، لیکن ...... ! وہاں آپ کے ساتھ جو معاملہ ہوا، انسانیت کی تاریخ اس کی نظیر پیش کرنے سے قاصر ہے۔ وہاں کے لوگ آپ کی بات تو کیا سنتے، پہلے تو انھوں نے آپ کو بہت بدتمیزی کے جوابات دیئے اور خوب جی بھر کر مذاق اُڑایا، پھر شہر کے اوباش لوگوں کو آپ کے پیچھے لگا دیا، یہ لوگ آپ کو گالیاں دیتے، شور مچاتے اور آپ پر پتھر پھینکتے۔ یہاں تک کہ آپ کے دونوں پیر زخموں سے لہولہان ہو گئے .... قدمین مبارکین کا حال تو دیکھنے والوں نے دیکھ لیا، اور بیان کر دیا، لیکن جو چوٹ آپ کے آئینۂ قلب پر لگی، جو ضرب آپ کے شیشۂ دل پر لگی وہ نہ کسی کو نظر آئی، اور نہ وہ بیان کی جاسکتی ہے۔ اس لیے روایتیں ان کے ذکر سے خاموش ہیں۔ البتہ اہل ذوق کیلیے اس دعا کے لب و لہجہ میں سب کچھ موجود ہے جو طائف والوں کے اس سلوک کے بعد آپ کے دل کی گہرائیوں سے نکلی تھی وہ دعا یہ ہے :-

اللّٰھم الیک أشکو ضعف قوتی، وقلۃ حیلتی وھوانی علی الناس یاارحم الراحمین أنت رب المستضعفین إلی من تکلنی الی بعید یتجھمنی، أم الی عدو ملکتہ أمری، ان لم یکن بک غضب علیّ فلا ابالی غیر أن عافیتک ھی أوسع لی، اعوذ بنور وجھک الذی اشرقت لہ الظلمات وصلح علیہ امر الدنیا والآخرۃ عن أن ینزل بی غضبک او یحل علی سخطک لک العتبی حتی ترضیٰ ولا حول ولا قوۃ الا باللّٰہ۔

بہرحال آپ جب طائف سے تکذیب و عداوت، توہین و ناقدری بلکہ بہیمیت و درندگی کے نئے زخم اور اہل طائف کی ہدایت سے محرومی کا تازہ اور شدید غم لے کر مکہ مکرمہ واپس تشریف لائے اور یہاں بھی اپنی قوم کو مخالفت دشمنی، تمسخر اور ایذا رسانی میں حسب سابق سرگرم پایا، تو اس وقت آپ کے

قلب مبارک کی کیا کیفیت ہو گی؟ آپ کے کیا احساسات ہوں گے؟ رنج و اندوہ کے کیسے بادل آپ کے حساس اور رؤف و رحیم قلب پر چھا رہے ہوں گے، ان کیفیات کا تو تصور بھی ہم جلیسوں کے لیے ممکن نہیں ـــــ خاص کر اس وجہ سے کہ اب وہ ہمدم و غمگسار شریک حیات بھی اس دنیا میں نہیں تھیں جو روز اول سے آپ کی رفاقت و محبت اور نصرت و اعانت کا حق ادا کر رہی تھیں۔ اور گھر سے باہر کی دنیا سے جو پوری کی پوری مخالفت و عداوت کا جہنم بنی ہوئی تھی، آپ جب گھر کی چہار دیواری میں تشریف لاتے تھے تو اُن ہی کی حوصلہ افزائی سے آپ کا غم ہلکا ہوتا۔ لیکن اب آپ بالکل یگانہ و تنہا تھے، کوئی نہ تھا جو غمگساری کرتا اور آپ کی دلداری کی تدبیر کرتا ؎

نہ رفیقے نہ انیسے نہ غمگسارے دارم

یہ وہ موقع تھا جب کہ رحمت الٰہی کو جوش آیا اور آگے بڑھ کر اس نے اپنے اس چہیتے اور مظلوم و ستم رسیدہ بندے کو اپنی آغوش میں لیا، اور پھر...... اس کے دل سے زمین والوں کی اس جفا اور ناقدری کے طبعی اثرات کو زائل کرنے کے لیے اسے آسمانوں میں بلایا، آسمان والے اور آسمان والوں کے یہاں اس کی عالی مقامی اور قدر افزائی کا مشاہدہ کرایا اور ملکوتی اسرار و آیات کو اس کی نگاہوں کے سامنے بے حجاب کر کے مسرت و شادمانی کے وہ اسباب مہیا فرمائے اور قلب و روح کو یقین و معرفت کا وہ مقام نصیب فرمایا جس کا حصول اس کے بغیر ممکن نہ تھا اور جو آپ کے لیے مخصوص تھا۔

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی نے واقعہ معراج کے اس پہلو کی طرف اشارہ فرماتے ہوئے لکھا ہے:۔

"یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ کی ایک ضیافت و عزت افزائی تھی، جو آپ کی دلداری و دل نوازی اور طائف کے ان زخموں کو مندمل کرنے اور اس توہین و ناقدری اور بیگانگی و بیوفائی کی

تلافی کے لیے تھی جس کے سخت امتحان سے آپ وہاں گذرے تھے۔[1]

واقعہ معراج کا یہی وہ پہلو ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی سے تعلق رکھتا ہے اور جس کی طرف سورۂ اسراء کی پہلی آیت میں لنریہ من آیاتنا کہہ کر اشارہ فرمایا گیا ہے۔ نیز اس کے فوراً بعد "انہ ھو السمیع البصیر" (بیشک وہی خدا خوب سننے والا اور خوب دیکھنے والا ہے) کہہ کر غالباً اس مقصد کی طرف ایک اور اشارہ دیا گیا جس کا حاصل یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جیسے سخت حالات کا سامنا ہے اور جو کچھ آپ پر گذر رہی ہے اللہ تعالیٰ کو اس کا بھی پورا علم ہے اور آپ اپنے رب کے حضور میں لسانِ حال یا لسانِ قال سے جو کچھ عرض پرداز ہیں، اس سمیع بصیر کو اس کا بھی پورا پورا علم ہے اور اسی لیے اس نے یہ فیصلہ کیا کہ آپ کو اپنا قرب خصوصی عطا کر کے، اپنی نشانیوں کا مشاہدہ کرا دے۔۔۔۔۔۔ اگر یہ مناسبت مقصود نہ ہوتی تو شاید مشاہدۂ آیات اور معجزۂ اسراء کی مناسبت سے سمیع و بصیر کے بجائے خدا کی قدرت و کبریائی کی صفات کے بیان پر آیت کو ختم کرنا اقرب تھا۔ واللہ اعلم

معراج نبوی کے اس پہلو کا یہ اشارہ کس قدر مفید اور اہم ہے کہ اللہ کے دین کی دعوت کی راہ میں جس درجہ کی قربانی داعی پیش کرتا ہے اور زمین میں زمین والوں کی طرف سے جس درجہ کی مخالفتوں اور اذیتوں کا اسے سامنا کرنا پڑتا ہے، اور ان حالات میں صبر و احتساب، تسلیم و رضا اور خوف و رجا کی باطنی کیفیات جتنی سچائی اور گہرائی کے ساتھ اس کے دل میں جاگزیں ہوتی ہیں، نیز دعوت کی راہ میں آنے والی ہر رکاوٹ کو خود اپنی کمزوری و کوتاہی کا نتیجہ قرار دے کر دعا و تضرع اور انابت الی اللہ کی سنت نبوی پر جتنے اہتمام اور جتنی صداقت کے ساتھ عمل ہوتا ہے، اسی کے بقدر آسمان والے کے یہاں داعی کو رفعتیں حاصل ہوتی ہیں اور اس پر اللہ تعالیٰ کے خصوصی الطاف و عنایات کا نزول ہوتا ہے۔

(وبشر الصابرین الذین اذا اصابتھم مصیبۃ قالوا انا للہ وانا الیہ راجعون اولئک علیھم صلوات من ربھم ورحمۃ واولئک ھم المھتدون)، (من تواضع للہ رفعہ اللہ)، (أنا عند المنکسرۃ قلوبھم)

(باقی)

---

[1] نبی رحمت ص ۱۳۷

## انتخاب

# حضرت مولانا عبدالماجد دریابادی کا نظام اوقات
# انضباط اوقات کی ایک نادر مثال

برصغیر ہند و پاک پر اللہ تعالیٰ کا خصوصی فضل یہ رہا ہے کہ یہاں ایسے علماء ربانیین کی ایک جماعت ہر دور میں موجود رہی ہے جس نے تعلیم و تربیت، تزکیۂ نفس اور دعوت و اصلاح کے تینوں کار ہائے نبوت کو مثالی توازن و جامعیت کے ساتھ انجام دیا ہے ـــــ ہمارے اس دور قحط الرجال میں اس قدسی صفت جماعت کے ایک رکن رکین سیدنا حضرت مولانا محمد اشرف صاحب سلیمانی مدظلہٗ (پشاور پاکستان) ہیں ـــــ حضرت کا تذکرہ الفرقان میں آتا رہتا ہے۔ بیشتر ناظرین حضرت کے نام سے آشنا ہوں گے ـــــ حضرت ممدوح ہمارے اس دور کے عظیم عالم و محقق حکیم الامت حضرت تھانوی نور اللہ مرقدہٗ کے ممتاز خلیفہ حضرت مولانا سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ کے "خلیفۂ راشد" ہیں اور طویل عرصہ سے پشاور میں تعلیم و تزکیہ اور دعوت و اصلاح کے نبوی مشن کی ادائیگی میں مصروف ہیں ـــــ اللہ تعالیٰ حضرت موصوف اور ہمارے سب اکابر علماء و مشائخ کے مبارک سایہ کو صحت و عافیت کے ساتھ تادیر رکھے اور ہم سب کو قدر و استفادہ کی توفیق دے۔

کچھ عرصہ ہوا حضرت مولانا محمد اشرف صاحب مدظلہٗ نے پشاور ہی میں حضرت علامہ سید سلیمان ندوی کے اسم گرامی سے موسوم ایک دینی و دعوتی ادارے "سلیمان اکیڈمی" کے قیام کا فیصلہ فرمایا تھا، اب اسی اکیڈمی کی طرف سے حضرت ہی کی سرپرستی میں ایک ماہنامہ "البیان" کی اشاعت شروع ہوئی ہے ـــــ جس کا

پہلا شمارہ اس وقت ہمارے سامنے ہے۔ اس میں حضرت مولانا محمد اشرف صاحب کے ایک استفساری مکتوب کے جواب میں حضرت مولانا عبدالماجد دریابادی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک خط شائع ہوا ہے جس میں انھوں نے اپنا نظام اوقات تحریر فرمایا ہے، جو بلاشبہ انضباط اوقات کی ایک نادر اور خادمان علم و دین کے لیے قابل تقلید مثال ہے، ہم نے نیت کی تھی کہ "البیان" کے خیر مقدم کے طور پر اس کے نئے شمارے کا کوئی مضمون اپنے ناظرین کی خدمت میں پیش کریں گے۔ چنانچہ مذکورہ بالا مکتوب پر حضرت والد ماجد مدظلہٗ کی نظر انتخاب پڑی۔

---

یہ ناچیز دست بدعا ہے کہ اللہ تعالیٰ سلیمان اکیڈمی اور ماہنامہ البیان سے اپنے دین کی طویل عرصہ تک صحیح خدمت لے اور قبولیت سے سرفراز فرمائے، اور ان دونوں کے روح رواں اور بزم سلیمانی کی شمع فروزاں حضرت مولانا محمد اشرف سلیمانی کی حیات میں برکت دے اور آپ کے فیوض و برکات سے پوری امت کو مستفیض فرمائے۔

"مدیر"

بے بضاعت کا نظام اوقات حسب استفسار بے تکلف عرض ہے:۔

"صبح تڑکے ایسے وقت اٹھنا کہ نماز فجر سے قبل ½ گھنٹہ مشی بھی کرلی اور اس میں تھوڑا کچھ پڑھ بھی لیا۔ باوضو ہوتا ہوں واپس ہوتے ہی نماز فجر شروع کردی —— روزانہ کچھ نہ کچھ ورزش اپنے سن کے تناسب لازمی ہے۔ بہت دیر کے بعد اور بہت نقصان اٹھا کر یہ سبق سیکھ سکا۔ بعد فجر برائے نام کچھ پڑھا پڑھایا کہ چند منٹ بعد ناشتہ آگیا۔ ابتک تو چائے کا عادی تھا اب چند روز سے بجائے چائے کے محض گرم پانی میٹھا کرکے شروع کیا نفع اس کا بھی وہی یعنی رفع قبض اور چائے کے مضرات سے نجات" ورکنگ ڈے" اسی وقت سے شروع ہو جاتا ہے یعنی اخبار، رسالہ وغیرہ ناشتہ کے ساتھ ساتھ پڑھتا جاتا ہوں۔ اس کے بعد لڑکیاں سلام کو آئیں کچھ لکھنے پڑھنے کا کام انھوں نے کیا

اور کچھ باتیں ان سے عام تربیت کی ہوئیں۔ اب خط کے جوابات لکھے اور متفرق کام (حوالہ کی کتابیں تلاش کر رکھیں جن کی دن میں ضرورت پڑے گی وغیرہا) ساڑھے ۹/۳۰ نو بجے پر ڈاک روانہ کر دی۔ تازہ وضو کے بعد بیوی بچوں سے مختصر ملاقات کرتا ہوں۔ دوسرے کمرے میں آیا جو اصل تصنیف گاہ ہے۔ یہاں دس سے دو بجے تک مسلسل لکھتا ہی رہتا ہوں زیادہ تر قرآن مجید کے سلسلے میں۔ کسی دن کچھ اور۔ دو بجے نماز ظہر، (دن کا کھانا وقت بچانے کے خیال سے سالہا سال سے ترک کر دیا ہے) بعد نماز ظہر ہلکا سا ناشتہ جو کام میں مخل نہ ہو۔ بعد ناشتہ پھر متفرق کام عموماً صدق کا۔ جس زمانہ میں لڑکے اور لڑکیاں موجود ہوئے کوئی آدھ گھنٹہ کا وقت ان کے لیے فرداً فرداً ان سے ہر قسم کی آزادانہ بات چیت ان کے ذاتی مسائل (PROBLEMS) پر گفتگو۔ کبھی کبھی درس مثنوی دیا۔

اس کے بعد نماز عصر پھر تازہ ڈاک آگئی جس میں اخبارات اور رسالوں کی بھرمار ہوتی ہے۔ انگریزی اور اردو روزنامے ہی ہند و پاکستان کے ملا کر ۲۵ ہوتے ہیں۔ سہ روزہ ہفت روزہ ان کے علاوہ۔ سات آٹھ تو بغیر پڑھے ہی ردی میں ڈال دیتا ہوں۔ پھر بھی اچھے خاصے پڑھنے پڑتے ہیں۔ مغرب سے آدھا گھنٹہ قبل برآمدے میں بیٹھ جاتا ہوں وہ وقت عام ہوتا ہے۔ ڈاک بھی ساتھ ساتھ دیکھتا جاتا ہوں۔

بعد مغرب فوراً کھانے پر بیٹھ جاتا ہوں اور دانتوں کی خرابی کے باعث دیر تک کھاتا رہتا ہوں۔ ضعف بصارت کے باعث رات پڑھنا لکھنا کئی سال سے موقوف ہے۔ کھانے کے بعد برائے نام چہل قدمی چھت پر کر لی اور پھر نیچے آکر بیوی اور لڑکیوں کے پاس بیٹھ گیا۔ ان سے باطمینان ملنے کا یہی وقت ہوتا ہے۔ لڑکیوں نے دن میں جو کچھ پڑھا تھا (حضرت تھانویؒ کے وعظ، مثنوی کے ترجمے کی برابر تاکید رہتی ہے) اُسے میرے سامنے دہراتی ہیں اور بہت سی باتیں کام کی بحمد للہ ہو جاتی ہیں گھنٹہ سوا گھنٹہ کے بعد عشاء کے لیے آیا بعد نماز بیوی تھوڑی دیر کے لیے آجاتی ہے۔ ان سے ملنے کا یہی وقت ہوتا ہے۔ وہ اُدھر گئی اور اِدھر میں سونے لیٹ گیا۔

یہ پروگرام ظاہر ہے کہ ہر ایک کے لیے قابل عمل نہیں تاہم بہ اختلاف احوال کسی نہ کسی حد تک نمونہ کا کام انشاء اللہ دے سکے گا۔ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا جتنا احسان مند ہوں بس میرا دل ہی جانتا ہے۔ دوسرے اہل ہمت تھے انھوں نے اُن سے دین لیا میں کم ہمت تھا۔ میں نے دنیا اُن سے لی۔ انھوں نے زندگی بنادی۔ ترتیب اور تنظیم جو کچھ آئی ان ہی کے فیض سے ورنہ پہلے انتشار ہی انتشار تھا۔

دو ایک باتیں رہ گئیں مہمانوں اور ملاقاتیوں کا ضرور نظم قائم کیا جائے۔ میرے ہاں کوئی عزیز بھی بغیر اطلاع سابق مہمان نہیں آسکتا ہر ایک سے وقت پہلے ہی طے ہو جاتا ہے۔ دوستوں ملاقاتیوں کے لیے وہی قبل مغرب آدھ گھنٹہ کا وقت مقرر ہے۔ خاص صورتوں میں وقت پہلے سے مقرر کیا جاتا ہے۔ تنظیم اوقات میں دقت شروع میں ضرور ہوگی لیکن رفتہ رفتہ لوگ عادی ہو جائیں گے اور اپنے کو انتہائی راحت ملنے لگے گی۔

---

# ایک اہم وضاحت

الفرقان کا حضرت شیخ الحدیث نمبر جو دسمبر ۱۹۸۲ء میں شائع ہوا تھا، وہ در اصل بارہ ماہ دسمبر تا دسمبر ۱۹۸۲ء کے شماروں کا بدل تھا جیسا کہ اس میں صراحتہً مذکور ہے اس لیے جن حضرات کی خریداری کا سلسلہ اس نمبر سے شروع ہوا ان کی مدت خریداری ستمبر ۱۹۸۲ء تا اگست ۱۹۸۳ء شمار کی گئی، اسی بنا پر ایسے حضرات کی خدمت میں گذشتہ ماہ اگست میں ختم مدت کی اطلاع بھیجی گئی۔ لیکن بعض حضرات نے یہ سمجھا کہ یہ اطلاع ابھی قبل از وقت ہے۔ اس لیے کہ شیخ نمبر کو ملا کر ابھی انھیں کل ۹ شمارے موصول ہوئے ہیں۔ اس سلسلہ میں ادارہ کو بڑی تعداد میں خطوط موصول ہوئے ہیں۔ —— ان سطروں کے ذریعہ یہ وضاحت کی جاتی ہے کہ شیخ نمبر سے خریداری کا آغاز کرنے والے حضرات کی مدت خریداری ستمبر ۱۹۸۲ء سے شروع ہو کر اگست ۱۹۸۳ء میں ختم ہوئی ہے۔ لہذا ایسے حضرات سے گذارش ہے کہ وہ از راہ کرم سالانہ زر تعاون ارسال فرمادیں۔ یا خط کے ذریعہ وی پی رسالہ بھیجنے کی اجازت دیں۔ شکریہ!

منیجر

نوٹ:۔ ہر خط یا منی آرڈر پر اپنا پورا پتہ اور خریداری نمبر ضرور لکھیں۔

ممالک غیر سے
بحری ڈاک سے ۳ پونڈ
ہوائی ڈاک سے ۵ پونڈ
ایک شمارہ کی قیمت [illegible]
-/۲

چندہ سالانہ
ہندوستان میں -/۲۰
پاکستان سے پاکستانی سکہ میں -/۵۰
بنگلا دیش سے ہندوستانی سکہ میں -/۲۲

جلد (۵۱) | بابت ذی الحجہ ۱۴۰۳ھ مطابق اکتوبر ۱۹۸۳ء | شمارہ (۱۰)




## اگر اس دائرہ میں ◯ سرخ نشان ہے تو

اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ کی مدت خریداری ختم ہوگئی ہے براہ کرم آئندہ کے لیے چندہ ارسال کریں یا خریداری کا ارادہ نہ ہو تو مطلع فرمائیں۔ چندہ یا دوسری اطلاع مہینے کے آخر تک آجانا چاہیے ورنہ وی پی نہیں کیا جائے گا۔

**نمبر خریداری:** براہ کرم خط و کتابت کرتے وقت اور منی آرڈر کوپن پر اپنا خریداری نمبر ضرور لکھ دیا کریں جو پتہ کی چٹ پر لکھا ہوتا ہے۔

**تاریخ اشاعت:** الفرقان ہر انگریزی مہینے کے پہلے ہفتہ میں روانہ کر دیا جاتا ہے اگر مہینے کے آخر تک کسی صاحب کو پرچہ نہ ملے تو فوراً مطلع فرمائیں۔ اگر دوبارہ بھیجنے کے لیے دفتر میں پرچہ ہوگا تو ضرور بھیجا جائے گا۔

**پاکستان کے خریدار حضرات** مبلغ ۲۴ روپے ہندوستانی سکہ میں کسی بھی ذریعہ سے دفتر الفرقان لکھنؤ کو روانہ فرمائیں۔ یا پاکستانی سکہ میں ۵۰ روپے ناظم ادارہ اصلاح و تبلیغ آسٹریلین بلڈنگ لاہور کو بھیج دیں۔


محمد حسان نعمانی پرنٹر و پبلشر نے تنویر پریس میں چھپوا کر دفتر الفرقان ۳۱ نیا گاؤں مغربی لکھنؤ سے شائع کیا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

# نگاہِ اوّلیں

خلیل الرحمٰن سجاد ندوی

گذشتہ شمارے میں ان صفحات میں خمینی صاحب کے ایک بیان پر تبصرہ کے ضمن میں حج کی روح اور حکمت و غایت کے بارے میں قرآن و حدیث کے بیانات کی روشنی میں کچھ عرض کیا گیا تھا، ہماری معروضات کا خلاصہ یہی تھا کہ حج اول سے آخر تک بندہ اور خدا کے مابین اس والہانہ تعلق کے اظہار اور اس کے تقاضوں کو بروئے کار لانے کا سامان ہے جس کا مرکز خدا کی شانِ محبوبیت ہے۔ اور چونکہ اس تعلق کا اظہار سب سے کامل طریقے پر سب سے پہلے ملت حنیفی کے امام اور مؤسس حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کیا تھا، اس لیے حج کو فطری طور پر ان سے اور ان کے اعمال و جذبات سے خاص تعلق ہے بلکہ ان سے تجدید تعلق، اور ان کی میراث کی حفاظت اور ان کی زندگی کے ساتھ اپنی زندگی کی مطابقت کا جائزہ اور اس کی روشنی میں اپنی اصلاح و تربیت کی فکر حج کے اہم ترین مقاصد میں سے ہے۔ سلے کپڑوں کے بجائے ایک کفن نما لباس پہن لینا، ننگے سر رہنا، حجامت نہ بنوانا، ناخن نہ ترشوانا، بالوں کو درست نہ کرنا، تیل نہ لگانا، خوشبو کا استعمال نہ کرنا میل کچیل سے جسم کی صفائی نہ کرنا، چیخ چیخ کے لبیک پکارنا، بیت اللہ کے گرد چکر لگانا، اس کے ایک گوشے میں لگے ہوئے سیاہ پتھر (حجر اسود) کو چومنا، اس کے در و دیوار سے چپٹنا، اور آہ و زاری کرنا، پھر صفا و مروہ کے پھیرے کرنا، مکہ سے کبھی نکل جانا اور

کبھی منیٰ کبھی عرفات اور کبھی مزدلفہ کے بے آب و گیاہ میدانوں میں جا پڑنا، اور وہاں کی الگ تھلگ فضاؤں کو ذکر و مناجات کے زمزموں سے معمور کر دینا، کنکریاں مارنا، قربانی کرنا...... ان سب اعمال میں اسی عشق و شوریدگی، مر مٹنے اور قربان ہو جانے کی روح جاری و ساری ہے، اور دنیا جانتی ہے کہ ان رسوم عاشقانہ کے بانی ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام ہی تھے۔

---

یہ احساس ہر باشعور کے لیے تکلیف دہ ہے کہ موجودہ زمانہ میں مختلف اسباب و عوامل کی وجہ سے اہل اسلام کے دلوں میں محبت کی یہ چنگاری اب بجھنے لگی ہے۔ عقلیت و مادیت اور اقتدار و سیاست نے اس طرح نگاہوں کو خیرہ اور ذوق و مزاج کو متاثر کیا ہے کہ حج جیسے خالص عاشقانہ عمل کے بارے میں بھی بہت سے ایسے لوگ اس قسم کے خیالات کو قبول کرتے ہوئے نظر آتے ہیں جن کو کوئی محتاط شخص بدنیت نہیں کہہ سکتا۔ مسلمانوں میں محبت الٰہی اور جذب اندرون کے اس زوال و اضمحلال ہی کو دیکھ کر علامہ اقبال جیسے رجائی شاعر نے ان الفاظ میں شکوہ کیا تھا ؎

بجھی عشق کی آگ اندھیر ہے
مسلماں نہیں راکھ کا ڈھیر ہے

یہ جو آج عام طور پر محسوس کیا جا رہا ہے کہ "متکلمین اسلام" جب دین کی جو بلاشبہ زندگی کے ہر گوشے کو محیط ہے تشریح کرتے ہیں تو آخرت کی بہ نسبت دنیا، رضائے الٰہی کی بہ نسبت دنیاوی مسائل کا حل، اور ایمانی و اخلاقی ترقی کی بہ نسبت سیاسی و مادی منافع اور برکات عاجلہ کا تذکرہ زیادہ کرتے ہیں۔ دراصل یہ سب نتیجہ ہے اسی عشق کی چنگاری کے بجھ جانے کا اور عبد و معبود کے رشتہ کو اور اس کے تقاضوں کو پوری طرح نہ سمجھنے کا، جس کی وجہ سے ذوق و مزاج پر بسا اوقات غیر شعوری طور پر ایک خاص رنگ کا غلبہ ہو جاتا ہے، اور اس کا اثر دین کے تمام کلیات و جزئیات کی تشریح پر فطری طور پر پڑتا ہے۔

یہ تذکرہ جب یہاں چھڑ ہی گیا ہے تو اتنا اور عرض کر دینا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ دین کے صحیح فہم اور اس کی تفہیم و تشریح کو خارجی مؤثرات سے محفوظ رکھنے کے لیے

سب سے زیادہ ضروری اور بنیادی امر یہ ہے کہ اپنے ذوق و مزاج کو نبوی ذوق و مزاج کے رنگ میں رنگا جائے، جو بلاشبہ اعتدال و توازن اور جامعیت و ہمہ گیری کا ایک معجزانہ مرقع ہوتا ہے، یہ مثبت تدبیر اختیار کیے بغیر فہم دین میں افراط اور تفریط کی دونوں انتہاؤں سے بچنا اور امت کو ان سے بچانا ممکن نہیں ہے ——— اور نہ امت کے مختلف حلقوں کو عمل اور ردعمل کی تاریخی روایت سے نجات ملنا ممکن ہے۔

جو حضرات اس صورتحال سے متأثر ہوتے ہیں کہ آج دین کے بارے میں عام لوگوں کے ذہن کیسے ہو گئے ہیں کہ جو بات بھی کہہ دی جاتی ہے لوگوں کی ایک اچھی خاصی تعداد اسے قبول کرنے لگتی ہے، خواہ وہ کتنی ہی غلطیوں نہ ہو؟ وہ اگر امت کی دینی و فکری تربیت کے مثبت عمل میں (جو الحمدللہ کہ ایک نظام کے ساتھ پوری دنیا میں جاری ہے) اپنی مساعی اور تیز کر دیں اور قرآن و حدیث کے عمیق مطالعہ اور تدبر کے بعد قرآن و حدیث کے مضامین عام فہم انداز سے اور فطری وسائل کے ذریعہ جن سے استفادہ کا دائرہ محدود نہیں۔ امت کے عوام و خواص تک پہنچانے کی جد و جہد میں شرکت و مشغولیت اور بڑھا دیں، تو امید کی جا سکتی ہے کہ اس صورتحال کی اصلاح ہو سکے گی۔

یہ بات واقعہ یہ ہے کہ جملہ معترضہ کے طور پر زبانِ قلم پر آ گئی ورنہ اس وقت تو حرم الٰہی اور موسم حج کے بارے میں اسلام کی تعلیمات کا خلاصہ عرض کرنا تھا، جس کا وعدہ ہم نے گذشتہ ماہ کیا تھا: تاکہ یہ اندازہ کرنا آسان ہو جائے کہ حرم الٰہی اور موسم حج میں بدامنی پھیلانا، اور جنگ و جدال کی آگ بھڑکانا کتنا سنگین جرم اور کیسی ناقابل برداشت جسارت ہے۔

## ارضِ حرم ایک خطۂ امن کی حیثیت سے

جزیرۂ عرب کے شہر مکہ میں کعبہ نامی ایک "گھر" تھا جو ازل سے اس دنیا میں خدا کا معبد اور خدا پرستی کا مرکز تھا، سب سے بڑے پیغمبروں نے اس کی زیارت کی اور اپنی عبادتوں کی سمت اس کو قرار دیا کیونکہ "اول بیت وضع للناس" وہی تھا، لیکن دنیا نے اپنی گمراہیوں میں اس کو بھلا کر بے نشان کر دیا تھا۔

اُدھر اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو عراق میں پیدا فرمایا، اور دنیا کے ظلمت کدہ میں

توحید کا چراغ پھر سے روشن کرنے کی ذمہ داری ان کے سپرد فرمائی ـــــ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے پہلے پہل تو اپنے وطن عراق ہی میں دعوتی جدوجہد کا آغاز فرمایا، لیکن وہاں کے لوگوں نے نہ صرف یہ کہ آپ کی دعوت قبول نہیں کی، بلکہ مخالفتوں اور سازشوں کے ایسے طوفان آپ کی راہ میں کھڑے کیے، کہ آپ نے اپنے وطن سے ہجرت کا فیصلہ فرمایا اور دعوت کے لیے سازگار ماحول کی تلاش میں مصر تشریف لے گئے، وہاں آپ ایک بڑی آزمائش سے دوچار ہوئے۔ بالآخر وہاں سے بھی نکلنے پر مجبور ہوئے اور شام پہنچے اور وہاں ایک مرکز قائم کر کے دعوت کا کام شروع فرمادیا۔ لیکن پھر اللہ تعالیٰ نے اس سنسان مقام کی طرف آپ کی رہنمائی فرمائی جو ازل سے اس کام کے لیے منتخب تھا اور جہاں کی ایک بڑی خصوصیت یہ تھی کہ ظالم وجابر حکمرانوں اور بت پرست اور ستارہ پرست قوموں کے حدود سے الگ تھلگ اور ان کے شر و فتنہ سے بالکل محفوظ اور تمدن کے فطرت کُش اثرات سے بہت دور تھا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام جلیل القدر نبی و رسول اور ملت حنیفی کے امام تھے۔ دین کی دعوت اور خدا کی عبادت کے عالمی مرکز کے لیے جس پرسکون ماحول کی ضرورت ہوتی ہے، ظاہر ہے کہ سب سے زیادہ وہ اس کے جاننے والے اور اس کی ضرورت کا احساس کرنے والے تھے ـــــ چنانچہ انھوں نے اللہ تعالیٰ سے اس بستی کے لیے جن خاص اوصاف کی دعا کی، اُن میں سب سے پہلا وصف "امن" ہے۔ قرآن مجید میں اُن کی اس دعا کو ایک سے زیادہ جگہ نقل کیا گیا ہے ـــــ سورۂ بقرہ میں ارشاد ہوا ہے:

| | |
|---|---|
| واذ قال ابراهيم رب اجعل هذا بلداً آمناً | اور یاد کرو جب ابراہیم نے کہا کہ میرے پروردگار اس کو امن والا شہر قرار دے دے۔ |

یہی دعا تقریباً انہی الفاظ میں سورۂ ابراہیم میں بھی مذکور ہوئی ہے۔ یہ دعا ان ابراہیمی دعاؤں میں سے ایک ہے جن کی قبولیت کا اعلان اللہ تبارک و تعالیٰ نے قرآن مجید میں متعدد جگہ کیا ہے۔ سورۂ بقرہ میں ارشاد ہوا ہے۔

| | |
|---|---|
| "واذ جعلنا البيت مثابةً للناس وأمناً" | اور یاد کرو جب ہم نے اس گھر کو لوگوں کا مرجع اور (خطۂ) امن قرار دیا۔ |

یہ اس دعائے خلیل ہی کا ثمرہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے اس شہر کو "بلد امین" اور "حرم آمن" (امن و امان والا مقدس علاقہ) جیسے ناموں سے یاد فرمایا۔ اور ایسے احکام نہایت واضح انداز میں نازل فرمائے جن سے وہاں کے ماحول پر تقدس و روحانیت اور ذکر و عبادت کے رنگ ہی کا غلبہ نظر آئے اور وہاں کی ایمانی و روحانی فضاؤں کو کسی قسم کی چپقلش یا باہمی جنگ و جدال بلکہ ادنیٰ سے ادنیٰ دست درازی یا آویزش کے تکدر سے میلوں دور رکھا جائے۔

## حرم الٰہی کے مخصوص آداب و قوانین

انسانوں کی فطرت سے سو فیصد ہم آہنگ اور تمام انسانوں کو حقیقی سعادت و فلاح دینے والا واحد نظام حیات اسلام ہے جسے انسانوں کے خالق ہی نے وضع کیا ہے، اور اس لیے یہ بات عقل اور عدل اور انسانی ہمدردی کے تقاضے پر پوری اترتی ہے کہ اس نظام حیات کو انسانوں تک لانے والے مخصوص نظام نبوت کے خاتمے کے بعد اب تمام دنیا تک اس نظام کو پہنچانے اور تمام انسانوں کو اس عظمت و سعادت سے ہمکنار کرنے کی ذمہ داری ہر اس شخص پر ڈالدی گئی ہے جو اسے اپنے لیے منتخب کرے ——— اور بحیثیت مجموعی اس امت مسلمہ کو اس کا بھی مکلف کیا گیا کہ اگر کچھ لوگ نہ صرف یہ کہ اسے خود قبول نہ کریں بلکہ طاقت کے بل پر خدا کے بندوں کو بھی اس سے محروم رکھنے کی کوشش کریں، اور اپنے ذاتی اور پست اغراض و مفادات کی خاطر اللہ کے بندوں کی دنیا و عاقبت برباد کردینے پر تلے ہوئے ہوں تو ایسے بدکردار لوگوں کو راستے سے ہٹانے کے لیے وہ اپنی طاقت کا استعمال کریں تاکہ یہ دعوت اللہ کے بندوں تک پہنچ سکے اور وہ آزادی کے ساتھ کھلی فضا میں اپنے بارے میں خود فیصلہ کرسکیں اور مٹھی بھر شر پسند لیڈران قوم عام اور مغلوب الامر بندگان خدا کو خدا کے بھیجے ہوئے خوان نعمت سے محروم رکھنے کی کوشش میں کامیاب نہ ہوں ——— یہی وہ مقدس کوشش ہے جو "قتال فی سبیل اللہ" کے نام سے یاد کی جاتی ہے اور چونکہ یہ ایک ایسا عمل ہے جو "متاع عزیز" جان کی قربانی دیئے بغیر اور اپنے تمام مالوفات و محبوبات پر اپنے دین، اپنی آخرت اور انسانوں کی ہدایت کے تقاضوں کو ترجیح دیئے بغیر انجام نہیں دیا جاسکتا اس لیے اس کا درجہ بہت اونچا ہے۔ اور اس کے فضائل کے ذکر سے قرآن و حدیث کے صفحات معمور ہیں۔

---

۵۱ سورۂ التین آیت ۲، ۵۲ سورۂ قصص آیت ۵۷، سورۂ عنکبوت آیت ۶۷۔

ہمیں جو بات یہاں عرض کرنا ہے وہ یہ ہے کہ ایسے مقدس، اور بعض اوقات ضروری و ناگزیر عمل کو بھی حدود حرم میں ممنوع قرار دے دیا گیا، صرف اسی لیے کہ اس خطہ کی پر امن حیثیت مجروح نہ ہو، اور اس کو کرۂ ارض کے دوسرے حصوں میں ایک خاص امتیاز حاصل رہے —— سورۂ بقرہ میں فرمایا گیا (ولا تقاتلوهم عند المسجد الحرام حتى يقاتلوكم فيه) (اور حدود حرم میں تم ان سے جنگ اس وقت تک نہ کرو جب تک وہ لڑائی نہ چھیڑ دیں) اس حکم کا اعلان بڑے واضح اور دوٹوک انداز میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے موقع پر اپنے ایک خطبہ میں ان الفاظ میں فرمایا تھا۔

"إن هذا البلد حرمه الله يوم خلق السموات والأرض، فهو حرام بحرمة الله إلى يوم القيامة، وإنه لم يحل القتال فيه لأحد قبلي ولم يحل لي إلا ساعة من نهار، فهو حرام بحرمة الله إلى يوم القيامة"[1]

(اللہ نے اس شہر کو اسی دن سے محترم قرار دیا ہے جس دن کہ اللہ نے زمین و آسمان کی تخلیق کی تھی، لہٰذا اللہ کے حکم سے قیامت تک کے لیے اس کا ادب و احترام واجب ہے اور مجھ سے پہلے اللہ نے کسی کو یہاں قتال (فی سبیل اللہ) کی بھی اجازت نہیں دی، مجھے بھی دن کے تھوڑے سے وقت کے لیے اس کی عارضی اجازت دی گئی تھی، اور (وہ وقت ختم ہو جانے کے بعد) اب پھر قیامت تک کے لیے اس کا ادب و احترام ضروری ہے اور ہر وہ عمل جو اس کے منافی ہو حرام ہے)

غور فرمائیے! جس خطۂ امن میں کافروں سے جنگ کرنے کی بھی اجازت نہ ہو، وہاں فتنہ و فساد کی آگ بھڑکانا، اور ایسے حالات برپا کرنا جن کی وجہ سے وہاں بدامنی پھیلے اور لوگوں کی توجہ اعمال حج اور ذکر و عبادات سے ہٹ کر اپنے "بچاؤ" اور سیاسی پروپیگنڈے بازی اور نعرے بازی کی طرف مبذول ہو جائے، اسلامی قانون میں کس قسم کا عمل قرار پائے گا؟

---

۱؎ بخاری و مسلم بروایت ابن عباس و ابی شریح (مؤخر الذکر صحابی ابو شریح عدوی نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد یزید کی طرف سے متعین حاکم مدینہ عمرو بن سعید کے سامنے اس وقت سنایا تھا جب وہ یزید کے حکم سے عبداللہ بن زبیر کے خلاف مکہ پر چڑھائی کے لیے لشکر روانہ کر رہا تھا، یہ بات صراحۃً بخاری و مسلم کی روایت میں مذکور ہے۔)

۲؎ یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ اگر حدود حرم کے اندر کفار کی طرف سے جنگ کا آغاز کر دیا جائے تو اسلام اس کی اجازت دیتا ہے کہ دفاعی جنگ لڑی جائے۔

اس سوال کا جواب دینے سے پہلے مکہ مکرمہ اور ارض حرم کے بارے میں چند اور احکام اور ان کی حکمت و غایت کو بھی ملحوظ رکھیے۔

۱۔ بلد امین کو ہر قسم کی بدامنی اور خلفشار سے محفوظ رکھنے ہی کی غرض سے وہاں اسلحہ کے استعمال پر بالکلیہ پابندی لگا دی گئی — صحیح مسلم میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل فرمایا گیا ہے

| | |
|---|---|
| لا یحل لاحد أن یحمل بمکة السلاح | کسی مسلمان کے لیے جائز نہیں کہ وہ مکہ میں ہتھیار اٹھائے۔ |

۲۔ کسی انسان پر ہتھیار اٹھانا تو بڑی بات ہے! ان حدود میں کسی جانور کے شکار کی بھی اجازت نہیں۔ بلکہ درخت کاٹنے اور درختوں کے پتے جھاڑنے کی بھی اجازت نہیں!! — فتح مکہ کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شہر کے تقدس و احترام اور یہاں کے مخصوص حقوق و آداب کی رعایت کی تاکید پر مشتمل جامع خطبہ ارشاد فرمایا تھا۔ جس کا ایک اقتباس اوپر نقل کیا جا چکا ہے، اس میں آپ نے یہ بھی فرمایا تھا کہ:۔

| | |
|---|---|
| لا یعضد شوکه ولا ینفر صیده ولا یلتقط لقطته الا من عرفها ولا یختلی خلاها | اس شہر کے خاردار جھاڑ بھی نہ کاٹے جائیں، یہاں کے قابل شکار جانور کو پریشان بھی نہ کیا جائے۔ اور اگر کوئی |

گری پڑی چیز نظر پڑے تو اس کو وہی اٹھائے جو قاعدے کے مطابق اس کا اعلان اور تشہیر کرتا رہے اور یہاں کی سبز گھاس بھی نہ کاٹی جائے۔

۳۔ پوری ملت اسلامیہ کا قبلہ یعنی مرکز عبادت بیت اللہ کو قرار دیا گیا، اور جو لوگ وہاں حاضری کی استطاعت رکھتے ہوں ان کے لیے ضروری قرار دیا گیا کہ وہ کم سے کم عمر میں ایک بار وہاں حاضر ہوں اور ہو سکے تو بار بار حاضر ہوں تاکہ انوار و برکات سے معمور وہاں کی روحانی فضاؤں سے ان کے بلا واسطہ براہ راست اور قریبی مشاہدہ و صحبت کے ذریعہ منور ہوں اور ایک مرکز سے اجتماعی تعلق قائم ہو اور یہ دونوں امر کسی بھی بامقصد اور دعوتی گروہ یا امت کے لیے ناگزیر ہیں — اس حاضری کو زیادہ سے

زیادہ مؤثر اور اس کے نقوش کو زیادہ سے زیادہ عمیق اور پائیدار بنانے کے لیے اور حاضر ہونے والوں میں اس مرکز کی عظمت کو زیادہ سے زیادہ راسخ کرنے کے لیے جو بہت سے آداب مقرر کیے گئے ان میں سے ایک یہ ہے کہ اس مرکز کے اردگرد کم و بیش فاصلوں پر ایسی حدود کھینچ دی گئیں جن سے آگے یہاں حاضر ہونے والا کوئی شخص۔ خاص کر وہ جو حج یا عمرہ کے مقصد سے آ رہا ہو۔ اپنے عام لباس میں نہیں جا سکتا، بلکہ اسے وہاں رک کر اپنا عام لباس بدل کر احرام کا فقیرانہ لباس پہننا ہوگا، اور تلبیہ و نیت کے ذریعہ اپنے اندر ایک نیا شعور اور فکری و روحانی بیداری پیدا کرنی ہوگی، جس سے اس کے اندر اس مرکز میں حاضری اور اس کی حدود میں داخلہ کی عظمت و اہمیت کا احساس جاگزیں ہوگا۔

ان سب احکام کی حکمت و غایت یہی تو ہے کہ اس خدائی بارگاہ کی کرۂ ارض میں ایک مخصوص اور نمایاں حیثیت ہو، اور یہاں کی فضاؤں میں ذکر و عبادت، تسبیح و تہلیل، دعا و مناجات، تلبیہ و طواف کے سوا کوئی اور چیز جانائی نہ دے، اور یہاں ایسا عبادتی و روحانی ماحول قائم کیا جائے جس میں پوری یکسوئی کے ساتھ یہاں حاضر ہونے والا ہر انسان خاص اعمال میں لگ کر اپنی وہ روحانی تربیت و اصلاح کرلے جو اپنے ماحول میں رہ کر، اپنے روزمرہ کے مشاغل کے ساتھ، اور مختلف اور گوناگوں مسائل اور تقاضوں میں دل و دماغ اور توجہ کے منقسم ہونے کی وجہ سے ممکن نہیں۔ یہ بات کسی لمبی چوڑی تشریح کی محتاج نہیں ہے کہ جو انسان ایک دو ماہ ایسے ماحول میں اور خاص عبادتی و روحانی اعمال میں پابندیوں اور حدود کی کامل رعایت، یکسوئی اور پورے باطنی شعور و احساس اور ایمان و احتساب کے ساتھ، گزارے گا، وہ ایک نئی روح، نیا ایمان اور نئی قوت ارادی سے مالا مال ہو کر اپنے علاقے میں واپس آئے گا۔ یہی وہ بات ہے جسے لسان نبوت نے یوں بیان فرمایا ہے:۔

| | |
|---|---|
| من حج للّٰہ فلم یرفث ولم یفسق | جس نے خالص اللہ کے لیے حج کیا، اور |
| رجع کیوم ولدتہ امّہ | پھر دوران حج نہ بری بات زبان سے نکالی |

نہ کوئی گناہ کیا تو ایسا ہو کر لوٹے گا جیسا کہ اس کی ماں نے اسے جنا تھا۔

بلد امین کے ماحول کو ایک خاص تقدس اور تقویٰ و طہارت کے رنگ میں رنگنے ہی

کی غرض سے وہاں ارادہ معصیت کو بھی قابل سزا معصیت قرار دیا گیا۔ قرآن مجید میں یہ حکم ان الفاظ میں آیا ہے:۔

| | |
|---|---|
| ومن يرد فيه بالحادٍ بظلمٍ نذقه من عذابٍ أليم (سورۂ حج-۲۵) | اور جو کوئی بھی اس (شہر) میں بے دینی کا ارادہ ظلم سے کرے گا ہم اسے دردناک عذاب چکھائیں گے۔ |

ملت اسلامیہ کے لیے اپنے اس مرکز کا عظمت و احترام کتنا ضروری ہے، اور اس میں کوتاہی کا کیا خمیازہ پوری امت کو بھگتنا پڑتا ہے، اور وہاں کے آداب کی رعایت نہ کرنے کے کیا نتائج و ثمرات سنت الٰہی میں مقرر ہیں اس کا اندازہ اس ارشاد نبوی پر بھی غور کرنے سے بخوبی ہو سکتا ہے۔

| | |
|---|---|
| لا تزال هذه الأمة بخيرٍ ما عظموا هذه الحرمة حق تعظيمها فاذا ضيعوا ذلك هلكوا[1] | یہ امت جب تک اس حرم مقدس کا کما حقہ احترام کرتی رہے گی، خیریت سے رہے گی اور جب اس میں کوتاہی کرے گی برباد ہو جائے گی۔ |

## کچھ زمانۂ حج کے بارے میں:

یہاں تک جو کچھ عرض کیا گیا اس کا تعلق حج کی حقیقت حرم الٰہی کے تقدس اور اس کے حقوق و آداب سے تھا، —— حج کو اس مکانی حرمت کے ساتھ ساتھ ایک زمانی حرمت بھی حاصل ہے۔ اس لیے کہ وہ جس موسم میں ادا کیا جاتا ہے اس کو بھی سال کے دوسرے دنوں کی بہ نسبت ایسے احکام سے مخصوص کر دیا گیا ہے جن کی وجہ سے اسے خصوصی تقدس و احترام حاصل ہو گیا ہے —— اور اس طرح زمان و مکان اور اعمال حج مل کر ایک ایسا ماحول اور ایک ایسی روحانی فضا بنا دیتے ہیں جس سے حاجی کے اندر اس رکن عظیم کی عظمت و جلال کا استحضار رہتا ہے، اور اس کا پورا وجود اپنے گرد و پیش سے اس طرح متاثر ہوتا ہے کہ ایک لمحہ کے لیے بھی وہ اپنے اصلی کام و مقصد اور فرض منصبی سے غافل نہیں ہوتا،

---

[1] سنن ابن ماجہ، بروایت عیاش بن ابی ربیعہ مخزومیؓ (مرفوعاً)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:۔

| | |
|---|---|
| إن عدة الشهور عند الله اثنا عشر شهرًا في كتاب الله يوم خلق السماوات والأرض منها أربعة حرم (سورۂ توبہ ۳۶) | بیشک مہینوں کا شمار اللہ کے نزدیک بارہ ہی مہینے ہیں کتاب الٰہی میں (اس روز سے) جس روز کہ اس نے آسمان و زمین پیدا کیے اور ان میں سے چار مہینے حرمت والے ہیں۔ |

دوسری جگہ ارشاد ہے

| | |
|---|---|
| يسألونك عن الشهر الحرام قتالٍ فيه قل قتال فيه كبير (سورۂ بقرہ ۲۱۷) | یہ لوگ آپ سے حرمت والے مہینہ کی بابت یعنی اس میں قتال کی بابت دریافت کرتے ہیں آپ کہہ دیجیے کہ اس میں قتال کرنا بڑا جرم ہے |

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع میں ایک خطبہ میں ارشاد فرمایا۔

| | |
|---|---|
| السنة اثنى عشر شهرًا منها أربعةٌ حرم ثلاث متواليات ذو القعدة وذو الحجة والمحرم ورجب | سال پورے بارہ مہینہ ہی کا ہوتا ہے۔ ان میں سے ۴ مہینے خاص طور سے قابل احترام ہیں تین مہینے تو مسلسل، ذی القعدہ، ذی الحجہ، محرم اور چوتھا رجب۔ |

اسی خطبہ میں آپ نے مسلمانوں کے جان و مال اور عزت و آبرو کو یوم النحر جیسے مقدس اور محترم دن، مکہ مکرمہ جیسے مقدس شہر اور ذی الحجہ جیسے مبارک اور لائق احترام مہینے کی طرح قابل احترام قرار دیا۔ اس طرح حج کی مکانی و زمانی حرمتوں کی طرف لطیف اور جامع انداز سے اشارہ بھی فرما دیا[1]۔

اس طرح کہا جا سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جس طرح حج کے لیے ایک پر امن خطۂ زمین مخصوص فرمایا۔ اسی طرح ایک ایسا موسم بھی متعین فرمایا جسے ہم امن و سلامتی کے موسم سے تعبیر کر سکتے ہیں۔

---

[1] پوری روایت صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں دیکھی جا سکتی ہے۔

ان سب زمانی و مکانی حرمتوں کو ذہن میں مستحضر رکھنے، اور اب فیصلہ کیجیے اُن "مجاہدین" کے بارے میں جو ان سب کو بالائے طاق رکھ کر اس مقدس بارگاہ میں اور ان مقدس ایام میں اور ٹھیک مناسک حج کے دوران نعرے بازی، جلوس آرائی اور سیاسی ہلڑ بازی ہی کو وہاں حاضری کا سب سے اہم مقصد قرار دے رہے ہیں۔ اور اس طرح نہ صرف یہ کہ اپنے لیے وہاں کی برکات و منافع سے محرومی کا سامان کر رہے ہیں بلکہ اس پوری فضا کو وہاں کے لیے غیر موزوں اور نامانوس کاموں سے آلودہ کر کے دوسروں کے لیے بھی یقینی طور پر حرج اور نقصان کا باعث بن رہے ہیں۔

اور پھر سیاسی بازی گری کا یہ تماشا بھی عجیب ہے کہ جب ان سے کہا جاتا ہے کہ حج کا عمل اور حرمین شریفین اس قسم کے سیاسی تماشوں کا محل نہیں ہیں، تو وہ زور زور سے اسلام کی جامع حیثیت پر تقریر کرنے لگتے ہیں ——— یہ ایسا ہی ہے جیسے کہ کوئی نوجوان مسجد میں فٹ بال کھیلنے لگے، یا نماز کے دوران کسی کافر کو دعوتِ اسلام دینے لگے، اور جب کوئی اسے سمجھائے کہ مسجد جسمانی ورزش اور تفریح کی جگہ نہیں، یا نماز کے دوران کسی مخلوق سے بات نہیں کرنی چاہیے تو وہ الٹا اس پر شور مچانے لگے کہ تم لوگوں نے مسجد کی "وسیع تر حیثیت" کو اور عبادت کے "وسیع تر مقصد" کو اور اسلام کی "جامعیت" کو بالکل نہیں سمجھا۔

ایران کے شیعہ انقلابی اگر ایسا کر رہے ہیں تو یہ بات ہزار بار افسوس کے قابل ہونے کے باوجود ایک بار بھی حیرت کے قابل نہیں ہے، لیکن اگر ملت اسلامیہ کے وہ نوجوان اس پروپیگنڈے سے متاثر ہوتے ہوئے نظر آئیں جن کی توانائیاں، اور جن کے جذبات بہت قابل قدر ہیں تو صورت حال یقیناً مختلف ہو جاتی ہے ———

ایسے لوگوں سے جو اسلام کے اس مقدس مرکز کی بے آبروئی کے مجرم ہوں، کسی خیر کی توقع رکھنا اُس بھولے پن کا کھلا ہوا ثبوت ہے جس نے اسلامی تاریخ میں بارہا بہت بُرے دن دکھائے ہیں۔

اس قسم کے ہنگامے تاریخ میں کئی بار ہوئے ہیں ـــــ دنیا کی توجہ تھوڑی دیر کے لیے ان کی طرف مبذول ہو جائے، کچھ لوگ کچھ دن کے لیے ہراساں ہو جائیں، کچھ

سادہ لوح لوگ کچھ دن کے لیے پر امید ہو جائیں، یہ سب ہو سکتا ہے اور بارہا ہوا ہے لیکن ان سے اسلام حقیقی اسلام کو قوت پہنچے، اللہ کے حکموں کا بول بالا ہو، اللہ کے بندوں کی عاقبت بنے، نہ ایسا کبھی ہوا ہے اور نہ ہو سکتا ہے ——— اور جو لوگ احیاء دین کے نظام اور خدا کی طرف سے وضع کردہ نصرت حق اور اقامت دین کے دائمی اصول و قوانین کو سمجھتے اور مستحضر رکھتے ہیں وہ ایک منٹ کے لیے بھی ان سے ان نتائج کی توقع نہیں کر سکتے اور نہ انھیں اس خبر سے کوئی دلچسپی ہوتی ہے کہ فلاں جگہ "ولایتی کفر و ضلال" کی جگہ "دیسی کفر و ضلال" نے لے لی، بلکہ وہ بعض پہلوؤں سے اس کو اُس سے زیادہ خطرناک سمجھتے ہیں۔

---

## (صفحہ ۴۰ کا بقیہ)

"ناچیز کو حسرت رہ گئی کہ کسی ایک مستشرق کی ایسی کتاب پڑھتا جو گالی گلوج، افترہ بازی، رکیک زبان اور چھچھورے اسلوب یا طرز نگارش سے پاک ہوتی ...... برنارڈ لوئس نے اپنی تازہ ترین تالیف THE MUSLIM DISCOVERS OF EUROPE مطبوعہ نیویارک میں اسلام اور اسلام قبول کرنے والے مسیحیوں کے خلاف جو رکاکت لسانی کا ثبوت دیا ہے، وہ اپنی مثال آپ ہے۔ ۱۹۸۲ء کی لکھی ہوئی کتاب کے گالی گلوج کا مقابلہ ایک صدی قبل کی لکھی ہوئی کتاب سے کر لیجیے کوئی فرق نظر نہیں آئے گا ...... عالم اسلام میں مستشرقین کی اصطلاح اب ہوائے زمانہ ہوتی چلی جا رہی ہے اس کے معنی اسلام دشمن ہو گئے ہیں ...... اس لیے اب مستشرقین نے اپنے آپ کو اسلامسسٹ (ISLAMICIST) لکھنا شروع کیا ہے تاکہ ان پر لفظ مستشرق کا اطلاق ہی نہ ہو۔ چنانچہ برنارڈ لوئس نے بھی اپنی مذکورہ بالا کتاب کے مقدمہ میں اپنے آپ کو اس نئی اصطلاح سے یاد کیا ہے۔

(بشکریہ صدق جدید لکھنؤ)

# سیّد احمد شہیدؒ کی تحریک جہاد اور انگریز

## برطانوی سرکار کی رپورٹوں کی روشنی میں

از ـــــــ جناب سید میر بادشاہ بخاری ایڈووکیٹ ہائی کورٹ

[حضرت سید احمد شہیدؒ اور شاہ اسماعیل شہیدؒ کی تحریک جہاد تاریخ دعوت و عزیمت میں ایک اہم مقام رکھتی ہے۔ ماضی قریب میں مختلف پہلوؤں سے اس کی کوئی نظیر نہیں ملتی۔ مگر برا ہو تنقید و تنقیص کے شوق کا جس کی زد سے اعلیٰ سے اعلیٰ اصلاحی و تجدیدی کارنامے بھی نہیں بچتے۔ سیّد احمد شہید کی تحریک، اس سے کیونکر بچتی۔ چنانچہ اس کے بارے میں بھی بہت کچھ کہا گیا اور کہا جاتا ہے۔ ایک بات یہ بھی کہی جاتی ہے کہ اس کا تعلق برطانوی سرکار سے جاسوسی اور وفاداری کا تھا ـــ اس پروپیگنڈے سے خاص طور سے اعلیٰ حضرت بریلی کے حلقہ ارادت کو دلچسپی رہی ہے۔ حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ اس تحریک کی تاریخ کے اجمالی مطالعہ ہی سے جو حقیقت روز روشن کی طرح عیاں ہوتی ہے وہ یہی ہے کہ دین خالص سے وفاداری، کفر کی ہر قسم سے بیزاری، اور اللہ کی زمین پر اللہ کا کلمہ بلند کرنے کا جذبہ اور اس راہ میں جہاد کا شوق اور شہادت کا شوق ہی اس کے نمایاں اوصاف تھے ـــ لیکن اس کے باوجود بغیر کسی دلیل یا ثبوت کے ہر کچھ دن کے بعد کسی نئے نام سے وہی پرانی بات دوہرائی جاتی رہتی ہے ـــ حال ہی میں شاہ حسین گردیزی کی کتاب "حقائق تحریک بالاکوٹ" میں انہی خیالات کا اعادہ

کیا گیا ہے۔ اس کتاب پر لاہور پاکستان کے مشہور ماہنامہ ترجمان القرآن کے اگست ۱۹۷۰ء کے شمارہ میں تبصرہ شائع ہوا تھا، جو جناب سید میر بادشاہ بخاری صاحب کے لیے زیرِ نظر مضمون لکھنے کا محرک ہوا، موصوف کا یہ مضمون اسی مؤقر رسالہ کے فروری ۱۹۷۰ء کے شمارہ میں "تحریک مجاہدین اور انگریز" کے زیر عنوان شائع ہوا ہے ——— موضوع کی اہمیت اور مضمون کی افادیت کے پیش نظر موقر ماہنامہ اور فاضل مضمون نگار کے شکریہ کے ساتھ ہم اپنے قارئین کی خدمت میں اسے پیش کر رہے ہیں۔

مضمون میں انگریزی رپورٹوں کے اصل متن بھی نقل کیے گئے ہیں۔ لیکن ہم نے یہاں صرف ترجمہ پر اکتفا کیا ہے ——— مدیر]

سانحہ بالاکوٹ کے بعد تحریک مجاہدین کے باقی ماندہ افراد نے انگریزوں کے خلاف مسلسل جہاد کیا ہے۔ یہاں تک کہ اُن کا آخری لیڈر شہزادہ برکت اللہ صاحب ۱۹۴۷ء میں جنگ کشمیر میں شامل ہو کر جہاد کرتا رہا ہے۔ ان مجاہدین نے دن رات ایک کر کے قبائلیوں میں جذبہ جہاد اُبھارا۔ فرنٹیر میں انگریزوں کے خلاف جتنی لڑائیاں ہوئیں اُن کے رُوحِ رواں یہی مجاہدین تھے جن پر آج انگریزوں کے جاسوس کی پھبتی کسی جا رہی ہے۔ یہی لوگ تھے جو سید احمد شہیدؒ اور شاہ اسمٰعیل شہیدؒ کے تربیت یافتہ تھے۔ اگر سید احمد شہید انگریزوں کے جاسوس ہوتے تو یہ لوگ انگریزوں کے خلاف مسلسل جہاد نہ کرتے۔ بلکہ انگریزوں نے جب پنجاب فتح کر کے سکھوں کو شکست دی تو یہی لوگ اچھے معاوضے پاتے اور جاگیروں کے مالک بن جاتے۔

کچھ عرصہ قبل اس سلسلہ میں (کہ جاگیرداروں کو بڑی بڑی زمینیں کیسے ملیں) تحقیقی کام کر رہا تھا اور اس تحقیق کے دوران سرکاری فائلوں میں میری نظر سے ایسی ایسی تحریریں گزریں کہ ان مجاہدین کو دل کی گہرائیوں سے خراجِ تحسین پیش کرنا پڑتا ہے اور ان کے لیے آدمی کے ہونٹ پر بے ساختہ دُعا کے کلمات آجاتے ہیں۔ اس وقت اپنے تحقیقی کام کے ساتھ ساتھ میں سرکاری فائلوں سے وہ نوٹس بھی نقل

کرتا رہا۔ جن سے معلوم ہوتا ہے کہ تحریک بالاکوٹ کے افراد نے اپنے جہاد کو مسلسل جاری رکھا اور تمام عمر ہزارہ اور سوات کے درمیان پہاڑوں میں متحرک رہے۔ اور لوگوں کو انگریزوں کے خلاف ابھارتے رہے اور ان کو جہاد پر آمادہ کرتے رہے۔

اس وقت پیش نظر صرف یہ امر ہے کہ کیا تحریک مجاہدین انگریزوں کے جاسوسوں کی تحریک تھی۔ جیسا کہ گردیزی صاحب نے تحریر کیا ہے۔ فی الحقیقت غیر مستند روایات کو ایک رائے کی اساس بنانا نہ دانشمندی ہے اور نہ ہی انصاف۔

جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ سانحہ بالاکوٹ کے بعد باقی ماندہ مجاہدین مسلسل جہاد کرتے رہے اور صوبہ سرحد میں جتنی لڑائیاں ہوئی ہیں۔ ان میں مجاہدین نہ صرف صف اول میں رہے بلکہ مقامی قبائل کو جہاد پر آمادہ کیا۔ نیز جن کی شیرازہ بندی بھی انھوں نے کی۔ چونکہ تمام لڑائیوں مثلاً جنگ امبیلہ جنگ کالا ڈھاکہ (BLACK MOUNTAIN EXPEDITION) جنگ نارنجی، جنگ شیخ خانہ وغیرہ میں جہاد کی کمان مجاہدین کے ہاتھ میں تھی اس لیے حکومت برطانیہ کو یہ ضرورت پیش آگئی کہ اس تحریک پر ایک مکمل لیکن مختصر رپورٹ سرکاری استعمال کے لیے تیار کی جائے۔ وہ رپورٹ پندرہ بڑے سائز کے صفحات پر مشتمل ہے۔ اور آخر میں ایک نقشہ ہے۔ اس رپورٹ کا ابتدائیہ اور اختتامیہ ہی اس امر کی مکمل شہادت ہے کہ مجاہدین انگریزوں کے دشمن تھے۔ اور ان کے جہاد کا اصل مقصد انگریزوں ہی کا استیصال تھا۔ اس لیے فی الوقت اس رپورٹ کے ابتدائی جملے اور آخری جملے پیش کیے جاتے ہیں۔ رپورٹ کا عنوان ہے:۔

REPORT ON THE HINDUSTANI FANATICS

ہندوستانی کٹر ملاؤں پر رپورٹ۔ مرتبہ لفٹیننٹ کرنل اے ایچ میسن۔ ڈی ایس او ڈپٹی اسسٹنٹ کوارٹر ماسٹر جنرل۔ شملہ ——— مطبوعہ گورنمنٹ سنٹرل پرنٹنگ آفس۔ ۱۸۹۵ء۔ اس رپورٹ کی ابتدا ان جملوں سے ہوئی ہے۔

"پنجاب کے الحاق کے بعد ہندوستان کے کرٹ ملّا ایک مستقل مصیبت بن گئے ہیں۔ گویا برطانوی سرکار کے سینہ میں ایک خنجر کی طرح ہیں۔ اگرچہ پشاور کی سرحد پر آباد آزاد قبائل کے خلاف بھیجی جانے والی تعزیری مہمات کی فوری وجہ یہی لوگ ہیں تاہم عمومی اعتبار سے ان کے آغاز اور تاریخ کے بارے میں بہت کم معلومات میسر ہیں۔ اس سبب سے یہ خیال آیا کہ ان کی ابتداء، اور برطانوی سرکار کے تعلق میں ان کا رویہ معلوم کرنے کے لیے ایک مختصر رپورٹ کا تیار کرنا دلچسپی سے خالی نہ ہوگا ——— ان کرٹ ملّاؤں کو بار بار ہمارے فوجیوں کے ہاتھوں زک اٹھانا پڑی۔ پھر بھی ماضی قریب یعنی ۱۸۹۱ء کی ہزارہ مہم تک یہ لوگ ہمارے مقابل صف آراء رہے۔ اور حالت یہ ہے کہ اب بھی جب اُن کے پاس وہ قوت نہیں، جو کبھی تھی۔ وہ پشاور اور ہزارہ کی سرحدات سے درے آزاد قبائل کی جانب سے پیدا کی جانے والی پیچیدہ صورت حال کی پشت پر موجود شرارت کے تعلق میں ایک عامل کی حیثیت رکھتے ہیں۔

اس رپورٹ میں پیش نظر یہ رہا ہے کہ اول اس فرقہ کے ماخذات کو بیان کیا جائے (اگر فرقہ کی اصطلاح مسلمانوں کے کسی نامطمئن اور کرٹ ملّاؤں کے ٹولہ کے لیے استعمال کی جاسکتی ہے) اور پھر مختصراً وہ حالات بیان کیے جائیں جن کے تحت مختلف اوقات میں ہماری افواج کے مقابل آئے۔ نیز آج کے زمانے تک ان کی تاریخ بیان کی جائے"

میرے خیال میں صرف یہی ایک اقتباس شیخ محمد اکرام کی تھیوری کو بھی یکسر مسترد کرتا ہے اور گردیزی صاحب کے خرافات کو بھی۔ حیرت کی بات ہے کہ انگریزوں کو اپنے "جاسوسوں" (بقول گردیزی صاحب) کی تحریک کا علم نہیں اور وہ ضرورت محسوس کر رہے تھے کہ ایک ایسی رپورٹ برائے ضروریات سرکاری (OFFICIAL USE) مرتب کی جائے۔ جس سے ان لوگوں کے حالات

سے حکومت کو معلومات مہیا ہو جائیں۔ جو انگریزوں کے جانی دشمن اور ان کے لیے مستقل خطرہ بنے ہوئے تھے۔

اس رپورٹ کا آخری پیراگراف مندرجہ ذیل الفاظ میں ہے:۔

"مندرجہ بالا رپورٹ سے یہ ظاہر ہوگا کہ گذشتہ نصف صدی سے ہندوستانی ہمارے ساتھ کم و بیش چھ بار متصادم ہوئے ہیں۔ ہر بار انھیں شدید نقصان اُٹھانا پڑا اور ہر بار اپنا گھر بار چھوڑنا پڑا۔ لیکن جیسا کہ اس رپورٹ کے آغاز میں کہا گیا تھا۔ اب بھی وہ پنجاب کی سرحد سے وابستہ آزاد قبائل کے تعلق میں پیدا ہونے والی پیچیدگیوں کے پس پشت موجود شرارت کے سلسلہ میں ایک عامل کی حیثیت رکھتے ہیں اگرچہ پہلے کے مقابلہ میں کہیں کم درجہ"

(یاد رہے کہ ۱۹۰۱ء تک صوبہ سرحد اور پنجاب ایک ہی صوبہ تھا۔ ۱۹۰۱ء میں لارڈ کرزن نے صوبہ سرحد کو ایک الگ صوبے کی شکل میں پنجاب سے جدا کیا۔ اس لیے رپورٹ میں "پنجاب فرنٹیر" لکھا گیا ہے۔ کیونکہ رپورٹ ۱۹۰۱ء سے قبل کی ہے۔)

اس اقتباس سے یہ بات بخوبی واضح اور ثابت شدہ ہے کہ مجاہدین مسلسل نصف صدی تک یعنی ۱۸۴۵ء سے (مطابق رپورٹ) انگریزوں کے خلاف مصروف جہاد تھے اور جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا ہے اس کے بعد بھی وہ ۱۸۹۷ء تک جہاد میں مصروف تھے۔

یہاں یہ بات بھی عرض کروں کہ ویت نام کی چودہ سالہ جنگ میں ویت نامیوں کے لیے مدح و منقبت کے ڈونگرے برسائے جا رہے تھے، حالانکہ اُن کی پشت پر روس اور چین جیسی مضبوط حکومتیں تھیں۔ لیکن ان بے سرو سامان مجاہدین نے ۱۸۹۵ء سے قبل پچاس سال تک جد و جہد کی۔ جب کہ مقامی آبادی کو معاہدوں میں جکڑ کر اُن کے رہنے کے لیے بھی زمین تنگ کی گئی اور پھر بھی اُن پر بیجا تو، لغو

اور شرمناک الزام لگایا جا رہا ہے کہ وہ انگریزوں کے جاسوس تھے۔ حقیقت میں یہ احسان فراموش لوگ ہمیشہ سے اپنے محسنین اور اکابرین کے زریں کارناموں کو آلودہ کرنے میں کوئی شرم محسوس نہیں کرتے۔

اب میں یہ بتاؤں گا کہ مجاہدین کے خلاف مقامی قبائل کو کس طرح معاہدوں میں جکڑ کر ان پر انگریزوں نے عرصۂ حیات تنگ کیا تھا۔

۱۳ر ستمبر ۱۸۶۱ء کو ایک معاہدہ اتمان زئی کا یا اور کیئل KAYAAND نیز بٹہ TAPPA سالار گدون سے ساتھ کیا گیا جو کہ اس طرح تھا:۔

> (۱) ہم انفرادی اور اجتماعی طور پر عہد کرتے ہیں کہ جناب سید (سابق ساکن ستھانہ حال وارد ملکا) کسی ہندوستانی کٹڑ ملا کو یا اُن سے متعلق کسی اور شخص کو ــــــ یہ اجازت نہیں دیں گے کہ وہ اما زئی علاقہ یا کسی اور جگہ آئے ۔

> ہم کسی شخص یا اشخاص کو رقم لے کر، یا اسلحہ یا گولہ بارود یا کسی طرح کا امدادی سامان ہندوستانی کٹڑ ملاؤں کی امداد کے لیے اپنے علاقے سے لے کر گذرنے کی اجازت نہیں دیں گے "

ایک اور ایزادی شق اس معاہدے میں بعد میں شامل کی گئی جس میں مقامی قبائل کو مجاہدین کو کاشت پر اراضی دینے سے بھی منع کیا گیا تھا۔ اس کے الفاظ مندرجہ ذیل ہیں:۔

> "ہم بذات خود ستھانہ کی اراضی کے مالکان کی حیثیت سے اس اراضی پر قابض رہیں گے، اس کی کاشت کا انتظام کریں گے اور سید صاحب، سابق ساکن ستھانہ یا ہندوستانی کٹڑ ملاؤں یا اُن کے کسی پیرو کو بغرض کاشت یا کسی اور مقصد کے لیے اس اراضی یا اس کے کسی حصّہ کا قبضہ نہیں دیں گے "

اس کے بعد ۶ر جنوری ۱۸۶۴ء کو ایک معاہدہ اتمان زئی قبیلہ کے ساتھ طے ہوا، جس کی شق ۵ ان الفاظ میں تھی:۔

"یہ کہ تاوقتیکہ حکومت اجازت نہ دے ہم کسی شخص کو اجازت نہیں دیں گے کہ وہ منڈی یا ستھانہ میں سکونت یا رہائش اختیار کرے۔ نہ ہی ہم مولوی حضرات یا ہندوستانیوں کو اپنے علاقہ سے گذرنے کی آزمائش بھگتیں گے یا انھیں یہ موقع دیں گے کہ وہ ان علاقوں میں بار دگر سکونت اختیار کریں۔"

پھر ۹ر جنوری ۱۸۶۴ء کو ایک معاہدہ قبیلہ مدّو خیل کے ساتھ ہوا، جس کا آخری حصہ یہ ہے:-

"یہ کہ ہم ہرگز باغی ہندوستانیوں کو اپنے علاقہ میں رہنے کی "زحمت" نہیں دیں گے۔"

پھر ۱۱ر جنوری ۱۸۶۴ء کو قبیلہ اماز ئی کے ساتھ معاہدہ ہوا، جس کا آخری حصہ یہ ہے:-

"حکومت وقت ہم سے اس امر کا اقرار نامہ لینے کی خواہش رکھتی ہے کہ ہم کبھی کبھی باغی ہندوستانیوں کو اپنے علاقہ میں رہنے کی اجازت نہیں دیں گے۔ ہم صدق دل سے ایسا اقرار نامہ کرنے کی اہمیت کو تسلیم کرتے ہیں اور تحریری طور پر اعلان کرتے ہیں کہ ہم ہرگز ہرگز ہندوستانیوں کو یہ "زحمت" نہیں دیں گے کہ وہ کسی بھی بہانے ہمارے علاقے میں آئیں اور یہاں بود و باش اختیار کریں۔"

پھر ۲۲ر جنوری ۱۸۶۴ء کو قبیلہ حسن زئی کے ساتھ ایک معاہدہ طے پایا جس کی شق ملا یہ تھی:-

"(۱) یہ کہ ہم کسی طرح بھی باغی ہندوستانیوں کو اس امر کی اجازت ہرگز نہیں دیں گے کہ وہ آکر ہمارے ملک کی حدود میں رہیں۔"

اسی طرح ایک معاہدہ قبیلہ چغرزئی (CHAGHARZAI) کے ساتھ ۱۲ر جون ۱۸۹۱ء کو ہوا جس کی شق ملا یہ تھی:-

"(۲) ہم کسی ہندوستانی کٹّ ملّا یا اُن کے پیروؤں کو اپنے ملک میں

بود و باش رکھنے کی اجازت نہیں دیں گے۔"

ان معاہدوں سے بالکل عیاں ہے کہ انگریز ہندوستانی مجاہدین کے وجود کو اس سرحدی علاقہ میں برداشت نہیں کر سکتے تھے۔ لہٰذا یہ معاہدے مختلف قبائل سے کیے گئے لیکن پھر بھی ان کو انگریزوں کا جاسوس کہا جاتا ہے، کتنے افسوس اور شرم کی بات ہے۔ حقائق اور انگریزوں کی سرکاری دستاویزات سے قطعی طور پر ناواقف اور لاعلم شخص ہی اس قسم کی شرمناک جسارت کر سکتا ہے۔

ان معاہدوں کے بعد ہندوستانی مجاہدین نے کسی نہ کسی طرح کوشش کر کے اور مقامی اثر و رسوخ استعمال کر کے اپنے رہنے کے لیے قوم امازئی و عمارہ خیل کی سرحدوں کے درمیان جگہ حاصل کی تو نواب سر محمد اکرم خاں، نواب امب نے ۱۲ مئی ۱۸۹۳ء کو مندرجہ ذیل خط ڈپٹی کمشنر ہزارہ کو لکھا (یہ خط اردو میں ہے):۔

بخدمت مہربان دوستان جناب ڈپٹی کمشنر صاحب بہادر، ہزارہ دسلامت باشید

پس از اشتیاقِ ملاقات آنکہ سرکار ذوی الاقتدار و حکام عالی شان صاحبان پر ظاہر ہے کہ قوم ہندوستانی مجاہدین بر خلاف سرکار کے ہیں۔ ہندوستانی مجاہدین اور ہاشم علی خاں عدم اظہارِ اطاعتِ سرکار میں یکساں اور ایک شکل ہیں۔ گورنمنٹ عالی وقار کی جانب سے جس قدر کالا ڈھاکہ واقوام حسن زئی و اکازئی و مداخیل وغیرہ سرحدی علاقہ غیر پر فوج کشی کی گئی ہے اور اقبال سرکار سے جب ان اقوام سرحدی علاقہ غیر نے اطاعت و فرمانبرداری سرکار باوقار کی منظور کی ہے تو سرکار کی جانب سے شروط قائم کی گئی ہیں۔ جیسا کہ منجملہ شروط کے ایک شرط یہ قرار دی گئی ہے کہ ہندوستانی فرقہ مفسدہ مجاہدین کو کوئی قوم سرحدی علاقہ غیر اپنی حد میں آباد نہ ہونے دے۔ اگر کوئی فریق اقوام علاقہ غیر سے پناہ یا سکونت کی جگہ دیوے تو سرکار اس قوم کو اپنے برخلاف تصور کرے گی۔ منجانب اقوام علاقہ غیر شرائط مجوزہ سرکار کی بابت عہدنامہ تحریری لی گئی ہیں۔ ہندوستانیاں مجاہدین کو بہ پابندی احکام مجریہ سرکار

علاقہ حسن زئی و اکازئی و مدا خیل میں جگہ سکونت و رہنے کی نہ ملی اور ان ہر سہ پٹہ جات نے ان کو پناہ نہ دی کیونکہ سنوات ماضیات میں قوم ہندوستانی مجاہدین جب موضع ملکا اور ستھانہ میدان میں آباد ہوئے اور قوم امازئی وجدون نے اس فرقہ کے ذریعے سے اپنے واسطے ایک قسم کی طاقت اور قوت حاصل کی۔ تو رفتہ رفتہ ملک سوات۔ چملہ و بونیر تک ایک شاخ فتنہ کی قائم ہوئی۔ جس میں سرکار دولت مندار کو تکلیف اور آخرالامر نوبت فوج کشی کی ہوئی۔ موضع ملکا اور ستھانہ کی بیخ کندی کی گئی۔ نصرت و فتح مندی سرکار کو حاصل ہوئی۔ ہنوز جب ہندوستانیاں کو اور قوموں میں جگہ سکونت و قیام کی نہ ملی تو قوم امازئی و عمارہ خیل سے سلوک پیدا کیا۔ اور جگہ قیام کی مابین حد قوم عمارہ خیل و امازئی کی تجویز کی۔ اور ان دونوں قوموں نے اپنی حد کے اندر قیام اور رہنا قوم ہندوستانی کا منظور کر کے جگہ دی ہے اور علاقہ امازئی و علاقہ ریاست امب پار دریائے اباسندھ سے سراسر ملک امازئی سے ملا ہوا ہے۔ عمارہ خیل و امازئی ہندوستانیوں کے ذریعے سے اپنے واسطے ایک قسم کی طاقت و قوت حاصل کرتے ہیں۔ اور قیام پذیر ہونا ہندوستانیاں کا اس گوشہ میں مانند قیام گاہ ملکا و ستھانہ کے تصور ہے جس سے پہلے چند دفعہ شاخ فتنہ کی برپا ہوتی رہی ہے۔ اگرچہ ہماری سرکار باوقار کے اقبال سے ان لوگوں کا خیال باطل ہے۔ مگر تاہم نوخاستہ شاخ فتنہ کو فرو کرنا ضروری ہے۔ اس وقت ہمارے حکام عالیشان صاحبان ضلع کی ادنیٰ اور تھوڑی توجہ سے یہ شاخ فتنہ کی فرو ہوتی ہے۔ اور استیصال اس کا اس وقت بہت آسان ہے۔ احتمال ہو سکتا ہے کہ اگر سرکار اس وقت اغماض فرما کر ان کی طرف خیال نہ فرماوے تو رفتہ رفتہ بالضرور قوم ہندوستانی پختہ طور پر قیام پذیر ہو کر خواہش اور مطالبات اپنے ظاہر کریں گے۔ چونکہ ان دونوں قوموں کا یعنی عمارہ خیل و قوم

امازئی کا ضلع ہزارہ و جانب اتمان بلاق ضلع مردان سے تعلق ہے۔ اس لیے اپنے مہربان ڈپٹی کمشنر صاحب بہادر ضلع ہزارہ کو توجہ دلائی جاتی ہے کہ منجانب حضور آں دوستدار اور اسسٹنٹ کمشنر صاحب بہادر مردان کی طرف غور فرما کر عمارہ خیل و قوم امازئی کے نام احکامات تاکیدی و تہدیدی جاری فرمائی جاویں۔ اور اُن کو آگاہ کیا جائے کہ قوم ہندوستانی مجاہدین کو اپنے علاقہ کے حد میں قیام گاہ و پناہ نہ دویں۔ واجب تھا گزارش کرنا آئندہ مالک ہیں۔

تحریر بتاریخ ۱۲ مئی ۱۹۰۳ء — مہر نواب سر محمد اکرم خاں

سودہ سمی۔ مسل ۳۴۲

عنوان کبیر ۳۳، ذیلی عنوان (جی)

موضوع: ہندوستانی کٹ ملاؤں کا امازئی علاقہ میں سکونت اختیار کرنا۔

یہ خط جو کہ لفظ بلفظ اوپر نقل کیا گیا ہے۔ آنکھیں کھولنے والا ہے۔ اس خط پر کیا کارروائی ہوئی اور انگریزوں نے کیا پالیسی اختیار کی۔ یہ موضوع اس وقت زیرِ بحث نہیں ہے۔ لیکن ہندوستانی مجاہدین کا انگریزوں کے لیے انتہائی خطرناک ہونا اس سے بالکل واضح اور عیاں ہے نیز ہمارے نوابوں۔ جاگیرداروں اور راجاؤں کی چاپلوسی، خوشامد اور جاسوسی کی نشاندہی کرتا ہے۔

جب تمام قبائل علاقہ غیر کے ساتھ یہ معاہدے ہوئے اور کوئی قوم ہندوستانی مجاہدین کو رہنے کے لیے جگہ دینے پر آمادہ نہ تھی اور یہ بیچارے تنگ آ گئے تو مجاہدین کے اس وقت کے امیر مولوی عبد اللہ خانؒ نے ۶ مئی ۱۹۰۳ء کو غلام خاں اور مولوی احمد جی جو امازئی کے اُس وقت کے سرکردہ اشخاص تھے۔ مندرجہ ذیل خط لکھا۔

"جب میں نے پہلے پہل آپ کے ملک میں رہائش اختیار کرنے کا عزم کیا تھا تو آپ نے مجھ سے عہد لیا تھا کہ میں برطانوی علاقہ میں کسی کارروائی کا مرتکب نہیں ہوں گا اور اس سے اتفاق کرتے ہوئے آپ کو بتایا تھا کہ اگر

حکومتِ برطانیہ نے ہمارے معاملات میں کبھی مداخلت کی تو حفاظت خود اختیاری کے طور پر ہم اپنی ساری قوت کے ساتھ اقدام کرنے پر مجبور ہو جائیں گے...... اس سے قبل بھی اگر میں نے کبھی تلوار اٹھائی ہے تو صرف حفاظت خود اختیاری کی خاطر۔ میں کبھی بھی جارحیت کا مرتکب نہیں ہوا اور یہی وجہ تھی کہ میں نے بائیو مہم میں حصہ نہیں لیا...... براہ کرم حکومت برطانیہ سے پوچھ کر بتائیں کہ وہ ہماری موجودہ عدم جارحانہ حالت میں ہمیں ہمارے حال پر چھوڑ دیں گے یا نہیں بالخصوص جب ہم اپنے وعدہ پر کاربند ہیں اور برطانوی حکومت کے تعلق میں کسی شورش کا مظاہرہ نہیں کرتے"

روداد ۳۵۔ سال ۱۸۹۵ء — ترجمہ خط مورخہ ۰ ذیقعدہ ۱۳۱۲ھ (مطابق مئی ۱۸۹۵ء) منجانب مولوی محمد عبداللہ ہندوستانی کٹر ملاؤں کا قائد، بجانب غلام خاں و مولوی احمد جی امازئی)

یہ خط ایسے حالات میں تحریر ہوا کہ جب اس زمین کے اوپر اور آسمان کے نیچے ہندوستانی مجاہدین کے لیے کوئی قطعہ آراضی انگریزوں نے رہنے کے لیے نہیں چھوڑا۔

فی الحقیقت مجاہدین انگریزوں کے دل کے کانٹے تھے اور انگریزوں نے اس بات کو خود اپنی خفیہ رپورٹوں میں تسلیم کیا ہے۔ اور انگریزوں نے مصمم ارادہ کر لیا تھا کہ ان مجاہدین کو اس علاقے سے نکال دیں اور نیست و نابود کر دیں — ایک اقتباس ملاحظہ ہو۔ جو کہ جنگ امبیلہ کے سلسلے میں ایک خفیہ رپورٹ سے ماخوذ ہے۔

"ملکا سے ہندوستانیوں کو نکال باہر کرنے کے سلسلہ میں اس مہم کی ضرورت پڑی۔ ۱۸۵۲ء سے لے کر اب تک جب ہندوستانی اور حسن زئی قبیلے ہمارے خلاف متحد ہو گئے تھے، ہمارے پولیٹکل افسروں نے انہیں ہمارے قلب میں پیوستہ خنجر قرار دیا تھا جسے ہر قیمت پر تہس نہس کرنا منظور رہا تھا۔ اس نظریہ کے

تحت سر ہربرٹ ایڈورڈز نے ۱۸۹۸ء میں ستھانہ پر حملہ کر کے ان کا گاؤں نذر آتش کر دیا۔

(صوبہ سرحد کا خفیہ گزیٹیر۔ بجانب شمال بجواڑ اور سندھ و کوہستان تا پہاڑی علاقہ مری بجانب جنوب۔ پولیٹکل و ملٹری حوالہ کے لیے کوارٹر ماسٹر جنرل کے محکمہ کے انٹلی جنس برانچ کا مرتب کردہ ——— تکمیل و تدوین از لفٹیننٹ کرنل اے۔ ایل۔ اے۔ ہومز ——— بنگال سٹاف کور ——— جلد ۱۔ ۱۸۸۷ء میں گورنمنٹ سنٹرل برانچ پریس میں طبع ہوا)

(ص ۱۲۲)

ایک اور اقتباس ملاحظہ ہو۔ جو کہ انڈیا آفس لندن سے ایک خط بنام وائسرائے ہند سے لیا گیا ہے۔

"ان رپورٹوں کے مطالعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ ہندوستانی کٹڑ ملاؤں کا ٹولہ جو سرحدات پر اکثر بدامنی کا موجب بنے ہیں اور جنہیں ۱۸۵۸ء میں سر سڈنی کاٹن کی فوج نے ستھانہ سے نکال باہر کیا تھا۔ سال ۱۸۶۳ء کے دوران اس جگہ پر پھر قبضہ کر لیا ہے۔"

حوالہ: خفیہ / پولیٹکل انڈیا آفس لائبریری
۲۴ لندن ۱۶ جنوری ۱۸۶۳ء بجانب ہز ہائی نس دی رائٹ آنریبل گورنر جنرل، ہند۔
مسل ۲، عنوان کبیر ۳۳۔ ذیلی عنوان ۶۔ ہندوستانی نوآبادی ——— اسبیلہ وستھانہ۔

آخر میں صرف اتنا عرض کروں گا کہ انگریز تو مجاہدین سے اتنے خائف اور ہراساں تھے کہ اُن کی معمولی تعداد سے بھی وہ لرزہ براندام تھے۔ کیونکہ وہ مومن اور مجاہد تھے۔ مورخہ ۲۲ مئی ۱۸۹۳ء کے سول ملٹری گزٹ کا ایک تراشہ حکومت ہند نے آر۔ اُڈنی کمشنر اینڈ سپرنٹنڈنٹ پشاور ڈویژن کو ۲ جون ۱۸۹۳ء کے

ایک مراسلہ کے ساتھ بھیجا۔ حالانکہ اُس وقت مجاہدین کی طاقت، مقامی قبائل کے ساتھ معاہدوں کی وجہ سے کمزور پڑ گئی تھی۔ وہ تراشہ یہ تھا:۔

اقتباس از اخبار سول اینڈ ملٹری گزٹ۔ مورخہ ۲۳ مئی ۱۸۹۳ء

"بونیر پار سے آنے والی خبروں سے پتہ چلتا ہے کہ ہندوستانی کٹ ملاؤں کے قائد مولوی عبداللہ جو متعدد بار کوہ سیاہ کے علاقہ میں حکومت برطانیہ کے خلاف سرگرم عمل رہے ہیں۔ اب حال ہی میں پھر کبل گرام سے ٹپہ ملازئی آ گئے ہیں جہاں ملک غلام خاں (قبیلۂ چیرہ زئی) نے انھیں اور اُن کے پیروؤں کو ناگروئی، طلوی اور کھنڈاے کے تین گاؤں دے دیئے ہیں۔ مولوی صاحب بینہ طور پر ۴۰۰ افراد ہمراہ لائے ہیں۔ اُس جانب یہ خیال عام ہے کہ اس علاقہ میں جلد نہیں تو موسم خزاں میں ضرور گڑبڑ ہو گی۔"

---

مندرجہ بالا حقائق کی روشنی میں جو کہ بلا تبصرہ پیش کیے گئے ہیں جو کسی مورخ کے خیالات نہیں بلکہ سرکاری ریکارڈ ہے اور سرکاری فائلوں سے لیے گئے ہیں۔ اب میں قارئین کرام پر چھوڑتا ہوں کہ وہ خود رائے قائم کریں کہ کیا تحریک بالاکوٹ کے مجاہدین انگریزوں کے جاسوس تھے، یا انگریزوں کے جانی دشمن؟

مولانا غازی احمد (سابق کرشن لعل)

# ایک نومسلم کی سبق آموز داستانِ حیات

## "مِنَ الظُّلُمَاتِ اِلَی النُّور"

## منتخبات ـــــ یا ـــــ جھلکیاں

مئی کے شمارے میں مولانا غازی احمد صاحب نومسلم اور ان کی آپ بیتی "مِنَ الظلمات الی النور"[1] کا تذکرہ اور تعارف کرایا گیا تھا، پھر اس کے بعد کے شمارے سے ان کی اس آپ بیتی کے "منتخبات" کی اشاعت کا سلسلہ شروع کیا گیا اس کی دو قسطیں ناظرین کرام گزشتہ دو شماروں میں ملاحظہ فرما چکے ہیں ـــــ تیسری قسط اب نذرِ ناظرین ہے۔

پہلی دو قسطوں کے مطالعہ سے ناظرین کو معلوم ہو چکا ہے کہ کرشن لعل (ضلع جہلم مغربی پنجاب) کے ایک معزز دولتمند ہندو گھرانے کے نونہال تھے، ان میں کس طرح "تلاشِ حق" کا جذبہ پیدا ہوا۔ پھر اس کے لیے انھوں نے کس طرح اپنے طریقہ پر ریاضتیں اور دعائیں کیں، اسی زمانے میں ان کو خواب میں دو دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت نصیب ہوئی اور انھوں نے خواب ہی میں آنحضرت

---

[1] ان شاء اللہ یہ آپ بیتی "من الظلمات الی النور" کتب خانہ الفرقان کی طرف سے شائع ہوگی۔

صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک پر اسلام قبول کیا ــــــ اور پھر قصبہ بوچھال (ضلع جہلم) کے مولانا عبدالرؤف صاحب کے ہاتھ پر اسلام قبول کر لیا۔ اور خود ہی اپنا نام غازی احمد تجویز کیا (یہ سب اب سے ۴۵ سال پہلے ۱۹۳۵ء میں ہوا) ــــــ پھر اُن کے والد صاحب نے جو اُس زمانہ میں ریاست کشمیر میں ایک اعلیٰ عہدے پر تھے، مقدمہ بازی کا سلسلہ شروع کیا اور بالآخر ایک جج کو رشوت دیکر یہ فیصلہ حاصل کر لیا کہ غازی احمد اپنے والد کے ساتھ رہے اور جبراً اُن کے حوالہ کر دیا گیا۔ وہ اُن کو کشمیر لے گئے اور انتہائی سخت اور لرزہ خیز جسمانی سزائیں دیں تاکہ وہ اسلام کو ترک کر کے اپنے آبائی دھرم میں واپس آجائیں، لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کو استقامت نصیب فرمائی ــــــ پھر اس سلسلہ کی گزشتہ شمارہ کی قسط سے ناظرین کو یہ بھی معلوم ہو چکا ہے کہ وہ کس طرح کشمیر سے فرار ہو کر بوچھال آگئے ــــــ اس سے آگے مولانا غازی احمد صاحب نے آپ بیتی میں جو لکھا ہے اس کے کچھ منتخبات آج نذر ناظرین کئے جا رہے ہیں ــــــ غازی صاحب تحریر فرماتے ہیں۔]

**والد صاحب کی خدمت میں خط** میں نے بوچھال پہنچ کر جناب والد صاحب کو خط لکھ دیا کہ میں بخیریت بوچھال پہنچ گیا ہوں۔ میں وہاں سے کوئی سامان نہیں لایا۔ تمام سامان نہال چند صاحب کے گھر پر ہے۔ آپ وصول فرمالیں۔

**والدہ سے ملاقات** آمد کے ایک ماہ بعد میں پہلی مرتبہ والدہ مکرمہ کی خدمت میں میانی حاضری دینے گیا۔ والدہ صاحبہ مل کر رونے لگیں۔ اگر یہی کرنا تھا تو ہمیں پہلے ہی بتا دیتے ہم نے مقدمات کے بے حساب اخراجات بھی برداشت کیے اور بے عزتی بھی ہوئی۔

میں نے عرض کیا۔ امی جان! میں نے بارہا والد صاحب سے گذارش کی تھی۔ مگر انھوں نے میری التماس کو درخور اعتنا نہ جانا۔ انھوں نے خود بھی پریشانی مول لی۔ اور مجھے بھی تکلیف میں مبتلا کیا۔

## میانی میں آمد و رفت

میں میانی آنے جانے لگا۔ اکثر باہر کے کاموں میں والدہ مکرمہ کی مدد کرتا۔ بوچھال سے سودا سلف خرید کر لا دیتا۔ والدہ صاحبہ اب مجھ سے دلی طور پر راضی ہو چکی تھیں۔ میں نے انھیں بتا دیا تھا کہ اسلام ہمیں ماں باپ کی اطاعت کا حکم دیتا ہے۔ میں آپ کا مخلص خادم ہوں۔ والدہ صاحبہ میرے رویے سے بہت متاثر تھیں کہ پہلے تو ہمارا اس قدر خیال نہ رکھتا تھا۔ کاہے گاہے میں دبے الفاظ میں والدہ کی خدمت میں عرض کرتا کہ جس مذہب کو میں نے قبول کیا ہے وہ بھگوان کے نزدیک سچا مذہب ہے۔ اگر بھگوان ہم ماں بیٹے کو اپنی رحمت میں پناہ دے دیں تو کیا ہی بہتر ہو۔ والدہ ماجدہ میری باتیں سن کر متاثر ہو جاتیں مگر والد صاحب کا وجود مانع تھا۔

## تعلیمی سرگرمیاں

(آگے غازی صاحب نے اس عنوان کے تحت اپنا یہ حال لکھا ہے کہ میں نے اسکول میں داخلہ لے لیا لیکن سال بھر سے زیادہ مقدمہ بازی کے جھمیلوں میں مبتلا رہنے کی وجہ سے اور پھر بوچھال پہنچکر بھی کچھ مصروفیات کی وجہ سے میری تعلیمی حالت بہت کمزور ہو گئی تھی، مجھے ترقی دے کر دسویں جماعت میں شامل کر دیا گیا تھا لیکن امتحان میں کامیابی کی امید نہ تھی، جب امتحان میں بہت تھوڑے دن رہ گئے تو میں نے تلافی مافات کے لیے دن رات ایک کر کے محنت شروع کی اور ہر نماز کے بعد اللہ تعالےٰ سے اپنی کامیابی کی دعا کرتا یا اللہ کم از کم پاس تو ہو جاؤں ——— اس کے آگے غازی صاحب نے لکھا ہے)

**امتحان میٹرک**

اس زمانہ میں ہمارا امتحانی سنٹر گورنمنٹ ہائی اسکول پنڈ دادنخان میں ہوتا تھا، ماسٹر غلام قادر صاحب ہمارے ساتھ تھے۔ ہم امتحان دینے والے کل سترہ طلبہ تھے۔ جن میں چودہ مسلمان اور تین ہندو تھے۔ امتحان کے دنوں میں اللہ پاک کی بارگاہ میں گڑگڑا کر دعائیں کرتا۔ یا اللہ مجھے ہندوؤں کے سامنے شرمندہ نہ کرنا ورنہ میرا اور میرے مذہب کا مذاق اڑائیں گے۔

امتحان دے کر ہم واپس آ گئے۔ میرے بارے میں ہر استاد کو خدشہ تھا۔ رزلٹ کے دن ہم ڈاکخانہ میں جمع تھے ہیڈ ماسٹر صاحب نے فرمایا۔ غازی احمد تم کیوں آئے ہو تمھارا رزلٹ تو سب کو معلوم ہی ہے۔ (مطلب یہ تھا کہ کامیابی کی کوئی امید نہیں) میں نے عرض کیا کہ میں تو دوستوں کی کامیابی کی خوشی میں شرکت کرنے آیا ہوں۔

**نتیجہ امتحان**

خدا خدا کر کے ڈاک آئی۔ تھیلا کھولا گیا۔ سترہ میں سے چودہ طلبہ پاس تھے۔ ایک فرسٹ ڈویژن چھ سیکنڈ ڈویژن اور سات تھرڈ ڈویژن میں کامیاب ہوئے۔ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شفقت کا نتیجہ تھا کہ صرف میں ہی ۵۲۵ نمبر لے کر فرسٹ ڈویژن میں کامیاب ہوا تھا۔ اساتذہ کرام میری اس کامیابی پر بہت خوش تھے اور ہیڈ ماسٹر صاحب کی مسرت کی تو انتہا نہ تھی۔ غازی صاحب! آپ کی یہ کامیابی ایک معجزہ ہے اور اسلام کی مرہون منت ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد "میں تمھاری کامیابی کے لیے دعا کر رہا ہوں"[1] کی صداقت اظہر من الشمس تھی، میرا ایمان تھا کہ رحمت عالم

---

[1] "الفرقان" ہی کے گذشتہ شمارہ میں ذکر کیا جا چکا ہے کہ مولانا غازی احمد صاحب اسلام قبول کرنے سے پہلے بھی دو دفعہ خواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہوئے تھے، دوسری دفعہ کے خواب میں حضور نے ان سے فرمایا تھا کہ "میں تمھارے لیے دعا کر رہا ہوں" پورا خواب اصل کتاب "من الظلمات الی النور" میں ان شاء اللہ آپ ملاحظہ فرما سکیں گے۔

کی دعا میرے لیے کامیابیوں اور کامرانیوں کے دروازے کھول دے گی۔

**والد صاحب سے پہلی اور آخری ملاقات** تقریباً تین سال بعد والد صاحب گھر رخصت پر آئے۔ میں بوچھال سے [illegible] صاحب کے باغ کی طرف سائیکل پر سوار جا رہا تھا۔ راستے میں والد صاحب بوچھال جاتے نظر آئے۔ میں قریب پہنچ کر احتراماً سائیکل سے اتر پڑا۔ والد صاحب توجہ کیے بغیر آگے بڑھ گئے۔ میں بھی پکارنے کی ہمت نہ کر سکا۔ اللہ تعالیٰ کی شان! میں حیران تھا۔ کہ ایک والد حقیقی بیٹے کو تین سال بعد ملتا ہے۔ مگر والد اُسے نظر انداز کر کے آگے بڑھ جاتے ہیں حالانکہ بیٹے نے کسی جرم کا ارتکاب بھی نہیں کیا جرم اتنا ہی ہے کہ اس نے تاریکی کو ترک کر کے روشنی کو اختیار کیا۔ حق و باطل کی اس کشمکش میں لاکھوں باپ بیٹوں سے جدا ہوئے میں خاموش کھڑا رہا اور دور تک والد صاحب کو جاتے دیکھتا رہا۔ کشمیر سے آنے کے بعد والد گرامی سے یہ میری پہلی اور آخری ملاقات تھی۔

**دینی تعلیم کے سفر کا آغاز** (آگے غازی صاحب نے بیان کیا ہے کہ میٹرک کے امتحان میں کامیابی کے بعد انھوں نے آئندہ پروگرام کے بارے میں مولانا عبد الرؤف صاحب سے مشورہ کیا، موصوف نے ان کو مشورہ دیا کہ آپ نے بڑی قربانیوں کے بعد دین حاصل کیا ہے اب آپ اس کی تعلیم حاصل کریں ——— چنانچہ انھوں نے ہمارے قدیمی مدارس کے طریقہ تعلیم کے مطابق پہلے فارسی پڑھی اس کے بعد عربی کی صرف و نحو شروع کی۔ یہ تعلیم انھوں نے مولانا عبد الرؤف صاحب کی رہنمائی کے مطابق مختلف مقامات پر مختلف اساتذہ سے حاصل کی۔ اس تعلیمی سفر کے سلسلہ میں وہ مختلف شہروں میں رہے، قریباً ڈیڑھ سال دارالعلوم دیوبند میں بھی رہے۔ بہرحال انھوں نے خداداد ذہانت

اور شدید محنت سے پورے درس نظامی کی تکمیل صرف تقریباً ۶ سال میں کر لی۔ جس کے لیے عام طور پر ۱۰-۱۲ سال درکار ہوتے ہیں —— اس کے بعد انھوں نے مولوی فاضل اور منشی فاضل کے امتحانات دیئے اور ان میں پنجاب یونیورسٹی میں اول پوزیشن حاصل کی —— آگے غازی صاحب نے ۱۹۴۷ء میں ہونے والی ملک کی تقسیم کا ذکر کیا ہے، وہ اس زمانہ میں پنجاب کے شہر گجرات میں مولانا سید عنایت اللہ شاہ بخاری کے مدرسہ "اشاعت القرآن" میں تعلیم حاصل کر رہے تھے۔ غازی صاحب نے لکھا ہے)

**تقسیم ملک** ۱۹۴۷ء میں تقسیم ملک کا واقعہ رونما ہوا۔ اور ملک میں ہندو مسلم فسادات شروع ہو گئے۔ مجھے والدہ صاحبہ اور بھائیوں کا فکر لاحق ہوا۔ میں فوراً گجرات سے بوچھال پہنچا۔ رات ہی کو ایک قریبی موضع نور پور میں وسیع پیمانے پر قتل و غارت کا بازار گرم ہو گیا۔ علی الصبح میں میانی پہنچ گیا۔ والدہ صاحبہ اور بھائیوں کو بوچھال سو بہدار خان زمان صاحب کے مکان پر لے آیا۔ یہ مکان میانی اور بوچھال کے درمیان واقع ہے گھر کا قیمتی اثاثہ بھی وہیں لے آیا۔ مجھے یقین تھا کہ میری موجودگی میں کوئی شخص میرے عزیزوں کی طرف نظر بد سے نہیں دیکھ سکتا۔

**والدہ چکوال کیمپ میں** علاقے سے ہندوؤں کا اخراج شروع ہو گیا گورنمنٹ نے چکوال میں کیمپ قائم کر دیا تاکہ ہندو حضرات وہاں جمع ہو جائیں اور فوج کی نگرانی میں محفوظ رہ سکیں۔ میں نے والد صاحب کو تار ارسال کیا۔ اگر آپ اجازت دیں تو میں والدہ اور بھائیوں کو کیمپ کی بجائے اپنے پاس رکھ لوں مگر والد صاحب نے اجازت نہ دی۔ مجبوراً والدہ صاحبہ اور بھائیوں کو فوجی گاڑی میں چکوال روانہ کر دیا۔

میں ہر روز باقاعدگی سے چکوال جاتا اور ضروریات کی اشیا پہنچا آتا۔

تقریباً ایک ماہ کیمپ میں ان کا قیام رہا۔ الحمدللہ! والدہ اور بھائی وہاں آرام سے رہ رہے تھے۔ کھانے پکانے کی تمام اشیاء میں مہیا کر دیتا تھا۔ کیمپ کے نگران فوجی حضرات میرے واقف بن چکے تھے۔ لہٰذا وقت بے وقت کیمپ میں جانے کی میرے لیے کوئی ممانعت نہ تھی۔ والدہ صاحبہ کی وجہ سے کیمپ کے تمام بندوحضرات واقف تھے۔ والدہ صاحبہ سے کہا کرتے یہ بچہ تمہاری کس طرح خدمت کرتا ہے اور تمہاری ہر ضرورت کا خیال رکھتا ہے۔ کاش یہ مسلمان نہ ہوتا۔

**خالہ کی امانت** لوگ جب کیمپ میں منتقل ہو رہے تھے تو میری خالہ نے والدہ صاحبہ کی وساطت سے ایک بوری میں لپٹا ہوا کچھ مال میرے پاس بطور امانت رکھا کہ اگر ہم چکوال کیمپ میں زندہ بچ گئے تو اپنا مال واپس لے لیں گے اگر ہم مارے گئے تو یہ مال تمہارے کام آئے گا۔ میں نے کہا خالہ جان اللہ تعالیٰ آپ کو سلامت رکھیں۔ میں مال کا طالب نہیں ہوں۔ میں نے یہ مال صوفی جان محمد صاحب کو بتا کر ان کے گھر رکھ دیا۔ ایک روز میں نے صوفی صاحب سے کہا دیکھیں تو سہی! بوری میں کیا ہے۔ جب کھول کر دیکھا تو کپڑے میں تقریباً دو سیر سونا، ۸۰ پونڈ اور تقریباً بیس بائیس سیر چاندی تھی۔ مال کو اسی طرح باندھ کر بوری میں لپیٹ دیا گیا۔

**امانت کی واپسی** ایک دن شام کے وقت اطلاع ملی۔ کہ صبح چکوال سے ایک اسپیشل ٹرین کیمپ والوں کو لے کر انڈیا جا رہی ہے۔ مجھے فوراً امانت کا خیال آیا۔ صوفی صاحب بھی گھر پر نہ تھے۔ اللہ تعالیٰ پر توکل کرتے ہوئے امانت کو سائیکل پر باندھا اور چکوال روانہ ہو گیا۔ سورج غروب ہو چکا تھا۔ اس دور میں راستہ بھی غیر محفوظ تھا۔ چکوال کے راستے میں ایک دو جگہ لاشیں بھی پڑی دیکھ چکا تھا۔ مگر ضمیر کی آواز تھی کہ جلد چکوال پہنچ کر امانت خالہ کے حوالے کروں۔ عشاء کے وقت کیمپ میں پہنچ گیا۔ فوجی حضرات نے پوچھا

دیر سے آئے ہو۔ میں نے کہا ایک ضروری کام تھا۔ جب میں کیمپ میں داخل ہوا، تو میری خالہ اور خالو بہت خوش ہوئے کہ بھگوان کی دیا سے ہمارا مال پہنچ گیا ہے۔ کیمپ کے ہندو حضرات جمع ہو گئے۔ میں نے سائیکل سے امانت کھول کر خالو صاحب کے حوالے کی۔ کہ اپنا مال دیکھ لیں۔

**دیانت کی عظمت** تمام حضرات میری دیانت داری پر بہت خوش ہوئے۔ ایک صاحب فرمانے لگے۔ ہندو خون ہے دیانت داری کیوں نہ ہو۔ میں نے کہا اجی حضرت آپ غلط کہہ رہے ہیں۔ اگر میں مسلمان نہ ہوتا تو یہ مال کب کا ٹھکانے لگ چکا ہوتا۔ اسلام نے مجھے سکھایا ہے کہ امانت میں خیانت قبیح ترین جرم ہے حق دار کو اس کا حق صحیح وسالم واپس کرو۔ خدا کا شکر ہے کہ مسلمان تھا اور آپ کا یہ حق واپس کر رہا ہوں۔ وہ صاحب کہنے لگے اگر تمام مسلمان تمہاری طرح ہوتے تو شاید ہمیں اپنا علاقہ چھوڑ کر نہ جانا پڑتا۔

والدہ صاحبہ بہت خوش تھیں کہ تو نے میری عزت میں اضافہ کر دیا۔ میں خود بھی امانت واپس کر کے بہت خوش تھا کہ الحمد للہ میں نے بددیانتی کا ارتکاب کر کے اسلام کے مقدس دامن کو داغدار نہیں کیا۔ اللہ تعالیٰ مجھے حرام رزق سے بچائے۔ اہل کیمپ نے بتایا۔ کہ ٹرین کی اطلاع غلط تھی۔ معلوم نہیں کب آئے ہم تو کیمپ کی زندگی سے تنگ آ چکے ہیں۔

**بھائی کے لیے استدعا** میں دوسرے دن چلا آیا البتہ والدہ صاحبہ سے گزارش کی کہ آپ تو سب بھارت چلے جائیں گے۔ پھر شاید زندگی میں ملاقات نہ ہو سکے اگر آپ میرے بھائی ارجن داس کو میرے پاس چھوڑ جائیں تو ہم کم از کم دو بھائی دکھ سکھ میں ایک دوسرے کے کام آ سکیں گے۔ والدہ مکرمہ نے رضامندی کا اقرار کر لیا۔

**والدہ کی اندیاروانگی** میں ہر روز جگوال جا کر والدہ صاحبہ سے ملاقات کر لیتا۔ وہ مجھ سے بہت خوش تھیں دعائیں دیتے

دیتے نہ تھکتی تھیں اور میں والدہ کی دعاؤں کا طالب تھا۔ ایک دن بخار تھا۔ میں چکوال نہ جاسکا۔ شام کو اسپیشل ٹرین آگئی۔ اور سب ہندو چلے گئے۔ تیسرے دن جب میں کیمپ میں پہنچا تو حیران رہ گیا۔ معلوم ہوا کہ کل صبح ٹرین جاچکی ہے۔

ونہار ہوٹل کے مالک غلام محی الدین صاحب نے بتایا کہ تمہاری والدہ تمہارے ایک بھائی کو میرے ہوٹل پر چھوڑ گئی تھیں۔ مگر تمہارے دوسرے رشتہ دار آکر اُسے لے گئے۔

افسوس کہ میں اپنی ماں اور بھائیوں کو الوداع بھی نہ کہہ سکا۔ بھائی کے جانے کا بہت افسوس تھا۔ ہوٹل پر بیٹھ کر رونے لگا۔ ملک صاحب نے ہمت بندھائی۔ مگر آنسو بے اختیار اپنا راستہ تلاش کر رہے تھے۔ روتے دھوتے چکوال سے واپس لوٹا۔ اب پاکستان میں میرا کوئی رشتہ دار باقی نہ تھا میں تنہا تھا۔

**بھارت سے خط**

راستے کے بارے میں بہت فکر تھا۔ ان دنوں ٹرینوں پر حملہ کرنے کی اہل بھارت نے ابتداء کردی تھی۔ دعائیں مانگتا رہا کہ والدہ مکرمہ اور بھائی بخیریت بھارت پہنچ جائیں۔ بھائی کا خط آنے پر اطمینان نصیب ہوا۔ وہ ریاست نالہ گڑھ میں مقیم ہو گئے۔ دو بھائیوں نے وہاں جاکر میٹرک کرلیا۔ درمیانہ بھائی ساتویں جماعت سے گیا تھا۔ خرابی صحت کی بنا پر اس کی تعلیم نامکمل رہی۔ تینوں بھائی وہاں جاکر ملازم ہوگئے۔ دو فوج میں ایک سول میں۔

**والد صاحب کی وفات**

والد صاحب تقسیم ملک کے دوسرے سال فوت ہوگئے۔ والدہ صاحبہ اور بھائی سڈھورہ ضلع انبالہ میں آگئے اور اب تک وہیں مقیم ہیں۔

والد صاحب کی وفات کے بعد میں نے والدہ صاحبہ کو خط لکھا کہ میرا ہندوستان

**والدہ صاحبہ سے واگہ سرحد پر ملاقات**

آنا تو ممکن نہیں کیا ہی اچھا ہو کہ آپ واگہ سرحد پر ملاقات کرلیں۔

تاریخ مقرر ہوئی۔ والدہ صاحبہ اور ارجن داس واگہ پہنچ گئے۔ میں بھی صوفی جان محمد صاحب کو ساتھ لے کر لاہور روانہ ہو گیا۔ صبح سویرے واگہ سرحد پر پہنچ گیا۔ مگر چیک پوسٹ آفیسر نے ملاقات کی اجازت سے انکار کر دیا کہ پہلے گورنمنٹ کی اجازت حاصل کرو، تب ملاقات کر سکتے ہو۔ میں نے گذارش کی وہ سامنے خاردار تار کے اس طرف میری والدہ اور بھائی بیٹھے ہیں، اگر میں اجازت حاصل کرنے چلا گیا تو ملاقات نہ ہو سکے گی۔ مگر صاحب موصوف نے انکار کر دیا۔ یہ حالات دیکھ کر میرے آنسو ٹپک پڑے اتنے میں ایک معزز خاتون خیمے میں داخل ہوئیں۔ میرے رونے کی وجہ دریافت کی۔ میں نے تمام حالات سے خاتون کو آگاہ کیا۔ ان کا دل بھر آیا اور مجھے ملاقات کی اجازت اس خاتون کی وجہ سے مل گئی —— تقریباً ایک گھنٹہ والدہ صاحبہ سے گفتگو کی۔ یہ میری اور والدہ مکرمہ کی آخری ملاقات تھی —— بھائیوں سے پھر نہیں مل سکا۔

**بوچھال سے میانی** والدین کے جانے کے بعد میں نے بوچھال کی رہائش گاہ ترک کر دی اور آبائی گھر میں منتقل ہو گیا اور اب تک اسی میں رہائش پذیر ہوں۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نیرنگیاں ملاحظہ ہوں کہ جس گھر کو میں نے اسلام کی وجہ سے الوداع کہا تھا۔ اُسی گھر میں اسلام نے مجھے پناہ دی۔ سچ ہے تِلْكَ الْاَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ

**والدین کی اراضی** والدین کی مزروعہ اراضی دس بارہ سال تک میرے ہی قبضہ میں رہی۔ مگر بعد میں ایک مسلمان تحصیلدار کی کرمفرمائی سے کسی اور شخص کو الاٹ کر دی گئی کیونکہ میں رشوت کی رقم فراہم نہ کر سکا۔ اگر میرے پاس رقم ہوتی بھی تو میں رشوت دینے پر تیار نہ ہوتا۔ اللہ تعالیٰ نے آج تک رشوت لینے اور دینے دونوں برائیوں سے بچائے رکھا ہے۔ میرا دل زمین کھو کر بھی مطمئن تھا۔ میں نے زمین کے لیے تھوڑا ہی اسلام قبول کیا ہے۔ میرا رزق دینے والا میرا اپنا ہے مجھے کیا غم ہے؟ اور الحمد للہ رب العزت کی عنایت

سے میں پر سکون زندگی بسر کر رہا ہوں۔

## مولوی فاضل میں اوّل پوزیشن

مئی ۱۹۴۸ء میں مولوی فاضل کا امتحان دیا اور اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے پنجاب یونیورسٹی میں اوّل رہا اور میڈل حاصل کیا۔

## بطور استاد تقرر

یکم نومبر ۱۹۴۸ء کو ڈسٹرکٹ بورڈ مڈل اسکول نور پور ضلع جہلم میں میری تقرری غیر تربیت یافتہ استاد کے طور پر ہوئی۔ بیس روپیہ تنخواہ اور تیس روپیہ تنخواہ اور تیس روپیہ مہنگائی الاؤنس تھا۔ ۱۹۴۹ء میں منشی فاضل کا امتحان امتیازی نمبروں سے پاس کر لیا۔ راولپنڈی ڈویژن میں سرفہرست رہا۔ مڈل اسکول نور پور میں ساتویں اور آٹھویں جماعت کو اردو اور فارسی پڑھاتا تھا۔

## میری شادی

اپنی شادی کے متعلق بھی آپ کو بتاتا چلوں۔ نور پور اسکول میں ملازمت کے دوران نور پور کے لوگوں سے کافی واقفیت ہوگئی۔ نور پور کے ایک معزز شخص قاضی محمد رشید صاحب ایک دن اسکول تشریف لائے ان کا لڑکا محمد امین اسکول میں ساتویں کا طالب علم تھا۔ کافی دیر بچے کے متعلق گفتگو کرتے رہے مجھ سے پوچھا کیا آپ شادی شدہ ہیں۔ میں نے عرض کیا کہ فی الحال میں نے شادی نہیں کی۔ قاضی صاحب دوسرے دن پھر تشریف لائے اور مجھے بلا کر الگ لے گئے۔ فرمایا میں نے کل گھر جا کر اپنی بیوی سے آپ کے بارے بات چیت کی۔ میری بیوی کو یاد ہے کہ جب آپ نے اسلام قبول کیا تھا وہ آپ کے اس واقعہ سے بہت متاثر ہیں۔ کافی سوچ بچار کے بعد ہم نے فیصلہ کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی کے مدنظر ہم اپنی بڑی لڑکی کا رشتہ آپ کو دیں۔ میں قاضی صاحب کے ایثار سے بہت متاثر ہوا کہ یہ لوگ صرف رضائے الٰہی کی خاطر مجھ پر احسان کر رہے ہیں۔ میں نے قاضی صاحب سے گزارش کی کہ میں دو تین روز کے بعد آپ کو صحیح جواب سے آگاہ کروں گا ــــــ میں نے

اپنے مخلص صوفی جان محمد صاحب سے ذکر کیا، انھوں نے بڑی مسرت اور اطمینان کا اظہار کیا اور کہا میں ان سب حضرات سے واقف ہوں بہت نیک دیندار اور خوشحال لوگ ہیں۔ نیز علاقے میں ہر شخص ان کی شرافت کا معترف ہے۔ آپ ان سے بات چیت کرلیں میں بھی نور پور جا کر ان کا شکریہ ادا کروں گا۔

تیسرے دن عزیز محمد امین کے ذریعے میں نے قاضی صاحب کو اسکول تشریف لانے کے لیے پیغام دیا۔ جب قاضی صاحب تشریف لے آئے تو میں نے عرض کیا قاضی صاحب! میں نے صوفی صاحب سے بات کی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ آپ لوگ ایک دفعہ میانی آکر میرا ماحول اور گھر بار دیکھ لیں۔ لیکن قاضی صاحب نے جواب میں فرمایا۔ ہم گھر بار دیکھ کر رشتہ نہیں کرنا چاہتے۔ بلکہ اللہ تعالےٰ کی خوشنودی کی خاطر یہ اقدام کر رہے ہیں۔ میں نے "ہاں" کر دی چنانچہ شادی کا سلسلہ طے ہو گیا۔

## نور پور سے بوچھال سکول میں

یکم نومبر ۱۹۴۹ء کو میرا تبادلہ ڈل اسکول نور پور سے ڈسٹرکٹ بورڈ ہائی اسکول بوچھال کلاں میں ہو گیا۔ ڈی بی ہائی اسکول بوچھال کلاں یکم اکتوبر ۱۹۵۱ء سے گورنمنٹ نے اپنی تحویل میں لے لیا۔ اور میں بھی مذکورہ تاریخ سے گورنمنٹ سروس میں داخل ہو گیا۔

## شادی کی تقریب

۱۳ دسمبر ۱۹۵۳ء میری شادی کا دن مقرر کیا گیا۔ اس موقع پر میں نے والدہ محترمہ کو بھی اطلاع دی کہ آپ کے بڑے بیٹے کی شادی ہو رہی ہے۔ مگر اس مسرت کے موقع پر میں آپ کی شفقت سے محروم ہوں گا۔ بعض دوستوں نے اس خط کی نقل ماہنامہ "تعمیر" کو بھیج دی تھی۔ چنانچہ یہ خط "تعمیر" کے دسمبر ۱۹۵۴ء کے شمارے میں شائع ہو گیا تھا —— (مولانا غازی احمد صاحب نے "تعمیر" کے اس شمارے ہی کے حوالہ سے یہ خط اپنی آپ بیتی "من الظلمات الی النور" میں نقل کیا ہے۔ خط طویل ہے، بہت ہی جذباتی اور ادیبانہ ہے، ناظرین کرام ان شاء اللہ اصل کتاب میں ملاحظہ فرماسکیں گے۔)

**صالحہ بیوی** ۲۳ دسمبر کو شادی کی رسومات سے فراغت پائی اور ایک نئی زندگی کا آغاز ہوا اللہ تعالیٰ کا خصوصی فضل و کرم ہے کہ شادی کے سلسلے میں بہت خوش قسمت ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے نیک سیرت، شریف الطبع دیندار، پابند صوم وصلاۃ اور تہجد گزار رفیقہ حیات عنایت فرمائی۔ ہمارے درمیان آج تک تلخی ورنجش کی نوبت نہیں آئی۔ اللہ تعالیٰ کے فضل و احسان سے ہمارا گھر امن وسکون کا گہوارہ ہے۔ یہ سب میرے آقا کی دعا کا نتیجہ ہے۔ صلی اللہ علی نبی الرحمہ۔

(جاری)

**یاد رکھیے!** (۱) جواب طلب امور کے لیے جوابی پوسٹ کارڈ آنا ضروری ہے ورنہ جواب کی ذمہ داری دفتر پر عائد نہ ہوگی۔ (۲) ہر قسم کی تحریر لکھتے وقت خریداری نمبر ضرور لکھیں تاکہ حکم کی فوری تعمیل ہو۔

منیجر الفرقان

# انتخاب

## خوفِ خدا کے تحت

دبئی (خلیجی عرب ملک) سے نکلنے والے عربی دینی ماہنامہ الاصلاح (ماہ شعبان) میں ترکی کے ایک اخبار کے حوالہ سے ترکی سے متعلق ایک تازہ سوال جواب نقل کیا گیا۔

ترکی کے فوجی صدر مملکت کنعان آفریں ارض روم (مشرقی ترکی) کی اتاترک یونیورسٹی کا معائنہ کرنے گئے، اور طالب علموں کے دار الطعام (ڈائننگ ہال) میں انھیں ایک طالبہ نے اسلامی قانون حجاب کی پابند اپنے لباس کے لحاظ سے نظر آئی۔ لڑکی میں اس قسم کا لباس فوجی حکومت سختی سے ممنوع قرار دے چکی ہے۔ صدر جمہوریہ نے اس پابند حجاب لڑکی کو بلا کر پوچھا کہ کیا تم یہ لباس اپنے والدین کے خوف کے باعث پہنے ہوئے ہو؟ مسلمان لڑکی نے ایک لمحہ رُکے یا ڈرے بغیر جواب دیا کہ میں نے یہ لباس خوف خدا کے تحت پہنا ہے۔

اس جواب پر صدر صاحب لاجواب تو کیا ہوتے صرف یہ کہہ کر خاموش رہے کہ سر ڈھانپنے اور خوف خدا میں کوئی باہمی تعلق نہیں۔ غنیمت ہے کہ اس لڑکی پر فوجی عتاب نازل نہیں ہوا۔

اور یہ امر بھی کچھ کم قابل حیرت نہیں ہے کہ اتنے عرصہ کی فوجی حکومت اور اس کے جبر کے باوجود اب بھی وہاں کی جدید تعلیم گاہوں میں ایسا خوف خدا رکھنے والی طالبات (وہ ایک آدھ سہی) موجود ہیں۔ (بشکریہ صدق جدید لکھنؤ)

## مستشرقین کا نیا بہروپ

سید حبیب الحق ندوی استاد ڈربن یونیورسٹی ڈربن (جنوبی افریقہ) کا ایک طویل مکتوب ماہنامہ معارف اگست ۱۹۸۳ء میں چھپا ہے جس میں مغربی مستشرقین کی اس اسلام دشمنی اور تلبیس پر روشنی ڈالی گئی ہے جس کا مظاہرہ وہ شروع سے اب تک کرتے رہے ہیں۔ انھوں نے مستشرقین قدیم و جدید کی کتابوں اور مقالوں کو خوب کھنگالا ہے وہ لکھتے ہیں: (باقی ص ۱۳ پر)

# قابل مطالعہ اہم اور مفید کتابیں

## رہنمائے تلاوت عکسی

از سید محمود حسن ایڈوکیٹ مرحوم

تلاوت میں سنگین غلطیوں سے محفوظ رہنے کے لیے اس کتاب کا مطالعہ بہت ضروری ہے۔ عوام و خواص سب کے لیے یکساں مفید۔ خصوصاً جدید تعلیم یافتہ حضرات کے لیے گراں قدر تحفہ قیمت صرف ۔/۱۲

## تذکرہ شیخ الحدیث عکسی

ماہنامہ الفرقان کی ایک خاص اشاعت

جس میں ملک کے ممتاز علماء و اہل قلم حضرات نے حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب نور اللہ مرقدہ کی شخصیت پر بھرپور روشنی ڈالی ہے۔ قیمت ۔/۲۰

## صحبتے با اہل دل

مرتبہ مولانا سید ابو الحسن علی ندوی

حضرت شاہ محمد یعقوب صاحب بھوپالی کی عرفانی و اصلاحی مجالس کا مرقع اور ان کے ارشادات و ملفوظات کا مجموعہ۔ قیمت ۔/۱۴

## انسانیت زندہ ہے

مولانا محمد منظور نعمانی مدظلہ کی زندگی کے تین سبق آموز واقعات۔ ہندوستان کے موجودہ ماحول کے لیے انتہائی مفید کتاب۔ نیا ایڈیشن عکسی ۲/۵۰

## تھوڑی دیر اہل حق کے ساتھ

صحابہ کرام، تابعین، علماء، مشائخ اور دوسرے اکابر امت کے ایمان افروز واقعات اور ان کے ایمانی و روحانی ارشادات کا انتخاب۔

قیمت ۳/۵۰

## بوارق الغیب اول

یا۔ مسئلہ علم غیب کا قرآنی فیصلہ

مولانا محمد منظور نعمانی مدظلہ کی معرکۃ الآراء محققانہ تصنیف جس میں چالیس قرآنی آیتوں سے بریلوی مبتدعین کے عقیدۂ علم غیب نبوی کا باطل اور خلاف قرآن ہونا ثابت کیا گیا ہے۔ نیا ایڈیشن جلد شائع ہو رہا ہے۔

قیمت ۔/۱۸

## منتخب تقریریں

مولانا نعمانی مدظلہ کی ایمان افروز اصلاحی و تبلیغی تقریروں کا مجموعہ جو اپنے اندر افادیت کے ہزاروں پہلوؤں کو سمیٹے ہوئے ہے۔ قیمت ۔/۱۰

## اوراد فضلیہ

حضرت مولانا عبد الغفور عباسی نور اللہ مرقدہ کے صبح و شام کے چند معمولات و وظائف کا عجیب و غریب مجموعہ۔

عکسی طباعت پاکٹ سائز قیمت ۔/۲

## معمولات یومیہ

از حضرت مولانا ڈاکٹر عبد الحی دامت فیوضہم ——

اصلاح نفس کے سلسلہ میں روزانہ معمولات کا ایک مختصر نصاب

عکسی طباعت، پاکٹ سائز قیمت ۱/۵۰

## تبلیغ دین کے لیے ایک اہم اصول

از مولانا سید ابو الحسن علی ندوی مدظلہ العالی۔ تبلیغی کام کرنے والوں کے لیے بہت مفید اور اہم کتاب قیمت ۔/۱

## قرآنی علاج

از مولانا اشرف علی تھانویؒ۔ ہر قسم کی بیماریوں کا علاج قرآنی آیات کے ذریعہ۔ قیمت ۱/۵۰

# اِن اہم کتابوں سے اپنی ذاتی لائبریری کو مکمل کیجیے

از قاضی زین العابدین سجاد میرٹھی

## قاموس القرآن

تمام الفاظ قرآنی کے معانی کو ان کی مکمل صرفی و نحوی تشریح
اہم الفاظ پر مستند مفسرین و محدثین کے افادات کی روشنی
میں جامع اور مدلل نوٹ ۔ قیمت مجلد ۔/۲۵

## بیان اللسان

تیس ہزار قدیم و جدید الفاظ کی عربی اردو ڈکشنری، ہر لفظ
کی مکمل تشریح مع اعراب، ترتیب انگریزی ڈکشنریوں کے
طرز پر۔ قیمت مجلد ۔/۳۵

## سیرت طیبہ

سیرت طیبہ پر ایک جدید و مستند کتاب، زبان سہل، انداز بیان
دلنشین، اہم واقعات پر قرآن کریم کی روشنی میں بصیرت افروز
تبصرے، عمدہ طباعت، خوبصورت دیدہ زیب جلد قیمت ۔/۱۵

## کلام عربی

آسان طریقہ پر عربی سیکھنے والی بہترین کتاب۔ قیمت ۔/۴

از مفتی عبد القدوس رومی

## تفہیم القرآن سمجھنے کی کوشش

مولانا مودودی کی مشہور تفسیر پر اپنی نوعیت کا منفرد و مفصل
تبصرہ۔ قیمت ۔/۱۰

## مودودیت بے نقاب

کس طرح لوگ حکومت الٰہیہ اور اقامت دین کے دلکش نعروں سے
متاثر ہو کر تحریک سے وابستہ ہوئے اور پھر کس طرح اس کو آخرکار
دین کی فکر و روح سے خالی دیکھ کر جماعت سے علاحدہ ہوئے
اس قسم کی پانچ آپ بیتیوں میں مودودیت کی حقیقت ملاحظہ
کیجیے۔ قیمت ۔/۵

ایکسرے رپورٹ حصہ اول ۱/۵۰ حصہ دوم ۔/۲

ایک آئینہ میں تین چہرے ۔ ۱/۵۰

از مولانا سید ابو الحسن علی ندوی

## پرانے چراغ

معاصر شخصیتوں، بزرگوں، استادوں اور دوستوں سے متعلق تعارفی
مضامین، تاثرات، مشاہدات و واقعات اور معلومات کا دلچسپ
مجموعہ۔ حصہ اول ۔/۱۶ حصہ دوم ۔/۲۵

## سوانح حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا مہاجر مدنیؒ

عصر حاضر کے جلیل القدر عالم، محدث، مربی اور مرشد روحانی حضرت
مولانا محمد زکریا صاحب سہارنپوریؒ کے سوانح حیات علمی و عملی
کمالات اور ان کی دینی، اصلاحی، تربیتی خدمات کا مفصل
تعارف و جامع تذکرہ۔ قیمت ۔/۳۰

## سوانح حضرت مولانا عبد القادر رائے پوریؒ

عہد حاضر کی مشہور دینی شخصیت حضرت مولانا عبد القادر رائے پوریؒ
کے حالات زندگی، ان کی شخصیت، ان کے نمایاں صفات، ان کا
انداز تربیت، توازن و جامعیت، تعلق باللہ، خلوص و محبت، حقیقی
تاثیر اور معرفت و سلوک کا ایمان افروز دل آویز تذکرہ قیمت ۔/۱۵

## دستور حیات

کتاب اللہ اور سنت و سیرت نبوی کی روشنی میں ایک مسلمان کی
زندگی کا مکمل دستور العمل، ہدایت نامہ اور نظام زندگی قیمت ۔/۱۶

## مطالب رشیدی

یہ کتاب [illegible] سنت کے اصول و قواعد پر مرتب کیا گیا موجودہ دور
کے [illegible] العمل ہے جس میں تزکیۂ نفس، تصفیۂ باطن،
صفائی [illegible] پیر و مرید کا ربط باہمی، حفظ مراتب، استاد و
شاگرد کے تعلقات، والدین اور اولاد کے حقوق و فرائض
وغیرہ پر مکمل روشنی ڈالی گئی ہے۔ صفحات ۲۵۰

قیمت ۔/۲۵

# ہمارے اسٹاک کی کچھ منتخب کتابیں

| کتاب | قیمت |
|---|---|
| اصح السیر | ۴۵/- |
| اصلاحی نصاب | ۴۵/- |
| مکاتیب رشیدیہ | ۱۲/- |
| جواہر الفقہ | ۶۵/- |
| الانور | ۴۰/- |
| اردو عربی ڈکشنری | ۱۵/- |
| عربی بول چال اول | ۹/- |
| " " دوم | ۱۰/- |
| صحبتے با اولیاء | ۹/- |
| نقش سلیمانی | ۲۰/- |
| جنت کی کنجی | ۱۰/- |
| تاریخ دعوت و عزیمت مکمل | ۸۰/- |
| آئینہ حرم | ۲۵/- |
| فتح حقانی | ۸/- |
| مذہب شیعہ کے ۱۰ بنیادی عقیدے | ۳/- |
| مسئلہ فدک کا تحقیقی جائزہ | ۵/- |
| تعارف مذہب شیعہ | ۱۵/- |
| تکفیر کے پردے میں | ۸/- |
| بشریت انبیاء | ۱۰/- |
| بدعت کیا ہے؟ | ۱۳/۵۰ |
| بدعت کی باتیں | ۲۵/- |
| دین حق اور علماء ربانی کے خلاف بدعت کے غلافات کیوں؟ | ۳/- |
| رضاخانیت کا تنقیدی جائزہ | ۹/- |
| شیعہ اور قرآن | ۱۲/- |
| قاتلان حسین کی خانہ تلاشی | ۴/- |

| کتاب | قیمت |
|---|---|
| بخاری شریف مترجم عکسی | ۲۵۰/- |
| ترمذی شریف مترجم عکسی | ۱۵۰/- |
| سیرت النبی مکمل (ابن ہشام) | ۱۲۰/- |
| رسول رحمت (مولانا آزاد) | ۸۰/- |
| رحمۃ للعالمین کامل عکسی | ۷۰/- |
| مطالعہ قرآن کے اصول و مبادی | ۱۲/- |
| دعائیں (مولانا سید ابوالحسن علی ندوی) | ۲/- |
| زبان کی نیکیاں | ۵/- |
| مکاتیب مولانا الیاسؒ | ۱۰/- |
| مکتوبات ماجدی | ۴۰/- |
| ارشادات و مکتوبات مولانا الیاسؒ | ۱۲/- |
| تعلیم الاسلام (مولانا عبدالحی حسنیؒ) | ۲/- |
| تبلیغی نصاب اول پلاسٹک | ۲۷/- |
| " دوم | ۳۰/- |
| غنیۃ الطالبین عکسی | ۴۵/- |
| کنسائز ڈکشنری | ۲۰/- |
| اسٹینڈرڈ ڈکشنری انگلش سے انگلش و اردو (کلاں) | ۹۰/- |
| قرآنی اعجاز | ۱۰/- |
| آداب المساجد | ۳/۵۰ |
| مودودی صاحب اکابر امت کی نظر میں | ۱۲/- |
| صراط مستقیم | ۱۲/- |
| تحفہ کشمیر | ۷/- |
| تحفہ دکن | ۹/- |
| سو بڑے آدمی | ۱۰/۵۰ |

| کتاب | قیمت |
|---|---|
| اصلاح المسلمین | ۸/- |
| تعلیم ہدایت | ۸/- |
| ماں باپ کا درجہ | ۴/- |
| مسلمان عورت کے فرائض | ۴/- |
| مہر نبوت | ۳/- |
| نصیحت الصالحین | ۵/- |
| تجارت اور اسلام | ۳/- |

**بچوں کو تعلیم دینے کا بہترین نصاب**

| کتاب | قیمت |
|---|---|
| اچھا قاعدہ | -/۸۰ |
| اچھی باتیں اول | -/۸۰ |
| " دوم | ۱/۵۰ |
| " سوم | ۱/۴۰ |
| " چہارم | ۱/۵۰ |
| " پنجم | ۱/۵۰ |
| " ششم | ۱/۴۰ |
| اللہ کے رسول | ۱/۴۰ |
| حضرت ابوبکرؓ | ۱/۴۰ |
| حضرت عمرؓ | ۱/۴۰ |
| حضرت عثمانؓ | ۱/۴۰ |
| حضرت علیؓ | ۱/۴۰ |
| حضرت خدیجہؓ | ۱/۵۰ |
| حضرت سودہؓ | -/۸۰ |
| حضرت عائشہؓ | ۲/۵۰ |
| ہمارا ایمان | ۱/۵۰ |

# ماہنامہ الفرقان لکھنؤ

**چندہ سالانہ**
ہندوستان میں ۔/۲۰
پاکستان سے پاکستانی سکہ میں ۔/۵۰
بنگلہ دیش سے ہندوستانی سکہ میں ۔/۲۲

**ممالک غیر سے**
بحری ڈاک سے ۳ پونڈ
ہوائی ڈاک سے ۹ پونڈ
ایک شمارہ کی قیمت ہندوستان میں ۔/۲

جلد (۵۱) | بابت محرم الحرام ۱۴۰۴ھ مطابق نومبر ۱۹۸۳ء | شمارہ (۱۱)




## اگر اس دائرہ میں ◯ سُرخ نشان ہے تو

اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ کی مدت خریداری ختم ہو گئی ہے براہ کرم آئندہ کے لیے چندہ ارسال کریں یا خریداری کا ارادہ نہ ہو تو مطلع فرمائیں۔ چندہ یا دوسری اطلاع مہینے کے آخر تک آجانا چاہیے۔ ورنہ پرچہ وی پی نہیں کیا جائے گا۔

**نمبر خریداری:** براہ کرم خط و کتابت کرتے وقت اور منی آرڈر کوپن پر اپنا خریداری نمبر ضرور لکھ دیا کریں جو پتہ کی چٹ پر لکھا ہوتا ہے۔

**تاریخ اشاعت:** الفرقان ہر انگریزی مہینے کے پہلے ہفتہ میں روانہ کر دیا جاتا ہے اگر مہینے کے آخر تک کسی صاحب کو پرچہ نہ ملے تو فوراً مطلع فرمائیں۔ اگر دوبارہ بھیجنے کے لیے دفتر میں پرچہ ہو گا تو ضرور بھیجا جائے گا۔

**پاکستانی خریدار حضرات** مبلغ ۔/۲۰ روپے ہندوستانی سکہ میں کسی بھی ذریعہ سے دفتر الفرقان لکھنؤ کو روانہ فرمائیں یا پاکستانی سکہ میں ۵۰ روپے ناظم ادارۂ اصلاح و تبلیغ آسٹریلین بلڈنگ لاہور کو بھیج دیں۔


محمد حسان نعمانی پرنٹر و پبلشر نے تنویر پریس میں چھپوا کر دفتر الفرقان ۳۱ نیا گاؤں مغربی لکھنؤ سے شائع کیا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

# نگاہِ اوّلیں

## خلیل الرحمان سجاد ندوی

اسلامی کیلنڈر کا ایک اور سال ذی الحجہ پر تمام ہوا۔ اور ہلال محرم الحرام سے ایک نئے سال کا آغاز ہوا، یا یوں کہیے کہ پیغمبر اسلام کی زندگی اور دعوت اسلامی کی تاریخ کے اس عظیم واقعہ پر ۱۴۰۳ سال گذر گئے جسے ہم ہجرت کے نام سے یاد کرتے ہیں ـــــ کسی کو نہیں معلوم کہ ماہ و سال کی کتنی گردشیں اس کائنات کی طویل عمر میں اور اس کی اپنی محدود زندگی میں ابھی اور باقی ہیں اس موقع پر ہم میں سے ہر شخص یہی دعا کرتا ہے کہ آنے والا زمانہ خیر و سعادت لے کر آئے۔ اور ماضی کی کوتاہیوں اور غلطیوں کی تلافی کی توفیق ہو، اللّٰھُمَّ أھلّہ علینا بالأمن والایمان والسلامۃ والاسلام عامَ رشدٍ وبرکۃ،

ہماری اسلامی جنتری کا نیا سال جب شروع ہوتا ہے تو اسلامی تاریخ کے کچھ واقعات کی یاد ذہنوں میں تازہ ہو جاتی ہے ـــــ آج ان واقعات ہی کے بارے میں کچھ عرض کرنے کے ارادہ سے قلم اٹھایا ہے۔ البتہ ان معروضات کی نوعیت بس شذرات کی ہوگی، انھیں اسی نظر سے پڑھا جائے۔

سب سے پہلی چیز جو اسلامی کیلنڈر میں نئے سال کے آغاز کے وقت ذہنوں میں آتی ہے وہ اس کے نقطۂ آغاز واقعۂ ہجرت سے اس کے تعلق کی تاریخ اور اس کی حکمت ہے۔

اتنی بات تو ہر خاص و عام کے علم میں ہے کہ اسلامی کیلنڈر کو واقعۂ ہجرت سے شروع کیا گیا ہے۔ آئیے دیکھیں کہ یہ فیصلہ کب اور کیوں کیا گیا؟ اس میں کیا حکمتیں پنہاں ہیں؟ اور واقعۂ ہجرت میں ہمارے لیے کیا اہم سبق ہیں؟

جنتری (کیلنڈر) متمدن قوموں کی اجتماعی زندگی کی ایک بنیادی ضرورت ہے۔ اور عموماً اقوام و مذاہب اپنی جنتریوں کا آغاز اپنی مرکزی شخصیت کے یوم پیدائش یا اپنے دورِ عروج کے کسی خاص واقعے سے کرتی ہیں۔

اسلام سے پہلے دنیا کی متمدن قوموں میں متعدد جنتریاں جاری تھیں، رومیوں کی اپنی جنتری تھی جو سکندر کی پیدائش سے شروع ہوتی تھی، ایرانیوں کی ایک جنتری یزدگرد کی تخت نشینی اور دوسری اس کی موت سے شروع ہوتی تھی، مسیحی جنتری بھی ولادت مسیح سے شروع ہوتی ہے ـــــ عربوں کا معاشرہ اتنا متمدن نہیں تھا کہ کسی ایک جنتری کی ضرورت ہوتی، اوقات و موسم کے شمار اور روزمرہ کی عام بول چال میں سہولت کے لیے وہ اپنی قومی تاریخ کا کوئی مشہور واقعہ لے لیتے اور اس سے وقت کا حساب لگا لیتے۔ عام طور پر ہم ان کی تاریخ اور لٹریچر میں عام الفیل کا تذکرہ پاتے ہیں۔ یعنی وہ سال جس میں شاہ حبش ابرہہ نے کعبہ پر لشکر کشی کی تھی۔

ظہور اسلام کے بعد عہدِ اسلام کے واقعات نے اس کی جگہ لے لی۔ صحابہ کرام کا معمول تھا کہ عہد اسلام کے واقعات میں سے کسی واقعہ سے حساب لگاتے ـــــ مکی عہد کا ایک اہم واقعہ بیعت عقبہ تھا، یہ بھی کچھ دن تک بطور ایک سنہ کے مستعمل رہا۔ مدنی عہد کا ایک اہم واقعہ اذنِ قتال تھا، یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے اہل ایمان کو اس کی اجازت کہ اگر حالات کا تقاضا ہو تو کفر اور اہل کفر کی جارحانہ سرگرمیوں سے اپنے دفاع کے لیے مسلح جد و جہد کی جا سکتی ہے۔ یہ حکم سورۂ حج کی آیت اذن کے ذریعہ آیا تھا، اور بلاشبہ اسلام کی دعوتی تاریخ میں یہ ایک نیا موڑ اور بہت اہم واقعہ تھا، یہ واقعہ بھی کچھ دن تک بطور ایک سنہ کے مستعمل رہا۔ لوگ اسے "سنۂ اذن" سے تعبیر کرتے۔ اسی طرح سورۂ براۃ (سورہ توبہ) بھی اسلام کے اپنے آزاد معاشرے کے قیام کے بعد دعوت

کی اجتماعی تشکیل اور دین کے قیام اور اشاعت کے پورے نظام کو بیان کرنے والی پہلی سورت تھی، شاید اسی لیے جس سال یہ نازل ہوئی اس سال کو "سنۃ البراءۃ" کے نام سے یاد کیا جاتا رہا ـــــ عہد نبوی کا آخری سنہ "سنۃ الوداع" کہلایا جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حج کا واقعہ پیش آیا تھا جو حجۃ الوداع کے نام سے مشہور ہو گیا تھا۔ بعض تاریخی روایات سے اس طرح کے متعدد سنوں کا پتہ چلتا ہے مثلاً "سنۃ التمحیص" "سنۃ الاستیناس" وغیرہ۔

آگے بڑھنے سے پہلے اس طرف توجہ دلانا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ جیسا کہ صاف ظاہر ہے ان سب سنوں کا تعلق ان واقعات ومراحل سے ہے جو اسلام کی دعوت کو پیش آرہے تھے، کسی شخص سے نہیں ـــــ اور یہ بات اسلام کی اس مزاجی خصوصیت کا نتیجہ ہے کہ وہ کسی شخصیت کی تاریخ نہیں ایک دعوت ایک پیغام اور ایک طریق زندگی ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد تقریباً پانچ سال تک کام اسی طرح چلایا جاتا رہا۔ لیکن دورِ فاروقی میں ممالک مفتوحہ کی وسعت اور دفاتر حکومت کے قیام سے حساب وکتاب کے معاملات زیادہ وسیع ہوئے اور ضرورت ہوئی کہ کسی ایک واقعہ کو نقطۂ آغاز قرار دے کر اس کو سرکاری طور پر سنہ قرار دے دیا جائے، یعنی وہاں سے باقاعدہ اسلامی تقویم (جنتری) کا آغاز کیا جائے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مشورہ کے لیے صحابہ کرام کو جمع کیا جس میں مختلف رائیں سامنے آئیں۔ جن میں یہ رائے بھی تھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کو نقطۂ آغاز قرار دیا جائے، ایک رائے آپ کی بعثت کے بارے میں بھی تھی، بالآخر حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی رائے کو حضرت عمر فاروقؓ نے قبول کیا اور فیصلہ کیا کہ اسلامی جنتری کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت کے سال سے شروع کیا جائے۔ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے اس فیصلہ کو امت اسلامیہ نے اس طرح قبول کیا کہ آج تک اس میں کسی ترمیم کی ضرورت کسی معتدل مزاج مسلمان کو محسوس نہ ہوئی۔

ہمارے نزدیک یہ فیصلہ انتہائی گہرے اور دور رس اشارات کا حامل ہے۔ اس پر اس طرح سے غور کیجیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت، عام دنیاوی پیمانوں کے

لحاظ سے نہ کسی ظہور کی علامت ہے نہ کسی فتح کی نشانی، بلکہ وہ اس ۱۳ سالہ دور کی آخری اور انتہائی یادگار ہے، جسے کمزوری، بے سروسامانی اور بیچارگی و کسمپرسی کا دور کہا جاتا ہے، ۱۳ سال تک داعی اسلام۔ ایمان کی دعوت لے کر مکہ اور اطراف مکہ سے طائف تک کی گلی گلی کوچے کوچے پھرتا رہا۔ ایک ایک دروازے پر دستک دیتا رہا، ایک ایک قبیلہ، ایک ایک خاندان بلکہ ایک ایک فرد کے سامنے اپنی بے غرض دعوت پیش کرتا رہا۔ لیکن آپ کو سوائے چند سعید روحوں کے اکثر جگہ سے منفی جواب ملا، بلکہ ایسے لرزہ خیز مظالم کے پہاڑ آپ پر اور آپ کے مٹھی بھر ساتھیوں پر توڑے گئے، جن کی تفصیل کے لیے ایک ضخیم جلد کی ضرورت ہے، اور بالآخر آپ کو اپنے محبوب اور مقدس وطن مکہ مکرمہ کو بھی چھوڑنا پڑا۔ یقیناً یہ دنیا والوں کی نگاہ میں مظلومیت، بیچارگی بلکہ شکست خوردگی کی انتہائی علامت تھی کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا وطن، اپنا گھر، اپنے عزیز و اقارب اور مکہ مکرمہ جیسی مقناطیسی کشش رکھنے والا شہر سب کچھ چھوڑ دینا پڑ رہا تھا۔

پھر آخر صحابۂ کرام نے اس واقعہ کو اپنی تاریخ کا مبدأ کیوں قرار دیا؟ جبکہ ان کے سامنے بہت سے وہ واقعات تھے جو واقعۂ ہجرت کے برعکس اسلام کی ظاہری قوت و شوکت کی علامت تھے۔ بدر کی تاریخی فتح تھی جس نے دعوت اسلام کو ایک نیا موڑ بخشا تھا، مکہ کا فتحمندانہ داخلہ تھا۔ حجۃ الوداع کا پُر شوکت اجتماع تھا، جو اسلام کی ظاہری و معنوی تکمیل کا اعلان تھا۔

بلاشبہ تاریخ کا یہ مبدأ دنیا کی تمام تاریخوں اور فتح و اقبال مندی سے ہمکنار ہونے والی تمام قوموں کے عرف و رواج کے بالکل خلاف بلکہ بالکل برعکس تھا، دنیا کی تمام قومیں فتح و اقبال سے اپنی تاریخ شروع کرتی ہیں، مگر صحابۂ کرام نے بیچارگی اور درماندگی سے اپنی تاریخ شروع کی، دنیا کی تمام قومیں یہ چاہتی ہیں کہ اپنے بُرے دن بھلا کر اپنی سب سے بڑی فتح کو یاد رکھیں، انھوں نے چاہا کہ اپنی تاریخ کی سب سے بڑی "شکست" یاد رکھیں، دنیا کی تمام قوموں کے عرف کے مطابق ان کی قومی تاریخ اس

دن شروع ہوتی ہے جس دن کہ ملکوں اور سلطنتوں پر اُن کا قبضہ ہوتا ہے۔ لیکن ان کا (صحابۂ کرام کا) فیصلہ یہ تھا کہ ان کی تاریخ کی ابتدا، اس دن ہوئی جس دن انھوں نے ملکوں پر قبضہ نہیں کیا بلکہ اپنا ملک و وطن بھی اپنے دین اور اپنے عقیدے کی راہ میں قربان کر دیا ـــــ یقیناً ان کی یہ سمجھ دنیا کی ساری قوموں سے الٹی تھی۔ لیکن اس ذوق و مزاج اور اس سمجھ کے عین مطابق تھی جس کو نبوی تزکیہ و تربیت نے ان کے اندر اس طرح راسخ کیا تھا کہ وہ جب کسی معاملے پر غور کرتے تھے، تو ان کے ذہنوں میں وہی بات آتی تھی جو دین کے مخصوص مزاج سے سو فیصد ہم آہنگ ہوتی تھی۔

دراصل بات یہ ہے کہ حق کے پیمانے باطل کے پیمانوں سے بالکل مختلف ہوتے ہیں۔ اور دینی دعوت کا مزاج سیاسی تحریک کے بالکل برعکس ہوتا ہے۔ جو واقعہ اہل دنیا کے عرف میں شکست و ہزیمت قرار پاتا ہے، دینی دعوت اسی کو "فتح مبین" قرار دیتی ہے، باطل کی نگاہ میں دنیاوی عزت و شوکت کا حصول ہی فتح ہے، اور حق کی نگاہ میں سب کچھ قربان کر کے رضائے الٰہی کا حصول ہی حقیقی کامیابی ہے۔ یہی وہ فہم اور طرز فکر ہے جو صلح حدیبیہ کو، جس کی تمام دفعات عام دنیاوی پیمانوں کے لحاظ سے سراسر شکست خوردگی کی علامت تھیں۔ ڈنکے کی چوٹ پر فتح مبین قرار دیتا ہے ـــــ اور یہی وہ ذوق و مزاج ہے جس نے حضرت صہیب رضؓ کے اس سودے کو جس کے بموجب وہ اپنی کل متاع کفار قریش کے سپرد کر کے مدینہ منورہ ہجرت کر کے آگئے تھے نفع بخش سودا قرار دیا تھا۔ (ربح البیع یا صہیب، ربح البیع یا صہیب) اور یہی وہ سمجھ ہے جس نے عین اس وقت جب کہ حضرت حرام بن ملحان کے سینے میں جبار بن سلمیٰ کا نیزہ لگا اور شانوں کے درمیان سے پار ہو گیا، اور وہ دم توڑنے لگے، ان کی زبان پر فتحمندانہ نعرہ بلند کروا دیا تھا "فزت و رب الکعبۃ" (رب کعبہ کی قسم! میں کامیاب ہو گیا)

اور یہی وہ اصولی حقیقت ہے جس کی رو سے قرآن مجید نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت کے واقعہ کو نصرت الٰہی کا نمونہ اور فتح کی علامت کے بطور ذکر کیا ہے۔ ارشاد ہوا ہے الا تنصروہ فقد نصرہ اللہ اذ اخرجہ الذین کفروا ثانی اثنین

اذ هما فی الغار اذ یقول لصاحبہ لا تحزن ان اللہ معنا فانزل اللہ سکینتہٗ علیہ وایدہ بجنود لم تروھا وجعل کلمۃ الذین کفروا ھی السفلیٰ

حقیقت یہ ہے کہ دین کے خادموں کو سیرت نبوی کے ان دو واقعات۔ صلح حدیبیہ اور ہجرت نبوی کو خصوصی فکر و تدبر کا موضوع بنانا چاہیے۔ اور اس پہلو کو خاص طور سے پیش نظر رکھنا چاہیے کہ ان دونوں واقعات کو جو بلا شبہ۔ دنیا میں برتے جانے والے عام اصول و رواج کی رو سے شکست ہیں، قرآن نے "فتح و نصر" کیوں قرار دیا ہے ——

اس سوال کا جواب، جیسا کہ سطور بالا میں ہم نے عرض کیا، اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ اسلام فتح و شکست کا ایک الگ منفرد اور مخصوص معیار رکھتا ہے، اس کے نزدیک سب سے بڑی فتح یہ ہے کہ دلوں کی آبادیاں اور روحوں کی اقلیمیں فتح ہو جائیں۔ اور اللہ کے بندے اپنے ارادہ و اختیار سے اللہ کے پیغام کو قبول کر کے دنیا اور آخرت دونوں میں عزت و سعادت حاصل کریں۔ گویا ؎

جو دلوں کو فتح کر لے وہی فاتح زمانہ!

اور یقیناً اس اعتبار سے صلح حدیبیہ اور ہجرت نبوی عہد اول کی اسلامی فتوحات میں اہم ترین مقام رکھتی ہیں۔ کون باخبر شخص اس حقیقت سے ناواقف ہے کہ صلح حدیبیہ نے چونکہ اہل اسلام اور اہل قریش کے درمیان نفرت کی دیوار کو منہدم کر دیا تھا۔ اور دونوں اس کے بعد ملنے جلنے لگے تھے، جس کی وجہ سے اسلام کے وہ محاسن عملی طور پر کفار کے سامنے آئے جو اب تک ان کی نگاہوں سے پوشیدہ تھے۔ اور تیزی کے ساتھ ان کے دل اسلام کی طرف کھنچنے لگے —— مؤرخین کا بیان ہے کہ صلح حدیبیہ کے بعد صرف ایک سال کے اندر اتنی بڑی تعداد حلقہ بگوش اسلام ہوئی جو گذشتہ پندرہ برسوں میں نہ ہوئی تھی۔ —— مشہور سیرت نگار ابن ہشام نے اسی سیاق میں کہا ہے کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حدیبیہ میں چودہ سو آدمی تھے، اور اس کے دو سال بعد فتح مکہ کے موقع پر آپ کے ساتھ دس ہزار صحابہ کی جمعیت تھی" [1]

---

[1] سیرت ابن ہشام ج ۲ ص ۳۲۲

مستند ترین مفسر محدث، اور مؤرخ حافظ ابن کثیر نے حضرت عبداللہ بن مسعود کا یہ تاریخی جملہ نقل کیا ہے:- "انکم تعدون الفتح فتح مکۃ، وانما کنا نعدہ فتح الحدیبیۃ"[۱] (تم فتح سے مراد فتح مکہ ہی کو سمجھتے ہو، جبکہ ہم اس سے "حدیبیہ کی فتح" مراد لیتے تھے۔")

اسی طرح کا ایک جملہ امام بخاری نے حضرت براء ابن عازب رضی اللہ عنہما کا بھی نقل کیا ہے[۲]

یہی معاملہ ہجرت نبوی کا بھی ہے کہ اس کے ذریعہ مدینہ منورہ کی "فتح" کی تکمیل ہوئی۔ یہ وہ فتح تھی جس کا آغاز مکی دور میں اس وقت ہوا تھا جب مدینہ (یثرب) کی ایک جماعت نے رات کی تاریکی میں چھپ کر وادی عقبہ (منیٰ) میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک پر کلمۂ توحید قبول کیا تھا اور ایمان و اطاعت کا عہد کیا تھا۔ یہ وہ وقت تھا کہ جب داعی اسلام کے ساتھ تلوار کی طاقت کا وہم بھی نہیں کیا جاسکتا تھا۔

اس فتح کی تکمیل اُس وقت ہوئی جب کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ آئے اور یہاں کی پوری آبادی نے ایمان کے ایسے جوش اور محبت و عقیدت کی ایسی خود فروشیوں کے ساتھ آپ کا استقبال کیا جس کی نظیر شہنشاہوں اور فاتحین کی تاریخ میں تلاش کرنا فضول ہے۔

جو بات ہمیں یہاں عرض کرنی ہے وہ یہ ہے کہ مزاج دعوت کی نگاہ میں جس طرح صلح حدیبیہ فتح مبین تھی اسی طرح ہجرت نبوی بھی نصر عزیز کا مظہر تھی اور اسی لیے صحابۂ کرام نے اسی کو اسلامی جنتری کا نقطۂ آغاز قرار دینے کی تجویز پیش کی جسے امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بلا تردد قبول فرمایا۔ اور بڑی دلچسپ اور سبق آموز ہے یہ بات کہ یہ وہی عمر ہیں جو اپنے مخصوص باحمیت مزاج کی وجہ سے اولاً صلح حدیبیہ کی شرائط پر

---

۱؎ ابن کثیر: الفصول فی اختیار سیرۃ الرسول ص ۱۶۰

۲؎ ملاحظہ ہو صحیح بخاری، کتاب المغازی (باب غزوۃ الحدیبیہ)

غیر مطمئن تھے، پھر اس کے فتح مبین قرار دیے جانے کی بات بھی ان کے لیے تعجب خیز تھی۔[له]
——— کیا عجب ہے کہ صلح حدیبیہ کے جو مثبت نتائج بعد میں سامنے آئے، انھوں نے ہی حضرت عمرؓ کے لیے اس سربستہ راز کی عقدہ کشائی کی ہو، اور ان نتائج کے ذاتی تجربہ کے بعد دعوت اور سیاست کے مزاج کے اس فرق کو ان کے ذہن رسا نے پوری طرح اخذ کر لیا ہو!!

علاوہ ازیں ایک اور پہلو غور طلب ہے۔ وہ یہ کہ واقعۂ ہجرت صرف ایک واقعہ نہ تھا، بلکہ ایک دور کے خاتمہ کا رمز و نشان تھا، اصولی طور پر اسلام کے ظہور کی تاریخ دو بڑے عہدوں میں منقسم ہے۔ مکی عہد اور مدنی عہد، دنیا کی نظروں میں اسلام کے ظہور و اقبال کا اصلی دور دوسرا دور تھا۔ لیکن اسلام کی نظر میں دونوں میں وہی نسبت تھی جو بیج اور شاخ و گل میں یا بنیاد اور عمارت میں ہوتی ہے ——— وہ دیکھتا تھا کہ بلاشبہ اجتماعی تنظیم، عسکری فتوحات، زندگی کے تمام شعبوں میں اللہ کے احکام کا نفاذ یہ سب مدنی عہد کی دین ہیں۔ لیکن اس کی نگاہ سے یہ حقیقت ایک لمحہ کے لیے بھی پوشیدہ نہیں تھی کہ جس انسانی گروہ کے ذریعہ یہ کام انجام پائے ہیں وہ خود مکی عہد کا عطیہ ہے ———
اس کی وہ تربیت جس نے اُسے ایسا ایمان، ایسی اطاعت، ایسی اجتماعیت، اور ایسی داخلی استعداد بخشی تھی جس پر اس پورے خارجی ڈھانچہ کا بھاری وجود قائم تھا، اسی عہد میں ہوئی تھی اور اس لیے ظہور اسلام کی تمام فتح مندیوں اور کامرانیوں کا مبدأ یہی دور تھا نہ کہ مدنی زندگی کا دوسرا دور، بلاشبہ دنیا کی ظاہر بیں نگاہوں میں یہ مصیبتوں کا، بے چارگیوں کا اور درماندگیوں کا دور تھا۔ لیکن حقیقت شناسوں کی نگاہ میں امت مسلمہ کی ہر آنے والی فتح مندی اسی کا ثمرہ تھی۔

---

[له] صحیح مسلم میں ہے کہ جب حدیبیہ سے واپسی میں یہ آیت نازل ہوئی انا فتحنا لک فتحاً مبیناً..... تو آپؐ نے حضرت عمرؓ کو بلا کر یہ آیت سنائی، انھوں نے تعجب سے پوچھا کہ "کیا یہ فتح ہے؟" ارشاد ہوا کہ ہاں! اس سے حضرت عمرؓ کو تسکین ہوگئی اور مطمئن ہو گئے۔

حقیقت شناسی اور اصابتِ رائے کے اعتبار سے صحابہ کرام سے زیادہ بلند معیار بھلا اور کون سا گروہ پیش کر سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب یہ سوال ان کے سامنے آیا کہ اسلامی سنہ کی ابتدا کس واقعہ سے کی جائے تو انھیں کسی ایسے واقعہ کی جستجو ہوئی جو اُمت کے قیام و اقبال کا اصلی سرچشمہ ہو۔ اور اس موقع پر ان کے ذہن اسی مکی عہد کی طرف گئے اور بالآخر اس عہد کے آخری واقعہ ہجرت نبوی کو سب کے دلوں نے اسلامی جنتری کے نقطۂ آغاز کی حیثیت سے قبول کر لیا۔ اور اس طرح پوری اسلامی تاریخ کو مکی عہد کی قربانیوں کی آخری انتہا (CLIMAX) سے جوڑ کر ہمیشہ کے لیے دین کی راہ میں مکی عہد کی ان قربانیوں کی ضرورت کے سبق کو زندۂ جاوید بنا دیا جن کے بغیر نہ اُمت کی اندرونی استعداد کی تکمیل ہو سکتی ہے اور نہ ظاہری نشو و نما اور اقبال ہی ممکن ہے۔ بقول اکبر الہ آبادی مرحوم ؎

نظر آتا ہے مجھ کو بدر سے غارِ حرا پہلے

---

یہ تو تھی اسلامی جنتری اور واقعہ ہجرت کے باہمی تعلق کی تاریخ اور حکمت پر ایک طالب علمانہ نظر! اب آئیے ایک نظر سفرِ ہجرت کے چند واقعات پر بھی ڈال لی جائے!

۱۔ ہجرت سے دو تین دن پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دوپہر کے وقت حضرت ابو بکر کے گھر پر گئے، جبکہ عام طور پر آپ کا معمول دوپہر کے وقت کسی کے گھر جانے کا نہیں تھا۔ عادت شریفہ کے مطابق دروازہ پر دستک دی اجازت کے بعد گھر میں تشریف لے گئے۔ اور تخلیہ کے اطمینان کے بعد حضرت ابو بکر سے فرمایا کہ "مجھ کو ہجرت کی اجازت ہو گئی ہے" بڑی بے تابی سے حضرت ابو بکر نے عرض کیا "کیا مجھ کو بھی ہمراہی کا شرف حاصل ہو گا؟" ارشاد ہوا "ہاں"۔۔۔ حضرت ابو بکر نے اسی مبارک سفر کے لیے دو اونٹنیاں ببول کی پتیاں کھلا کھلا کر تیار کی تھیں چنانچہ عرض کیا کہ ان میں سے ایک آپ پسند فرما لیں!۔۔۔ ارشاد ہوا: "اچھا! مگر بہ قیمت!"

اللہ اکبر! ابو بکرؓ جیسے مخلص، وفا شعار اور جان نثار ساتھی کی پیشکش بھی داعی اعظم صلی اللہ علیہ وسلم نے کیسی شرط لگا کر قبول فرمائی اور قیامت تک کے لیے دین کا کام کرنے والوں کے لیے خودداری، اخلاص و انفاق اور نہج نبوت کی بنیادی خصوصیت اپنی جان اور اپنے مال کی قربانی کی کیسی پرعزیمت مثال قائم فرمادی!!

مدینہ منورہ پہنچنے کے بعد جب آپ نے حضرت ابو ایوب انصاری کے مکان کے قریب۔ جہاں آپ کا قیام تھا مسجد کی تعمیر کا ارادہ فرمایا۔ تو قریب ہی میں واقع خاندان نجار کی ایک زمین کو آپ نے منتخب فرمایا۔ وہ زمین کچھ یتیموں کی تھی، آپ نے ان کو بلوایا اور یہ ارادہ ظاہر فرمایا۔ تو انھوں نے بڑے اصرار سے اپنی کائنات آپ کی نذر کرنی چاہی، لیکن وہاں بھی آپ نے اسے گوارا نہ فرمایا۔ اور قیمت ادا کر کے ہی وہ زمین خریدی۔

یہ دونوں واقعات دعوت اسلام اور مزاج نبوت کے جس امتیازی پہلو کی ترجمانی کر رہے ہیں وہ چنداں محتاج بیان نہیں۔ اور نہ اس امر میں شک شبہہ کی گنجائش ہے کہ دین کی خدمت کرنے والوں کے لیے بہترین نمونہ "اسوۂ نبوی" ہی ہے۔

---

۲۔ کفار مکہ نے دار الندوہ میں کیے گئے متفقہ فیصلہ کے بموجب۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کے ارادے سے آپ کے گھر کا محاصرہ کرلیا، اور شاید اس وجہ سے کہ عربوں میں زنانہ مکان کے اندر گھسنا معیوب اور بزدلی کی علامت سمجھا جاتا تھا باہر ٹھہرے رہے کہ آپ نکلیں تو یہ کام کیا جائے۔ آپ باہر تشریف لائے، اور تھوڑی سی مٹی اپنے ہاتھ میں لے لی، اور ان کے سروں پر پھینکتے ہوئے اور فَاَغْشَيْنَاهُمْ فَهُمْ لَا يُبْصِرُوْنَ" پڑھتے ہوئے ان کے سامنے سے گذر گئے، اور کسی کو پتہ بھی نہ چلا۔ آپ سیدھے حضرت ابو بکر کے پاس تشریف لے گئے، اور ان کو ساتھ لے کر راتوں رات مکہ کے جنوب میں واقع جبل ثور کے ایک غار میں روپوش ہوگئے۔ اور تین دن تک وہیں رہے ۔۔۔ حضرت ابو بکر کے بیٹے عبد اللہ دن بھر مکہ مکرمہ میں چل پھر کر پتہ لگاتے کہ

قریش کیا مشورے اور تدبیریں کر رہے ہیں، اور شام کے اندھیرے میں آ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کرتے۔ حضرت ابوبکر کی بڑی صاحبزادی حضرت اسماء روز شام کو گھر سے کھانا تیار کر کے غار میں پہنچا آتیں ——— انھوں نے مکہ سے نکلتے وقت بھی کچھ توشہ تیار کر کے دیا تھا ——— حضرت ابوبکر کا غلام عامر بن فہیرہ رات گئے، بکریاں چرا کر لاتا اور آپ اور حضرت ابوبکر ان کا دودھ پی لیتے۔ تین دن اسی طرح گذرے، اس دوران قریش نے ہر طرف آپ کی تلاش اور گرفتاری کی مہم شروع کر رکھی تھی۔ اور ڈھونڈھتے ڈھونڈھتے ان کی ایک ٹولی غار کے دہانہ تک پہنچ گئی صدیق اکبر نے خطرہ قریب محسوس کرتے ہوئے آپ سے عرض کیا۔ "ایسی جگہ وہ لوگ کھڑے ہیں کہ اگر اپنے پیروں پر بھی ان کی نگاہ پڑے گی تو ہم کو دیکھ لیں گے" ——— آپ نے بڑے پر اعتماد لہجہ میں فرمایا:

"لا تحزن إن الله معنا"　　　گھبراؤ نہیں اللہ ہمارے ساتھ ہے

اس روداد میں دو پہلو خاص طور سے غور طلب ہیں۔

ایک پہلو تو یہ ہے کہ جیسا کہ صاف نظر آتا ہے، صدیق اکبر اور ان کے متعلقین کو جو شرکت سفر ہجرت میں نصیب ہوئی وہ انھی کا مقدر تھا! وہ خود تو خیر "ثانی اثنین" (رفیق سفر) ہی تھے، ان کے صاحبزادے بھی پوری سرگرمی سے اپنے ذمے کیے گئے نازک کام کی انجام دہی میں مصروف نظر آتے ہیں، اور صاحبزادی اسماء (ذات النطاقین) بھی! اور ان کے غلام عامر بن فہیرہ بھی پورے سفر میں ساتھ رہے! اور اس طرح بزرگ خاندان کے ساتھ جوان عمر اور جوان ہمت اولاد بھی دعوت اور داعی کی خدمت میں پیش پیش رہی، اور با توفیق اور فرض شناس خادم و غلام بھی، پس کہا جا سکتا ہے کہ امت کے تمام طبقات کے لیے سفر ہجرت کے صرف اتنے ہی قصہ میں قابل تقلید نمونہ موجود ہے۔

ایں خانہ تمام آفتاب است
ایں سلسلۂ طلائے ناب است

دوسرا پہلو یہ ہے کہ اسلام کی یہ تعلیم کہ دعوتی جد و جہد میں بھی اور دنیا کے معاملات میں بھی ممکن حد تک اسباب ضرور اختیار کیے جائیں، لیکن اعتماد اور بھروسہ صرف اللہ تعالیٰ کی قدرت و فیصلے پر ہو۔ اس واقعہ سے عملی طور پر عیاں ہے۔ جب آپ گھر سے نکلے تو آپ نے، ظاہر ہے کہ وحی الٰہی کے اشارہ ہی سے، دشمنوں کے سروں پر مٹی پھینکی، اور دعا کرتے ہوئے وہاں سے نکل گئے ـــــ آپ کا مٹی پھینکنا ایک سبب تھا، اور اس کا اس درجہ مؤثر ہو جانا کہ انھیں آپ کا پتہ ہی نہ چلا یہ اللہ تعالیٰ کی غیبی قدرت کا مظاہرہ تھا ـــــ اسی قسم کا واقعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غزوۂ بدر میں بھی پیش آیا تھا جب آپ نے کافروں کے لشکر کی طرف مٹھی بھر خاک پھینکی تھی اور اس نے بھی وہی کام کیا تھا، اسی واقعہ کی طرف اشارہ فرمایا گیا ہے اس ارشاد الٰہی میں:

| | |
|---|---|
| وما رمیت اِذ رمیت. ولکن اللہ رمیٰ | جب تم نے وہ خاک پھینکی تھی، تو وہ تم نے نہیں پھینکی تھی، بلکہ اللہ نے پھینکی تھی۔ |

اسی طرح اس امر کو بھی پیش نظر رکھیے کہ [illegible] کافروں کی نگاہوں سے بچنے کی اختیار فرمائیں، آپ مکہ مکرمہ سے رات کے وقت نکلے، مدینہ منورہ مکہ مکرمہ سے شمال کی جانب واقع ہے لیکن آپ شمال کی طرف چلنے کے بجائے مکہ مکرمہ سے جنوب کی طرف واقع جبل ثور کی طرف گئے، اور ایک غار میں روپوش ہو گئے ـــــ یہی وہ تدبیر تھی جس کا اختیار کرنا آپ کے لیے ممکن تھا، لیکن آپ کا قلبی اعتماد کسی تدبیر سے نہیں بلکہ صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی ذات سے وابستہ تھا۔ اسی لیے اس وقت جبکہ آپ کے دشمن غار کے دہانے تک پہنچ گئے تھے اور خطرہ سر پر منڈلا رہا تھا، آپ نے بڑے اعتماد و یقین کے ساتھ فرمایا تھا" ان اللہ معنا " یقیناً اللہ ہمارے ساتھ ہے ـــــ اسباب و تدابیر اختیار کرنے کے ساتھ ساتھ اعتماد و یقین کا مرکز صرف اللہ کی ذات ہو، یہ اسلام کی تعلیم ہے، اور یہ واقعہ اس تعلیم کا بہترین عملی

نمونہ ہے۔

---

قریش نے اعلان کیا تھا کہ جو شخص محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو گرفتار کرکے لائے گا اس کو سو اونٹوں کا گرانقدر انعام دیا جائے گا، سراقہ بن مالک انعام کی لالچ میں آپ کے تعاقب میں نکلا، اور آپ کو دیکھ کر گھوڑا اور تیز دوڑانا چاہا تو اچانک گھوڑے کو ٹھوکر لگی اور وہ گر پڑا لیکن اس نے ہار نہ مانی اور پھر گھوڑے کو اسی سمت میں بڑھایا، اور کچھ اور قریب پہنچ گیا، گھوڑے نے دوبارہ ٹھوکر کھائی اور پھر وہ گرا، لیکن اب بھی اس نے سبق نہ سیکھا، پھر سوار ہوا اور تعاقب شروع کیا، لیکن پھر تیسری بار گھوڑے نے سخت ٹھوکر کھائی اس کے پانوں زمین میں دھنس گئے، سراقہ گر پڑا، اسی کے ساتھ بگولے کی شکل میں وہاں سے دھواں بھی اٹھا، ـــــ یہ سب دیکھ کر سراقہ سمجھ گیا کہ یہ (محمد) کسی غیبی حمایت میں ہیں۔ اس نے دور سے آواز دی اور کہا کہ میں سراقہ بن جعشم ہوں، مجھے بات کرنے کا موقع دیجیے۔ مجھ سے آپ لوگوں کو ہرگز کوئی نقصان نہ پہنچے گا، ـــــ اسے قریب آکر بات کرنے کا موقع دیا گیا تو اس نے امن کی تحریر مانگی۔ اور پھر چشم فلک نے قدرت خداوندی اور رعب نبوی کا یہ عجیب و غریب کرشمہ دیکھا کہ جو شخص رات کی تنہائی میں مکہ والوں کے ظلم و ستم سے تنگ آکر خود پرامن ماحول کی تلاش میں نکلا تھا، اور پھر سو دن تک غار کی تاریک گہرائیوں میں چھپا رہا تھا اور اب راستہ بدل کر مدینہ منورہ کی طرف اس احتیاط کے ساتھ جا رہا تھا کہ جاں نثار ساتھی حضرت ابو بکر حفاظت کے خیال سے کبھی آگے چلتے اور کبھی پیچھے، اور بار بار پلٹ کر پیچھے بھی دیکھتے رہتے، اپنے تعاقب کرنے والے ایک دشمن کو اس بے سروسامانی اور غریب الوطنی کے عالم میں وہی شخص پورے آداب خسروانہ اور حاکمانہ رعب و جلال کے ساتھ فرمان امن لکھوا کر اس کے سپرد کر رہا ہے ـــــ یہی نہیں بلکہ اپنے اس دشمن سے یوں مخاطب ہے! "سراقہ! اس وقت تمہارا کیا حال ہوگا جب کسریٰ کے کنگن تم اپنے ہاتھ میں پہنو گے" ـــــ

اللہ اللہ! ایسے مایوس کن اور حوصلہ شکن حالات میں اس یقین و اعتماد کا مظاہرہ! اور ایسے تاریک "حال" میں اس قدر روشن مستقبل کا یقین!

سفر ہجرت کا یہ واقعہ اللہ تعالیٰ کے وعدوں اور اس کے غیبی نظام پر نبوی یقین کا بہترین نمونہ ہے، اور اس میں دین کی دعوت کا کام کرنے والوں کے لیے بہت قیمتی سبق ہے۔ کیونکہ یہی یقین ہے جو گرد و پیش کے حالات سے خواہ وہ کتنے بھی مایوس کن ہوں۔ داعی کو متاثر نہیں ہونے دیتا اس لیے کہ اس کی نگاہ ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی غیبی قدرت ہی پر رہتی ہے۔

---

۴۔ مکہ مکرمہ سے نکلنے سے پہلے ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عبد اللہ بن اریقط نامی ایک شخص سے معاملہ کر لیا تھا، اور دونوں اونٹ بھی اس کے حوالے کر دیے تھے۔ اور یہ بات طے ہوگئی تھی کہ تین دن بعد وہ دونوں اونٹ لے کر غار ثور کے قریب آجائے گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اور عبد اللہ بن اریقط ہی نے جو خصوصاً مدینہ منورہ کے مختلف راستوں سے بہت زیادہ واقف تھا مدینہ منورہ تک ان رہبرانِ انسانیت کی رہبری کی —— قابل ذکر بات یہ ہے کہ عبد اللہ بن اریقط مسلمان نہیں تھا۔

اُدھر مدینہ منورہ میں آپ کی مکہ مکرمہ سے روانگی کی خبر پہنچ چکی تھی۔ تمام شہر ہمہ تن چشم انتظار تھا۔ انصار نے یہ معمول بنا لیا تھا کہ روز فجر کے بعد سے شہر کے آخری کنارے پر پہنچ جاتے اور آپ کا انتظار شروع کر دیتے۔ اور دوپہر تک انتظار کر کے حسرت کے ساتھ واپس چلے آتے۔ یاد رہے کہ یہ سخت گرمی کا موسم تھا —— ۱۲ ربیع الاول دوشنبہ کا دن تھا لوگ دوپہر تک انتظار کر کے واپس جا چکے تھے جبکہ آپ مدینہ منورہ میں داخل ہوئے، اس وقت اہالی مدینہ میں سے سب سے پہلے ایک یہودی کی نگاہ آپ پر پڑی، اور اس نے زور سے آواز لگائی کہ "اہل عرب لو! تم جس کا انتظار کرتے تھے وہ آگیا" —— اور اس طرح مکہ

سے مدینہ تک کے راستوں کی رہبری کرنے والا بھی بت پرست کافر تھا، اور مدینہ منورہ میں سب سے پہلے آپ کی آمد کی خوشخبری دینے والا بھی کافر یہودی تھا۔ کیا عجب ہے کہ مشیت الٰہی کے اس فیصلے میں یہ اشارہ مضمر ہو کہ مشرکین مکہ اور یہود مدینہ دونوں طاقتیں اسلام کے سامنے سرنگوں ہونے والی ہیں۔ اور ہجرت نبوی اس نئے دور کے آغاز کی علامت ہے ___ واللہ اعلم

# حضرت مولانا علی میاں مدظلہٗ کی خودنوشت سوانح کا ایک ورق

[کاروان زندگی کے نام سے مخدومنا حضرت مولانا سید ابو الحسن علی ندوی مدظلہٗ کی خودنوشت سوانح حیات حال ہی میں منظر عام پر آئی ہے۔ کہانی کسی بھی انسان کی ہو، دوسروں کے لیے اس میں عبرت کے بے شمار پہلو ہوتے ہیں، اور اگر وہ کسی باتوفیق بندۂ خدا کی ہو تو اس کی اہمیت وافادیت کہیں سے کہیں پہنچ جاتی ہے۔

راقم سطور نے یہ کتاب پڑھی تو جی چاہا کہ الفرقان کے قارئین کی خدمت میں اس کا کوئی حصہ پیش کیا جائے۔ اس ارادہ سے دوبارہ کتاب پر نظر ڈالی تو سب ہی عنوانات میں جاذبیت محسوس ہوئی، بالآخر عام تربیتی و اصلاحی فائدے کے خیال سے ان دو مقامات پر نظر انتخاب پڑی جن میں حضرت مولانا نے اپنی والدہ مرحومہ اور بھائی صاحب مرحوم کی شفقتوں، دعاؤں اور طرز تربیت کا ذکر فرمایا ہے۔ اس سے یہ واضح ہوگا کہ کسی شخصیت کی تعمیر اور ذہنی و اخلاقی تربیت میں اس کے سرپرستوں کا کیا کیا کردار ہوتا ہے؟ یا ہونا چاہیے؟ اور یہ بھی معلوم ہوگا کہ والدین کی دعاؤں اور نیک نیت وسراپا شفقت سرپرستوں کی تعلیم و تربیت کے کیا نتائج و ثمرات نکلتے ہیں؟ ——— سجاد]

---

# والد صاحب کی وفات

۱۵ جمادی الآخر ۱۳۴۱ھ (۲ فروری ۱۹۲۳ء) جمعہ کا دن تھا کہ لکھنؤ کا یہ دور اور عمر بلکہ اپنے چھوٹے سے اس خاندان کی تاریخ کا زریں ورق اچانک الٹ گیا، اور گھر کی بساط ہی الٹ گئی، والد صاحب مرحوم نے چند گھنٹوں کی علالت کے بعد جان جاں آفریں کے سپرد کی[1]، اس کو تقدیری بات کہیے کہ اس وقت ان کے پاس تنہا میں ہی ۹-۱۰ برس کا بچہ تھا، والد صاحب نے انتقال سے تھوڑی دیر پہلے سنترے منگوائے تھے (غالباً تسکین و فرحت حاصل کرنے کے لیے) جب وہ سنترے آئے تو بجائے خود تناول فرمانے کے میری طرف اشارہ کیا کہ اس کو دے دو، میری خوش قسمتی کہ میں نے بغیر کسی کی ہدایت یا ان کے اشارے کے ان کے پاؤں دابنے شروع کیے، ان کا ذکر قلبی جاری تھا، آواز بند ہونے پر بہنوں کو تشویش ہوئی، میرے استاد مولوی محمود علی صاحب جمعہ کی چھٹی ختم کر کے جو وہ اپنے گھر جھوائی ٹولہ میں گذارتے تھے، واپس آ گئے تھے، اور ایک حکیم صاحب اور والد صاحب کے ایک دوست بھی آ گئے، اور اس بات کی تصدیق ہو گئی کہ وہ اس جہان فانی سے رحلت فرما چکے ہیں، یہ خبر بجلی کی طرح سارے شہر میں دوڑ گئی، اور محبین و معتقدین جوق در جوق آنے لگے، وہ نیچے مطب میں بیٹھے تھے، اور ان کی ہمدردی اور دل جوئی کا مرکز ایک کم سن بچہ تھا، جو اس کے سمجھنے سے قاصر تھا کہ دفعتاً یہ کیا ہو گیا، یہ تعزیت کرنے والے کس مرتبے اور حیثیت کے لوگ ہیں، اور ان کا کس طرح جواب دینا چاہیے؟ کبھی کوئی شفقت سے اپنے پاس بٹھا لیتا، کبھی کوئی سینہ سے لگا لیتا، کوئی سر پر محبت کا ہاتھ پھیرتا، آنکھیں اشک بار اور دل مضطرب تھے، جو اس تعزیت کا سب سے زیادہ مستحق اور اس کا شکریہ ادا کرنے کے لیے سب سے زیادہ موزوں تھا، وہ یہاں سے ایک ہزار میل پر (مدراس میں) تھا اور اس پورے قصہ سے بے خبر تھا، اس کے بعد جو کچھ ہوا اس کی تفصیل "حیات عبد الحئی" میں پڑھی جا سکتی ہے۔

---

[1] واقعہ کی تفصیل "حیات عبد الحئی" (ص ۲۲۳–۲۳۰) میں ملاحظہ ہو

# بھائی صاحب کی شفقت و سرپرستی کا دور

بھائی صاحب جنھوں نے یہ خبر اتفاقیہ بمبئی میں والد صاحب کے ایک دوست سے سنی تھی، جب لکھنؤ واپس ہوئے، اور درائے بریلی پہونچے تو سیدھے قبر پر گئے، میں بھی ساتھ ہولیا، ان کا قبر پر بچوں کی طرح پھوٹ پھوٹ کر رونا اس وقت آنکھوں کے سامنے ہے اور کل کی بات معلوم ہوتی ہے، بس اسی وقت سے ان کے اندر ہم سب لوگوں نے ایک انقلاب محسوس کیا، اب وہ نرے بڑے بھائی نہ تھے، جو اپنی تعلیم کی تکمیل میں ہمہ تن مشغول، یکسو اور گھر کے قصوں سے بے تعلق و فارغ تھے، میں نے ان سے صرف شفقت پدری کا اظہار ہوتے نہیں دیکھا، بلکہ شفقت مادری کا بھی صاف صاف ظہور ہوتا تھا، یہاں پر والد صاحب کے دوستوں میں سے صرف نواب سید علی حسن خاں مرحوم کے (نواب سید نور الحسن خاں والد صاحب کی وفات سے پانچ سال پہلے وفات پاچکے تھے) اس تعزیت نامہ کی چند سطریں پیش کی جارہی ہیں، جو انھوں نے میرے نام لکھا تھا، اور اس میں میرے سن وسال کی پوری رعایت ہے۔

"تم اپنے دل میں یہ خیال نہ کرو کہ باباؔ نہیں ہیں، تو ہم کیونکر اور کس طرح پڑھیں گے میں نے سنا ہے کہ تم پریشان ہو کر لوگوں سے یہ کہتے ہو، خدا کے فضل سے تمھارے بڑے بھائی جو بڑے قابل، بڑے فاضل ہیں، تمھاری تعلیم کا بہت اچھا انتظام کریں گے، علاوہ اس کے اس وقت سب لوگوں کی توجہ اور نگاہیں تمھاری طرف ہیں، پس تم ہرگز ہرگز نہ گھبراؤ، خدا چاہے گا تو تم بہت اچھی طرح اور بڑے آرام و آسائش سے پڑھو گے، آخر میں دعا کرتا ہوں کہ خدا تمھاری عمر دراز کرے کہ خاندان کا نام روشن کرو۔"[۲]

---

[۱] میں اپنے صاحب کو باباہی کہتا تھا۔

[۲] پورا خط "حیات عبدالحی" میں ملاحظہ ہو صفحہ ۲۳۴-۲۳۶

## تکیہ کا عبوری قیام، اور والدہ صاحبہ کی تربیت

والد صاحب کے انتقال کے بعد ہمارے خاندان کے لکھنؤ رہنے کا کوئی مسئلہ نہ تھا۔ مطب اور ندوہ کی نظامت دونوں والد صاحب کے ساتھ گئیں۔ بھائی صاحب میڈیکل کالج کے چوتھے سال میں تھے، گھر میں کوئی جائداد اور ذریعۂ آمدنی نہ تھا، اس لیے خود ان کی تعلیم کی تکمیل، اور لکھنؤ کے قیام میں سخت مشکلات حائل تھے، اللہ تعالیٰ نواب نور الحسن خاں صاحب مرحوم کی بیگم صاحبہ اور ان کے صاحبزادوں سید ظہور الحسن سید نجم الحسن صاحبان کو اپنے شایان شان بدلہ دے، اور ان کی قبروں کو نور سے بھرے کہ انھوں نے عزیزوں سے بڑھ کر محبت و تعلق کا ثبوت دیا، اور اپنی کوٹھی پر قیام کی پیش کش کی، لکھنؤ کا مکان جو شروع سے کرایہ پر تھا، چھوڑ دیا گیا تھا، ہوسٹل کے مصارف کی استطاعت نہ تھی، بھائی صاحب نے اس مخلصانہ و محبانہ پیش کش کو قبول کیا، یکسوئی اور انہماک کے ساتھ مطالعہ کرنے کے لیے ان حضرات نے اپنی عالیشان کوٹھی کا ایک حصہ جو کوٹھی سے علاحدہ بھی تھا، بھائی صاحب کے حوالہ کر دیا، جہاں وہ عزیز کتب خانہ بھی منتقل ہو گیا، جو بازار جھاؤ لال کے مکان میں ابھی تک امانت تھا، اس خاندان نے تا اختتام تعلیم بھائی صاحب کو اپنا مستقل مہمان بلکہ فرد خاندان بنا لیا، اور ان میں اور اپنی عزیز اولاد میں کوئی فرق نہیں رکھا، والدہ صاحبہ، بہنیں اور میں والد صاحب کی وفات ہی کی شب میں رائے بریلی منتقل ہو گئے تھے۔

میری فارسی تعلیم کا سلسلہ جاری تھا، لکھنؤ میں جو مولوی صاحب پڑھاتے تھے، وہ وہیں رہ گئے، یہاں میں نے اپنی فارسی تعلیم بھائی صاحب کی ہدایت سے جاری رکھی، عم محترم سید محمد اسماعیل صاحب اچھے فارسی داں تھے، ان سے بوستاں پڑھتا تھا، حساب سکھانے اور اردو عبارت نویسی کی مشق کے لیے قریبی گاؤں لوہانی پور سے ماسٹر محمد زماں خاں صاحب آتے تھے جو اس موضع کے شریف پٹھانوں میں سے تھے، اور عدالت رائے بریلی میں ملازم تھے، میرے بڑے ماموں زاد بھائیوں نے بھی اپنے

اپنے وقت میں ان سے پڑھا تھا، خال محترم مولوی حافظ سید عبید اللہ صاحب نے میرے ٹیوشن کا انتظام کر دیا تھا۔

گھر میں کسی بڑے مرد کے نہ ہونے کی وجہ سے والدہ صاحبہ ہی میری نگرانی، اخلاقی و دینی تربیت کی ذمہ دار تھیں، مجھے قرآن مجید کی بڑی بڑی سورتیں انھوں نے اسی زمانہ میں یاد کرائیں، باوجود اس کے کہ ان کی شفقت خاندان میں ضرب المثل تھی، اور والد صاحب کے انتقال کی وجہ سے وہ میری دل داری اور ایک حد تک ناز برداری قدرتاً دوسری ماؤں سے زیادہ کرتی تھیں، لیکن دو باتوں میں بہت سخت تھیں، ایک تو نماز کے بارے میں مطلق تساہل نہیں برتتی تھیں، میں عشاء کی نماز پڑھے بغیر کبھی سو گیا، خواہ کیسی ہی گہری نیند ہو اٹھا کر نماز پڑھواتیں اور نماز پڑھے بغیر ہرگز سونے نہ دیتیں، اسی طرح فجر کی نماز کے وقت جگا دیتیں اور مسجد بھیجتیں، اور پھر قرآن مجید کی تلاوت کے لیے بٹھا دیتیں، دوسری بات جس میں وہ قطعاً رعایت نہ کرتیں، اور اس میں ان کی غیر معمولی محبت و شفقت حارج نہ ہوتی یہ تھی کہ اگر میں خادم کے لڑکے یا کام کاج کرنے والے غریب بچوں کے ساتھ کوئی زیادتی، ناانصافی کرتا، یا حقارت اور غرور کے ساتھ پیش آتا، تو وہ نہ صرف مجھ سے معافی منگواتیں، بلکہ ہاتھ تک جڑواتیں، اس میں مجھے کتنی ہی اپنی ذلت اور خفت محسوس ہوتی مگر وہ اس کے بغیر نہ مانتیں، اس کا مجھے اپنی زندگی میں بہت فائدہ پہونچا؛ اور ظلم و تکبر و غرور سے ڈر معلوم ہونے لگا، اور دل آزاری اور دوسروں کی تذلیل کو کبیرہ گناہ سمجھنے لگا، اس کی وجہ سے مجھے اپنی غلطی کا اقرار کر لینا ہمیشہ آسان معلوم ہوا۔[1]

والدہ صاحبہ کی تربیت کے اس انداز کا ذکر کرتے ہوئے ایک تجربہ اور مشورہ کے طور پر اس کا بھی ذکر کر دینے کو جی چاہتا ہے کہ بچوں کے مذہبی و اخلاقی اٹھان اور ان کے اس قابل ہونے میں کہ اللہ تعالیٰ ان سے اپنے دین کی کوئی خدمت لے یا قبولیت عطا فرمائے، دو چیزوں کا بڑا دخل ہے، ایک یہ کہ (وہ اپنی عمر کے مطابق) ظلم اور دل آزاری سے

---

[1] "ذکر خیر" صفحہ ۴۷-۴۸ باختصار

محفوظ رہیں، اور کسی دکھے دل کی آہ یا مظلوم کی کراہ ان کے مستقبل پر اثر نہ ڈالے، دوسرے یہ کہ ان کی غذا غصب، حرام اور مشتبہ مال سے پاک رہے، بظاہر اللہ تعالیٰ نے اس عاجز کے ساتھ ان دونوں چیزوں کا انتظام فرمایا، میرا ادھیال جائداد و املاک اور مشترک مال و حقوق سے عرصہ سے محفوظ تھا، والد صاحب کی آمدنی خالص طبی پیشہ کی رہین منت تھی، ویسے بھی اللہ تعالیٰ نے نہ صرف مشتبہ مشکوک مال سے بچایا، بلکہ بدعات و رسوم کے کھانوں سے بھی۔

اس سلسلہ میں ایک واقعہ یاد آگیا، میں اپنے گھر کی ایک بڑی بوڑھی انّا کے ساتھ جو پڑھی لکھی نہ تھیں، اپنی پھوپھی کے پاس خانصاں ہاٹ (رائے بریلی کا ایک محلہ) جا رہا تھا، راستہ میں کہیں غریبوں کو کھانا کھلایا جا رہا تھا (جو چالیسویں یا صدقہ کا کھانا تھا) بڑی بی نے جن کے ساتھ میں جا رہا تھا وہ کھانا لیا، اور وہیں بیٹھ کر کھانے لگیں، میں بچہ تھا، میرے بھی منہ میں پانی بھر آیا اور میں نے شرکت کرنی چاہی، انھوں نے کہا بیٹا! یہ تمھارے کھانے کا نہیں، اور انھوں نے مجھے کھانے نہیں دیا، یہ غالباً گھر کے ماحول اور احتیاط کی اس فضا کا نتیجہ تھا، جس کو وہ دیکھا کرتی ہوں گی۔

اسی زمانہ میں ہمارے خاندان میں ایک بڑا اچھا دستور تھا کہ جہاں کوئی ایسا غمناک واقعہ پیش آتا، دل دکھے ہوئے ہوتے، یا کوئی پریشانی کی بات ہوتی تو "صمصام الاسلام" سنی جاتی، یہ مشہور مؤرخ واقدی کی مشہور کتاب "فتوح الشام" کا بچیس ہزار اشعار میں ترجمہ ہے، یہ ترجمہ اور نظم ہمارے ہی خاندان کے ایک بزرگ، میرے والد صاحب کے حقیقی پھوپھا منشی سید عبد الرزاق صاحب کلامی کی لکھی ہوئی ہے، جو جوش و خروش سے بھری ہوئی اور درد و اثر میں ڈوبی ہوئی، جنگ کا نقشہ ایسا کھینچتے کہ دل جوش سے اچھلنے لگتے ہیں، اور نبض تیز ہو جاتی ہے، شہادت کا ذکر اس طرح کرتے ہیں کہ خود راہ خدا میں جان دینے کے لیے دل بے تاب ہو جاتا ہے، اور صحابۂ کرام، اور مجاہدین کے غم کے سامنے آدمی اپنا غم بھول جاتا ہے، میری بڑی خالہ مرحومہ صالحہ بی جو قرآن مجید کی بھی حافظہ تھیں، یہ منظوم فتوح الشام بڑے پُر اثر اور دلکش لہجہ میں پڑھتی تھیں، اور

پڑھتے پڑھتے کتاب ان کو بہت رواں ہو گئی تھی، عموماً عصر کے بعد یہ مجلس ہوتی، بچے بھی کبھی اپنی ماؤں کے پاس کھیلتے کھیلتے یا کسی پیغام کے لیے آجاتے، اور بے ارادہ کچھ دیر ٹھہر کر سنتے، کبھی با ارادہ بیٹھ جاتے، اور کبھی مائیں اپنے پاس بٹھا کر سننے کا موقعہ دیتیں، پھر جب اس میں لطف آنے لگتا تو کھیل چھوڑ کر اس مجلس میں شریک ہوتے۔

## مایوس کن بچپن

یہاں پر بلا تکلف اس حقیقت کا اظہار کرنا بھی ضروری ہے کہ میرا بچپن بڑا غیر درخشاں بلکہ مایوس کن اور ہندی محاورہ "ہونہار بروا کے چکنے چکنے پات" کے بالکل برعکس تھا، میری عمر کے اور خاندان کے بچوں میں بھی عام طور پر جتنا شعور اور سلیقہ پایا جاتا تھا، وہ بھی مجھ میں نظر نہیں آتا تھا، قدرتی طور پر والدہ صاحبہ کو اس کا رنج تھا، اور خاندان کی عزیز خواتین، اور بعض بزرگ بھی اس احساس کو اپنے تبصروں سے تازہ اور زندہ کرتے رہتے تھے، اس کا ایک بڑا فائدہ یہ ہوا کہ انھوں نے دل کھول کر میری اصلاح و تربیت، حصول علم اور قبولیت و کامیابی کے لیے دعائیں مانگنے کو اپنا وظیفہ اور ورد بنا لیا، پھر اللہ نے ان کی زبان سے نظم و نثر میں جو کچھ نکلوایا اس کی مثال اس دور میں مشکل سے ملے گی، فرماتی تھیں کہ ایسی پریشانی کے زمانہ میں میاں (میرے نانا صاحب رحمۃ اللہ علیہ) کو میں نے خواب میں دیکھا کہ وہ اس پرانے خواب کو یاد دلا رہے ہیں، جس میں انھوں نے "فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّا أُخْفِيَ لَهُم مِّن قُرَّةِ أَعْيُنٍ" کی بشارت سنی تھی، اور فرما رہے ہیں کہ تم اس قدر کیوں پریشان ہو؟ میں سمجھتا ہوں کہ مجھے جو دولت آئے، اور خدا کے نیک اور مقبول بندوں سے جو قرب کی دولت اور ان کی شفقت اور دعاؤں کی نعمت حاصل ہوئی، وہ انھیں مضطربانہ دعاؤں کی برکت ہے۔

---

سلہ "ذکر خیر" ص۴۰ اور "مشاہیر اہل علم کی محسن کتابیں" ص۱۵۰

"اَمَّنْ یُّجِیْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاهُ وَیَکْشِفُ السُّوْٓءَ وَیَجْعَلُکُمْ خُلَفَآءَ الْاَرْضِ"

اس زمانہ میں جب میں کچھ لکھنے کے قابل ہوا تو والدہ صاحبہ مجھے تاکید کرتی تھیں کہ میں جب کچھ لکھوں تو بسم اللہ الرحمٰن الرحیم" کے ساتھ" اللھم ائتنی بفضلک افضل ماتوتی عبادک الصالحین" (اے اللہ مجھے اپنے فضل سے وہ افضل سے افضل چیز عطا فرما جو تو اپنے نیک بندوں کو عطا فرمایا کرتا ہے) بھی لکھوں اس کی عادت مجھے عرصہ تک رہی اور اب بھی دعا کرتے وقت اکثر یہ دعا یاد آجاتی ہے۔[1]

## انگریزی تعلیم کا انہماک اور والدہ صاحبہ کی فکر و پریشانی

میری انگریزی تعلیم کا سلسلہ عربی کے ساتھ آہستہ آہستہ جاری تھا، ہمارے ہی محلہ میں خلیل الدین صاحب ہنسوی رہتے تھے جن کے ہمارے ہنسوہ کے عزیزوں سے اور بھائی صاحب سے برادرانہ تعلقات تھے، وہ اگرچہ ڈاک خانہ (DEADLETTER OFFICE) میں ملازم تھے، لیکن پرانے زمانہ میں تعلیم پانے کی وجہ سے ان کی انگریزی بڑی اچھی تھی، اور پڑھانے کا ملکہ تھا، انھوں نے انگریزی پڑھانے کے لیے وقت دیا تھا، رائے بریلی جاتا تو اپنے بڑے ماموں سید احمد سعید صاحب سے انگریزی پڑھتا تھا، جنھوں نے انگریزوں سے انگریزی پڑھی تھی، اور انگریزی محاورات اور روزمرہ پر ان کو بڑی قدرت تھی، جب دارالعلوم میں قیام رہنے لگا تو وہاں کے انگریزی کے مشاق استاد ماسٹر محمد سمیع صدیقی (ایم، اے، ایل، ٹی) سے انگریزی کا سلسلہ جاری رکھا، بعد میں ۱۹۲۹ء میں محمد الفاروقی صاحب ایم، اے، ایل ایل، بی کے پاس پڑھنے کے لیے جانے لگا، جو لکھنؤ یونیورسٹی کے شعبۂ فارسی کے استاد تھے، اور بعد میں سیتاپور گورنمنٹ اسکول کے ہیڈ ماسٹر ہو گئے تھے، فاضل ادب پاس کر لینے کے بعد میٹرک پاس کرنے کا خیال پیدا ہوا، جو اس وقت کے ماحول اور فضا کے تقاضوں کے بالکل مطابق تھا، انگریزی زبان اور تعلیم کا اقبال اپنے عروج پر تھا، ابھی چند دن پہلے ہمارے خاندان کے

[1] ماخوذ از صفحہ ۔۔ تا صفحہ ۴۸ "کاروانِ زندگی"

ایک اور عزیز حافظ سید اسحاق حسنی جن کا I.C.S. (انڈین سول سروس) میں انتخاب ہوگیا تھا، اس شعبہ کی تربیت حاصل کر کے لندن سے آئے تھے، اور ہمارے خاندان میں اس کی دھوم مچی ہوئی تھی، میرے اور برادرم ابوبکر کے علاوہ (جو فاضل ادب کے بعد اب ایک انگریزی اسکول میں داخل ہو گئے تھے) خاندان کے سب لڑکے انگریزی ہی تعلیم حاصل کر رہے تھے، عرب صاحب بھی اس کی ضرورت اور افادیت کے قائل تھے، اور چاہتے تھے کہ عربی داں نوجوان انگریزی پڑھیں، اور اس کے ذریعہ سے دین کی خدمت اور تبلیغ کریں۔

یہی زمانہ تھا، جب مجھ پر انگریزی پڑھنے کا دورہ پڑا، اور اس کا بخار چڑھا، میں نے میٹرک کے کورس کی کتابیں خرید لیں، ریاضی محلہ کے ایک استاد سے پڑھنی شروع کی، انگریزی فاروقی صاحب کے یہاں پڑھنے جاتا تھا، جب وہ لکھنؤ سے منتقل ہو گئے تو میں نے بطور خود مطالعہ کرنا شروع کیا، اور اپنے شوق سے انٹرمیڈیٹ کے معیار کی کتابیں (جو اب شاید بی، اے کے معیار کی ہوں گی) ڈکشنری سے حل کر کے مطالعہ کرنے لگا۔ ابھی امتحان میں بیٹھنے کی نوبت نہیں آئی تھی کہ والدہ صاحبہ کو (غالباً بھائی صاحب کے ذریعہ) میرے اس انہماک کا علم ہوا، انھوں نے مجھے بڑے مؤثر اور دردمندانہ خط لکھے جن کے کچھ نمونے میں نے ان کے تذکرہ "ذکر خیر" میں "چند تربیتی خطوط" کے عنوان سے دیئے ہیں۔[1] صرف ایک اقتباس پیش کیا جاتا ہے:

> "علی! تم کسی کے کہنے میں نہ آؤ، اگر خدا کی رضامندی حاصل کرنا چاہتے ہو، اور میرے حقوق ادا کرنا چاہتے ہو، تو ان مردوں پر نظر کرو، جنھوں نے علم دین حاصل کرنے میں عمر گزار دی، ان کے مرتبے کیا تھے، شاہ ولی اللہ صاحب، شاہ عبدالعزیز صاحب، شاہ عبدالقادر صاحب، مولوی محمد ابراہیم صاحب[2]، اور

---

[1] ص ۵۱-۵۴ [2] اس سے مراد مولانا ابو محمد ابراہیم صاحب آروی، مشہور اہل حدیث عالم ہیں، جو ہمارے نانا سید شاہ ضیاء النبی صاحب کے مرید، اور بڑے ربانی، حقانی عالم تھے۔

تمھارے بزرگوں میں خواجہ احمد صاحب[1] اور مولوی محمد امین صاحب[2]، جن کی زندگی اور موت اس وقت قابلِ رشک ہوئی، کس شان و شوکت کے ساتھ دنیا برتی، اور کیسی کیسی خوبیوں کے ساتھ رحلت فرمائی، یہ مرتبے کیسے حاصل ہو سکتے ہیں، انگریزی مرتبے والے تمھارے خاندان میں بہت ہیں[3] اور ہوں گے، مگر اس مرتبہ کا کوئی نہیں۔ ...... علی! اگر میرے سَو اولادیں ہوتیں تو میں یہی تعلیم دیتی۔ اب تم ہی ہو، اللہ تعالیٰ میری خوش نیتی کا پھل دے کہ سَو کی خوبیاں تم سے حاصل ہوں، اور میں دارین میں سرخ رو اور نیک نام ہوں، اور صاحبِ اولاد کہلاؤں، آمین ثم آمین یا رب العالمین[4]۔"

والدہ صاحبہ کی دعائے نیم شبی، اور آہ سحر گاہی کا اثر تھا کہ میرا دل اچانک انگریزی کی مزید تعلیم سے اچاٹ ہوگیا، اور میں نے کورس کی ساری کتابیں زبردستی لوگوں کے گلے لگائیں مگر اس غیر معتدل اور بحرانی مصروفیت کا یہ اثر ہوا کہ تھوڑے وقت میں میں نے انگریزی کی ضروری استعداد پیدا کر لی، اور میں اپنے علمی و تصنیفی کاموں میں اور انگلستان اور امریکہ کے سفر میں اس سے کام لے سکا، اس کے بعد شاید مجھے انگریزی پر محنت کرنے کا موقعہ نہ ملتا، انگریزی کی اتنی استعداد پیدا ہو گئی کہ میں ان کتابوں کا آسانی سے مطالعہ کر سکا جو اسلامیات کے موضوع پر اور تاریخ پر لکھی گئی ہیں، اور میں اس سے ابھی تک فائدہ اٹھا رہا ہوں۔

---

[1] مولانا سید خواجہ احمد صاحب نصیر آبادی (ملاحظہ ہو راقم کی کتاب "کاروانِ ایمان و عزیمت")

[2] مولانا سید محمد امین صاحب نصیر آبادی اپنے جوار اور عہد کے مشہور شیخ و مصلح (وفات ۱۳۴۹ھ)

[3] ذکرِ خیر ص ۵۳

[4] ماخوذ از ص ۱۲ تا ص ۱۲۳ "کاروانِ زندگی"

مولانا غازی احمد (سابق کرشن لعل)

# ایک نومسلم کی سبق آموز داستان حیات

## مِنَ الظُّلُمَاتِ اِلَى النُّوْرِ

## منتخبات ـــ یا ـــ جھلکیاں

(۴)

اس سلسلہ کی تین قسطیں ناظرین کرام ملاحظہ فرما چکے ہیں، تیسری قسط جو گزشتہ مہینے اکتوبر کے شمارہ میں شائع ہوئی تھی اُس سے معلوم ہو چکا ہے کہ مولانا غازی احمد صاحب نے میٹرک کے امتحان میں امتیاز کے ساتھ کامیابی حاصل کرنے کے بعد درس نظامی کے ذریعہ دینی تعلیم کی تکمیل کی، بعد ازاں مولوی فاضل اور منشی فاضل کے امتحانات بھی امتیاز کے ساتھ پاس کیے ــــــ اس کے بعد اپنے ضلع جہلم ہی میں نور پور کے اسکول میں استاذ کی حیثیت سے ان کا تقرر ہو گیا اور اللہ تعالیٰ کے خاص فضل و کرم سے وہاں کے ایک شریف معزز اور خوشحال گھرانے میں ان کی شادی بھی ہو گئی ــــــ اس شادی خانہ آبادی کا ذکر کرتے ہوئے غازی صاحب نے لکھا ہے کہ ــــــ

"اللہ تعالیٰ کا خصوصی فضل و کرم ہے کہ شادی کے سلسلہ میں میں بہت خوش قسمت ہوں، اللہ تعالیٰ نے مجھے نیک سیرت، شریف الطبع، دیندار، پابند صوم و صلوٰۃ اور تہجد گزار رفیقہ حیات عنایت فرمائی"

اس کے بعد غازی صاحب نے اللہ تعالیٰ کے خاص انعام کے طور پر اپنے

پہلے بیٹے طاہر جمیل کا ذکر کیا ہے اور خواب میں رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے اُن کے مشرف ہونے کا واقعہ بھی لکھا ہے۔ اس کو ناظرینِ کرام انھی کے الفاظ میں پڑھیں۔

### پہلا بیٹا

۲۶ر جنوری ۱۹۵۵ء کو اللہ رب العزت نے ہمیں چاند سا بیٹا عطا کیا۔ طاہر جمیل نام رکھا۔ اللہ جل شانہ کے فضل و کرم سے امسال بچے نے کنگ ایڈورڈ میڈیکل کالج سے ایم بی بی ایس کا امتحان پاس کر لیا ہے اور اب پاک فوج میں کیپٹن ڈاکٹر کے فرائض انجام دے رہا ہے اللہ تعالیٰ اسے دینی و دنیوی انعامات سے نوازیں مقامِ مسرت ہے کہ عزیز طاہر جمیل بھی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی سعادت حاصل کر چکا ہے۔ خواب کا پس منظر اور تفصیل یوں ہے:

### بیٹے کو خواب میں حضور اکرمؐ کی زیارت

ایک بار گورنمنٹ انٹر کالج کے طلبہ نے مرکزی حکومت کی ایک مقتدر شخصیت کو یونین کی ایک تقریب کے سلسلے میں کالج میں مدعو کیا۔ حکومت پنجاب کی ایک با اثر شخصیت نے پرنسپل جناب عبد السلام قریشی اور مجھ پر اظہار ناراضگی فرمایا۔ حالانکہ دعوت دینے میں ہمارا دور کا واسطہ بھی نہیں تھا۔ معلوم ہوا کہ پرنسپل صاحب اور میرے تبادلے کے احکام جاری ہو رہے ہیں۔ میں ان دنوں کچھ پریشان تھا۔ عزیز طاہر جمیل نے خواب میں دیکھا کہ میں اور ابا جان ایک جنگل میں کھڑے ہیں۔ سامنے ایک شخص تلوار ہاتھ میں لیے چلا آ رہا ہے۔ میں نے محسوس کر لیا کہ یہ شخص ابا جان پر حملہ کرنے والا ہے۔ میں دفاع کے لیے دو تین قدم آگے بڑھ گیا۔ ابھی وہ شخص ذرا دور ہی تھا۔ میں نے مڑ کر ابا جان کی طرف دیکھا لیکن ابا جان وہاں نہیں تھے۔ اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو کھڑے پایا احتراماً پیچھے ہٹ آیا۔

میرے دل میں فوراً یہ خیال آیا کہ یہ شخص حضورؐ پر حملہ آور ہو گا۔ جس طرح صحابہ کرام حضورؐ کے دفاع کے لیے جان قربان کرتے تھے۔ آج میں آپ کے لیے جان کی بازی لگا دوں گا۔ اتنے میں وہ شخص قریب آگیا میں اس سے لڑنے کے لیے قدم بڑھاتے ہی والا تھا

کہ حضورؐ نے اشارہ کر کے منع فرما دیا۔ میں حسب حکم کھڑا ہو گیا۔
اتنے میں تلوار بردار شخص قریب پہنچ گیا۔ تلوار اس کے ہاتھ سے گر گئی اور عرض کیا۔ آپ مجھے مسلمان کریں۔ چنانچہ وہ شخص اسلام لے آیا۔ میں بہت خوش ہوا اتنے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے مخاطب کر کے فرمایا۔ طاہر جمیل یہاں کوئی مسجد قریب ہے؟ میں نے عرض کیا حضورؐ قریب ہی ایک پرانی مسجد ہے۔ فرمایا آؤ مغرب کی نماز پڑھ لیں۔ ہم حضور کے ساتھ مسجد میں داخل ہوئے آپ نے جماعت کرائی ہم دونوں آپ کی اقتدا میں کھڑے تھے۔ آپ نے پہلی اور دوسری رکعت میں جہر سے قرأۃ فرمائی اور تیسری میں سری، اختتام نماز پر آپ نے سلام پھیرا اور دعا فرمائی۔ میں ابھی مغرب کی سنتیں پڑھ رہا تھا کہ آنکھ کھل گئی۔

جب بچے نے اپنا خواب مجھے سنایا تو میں بے انتہا خوش ہوا۔ اور کالج میں جا کر پرنسپل صاحب کو بتایا کہ قریشی صاحب بے فکر ہو جائیں اب کوئی شخص ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ اور واقعی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کی برکت سے ہمارے خدشے دور ہو گئے۔ میں اللہ تعالیٰ کا شکر کس زبان سے ادا کروں کہ میرا دوسرا بچہ اور میری بڑی بچی بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی سعادت سے مشرف ہو چکے ہیں ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَاءُ۔

اس کے بعد غازی صاحب نے ذکر کیا ہے کہ اسکول کی ملازمت اور تدریسی مصروفیت کے ساتھ انھوں نے بطور خود تیاری کر کے ایف اے اور پھر بی اے کے امتحانات دیے اور اللہ تعالیٰ کے خصوصی فضل و کرم سے امتیازی حیثیت سے کامیابی حاصل کی ــــ بعد ازاں سنٹرل ٹریننگ کالج لاہور میں داخلہ لے کر بی ایڈ بھی کر لیا۔ پھر ایم اے عربی کے امتحان میں شرکت کی اور پنجاب یونیورسٹی میں اوّل آئے۔ اس کے بعد سنٹرل کالج لاہور میں بطور لکچرار کے ان کا تقرر ہو گیا ــــ یہاں تدریسی فرائض ذمہ داری اور دیانتداری سے ادا کرنے کے ساتھ غازی صاحب نے ایم اے علوم اسلامیہ کی تیاری کی، اور

امتحان میں شریک ہوئے، رب کریم کے خصوصی فضل و کرم سے پنجاب یونیورسٹی میں اول آئے اور میڈل حاصل کیا ــــ اس کے بعد پنجاب یونیورسٹی کے شعبۂ علوم اسلامیہ میں لکچرار کی حیثیت سے غازی صاحب کا تقرر ہو گیا۔ یہاں قرآن کریم اور فقہ کی تدریس کا کام اُن کے سپرد ہوا ــــ اسی زمانے میں غازی صاحب نے فقہ حنفی کی آخری درسی کتاب ہدایہ کا اور اصول فقہ کی درسی کتاب اصول الشاشی کا ترجمہ کیا (جو طبع ہو کر شائع ہو چکے ہیں)

اس کے آگے غازی صاحب نے ذکر کیا ہے کہ ۱۹۶۳ء میں بوچھال میں انٹر کالج کے قیام کا فیصلہ ہوا تو اپنے علاقہ اور اپنے وطن میں علمی اور دینی خدمت کی نیت سے یونیورسٹی کی ملازمت ترک کر کے علوم اسلامیہ کے لیکچرار کی حیثیت سے بوچھال انٹر کالج میں آ گئے ــــ اس کالج کی ملازمت ہی کے زمانے میں غازی صاحب حج و زیارت کی سعادت سے مشرف ہوئے اس سفر مبارک کا واقعہ انہی کے الفاظ میں پڑھیے ــ لکھتے ہیں:-

**حج کا پروگرام** اسلام کے اہم رکن حج بیت اللہ کی سعادت حاصل کرنے کا جذبہ مدت سے دل میں موجزن تھا، مگر رزق حلال پر اکتفا، بچوں کے تعلیمی اخراجات اور ہوش ربا گرانی جیسے معاملات نے مالی وسائل کو ہمیشہ محدود رکھا۔ اور اس قابل نہ ہو سکا کہ باقاعدہ درخواست دے سکوں۔ ہر سال حج کے موسم میں یہ تڑپ بڑھ جاتی مگر میرے بس میں کچھ نہ ہوتا۔

۱۹۷۰ء کے اواخر میں میرے ایک دوست صوبیدار مہر خان صاحب آف بوچھال کلاں پاک فوج سے ریٹائر ہوئے اور انھوں نے کراچی میں سول ملازمت اختیار کر لی جب رخصت پر گھر آئے تو کہنے لگے اب میں کراچی مقیم ہوں۔ امسال میں کوشش کروں گا کہ آپ کو حجاز مقدس بھجوانے کا انتظام کر سکوں۔ ملک محمد حسین صاحب کراچی میں قیام پذیر ہیں۔ میں ان کے توسط سے اپنی کوشش شروع کر دوں گا۔

ملک مہر خان صاحب کی گفتگو سن کر حجاز مقدس جانے کی خواہش اپنے عروج پر

پہنچ گئی۔ کہ جس مکرم و محترم بیت اللہ کے سائے میں آقائے دو جہاں کی زیارت سے مشرف ہوا تھا۔ اور اسلام کی سعادت سے مستفیض ہوا تھا۔ اس مقدس جگہ کو ظاہری آنکھوں سے دیکھ کر مزید سعادتیں اور برکات حاصل کروں۔ نیز سرکار دو عالم کی خدمت میں پہنچ کر اپنے ایمان کو تازہ کر سکوں۔

### احساس محرومی

جوں جوں حج کا موسم قریب آرہا تھا میری بے چینی اور بے کلی بڑھتی جارہی تھی۔ اکتوبر کے اواخر میں مہر خاں صاحب کا خط ملا کہ شاید تمہارے سفر حج کا پروگرام تکمیل کے مراحل طے نہ کرسکے۔ حالات نے ایسا رُخ اختیار کیا ہے کہ میری سال بھر کی مساعی ناکام دکھائی دے رہی ہیں۔

خط پڑھ کر مجھے انتہائی دکھ ہوا اور اپنی بدقسمتی پر آنسو بہانے لگا۔ حسین خواب تکمیل سے پہلے ہی بکھر کے رہ گیا اب حصول مقصد کی کوئی صورت نظر نہ آتی تھی۔ یاس و ناامیدی کے عالم میں تمام راہیں مسدود دکھائی دیتی تھیں۔ میرے سال بھر کے ارادوں کا محل دھڑام سے گر پڑا۔ ؏

اف ہجوم یاس و حرماں ڈوبتا جاتا ہے دل

### حضور کی دُعا

لیکن کیوں؟ میں اس قدر مایوس کیوں ہوں۔ جب کہ میرے لیے خالق کائنات کا عظیم سہارا موجود ہے۔ میرے حق میں آقائے دو جہاں کا ارشاد "میں تمھاری کامیابی کے لیے دعا کر رہا ہوں" موجود ہے۔ مجھے ناامید ہونے کی کوئی ضرورت نہیں مجھے تو یقین کامل ہے کہ زندگی کی کسی دوڑ میں مجھے ناکامی کا منھ نہ دیکھنا پڑے گا۔ حضور کے ارشاد کا اعجاز میں اپنی اسلامی زندگی میں کئی مرتبہ دیکھ چکا ہوں۔

### اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں

جب میں کسی پریشانی میں مبتلا ہوتا ہوں مجھے اپنے سامنے مشکلات کے پہاڑ کھڑے دکھائی دیتے ہیں اور چاروں طرف یاس و ناامیدی کی تاریکی کے سوا کچھ نظر نہیں آتا تو میں خلوص دل کے ساتھ بارگاہ رب العالمین کی طرف متوجہ ہوتا ہوں یا الٰہ العالمین! مجھے اعتراف ہے کہ میں

گنہگار ہوں۔ بدعمل ہوں۔ مجھے تسلیم ہے کہ یہ مصیبت میرے اعمال کا نتیجہ ہے۔ میرے اللہ! میں مانتا ہوں میری زندگی کا ہر لمحہ غفلت میں بسر ہوتا ہے۔ میں آپ کے حقوق کی ادائیگی سے قاصر ہوں۔ میرے گناہ بے شمار ہیں۔ لیکن میرے اللہ ان تمام خامیوں کے باوجود میں وہ شخص ہوں جس کو تیرے حبیبؐ کی زیارت نصیب ہوئی جس کو آپ کے حبیبؐ سید دو عالم نے اسلام کی سعادت سے سرفراز فرمایا۔ اور جس کے حق میں رحمتِ عالم نے فرمایا "میں تمہاری کامیابی کے لیے دعا کر رہا ہوں" میرے پروردگار میں اُسی رحمتِ عالم کے توسل و توسط سے اپنی مشکل کے ازالے کے لیے التجا کرتا ہوں۔

## استجابت

اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ میں ابھی دعا مانگنے سے فارغ نہیں ہوتا کہ مجھے قلبی طمانیت وسکون کی دولت میسر آجاتی ہے۔ میرے اضطراب میں ٹھہراؤ پیدا ہو جاتا ہے اور میری دُعا درِ قبولیت تک رسائی کا شرف حاصل کر لیتی ہے۔ یہ سب میرے رب کی رحمتِ بے پایاں کا کرشمہ ہے۔ میری مشکلات کے دور ہونے اور میری حاجات کے بر آنے میں لمحوں کی دیر بھی رحمتِ ایزدی کو گوارا نہیں ہوتی۔ میں اپنے رحیم وکریم رب کا شکریہ کس زبان سے اور کن الفاظ سے ادا کروں ممکن ہی نہیں

۳۰ اکتوبر شام کا وقت تھا۔ ہم مغرب کی نماز کے بعد کھانا کھا رہے تھے۔ صبح بچے کو لے کر حسن ابدال کیڈٹ کالج میں داخلہ کے لیے جانا تھا۔ کراچی سے آمدہ خبر محرومی کی بنا پر دل و دماغ پریشان تھے۔ چہرے سے بھی ان جذبات کا عکس نمایاں تھا۔ میری غمگسار رفیقۂ حیات نے تسلی دینا چاہی۔ آپ اللہ تعالیٰ کی رضا پر راضی ہو جائیں اور ہمت و حوصلہ سے کام لیں۔ غم گسار اور غمخوار بیوی کے پُرخلوص الفاظ نے تھوڑی دیر کے لیے میرے جذبات میں ٹھہراؤ پیدا کر دیا۔ مگر میرے دل کے زخم مندمل نہ ہو سکے۔ اور زخموں کا خون آنسوؤں کی صورت میں آنکھوں سے بہ نکلا۔ میں نے جب بیگم کی آنکھیں پُرنم دیکھیں تو اپنے جذبات پر قابو پانے کی کوشش کی۔

کھانا کھا کر بچے دوسرے کمرے میں چلے گئے۔ میں رب کے حضور نماز عشاء کے لیے کھڑا ہو گیا۔ ناکامی نے دل و دماغ کو مضطرب کر رکھا تھا۔ سوز و گداز سے نماز ادا ہوئی۔ اور اپنے رب کی بارگاہ میں گزارش کی۔

## نبیؐ رحمت کی خدمت میں

"میرے اللہ! میں ایک پیغام آپ کی وساطت سے نبیؐ رحمت صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچانا چاہتا ہوں۔ میرے رب! میری التجا ہے کہ میرا پیغام آج کی رات سرکار دو عالم تک پہنچ جائے کہ آپ کا ایک غلام جسے آپ نے خود دامن رحمت کے ظلِ عاطفت میں جگہ دی تھی جس کو آپ نے اسلام کی دولت سے نوازا تھا وہ آپ کی بارگاہ میں حاضری کے لیے بے چین تھا اس نے خلوص دل سے حاضری کے لیے مقدور بھر کوشش کی۔ لیکن میں نے اُسے آنے نہ دیا۔"

آنسوؤں کے امڈتے ہوئے سیلاب میں یہ پیغام عرض کیا گیا اور دیر تک اپنے رب کی منت وسماجت کی سعادت سے بہرہ ور ہوتا رہا صبح نماز فجر کی ادائیگی کے لیے اُٹھا رات والی رقت کے اثرات ابھی دل میں موجود تھے۔ نماز پڑھی اور حسن ابدال روانہ ہونے کے لیے تیار ہوگیا۔ میں نے رفیقۂ حیات کو مخاطب کرتے ہوئے کہا رات کو میں نے اپنے رب کی خدمت میں ایک پیغام پیش کیا تھا۔ اُمید ہے میرا پیغام منزلِ مقصود تک پہنچ چکا ہوگا۔ میں اپنے رب کی رحمت سے نا اُمید نہیں ہوں۔ بیگم کے ساتھ باتوں کے دوران بھی میرے آنسو میری بے بسی کی شہادت دے رہے تھے۔

محبت وعشق کے قوانین بھی عجیب نرالے ہیں نہ تو میں نے حج کی درخواست دی۔ نہ بنک میں رقم جمع کرائی اور نہ اتنی رقم میرے پاس تھی کہ میں مصارف حج کا متحمل ہوسکوں لیکن بایں ہمہ دیارِ حبیبؐ میں حاضری کی آس لگائے بیٹھا تھا۔ شاید لوگ مجھے پاگل کہیں۔ کہ عالم اسباب میں رہتے ہوئے مافوق الفطرت واقعات کے ظہور کی اُمید کیے بیٹھا ہے۔ مگر محبت وعشق کی دنیا میں ایسے واقعات کا عالمِ وجود میں آنا ممکن ہے۔ رفیقۂ حیات نے تسلی کے پُر خلوص الفاظ کے ساتھ حسن ابدال جانے کے لیے الوداع کہا۔ اُس کا چہرہ بھی ہمدردی اور غم گساری کے جذبات کی ترجمانی کر رہا تھا۔ میں نے کہا آپ کی پُر خلوص دعائیں میرے ساتھ ہیں تو مجھے کیا غم ہے۔

## سفر حج کی بشارت

میں بچے کو ساتھ لے کر اسہراکتوبر کو حسن ابدال روانہ ہو گیا۔ رات کے گیارہ بج رہے تھے۔ اسٹاف کے چند دوست میرے پاس تشریف فرما تھے کہ دروازے پر دستک ہوئی۔ دیکھا تو ملک محمد اسحاق صاحب تشریف لے آئے ہیں میرا دل دھک سے رہ گیا خدا خیر کرے۔ اسحاق صاحب نے آتے ہی مبارک باد دی۔ اور ٹیلیگرام میرے ہاتھوں میں دیا کہ اس میں آپ کے حج پر جانے کی خبر ہے۔ تار آج آپ کے گھر والوں نے وصول کیا ہے اور مجھے آپ کو لانے کے لیے بھیجا ہے۔

اپنے رب کی رحمت کا اعجاز دیکھ کر میں حواس باختہ ہو گیا۔ سمجھ میں نہ آتا تھا کہ اپنے وحدہٗ لاشریک رب کا شکریہ کس طرح ادا کروں اور کس کس نعمت کا شکریہ ادا کروں۔

دوستوں کو الوداع کہا بچے کو ان کے حوالے کیا۔ اور رات بارہ بجے واپسی کے سفر کا آغاز کیا صبح چھ بجے گھر پہنچ گیا۔ ملک اسحاق صاحب سے کہا کہ آپ بوچھال جا کر کار کا انتظام کریں میں گھر جا کر سفر کی تیاری کرتا ہوں مجھے رخصت کی درخواست دینے کالج بھی جانا ہے۔

گھر پہنچ کر رخت سفر کے متعلق دریافت کیا بیگم نے ضروری سامان بکس میں اکٹھا کر رکھا تھا میں نے پوچھا گھر میں کتنے روپے ہوں گے،، پانچ سو روپیہ گھر میں موجود ہے" بیگم نے بتایا۔

آپ یہ پانچصد روپیہ مجھے دے دیں۔ پرسوں تک تنخواہ مل جائے گی۔ امید ہے گھریلو اخراجات کے لیے کافی ہو گی میں کالج جاتے ہوئے ملک محمد اسحاق صاحب کے گھر گیا۔ محمد اشرف صاحب نے کہا گھر میں صرف سترہ سو روپے ہیں میں نے لے لیے۔

## مقدس سفر پر روانگی

اسحاق صاحب کار لے کر تشریف لے آئے۔ گھر والوں سے رخصت ہوا اور سرگودھا روانہ ہو گیا۔ میرے گاؤں کے کسی آدمی کو میرے روانہ ہونے کا علم نہ تھا۔ سرگودھا پہنچ کر ٹرین میں سوار ہوا اور ۲۲ نومبر کو دوپہر کے وقت کراچی پہنچ گیا ملک مہر خان صاحب اسٹیشن پر موجود تھے۔ مجھے ساتھ

لے کر ملک محمد حسین صاحب کے گھر آئے۔ ۳ر نومبر کو ملک محمد حسین صاحب نے میرے کاغذات کی تکمیل کرائی۔

**سفینۂ عرب میں** اُسی شام کو سفینۂ عرب میں سوار ہوا اور جہاز جدہ کے لیے روانہ ہو گیا۔ جہاز میں صوفی جان محمد صاحب ہم سفر تھے۔ ان کے علاوہ بوچھال کے دو تین ساتھی اور بھی تھے۔ جہاز میں سفر کا ہفتہ بڑے امن وسکون سے گزرا۔ اللہ تعالیٰ کی توفیق سے سارا سفر آقائے مدنی صلی اللہ علیہ وسلم پر صلاۃ و درود میں طے ہوا یہ مبارک سفر انہی کی شفقت کا نتیجہ تھا۔

**پہلے مدینۃ الرسولؐ** جہاز جب یلملم کی محاذات میں پہنچا تو احرام باندھنے کا اعلان کیا گیا۔ دوستوں نے پوچھا کہ تم نے احرام باندھنے کی تیاری نہیں کی؟ میں نے کہا میں احرام نہیں باندھوں گا میں پہلے رحمتِ عالم کی خدمت میں حاضری دینے کے لیے مدینہ طیبہ جانے کا ارادہ رکھتا ہوں۔ کیونکہ جو ذات مقدس میرے بلانے کا ذریعہ ہے۔ میں پہلے اس ذات کا شکریہ ادا کروں گا پھر بیت اللہ میں حاضری کا شرف حاصل کروں گا۔

میرے اصرار پر دوستوں نے بھی پہلے مدینۃ النبیؐ جانے کا پروگرام بنالیا۔ جدہ پہنچ کر بوچھال کے چند اور دوست بھی ساتھ ہو لیے ٹیکسی کرایہ پر لی۔ اور آقا کے دربار کا رُخ کیا۔ راستے میں ایک ہوٹل کے نزدیک ظہر کی نماز ادا کی۔

**دربارِ نبوی مدینہ طیبہ** عصر کے وقت ہم مدینۃ النبیؐ کے قرب وجوار میں پہنچ چکے تھے۔ دور بازار سے آقا کی مسجد کے مینار دعوتِ نظارہ دے رہے تھے۔ اور دل میں جذبات کا بہاؤ تیز تر ہوتا جا رہا تھا۔ ٹیکسی سے اترے سامان ساتھ لیا اور تیزی سے آقا کے مسکن کی طرف چلنے لگے تاکہ عصر کی نماز سرورِ کائنات کی بارگاہ میں ادا کی جائے۔

دربارِ نبوی اور بیت اللہ کی کیفیات میرا قلم تحریر کرنے سے قاصر ہے۔ نہ مجھ میں اہلیت ہے اور نہ میرے پاس وہ الفاظ ہیں کہ میں اپنے جذبات کو الفاظ کا جامہ

چھپا کر صفحۂ قرطاس پر ثبت کر سکوں۔ لہٰذا حرمین شریفین کی تجلیات و برکات کے سلسلے میں اختصار سے کام لوں گا۔ تفصیل سے بیان کرنا میرے بس میں نہیں۔

**نبیِ رحمت کے حضور میں** نماز سے فارغ ہو کر سرکارِ دو عالم رحمتِ دو جہاں۔ سرورِ کون و مکاں۔ رہبرِ اعظم۔ ہادیِ اکمل اور سید عالم کی خدمتِ عالیہ و سامیہ میں حاضری دی۔ درود و سلام کا نذرانہ پیش کیا۔ ہوش و حواس گم تھے۔ یقین نہیں آتا تھا کہ مجھ سا سیاہ کار اپنے آقا کی حضوری میں پہنچ چکا ہے۔ جالی کے ساتھ لگ کر کھڑا ہو گیا۔ اور ٹوٹے پھوٹے الفاظ میں آقا کے عظیم احسانات کا شکریہ ادا کیا۔ جن کی ذاتِ عالی کی شفقت نے دولتِ اسلام سے مالا مال کیا تھا جن کی رحمت نے اس غلام کی کامیابی کے لیے دعا فرمائی تھی۔ جن کے کرم سے حاضری کے اسباب میسر آئے تھے۔ آج وہ کتنی بابرکت ساعت تھی کہ وہی غلام اپنے ہادیِ مشفق اور کریم آقا کی خدمت میں حاضر تھا۔ میرے دل نے کیا کچھ عرض کیا بیان سے قاصر ہوں۔

اژدہام کے باوجود کافی دیر تک خدمتِ اقدس میں دست بستہ قیام کا شرف حاصل ہوا۔ میں نے کیا محسوس کیا۔ اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے۔ مغرب و عشاء کی نماز میں دوسری صف میں جگہ لی۔

مدینہ منورہ کی خنکی نے نصف شب کے وقت بیدار کر دیا۔ وضو کر کے آقا کی بارگاہ میں حاضر ہو گیا اور درود شریف کا نذرانۂ عقیدت پیش کرتا رہا ؏

گر قبول افتد زہے عز و شرف

پیارے نبی کے پیارے شہر کا ہر ذرہ محبوب تھا۔ مقاماتِ مقدسہ کی زیارت سے مشرف ہوا اور ہر جگہ یہی خیال آتا کہ میں ان مقامات پر آنکھیں بچھا دوں جہاں رحمتِ کائنات کے مبارک قدموں نے ان مقامات کو اپنی سعادت سے نوازا ہو گا۔ کاش میں وہ مقدس مٹی بن جاتا جس پر آپ نے مبارک قدم رکھے تو میرا رتبہ آسمانوں سے بھی بڑھ جاتا۔ کائنات کا ذرہ ذرہ مجھ پر رشک کرتا لیکن میں اپنے آقا کی رحمت، شفقت اور شفاعت سے مایوس نہیں مجھے تو آقا کی رحمت نے اپنی غلامی میں قبولیت کا شرف

بخشا تھا۔ میں اپنی خوش بختی پر نازاں ہوں۔ اللہ تعالےٰ کے فضل وکرم پر بخشش کی اُمید لگائے بیٹھا ہوں۔

جن ایام میں ہم حاضر ہوئے ان دنوں نبوت کے پروانوں کا ہجوم عروج پر تھا، جب بھی حجرۂ مقدس کے سامنے نذرانہ عقیدت پیش کرنے کھڑا ہوتا۔ عاشقوں کا سیلاب تنکے کی طرح بہاتے ہوئے کہیں کا کہیں لے جاتا۔ آخران کا بھی تو حق تھا کہ آقا کی خدمت میں حاضری دیں۔

**اللہ تعالیٰ کے گھر میں**

الحمدللہ یہ چند لمحات بھی زندگی کی متاع عزیز تھے۔ ابھی تشنگی اُسی طرح باقی تھی کہ دوستوں نے مکہ مکرمہ کا پروگرام بنایا کیونکہ ایام حج سر پر آچکے تھے۔ مسجد نبوی میں احرام باندھا اور نماز عصر سے فارغ ہوکر سید رحمت کی خدمت اقدس میں درود وسلام کا الوداعی نذرانہ پیش کرتے ہوئے اس مقدس مسکن نبوتؐ سے رخصت ہوئے۔ یا اللہ! ہماری یہ حاضری پہلی ہو آخری نہ ہو۔ یا اللہ بار بار ہمیں حضورؐ کی سعادت نصیب فرما۔ بادلِ نخواستہ حرم نبویؐ سے نکلے۔ ٹیکسی لی اور مکہ مکرمہ کے لیے روانہ ہوگئے۔ میں ڈرائیور کے پاس فرنٹ سیٹ پر بیٹھا تھا اور راستے عربی میں گفتگو کرتا رہا تاکہ زبان رواں ہوجائے۔

**نمازِ مغرب**

راستے میں مغرب کی نماز کے لیے رُکے۔ اس مقدس سرزمین میں مجھے امامت کرانے کے لیے کہا گیا۔ جب تین فرض پڑھ کر سلام پھیرا تو دیکھا کہ کاروں کی طویل لائنیں ایستادہ ہیں اور ہر ملک کے باشندے نے میری اقتدا میں نماز ادا کی ہے۔ میری مسرت کا کوئی ٹھکانا نہ تھا کہ اللہ تعالےٰ نے مجھے کتنی سعادت سے نوازا ہے۔ الحمدللہ مقدس سرزمین میں بہت سی نمازوں میں امامت کرانے کا موقع ملتا رہا۔ اور یہ امر میرے لیے باعثِ فخر وانبساط تھا۔

**رب کے حضور میں**

رات سفر میں بسر ہوئی۔ اذان فجر سے بہت پہلے مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے۔ دل ودماغ پر عظمت وجلال کی ایک عجیب کیفیت طاری ہورہی تھی۔ ٹیکسی سے اترے۔ ایک جگہ سامان جمایا وضو کیا اور صفاد

مروہ کی جانب سے بیت الحرام میں داخل ہوئے معلوم نہیں کس خوف کی بنا، پر دل کی دھڑکن تیز ہو گئی تھی۔ بیت اللہ پر نظر پڑی آنکھیں خیرہ ہو گئیں۔ سب سے پہلے دعا جو الفاظ کی صورت میں لبوں پر آئی یہ تھی۔ اے اللہ مجھے اپنی رحمت و شفقت کے صدقے مستجاب الدعوات بنا دے یا اللہ میری ہر دعا کو شرف قبولیت عطاء فرما۔

**خانہ کعبہ** بیت اللہ کو دیکھ کر دلی کیفیت کا ادراک نہ ہو سکا۔ اللہ اللہ۔ تجلیات ربانی کا نزول تھا۔ کچھ عجیب سماں تھا اور اپنی قسمت پر ناز تھا۔ کہ مجھ جیسے سیاہ کار کو اس مقدس و محترم جگہ کی زیارت نصیب ہوئی۔ نماز سے فراغت کے بعد عمرہ کی سعادت نصیب ہوئی۔ بیت اللہ کی وہ مقدس دیوار جو حطیم اور رکن یمانی کے درمیان ہے۔ میری آنکھوں کے سامنے تھی۔ جہاں میں نے سید دو عالم نبی محترم کو تشریف فرما دیکھا تھا۔ جہاں مجھے آقائے دو جہاں نے شرف باریابی بخشا تھا۔ جہاں میرا حقیر ہاتھ رحمتِ عالم کے مقدس ہاتھوں کے لمس سے حرارت ایمانی کو جذب کر رہا تھا۔ جہاں آقا نے مجھے دولتِ اسلام سے مشرف فرمایا تھا۔ دل چاہتا تھا ہمیشہ اسی مقدس جگہ کو تکتا رہوں۔ اس وقت بھی اپنے آپ کو آقا کے حضور میں کھڑا پایا۔ اس کیفیت کے بیان سے قاصر ہوں۔

**امین صاحب سے ملاقات** زیارت بیت اللہ سے فارغ ہوئے تو محمد امین صاحب سے ملنے محلہ جیاد میں گئے۔ امین صاحب ملک سکندر خان ہیڈ ماسٹر گورنمنٹ ہائی اسکول بوچھال کلاں کے ڈیرے پر موجود تھے۔ امین صاحب تقریباً چھ ماہ پہلے سے مکہ مکرمہ میں موجود تھے۔ مل کر خوشی کی انتہا نہ رہی۔

**عرفات کا میدان** دو دن بعد دوستوں کا قافلہ پیدل ہی میدان عرفات کی طرف روانہ ہوا۔ منیٰ اور مزدلفہ سے گزرتے ہوئے عرفات پہنچے اور حج کی سعادت نصیب ہوئی۔ رات مزدلفہ میں بسر کی اور دوسرے دن منیٰ آگئے یہاں رمی جمرات اور قربانی کا فریضہ ادا کیا اور اعمال حج سے فارغ ہوئے۔

**الوداع** مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ میں میرے خورد و نوش کے اخراجات صوفی جان محمد

صاحب اور امین صاحب ہی ادا کرتے رہے۔ ان اللہ کے بندوں نے مجھے کہیں بھی خرچ نہ کرنے دیا۔ عصر کی نماز بیت اللہ میں ادا کی اور بیت اللہ کو الوداع کہا۔ یہاں بھی آخری دعا یہی تھی یا رب! اس مقدس گھر کی حاضری سے بار بار مشرف فرما۔ وہاں سے لوٹنے کو جی نہ چاہتا تھا مگر جانا ایک مجبوری تھی۔

مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کی زیارت سے جی نہ بھر سکا۔ اور یہ تشنگی اب تک باقی ہے۔ ابھی مجھے بہت کچھ کرنا تھا۔ قلت وقت کے باعث کچھ نہ کر سکا۔ شاید اللہ پاک اپنی رحمت سے اس خلاء کو پُر کر دیں۔

**عمرہ کی آرزو**

میری اب بھی سب سے بڑی خواہش یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جلد ہی مجھے عمرہ کی سعادت نصیب فرمائیں تاکہ میں دل کی سیرابی کے لیے جی بھر کر طواف کروں۔ بیت الحرام میں نمازیں ادا کروں اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں حضوری کی سعادت حاصل کر سکوں۔

**کراچی میں آمد**

واپسی پر تین دن ملک محمد حسین صاحب کے دردولت پر قیام کیا اور چوتھے روز کراچی سے روانگی ہوئی۔ میں اپنے اس مقدس سفر کے لیے ملک محمد حسین صاحب کا خصوصاً ممنون ہوں انھوں نے مجھے اس سعادتِ عظمیٰ سے فیضیاب ہونے کیلیے پرخلوص تعاون اور محنت فرمائی۔ اللہ تعالیٰ انھیں دین و دنیا کی بہتری عطا فرمائے۔ اللہ تعالیٰ ملک مہر خاں صاحب کو بھی دینی و دنیوی سعادتوں سے نوازیں کہ جنکی مساعی جمیلہ سے مجھے یہ زریں موقع ملا۔

سرگودھا اسٹیشن پر تمام عزیز و اقارب موجود تھے۔ اسحاق صاحب۔ الحاج فیروز خان صاحب اور ان کے فرزند کار لیے موجود تھے۔ قاضی اقبال صاحب میرے ہم زلف نے پرتکلف دعوت کا انتظام کر رکھا تھا۔ سرگودھا سے ہم قدرے تاخیر سے روانہ ہوئے مقصد یہ تھا کہ میں رات کی تاریکی میں گھر جاؤں اور کوئی شخص دیکھ نہ پائے۔ عشاء کے وقت میانی پہنچا۔ سب سے پہلے مسجد میں جاکر اللہ تعالیٰ کے احسانات کے شکر کے لیے چند نفل ادا کیے۔ پھر گھر آکر بچوں سے ملا۔

**عہدہ پرنسپل پر تقرری**

چند روز دوستوں کی ملاقات کا سلسلہ جاری رہا۔ پھر کالج میں

اپنے فرائض سنبھال لیے مارچ ۱۹۷۰ء میں ہمارے سابق پرنسپل صاحب نوناد کی رخصت پر پیدل تبلیغی جماعت کے ساتھ حج کے لیے روانہ ہوئے۔ اور میں نے بطور انچارج کالج کا چارج سنبھال لیا۔ پرنسپل صاحب کو جڑانوالا ڈگری کالج کا سربراہ بنا دیا گیا۔ اور ۲۴ دسمبر ۱۹۷۰ء کو گورنمنٹ انٹر کالج بوچھال کلاں کی سربراہی کے لیے محکمہ کی طرف سے میری تقرری کے احکام کا اجراء ہوا۔ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ جل شانہٗ کی عنایات اور فضل و کرم کے مظہر ہیں۔ اور میں تادم تحریر گورنمنٹ انٹر کالج بوچھال کلاں ضلع جہلم میں بطور پرنسپل اپنے فرائض منصبی سرانجام دے رہا ہوں۔

## قبول اسلام سے پہلے اور بعد

قبول اسلام کے بعد میں نے اپنے اندر بہت سی ذہنی اور روحانی تبدیلیاں محسوس کیں۔ اسلام لانے سے پہلے میں ایک اوسط ذہن کا بچہ اور متوسط درجے کا طالب علم تھا۔ لیکن اسلام نے میری سوچ و بچار کے دھاروں کا رخ بدل دیا جس سے میرے دل و دماغ کو ایک نئی جلا حاصل ہوئی۔ اسلام قبول کرنے کے بعد میں نے ہر امتحان میں امتیازی پوزیشن کے ساتھ کامیابی حاصل کی۔ اس وقت میرے پاس تین گولڈ اور دو سلور میڈل ہیں۔ جو میں نے یونیورسٹی کے مختلف امتحانات میں حاصل کیے۔ یہ سب کچھ اسلام ہی کا کرشمہ ہے۔

درس نظامی کا مکمل نصاب ایک عام طالب علم تقریباً دس سال کے طویل عرصہ میں ختم کرتا ہے لیکن بفضل اللہ تعالیٰ میں نے درسِ نظامی کی تکمیل چھ سال کے عرصہ میں کرلی۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اساتذہ کرام کی شفقت و توجہ کا نتیجہ ہے کہ میں نے مختلف اوقات میں درس نظامی کی اکثر کتابیں دینی طلبہ کو بغیر کسی دقت کے پڑھائی ہیں۔

اسلام نے مجھے عزت و احترام کے اس مقام پر لا کھڑا کیا۔ کہ میرا پورا خاندان مل کر بھی اس تک رسائی حاصل نہیں کر سکتا۔ یہ سب اسلام کی برکت ہے۔ رب تعالیٰ ہمیں سچا مومن بننے کی توفیق عطا فرمائیں۔ دنیوی عزت و وقار تو عارضی چیزیں ہیں۔ سب سے بڑی عزت تو آخرت کی کامیابی ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے یہ بھی نصیب فرمائیں۔

| ممالک غیر سے | ماہنامہ الفرقان لکھنؤ | چندہ سالانہ |
| --- | --- | --- |
| بحری ڈاک سے ۲ پونڈ | | ہندوستان میں ۲۵/- |
| ہوائی ڈاک سے ۵ پونڈ | | پاکستان سے پاکستانی سکہ میں ۶۰/- |
| ایک شمارہ کی قیمت ہندوستان میں ۲/۵۰ | | بنگلادیش سے ہندوستانی سکہ میں ۳۰/- |

جلد (۵۱) | بابت ماہ دسمبر ۱۹۸۳ء مطابق صفر و ربیع الاول ۱۴۰۴ھ | شمارہ (۱۲)




## اگر اس دائرہ میں ◯ سُرخ نشان ہے تو

اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ کی مدت خریداری ختم ہوگئی ہے براہ کرم آئندہ کے لیے چندہ ارسال کریں یا خریداری کا ارادہ نہ ہو تو مطلع فرمائیں۔ چندہ یا دوسری اطلاع مہینے کے آخر تک آجانا چاہیے پرچہ وی پی نہیں کیا جائے گا۔

**نمبر خریداری:** براہ کرم خط وکتابت کرتے وقت اور منی آرڈر کوپن پر اپنا خریداری نمبر ضرور لکھ دیا کریں جو پتہ کی چٹ پر لکھا ہوتا ہے۔

**تاریخ اشاعت:** الفرقان ہر انگریزی مہینے کے پہلے ہفتہ میں روانہ کر دیا جاتا ہے اگر مہینے کے آخر تک کسی صاحب کو پرچہ نہ ملے تو فوراً مطلع فرمائیں۔ اگر دوبارہ بھیجنے کے لیے دفتر میں پرچہ ہوگا تو ضرور بھیجا جائے گا

**پاکستان کے خریدار حضرات** مبلغ ۲۵ روپے ہندوستانی سکہ میں کسی بھی ذریعہ سے دفتر الفرقان لکھنؤ کو روانہ فرمائیں یا پاکستانی سکہ میں ۶۰ روپے ناظم ادارہ اصلاح وتبلیغ آسٹریلین بلڈنگ لاہور کو بھیجدیں۔


محمد حسان نعمانی پرنٹر پبلشر نے تنویر پریس میں چھپوا کر دفتر الفرقان ۳۱ نیا گاؤں مغربی لکھنؤ سے شائع کیا

بسم اللہ الرحمن الرحیم

# نگاہِ اوّلیں

خلیل الرحمٰن سجاد ندوی

کسی ملک کی خوشحالی اور ترقی کو جانچنے کے دو طریقے ہوتے ہیں۔ بین الاقوامی سطح پر باخبر حلقوں کے تأثرات، اور خود ملک کے باشندوں کے ذاتی تجربات و مشاہدات ہمارے ملک کے بارے میں ان دونوں سطحوں پر نظر آنے والے تأثرات میں جو تضاد ہے وہ اپنی نظیر آپ ہے۔ اور کہا جاسکتا ہے کہ اس خطۂ زمین کو "جامعیت" کے جو کئی پہلو، مذہبی، لسانی، جغرافیائی اور موسمی وغیرہ حاصل ہیں ان میں یہ ایک نیا اضافہ ہے۔

ایک طرف عالمی حکومتی صنعتی اور تجارتی حلقوں کا یہ تأثر ہے کہ ہندوستان تیزی سے ترقی کی راہ پر گامزن ہے۔ اور جو لوگ سائنسی صنعتی، زراعتی اور خلائی تحقیقات کے میدانوں میں ہندوستان کی کامیاب کوششوں سے واقف ہیں ان کے نزدیک یہ تأثر بے بنیاد اور خلاف واقعہ بھی نہیں ہے۔

دوسری طرف ملک میں بسنے والے کروڑوں عام انسانوں سے پوچھیے تو ہر شخص یہی کہتا ہوا نظر آئے گا کہ زندگی کی بنیادی ضرورتیں مشکل سے مشکل تر ہوتی چلی جارہی ہیں۔ اور روز مرہ کی زندگی میں جن شعبوں سے ہر انسان کو واسطہ پڑتا ہے ان میں بدنظمی بدسلیقگی اور انحطاط ہی کا دور دورہ نظر آتا ہے۔ مثال کے طور پر بجلی ٹیلیفون، ڈاک و تار، مواصلات، صحت عامہ، صفائی، تعلیم وغیرہ شعبوں کی کارکردگی میں جو انحطاط گذشتہ بیس سال میں آیا ہے، بعض ماہرین کے محتاط اندازے کے مطابق اس کا تناسب سو فیصد ٪ سے زیادہ ہی ہے۔

ہمارے ملک کے قائدین اور سیاسی رہنماؤں کے نزدیک اس صورت حال کا صرف ایک حل ہے اور وہ یہ کہ اس کی تمام تر ذمہ داری ایک دوسرے پر ڈالی جاتی رہے اور ہر سال مختلف بہانوں سے اشیاء کی قیمت اور ٹیکس میں اضافہ کیا جاتا رہے۔ روزمرہ کی اشیائے ضرورت کی قیمت میں کتنی تیزی سے اضافہ ہو رہا ہے اس کی تشریح کی ضرورت نہیں اس لیے کہ اس سے ہر شخص کا ہمہ وقتی سابقہ رہتا ہے۔ کاغذ کی قیمت اور محصول ڈاک میں جو اضافہ گذشتہ دو سال کے اندر ہوا ہے وہ تیس فیصد ۳۰٪ سے زیادہ ہے ـــــ تقریباً یہی تناسب کارکنان ادارہ کے مشاہرں اور دیگر اخراجات کا ہے۔

ناظرین کرام اس حقیقت سے خوب واقف ہیں کہ الفرقان کے پاس اس کے خریداروں کے سالانہ بدل اشتراک کے علاوہ اور کوئی ذریعہ نہیں ہے اور خدا کرے کہ کبھی نہ ہو ـــــ گذشتہ ایک سال سے زیادہ عرصہ سے یہ مسئلہ ہمارے سامنے ہے کہ اس مشکل کو کس طرح حل کیا جائے؟ یہ بات تو ہمارے لیے الحمدللہ ناقابل تصور ہے کہ ہم اس کے لیے ان "ارباب متمولین" کے خزانوں کی طرف رجوع کریں جو دینی کام کرنے والوں کے لیے ایک نئی اور سخت آزمائش کے طور پر کھول دیے گئے ہیں۔ اللہ رب العزت ان حضرات کا سایہ دیر تک ہمارے سروں پر قائم رکھے جن کی جوتیوں کے صدقے یہ بات ہم اطفال مکتب کی سمجھ میں بھی آگئی ہے کہ دینی و دعوتی کاموں کے لیے اس کے نقصانات اس کے فوائد سے زیادہ ہیں۔ حکمت کے خلاف نہ ہوتا تو اس کے کھلے نتائج کی نشاندہی بھی کی جاتی۔

اس موقع پر یہ بات وضاحت کے ساتھ عرض کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ الفرقان سے کسی قسم کی مالی منفعت قطعاً مقصود نہیں ہے اور نہ اس کی گنجائش ہی ہے ـــــ اس کے عالی مرتبت بانی کی بنا کردہ یہ روش الحمدللہ کہ قائم ہے اور انشاء اللہ رہے گی کہ اسے دینی خدمت اور دعوتی جدوجہد کے بنیادی اصول و قواعد کے مطابق چلایا جائے اور اس کے لیے اللہ تعالیٰ کی بخشی ہوئی صلاحیت، قوت عمل اور وقت و محنت کو قربان کر کے اجر آخرت اور رضائے الٰہی کی امید، کوتاہیوں پر پکڑ کے خوف کے ساتھ رکھی جائے، اور اسی کو اپنا اصل سرمایہ سمجھا جائے۔

اب سال کا ختم ہے ـــــ اختتام سال دفتر کے حسابات کا جائزہ لیا گیا تو معلوم ہوا کہ ادارہ پر

جو بار پڑ رہا ہے وہ اب نا قابل برداشت ہے۔ لہٰذا حضرت والد ماجد مدظلہ کے مشورہ سے یہ طے کیا گیا کہ ناگزیر حد تک بدل اشتراک میں اضافہ کر دیا جائے، جیسا کہ بیشتر رسائل و مجلات نے کیا ہے اور ناظرین کرام سے یہ امید رکھی جائے کہ جس تناسب سے وہ اپنی روزمرہ کی اشیائے ضرورت کے لیے ہر دن خرچ میں ہونے والے اضافوں کو برداشت کر رہے ہیں اس کو ملحوظ رکھتے ہوئے اس اضافہ کو بھی بخوشی منظور فرمالیں گے۔ بلکہ گذشتہ دو ماہ کے دوران ہمارے ناظرین میں سے تقریباً بیس حضرات نے از خود ہی نئے سال کے چندہ کیلئے بیس کے بجائے پچیس روپے ارسال کیے ہیں۔

سالانہ چندہ میں اضافہ کی جو شرح طے کی گئی ہے اس کی تفصیل درج ذیل ہے:۔

ہندوستان سے پچیس روپے -/۲۵۔ پاکستان سے -/۶۰ روپے۔ بنگلادیش سے -/۳۰ روپے

بیرونی ممالک سے ذریعہ بحری ڈاک ۵۰ روپے یا ۳ پونڈ۔ ذریعہ ہوائی ڈاک برائے عرب ممالک -/۱۰۰ روپے یا ۴۰ ریال۔ افریقہ، یورپ، امریکہ وغیرہ -/۱۳۵ روپے یا ۹ پونڈ۔

## حضرت والد ماجد مدظلہ کا حال

ادھر کئی ماہ سے نہ تو الفرقان میں حضرت والد ماجد مدظلہ کی کوئی تحریر شائع ہوئی اور نہ ان کی صحت کے حال کا ذکر آیا ـــــ ناظرینِ کرام کو یقینی طور پر فکر و تشویش ہوگی (جیسا کہ بعض خطوط سے ظاہر ہوتا ہے)

ادھر کئی ماہ سے ان کی صحت کا حال یہ ہے کہ کوئی خاص اذیت یا تکلیف تو الحمد للہ نہیں ہے۔ البتہ بلڈ پریشر بہت جلدی جلدی بڑھتا گھٹتا رہتا ہے اور عام ضعف کے ساتھ ساتھ خاص طور پر دماغی ضعف میں کافی اضافہ ہوگیا ہے۔ اسی وجہ سے "درس قرآن" اور "معارف الحدیث" کا سلسلہ رک گیا تھا۔ اس ماہ انھوں نے "درس قرآن" تو تحریر فرما دیا۔ جو اسی شمارے میں آپ کی نظر سے گزرے گا۔

ناظرینِ کرام سے درخواست ہے کہ ان کی حیات میں برکت، اور ان سب کاموں کی باحسن وجوہ تکمیل کے لیے دعاؤں کا اہتمام فرمائیں ـــــ یہ راقم آثم اپنے لیے بھی حسنِ توفیق کی دعاؤں کا محتاج و طالب ہے۔

درس قرآن

حضرت مولانا محمد منظور نعمانی

# سُوْرَۃُ النَّصر

حمد و صلوٰۃ کے بعد

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ ○ وَرَاَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُوْنَ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا ○ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ اِنَّهٗ كَانَ تَوَّابًا ○ ــــــــــ (سورۃ النصر)

جب اللہ کی مدد اور فتح آ جائے ــــ اور تم دیکھو لوگوں کو کہ وہ اللہ کے دین میں داخل ہو رہے ہیں جوق جوق ــــ تو اپنے پروردگار کی تسبیح و حمد (خاص اہتمام سے) کرو، اور (کوتاہیوں کی) اُس سے مغفرت طلب کرو، وہ بڑا ہی معاف کرنے والا (بہت مہربانی فرمانے والا) ہے۔

(تفسیر و تشریح) یہ سورۃ النصر ہے۔ اس سے پہلے سورۃ الکٰفرون تھی، میں نے اس کے درس میں بتلایا تھا کہ اس میں خاص طور سے مشرکین مکہ پر حجت تمام کی گئی ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم ہوا ہے کہ اُن سے اور اُن کے شرک و کفر سے صاف اور واشگاف طور پر براءت اور بیزاری کا اعلان کر دیں ــــ میں نے یہ بھی کہا تھا کہ اس میں ہجرت کا بھی اشارہ ہے ــــ اور ہجرت کے بعد ہی سے اللہ تعالیٰ کی خاص نصرت کے ظہور اور اس کے نتیجہ

میں دعوت دین کے فروغ اور فتوحات کا دور شروع ہونے والا تھا۔ جس کا اللہ تعالیٰ کی طرف سے وعدہ تھا ـــــ چنانچہ آپ نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے مکہ مکرمہ سے ہجرت فرمائی۔ اپنا گھر، اپنے عزیز اقارب اور وطن چھوڑ کے مدینہ منورہ کو اپنا مستقر بنایا۔ پھر ایک وقت آیا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ کو اور آپ پر ایمان لانے والوں کو کفار و مشرکین کے ظلم و ستم اور جیرہ دستیوں کا طاقت سے مقابلہ کرنے اور جنگ کرنے کی اجازت ملی اور اللہ تعالیٰ کی نصرت کا ظہور شروع ہوا جس کا وعدہ تھا اور جو سنۃ اللہ ہے اس کا پہلا محسوس ظہور ہجرت کے دوسرے سال غزوہ بدر میں ہوا۔ جب آپ کو اور آپ کے ساتھیوں کو جنگی تعداد کل تین سو تیرہ تھی اور جن کے پاس ضروری سامان جنگ بھی نہیں تھا، مشرکین مکہ کے ایک ہزار کے اس لشکر کے مقابلہ فتح حاصل ہوئی جو پوری طرح مسلح اور لیس ہو کر آیا تھا ـــــ پھر اُس رفتار کے ساتھ جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک مناسب تھی نصرت الٰہی اور فتوحات کا سلسلہ چلتا رہا ـــــ اللہ تعالیٰ کی طرف سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بشارت بھی دیدی گئی تھی کہ ہماری نصرت اور فتوحات کے اس سلسلہ میں عنقریب ہی وہ مرحلہ بھی آئے گا جب مکہ معظمہ سے مشرکین کا اقتدار ختم ہو کے دین حق کا اور اس کے حاملین کا، یعنی آپ کا اور آپ کے ساتھیوں کا اقتدار قائم ہو جائے گا اور آپ ہی کے ذریعہ وہ پھر توحید اور اس کی دعوت کا مرکز بن جائے گا ـــــ صحابہ کرام کو بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ اس خداوندی بشارت کا علم ہو گیا تھا اور قدرتی طور پر ان کو اس مبارک وقت کا غیر معمولی اشتیاق کے ساتھ انتظار تھا ـــــ سورۂ صف میں اُن اہل ایمان کو جو جہاد فی سبیل کا فریضہ کما حقہ ادا کریں، آخرت میں مغفرت اور جنت کی بشارت کے ساتھ یہ بشارت بھی دی گئی تھی کہ "وَ اُخری تحبونها نصر من الله و فتح قريب"۔ یہ اُس فتح مکہ ہی کی بشارت تھی جس کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے

جاں نثار صحابہ کرام کو بڑے اشتیاق کے ساتھ انتظار تھا اسی فضا میں یہ سورۂ نصر نازل ہوئی، اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے فرمایا گیا ہے کہ اے ہمارے پیغمبر جب اللہ کی مدد اور وہ فتح موعود آجائے (یعنی مکہ مکرمہ سے مشرکین کا اقتدار ختم ہو کر دین حق کا اقتدار قائم ہو جائے) اور تم دیکھ لو کہ لوگ اپنے باطل ادیان سے نکل کر اللہ کے دین میں جوق جوق اور گروہ گروہ داخل ہو رہے ہیں تو تم یکسوئی اور مزید اہتمام کے ساتھ اللہ کی تسبیح و حمد میں مشغول ہو جاؤ اور اس سے کوتاہیوں کی مغفرت اور معافی طلب کرو، وہ بڑا ہی معاف کرنے والا اور بڑی عنایت و مہربانی فرمانے والا ہے۔

اس بارے میں روایات اور مفسرین کی رائیں مختلف ہیں کہ یہ سورت فتح مکہ کے بعد نازل ہوئی یا اس سے پہلے، میرے نزدیک یہی بات زیادہ قرین قیاس ہے کہ یہ فتح مکہ سے کچھ پہلے بشارت کے طور پر نازل ہوئی ہے۔ اسی بنیاد پر میں نے اس کا مطلب بیان کیا ہے ــــ اگر یہ مانا جائے کہ یہ فتح مکہ کے بعد نازل ہوئی تو آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ اے ہمارے پیغمبر جب اللہ کی وہ مدد اور وہ فتح آگئی جس کا وعدہ کیا گیا تھا اور آپ نے اپنی آنکھوں سے یہ منظر دیکھ لیا کہ اب لوگ گروہ گروہ کی صورت میں اللہ کے دین اسلام میں داخل ہو رہے ہیں، (تو دنیا میں آپ کی بعثت کا بڑا مقصد پورا ہو گیا) اب آپ آخرت کی منزل کی طرف زیادہ توجہ کریں، اپنے رب کی تسبیح و حمد اور اس سے استغفار کا زیادہ اہتمام کریں، اس کی شان یہ ہے کہ وہ تواب ہے، یعنی بڑا معاف فرمانے والا اور بہت زیادہ مہربان اور عنایت فرمانے والا ہے۔

بہر حال اس سورہ کا نزول فتح مکہ سے پہلے مانا جائے یا اس کے بعد اس کا خاص تعلق فتح مکہ کے واقعہ سے ہے، اور اس سورہ میں جس طرح اس کا ذکر کیا گیا ہے وہ اس کی غیر معمولی عظمت کا اندازہ کرنے کے لیے کافی ہے۔ اور فی الحقیقت فتح مکہ کا واقعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ اور اسلامی تاریخ کا عظیم ترین

واقعہ ہے۔ اس کے بعد ہی سے اسلام کی ایک نئی تاریخ شروع ہوتی ہے
—— اس موقعہ پر فتح مکہ کے واقعہ کا مختصر طور سے ذکر کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

## فتح مکہ کا واقعہ

صلح حدیبیہ کے واقعہ کا ذکر اس درس میں بار بار کیا گیا ہے یہ صلح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مشرکین مکہ کے درمیان ہجرت کے چھٹے سال ہوئی تھی، انہی دو فریقوں میں اس سے پہلے بدر، احد، غزوۂ خندق وغیرہ کئی جنگیں ہو چکی تھیں —— صلح حدیبیہ آج کل کی اصطلاح میں دس سال کے لیے گویا ناجنگ معاہدہ تھا۔ جس میں بہت سی دفعات تھیں۔ اس معاہدہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خاص مقصد یہ تھا کہ جنگ و خونریزی کا سلسلہ ختم ہو کر علاقہ میں امن کی فضا قائم ہو تاکہ دین کی دعوت کے لیے راستہ صاف ہو اسی غرض سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس معاہدہ میں مشرکین مکہ کی ایسی کئی شرطیں بھی مان لی تھیں جو عام نقطہ نظر سے کسی طرح بھی ماننے کے لائق نہیں تھیں، اور بظاہر وہ عزت و وقار کے خلاف تھیں لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے دین حق کی دعوت اور بندوں کی ہدایت کا جو اعلیٰ مقصد تھا، اس کی خاطر آپ نے قیام امن کی امید پر وہ شرطیں بھی قبول فرمالیں اور اس کے نتیجہ میں امن کی وہ فضا قائم بھی ہو گئی جس کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ معاہدہ کیا تھا اور اس سے وہ فائدہ بھی حاصل ہوا جو اصل مقصود تھا۔ لیکن اس معاہدہ پر ابھی دو سال بھی نہیں گزرے تھے کہ دوسرے فریق مشرکین مکہ کی طرف سے عہد شکنی اور معاہدہ کی خلاف ورزی کی گئی، (جس کی تفصیل کی ضرورت نہیں)۔ اس کے بعد اللہ تعالےٰ کے حکم سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فیصلہ فرمایا کہ اب جبکہ فریق ثانی نے معاہدہ توڑ دیا ہے، ایک دفعہ طاقت استعمال کر کے مکہ مکرمہ پر قبضہ کر لیا جائے اور ان مشرکین کی طاقت اس طرح توڑ دی جائے کہ اس کے بعد وہ کوئی شرارت نہ کر سکیں، اس کے بعد ہی پورے علاقہ میں

امن کی وہ فضا قائم ہو سکے گی جس کی ضرورت ہے۔ چنانچہ مشہور روایت کے مطابق دس ہزار صحابہ کی جمعیت کے ساتھ آپ نے مکہ معظمہ کی طرف کوچ کیا۔ یہ ہجرت کا آٹھواں سال اور رمضان مبارک کا مہینہ تھا۔ آپ کا اندازہ تھا اور صحیح اندازہ تھا کہ مشرکین مکہ اس عظیم لشکر کی مزاحمت کا ارادہ ہی نہیں کریں گے اور اس طرح بغیر قتل و قتال اور خونریزی کے مکہ معظمہ پر قبضہ ہو جائے گا۔ چنانچہ ویسا ہی ہوا، اہل مکہ نے لشکر کو دیکھنے کے بعد مزاحمت کا ارادہ ہی نہیں کیا، اس لیے باقاعدہ صف آرائی اور جنگ کی نوبت ہی نہیں آئی، آپ نے اپنے رفقا کو ہدایت فرما دی تھی کہ جب تک تم پر تلوار نہ اٹھائی جائے تم تلوار نہ اٹھاؤ اس لیے قتل و قتال کی نوبت ہی نہیں آئی۔ بس اتنا ہوا کہ اسلامی لشکر کا ایک دستہ جو حضرت خالد بن الولید کی قیادت میں ایک سمت سے مکہ میں داخل ہو رہا تھا اُس کے تین آدمی دستہ سے الگ ہو گئے، قریش کے شریروں کے ایک گروہ نے اُن پر حملہ کر کے اُن کو شہید کر دیا اور حضرت خالد کے دوسرے ساتھیوں پر تیر برسانے شروع کر دیے۔ اس کے جواب میں حضرت خالد کے دستہ کے لوگوں نے ان اشرار پر حملہ کیا جس کے نتیجہ میں ان میں سے ۱۲ یا ۱۳ قتل ہوئے باقی بھاگ گئے —— اس ایک واقعہ کے علاوہ فتح مکہ کی عظیم مہم میں کوئی اس طرح کی واردات نہیں ہوئی —— بلاشبہ یہ اللہ کی خاص مدد ہی تھی کہ قریش ایسے مرعوب ہوئے کہ انھوں نے مزاحمت کا ارادہ ہی نہیں کیا اور جنگ کی نوبت ہی نہیں آئی ——

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی اونٹنی پر سوار اس حال میں مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے کہ ازراہ انکسار اور اللہ کے شکر میں سر مبارک اتنا جھکا ہوا تھا کہ اونٹنی کے کجاوے سے لگ رہا تھا، گویا حضور اونٹنی پر سواری کی حالت ہی میں بارگاہ خداوندی میں سربسجود تھے —— یہاں تک کہ آپ اپنے رفقا مہاجرین و انصار کے ساتھ اسی حالت میں حرم میں داخل ہوئے۔

مکہ والوں نے ہجرت سے پہلے آپ پر اور آپ پر ایمان لانے والوں پر جو ظلم وستم کے پہاڑ توڑے تھے اور پھر ہجرت کے بعد بھی جو بار بار مدینہ پر انھوں نے چڑھائی کی تھی اور صرف دو سال پہلے آپ کو عمرہ کرنے سے جس طرح روکا تھا اور بغیر عمرہ کیے مدینہ واپسی پر مجبور کیا تھا وہ سب ان کو یاد تھا اور وہ بجا طور پر ڈر رہے تھے کہ آج اس سب کا بدلہ چکایا جائے گا اور ہم میں سے سینکڑوں بلکہ ہزاروں کے سر قلم ہوں گے —— لیکن آپ نے اعلان کرایا کہ جو اپنا دروازہ بند کرکے بیٹھ جائے اس کو امن اور معافی ہے، جو فلاں یا فلاں کے گھر میں داخل ہو جائے اس کو امن اور معافی ہے —— اس کے بعد آپ نے دو چار بدترین قسم کے اُن مجرموں کے علاوہ جنکو سزا دینا ہی مصلحت اور قانون خداوندی کا تقاضا تھا سب کے لیے عام معافی کا اعلان فرما دیا۔ ارشاد فرمایا "لا تثریب علیکم الیوم انتم الطلقاء" (اب تم پر زبانی ملامت بھی نہیں تم سب آزاد ہو)۔ آپ کے اس سلوک کا نتیجہ یہ ہوا کہ مکہ کے جو لوگ اس وقت تک اسلام کے بدترین دشمن تھے ان کی اکثریت نے اسی دن اسلام قبول کر لیا اور جو باقی بچے انھوں نے بھی اطاعت قبول کر لی اور اس دن سے مکہ معظمہ بھی مدینہ منورہ کی طرح "دار الاسلام" ہو گیا اور کچھ ہی دن بعد ان سب نے بھی اسلام قبول کر لیا جنھوں نے فتح کے دن صرف اطاعت قبول کی تھی۔

مکہ معظمہ کے لوگ خاص طور سے قریش حضرت ابراہیم و اسمٰعیل کی نسل سے تھے، اللہ کے ان دونوں پیغمبروں نے مکہ میں بیت اللہ (خانہ کعبہ) اللہ وحدہ لاشریک لہ کی عبادت کے لیے بنایا تھا اور وہ دعوت توحید کا مرکز تھا۔ لیکن جب ان کی نسل میں بت پرستی آگئی تو اس خانہ کعبہ کو ایک بت خانہ بنا دیا گیا، فتح مکہ کے اس دن تک وہاں بتوں کی پوجا ہوتی تھی، سیکڑوں بت اس کے ارد گرد رکھے ہوئے تھے، ان کی تعداد تین سو ساٹھ تک بتلائی گئی ہے اور کعبۃ اللہ کی دیواروں پر بھی دیوتاؤں کی تصویریں بنی ہوئی تھیں۔

جن میں حضرت ابراہیم و اسماعیل کی تصویریں بھی تھیں ـــــ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان بتوں کو تڑوایا اور پھکوایا اور دیواروں کی تصویریں مٹائی گئیں ـــــ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے خاص موذن بلال کو (جو حبشی تھے اور کفار قریش کی نظروں میں انتہائی ذلیل و حقیر تھے اور ایک مشرک کے غلام بھی رہے تھے ان ہی بلال کو) حکم دیا کہ وہ کعبہ کی چھت پر کھڑے ہو کر اذان دیں، انھوں نے اذان دی یہ اللہ کے حرم اور کعبۃ اللہ میں پہلی اذان تھی ـــــ آپ نے خانہ کعبہ کا دروازہ کھلوایا اور اندر جا کر اللہ تعالیٰ کے حضور میں نماز شکر ادا کی ـــــ اللہ ہی جانتا ہے کہ کتنی صدیوں کے بعد اللہ کے اس گھر میں اس کے حضور میں اس طرح نماز ادا کی گئی ـــــ

یہ ہے فتح مکہ کا واقعہ جو میں نے مختصر طور سے آپ حضرات کے سامنے اس وقت بیان کیا ہے اس کی پوری تفصیل حدیث اور سیرت کی کتابوں میں دیکھی جا سکتی ہے۔

## فتح مکہ کے بعد

یدخلون فی دین اللہ افواجًا

مکہ معظمہ کے اس طرح معجزانہ طور پر فتح ہو جانے اور اہل مکہ کے اسلام یا اطاعت قبول کر لینے کا ایک نتیجہ یہ ہوا کہ بہت سے قبیلے اور علاقوں کے لوگ جو قریش مکہ کی مخالفت کو خطرناک سمجھنے کی وجہ سے یا کسی بھی وجہ سے دعوتِ اسلام قبول کرنے میں ابھی تک متردد تھے وہ ایک دم اسلام میں داخل ہونے لگے، ـــــ اس سے پہلے لوگ انفرادی طور پر اکا دکا آکر اسلام قبول کرتے تھے، اب فتح مکہ کے واقعہ کے بعد اجتماعی طور پر قبیلے کے قبیلے اور علاقے کے علاقے آنے لگے ـــــ اسی صورتحال کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اس سورت فرمایا گیا ہے "وَرَاَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُوْنَ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا" (یعنی اے ہمارے پیغمبر جب تم دیکھ لو کہ لوگ اللہ کے دین اسلام میں داخل ہو رہے ہیں گروہوں، اور لشکروں کی شکل میں) ـــــ آگے فرمایا گیا ہے "فَسَبِّحْ بِحَمْدِ

رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ ۚ إِنَّهُ كَانَ تَوَّابًا " مطلب یہ ہے کہ اس کے بعد تم پوری یکسوئی اور اہتمام کے ساتھ اپنے مالک و پروردگار خداوند کی حمد و تسبیح اور اس سے مغفرت طلبی میں مشغول ہو جاؤ وہ بہت معاف کرنے والا اور مہربانی فرمانے والا ہے وہ اپنی شان کریمی و رحیمی کے مطابق یقیناً مہربانی فرمائے گا ــــــ اِنَّهُ كَانَ تَوَّابًا " گویا اللہ تعالیٰ کی طرف سے وعدہ ہے کہ مغفرت طلبی اگر صدق دل سے ہو گی تو ہماری طرف سے معافی یقینی ہے۔

یہاں یہ بات سمجھنے کی ہے کہ اللہ کی حمد و تسبیح اور استغفار میں زیادہ اہتمام سے مشغول ہونے کا فتح مکہ سے کیا ربط اور جوڑ ہے؟ ــــــ حضرات مفسرین نے لکھا ہے اور یہی واقعہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے مقاصد میں ایک اہم مقصد یہ تھا کہ مکہ معظمہ جو دنیا کا قلب اور ہماری اس زمین پر اللہ تعالیٰ کا دار السلطنت ہے اور جس میں وہ کعبہ ہے جس کو حضرت ابراہیم و اسماعیل علیہم السلام نے اللہ کے حکم سے اس لیے بنایا تھا کہ وہاں اللہ وحدہ لا شریک کی عبادت ہو اور وہ دعوت توحید کا مرکز اور دنیا بھر کے اہل توحید کا قبلہ بنے، اس کو پھر یہ حیثیت حاصل ہو اور وہاں سے شرک و کفر کا خاتمہ ہو، اور پورے جزیرۃ العرب میں دینِ حق غالب ہو جائے، پھر وہاں سے عالمی پیمانے پر دینِ حق کی دعوت اور اعلاء کلمۃ اللہ کی جد و جہد کا سلسلہ جاری رہے ــــــ تو فتح مکہ سے اس اہم مقصد کی گویا تکمیل ہو گئی، اسی کے نتیجہ میں پورے جزیرۃ العرب میں دین حق غالب ہوا اور پورے عالم کے لیے دین حق کی دعوت اور اعلاء کلمۃ اللہ کی جد و جہد کی بنیاد قائم ہو گئی۔

تو جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ یہ سب کچھ ہو گیا تو اس دنیا میں جو دار المحن اور "سجن المومن" ہے آپ کے قیام کی خاص ضرورت نہیں رہی اور آخرت آپ کے لیے اس دنیا سے بلا شبہ ہزار درجہ بہتر ہے۔ قرآن پاک ہی میں فرمایا گیا ہے " وَلَلْآخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْأُولَىٰ " اور رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم کا ارشاد ہے "اللّٰھُمَّ لا عیش الا عیش الآخرۃ" ــــ تو اس سورت کی اس آخری آیت میں فرمایا گیا ہے کہ (جب اللہ کی مدد سے مکہ کی فتح کے ذریعہ آپ کا یہاں کا کام پورا ہو جائے) تو آپ سفر آخرت کی تیاری کی طرف زیادہ توجہ کریں اور اس کے لیے دو باتوں کا خصوصیت سے زیادہ اہتمام کریں۔ ایک اپنے رب کریم کی تسبیح و حمد جو اس کے انعامات کا شکر بھی ہے اور اپنے عجز و نیاز کا اعتراف و اظہار بھی اور اعلیٰ درجہ کی عبادت بھی۔ اور دوسرے اللہ تعالیٰ سے معافی اور مغفرت کی طلب ــــ

اس درس ہی کے سلسلہ میں بار بار آپ حضرات کے سامنے عرض کیا گیا ہے کہ انبیاء علیہم السلام سے ایسا کوئی عمل سرزد نہیں ہوتا جس کو اللہ تعالیٰ نے اور اس کی نازل کی ہوئی شریعت نے گناہ قرار دیا ہو، ان کے معصوم ہونے کا یہی مطلب ہے، لیکن اُن سے از راہ بشریت ایسی چیزیں عمل میں آجاتی ہیں جو ان کے مقام اور ان کی شان عالی کے مناسب نہیں ہوتیں، عارفین کا مقولہ ہے "حسنات الابرار سیئات المقربین" ــــ ع جن کے رتبے ہیں سوا ان کو سوا مشکل ہے ــــ ان کو ہماری زبان میں لغزش کہا جا سکتا ہے ــــ حضرات انبیاء علیہم السلام کو ان لغزشوں کی اتنی فکر ہوتی ہے کہ ہم لوگوں کو اپنی معصیتوں کی بھی نہیں ہوتی۔ اور وہ برابر اللہ تعالیٰ سے ان کی معافی اور مغفرت کی درخواست کرتے رہتے ہیں ــــ صحیح بخاری شریف میں حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں دن رات میں سو دفعہ یا اس سے بھی زیادہ اللہ سے معافی اور مغفرت طلب کرتا ہوں تو یہ آپ کی مغفرت طلبی انہی لغزشوں کے احساس کی بنیاد پر ہی ہوتی تھی ــــ اس کے علاوہ آپ امت کے لیے بھی اللہ تعالیٰ سے مغفرت اور معافی طلب کرتے تھے اور آپ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کا حکم تھا، تو اس سورۃ نصر کی اس آخری آیت میں جو استغفار کا حکم ہے اس میں امت کے لیے مغفرت کی طلب بھی شامل ہو سکتی ہے۔

صحیح بخاری شریف اور صحیح مسلم شریف میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے یہ حدیث مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی عمر شریف کے آخری دور میں یعنی فتح مکہ اور اس کے نتائج کے ظہور کے بعد اپنی نمازوں میں رکوع و سجود میں اللہ کی تسبیح و حمد اور استغفار کے یہ جامع کلمے کثرت سے پڑھتے تھے ـــ "سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِيْ ـــ اور سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ وَاَتُوْبُ اِلَيْهِ ـــ اور آپ کا یہ عمل اس آیت کے حکم کی تعمیل ہی میں تھا ـــ

اس میں ہمارے آپ کے لیے اور سب امتیوں کے لیے سبق ہے کہ اللہ تعالےٰ کی جو دینی و دنیوی نعمتیں نصیب ہیں (اور سب ہی کو کچھ نہ کچھ نصیب ہیں) اُن کا دھیان کر کے اللہ کے شکر اور حمد و تسبیح کا اور جو گناہ اور معصیتیں ہم سے ہوتی ہیں اُن کا خیال کر کے توبہ و استغفار کا خاص اہتمام کریں اور اس کی ایسی عادت ڈالیں کہ وہ گویا ہماری فطرت بن جائے ـــ اور اس حمد و تسبیح اور استغفار کے بہترین جامع کلمے یہی ہیں جو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی اس حدیث میں ذکر کیے گئے ہیں ـــ "سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِيْ" ـــ اور "سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ وَاَتُوْبُ اِلَيْهِ" اور بعض روایات میں یہ بھی ہے "سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ اَسْتَغْفِرُكَ وَاَتُوْبُ اِلَيْكَ" ان سب کلمات کا حاصل اور مطلب یہی ہے کہ میں اللہ کی تسبیح و حمد کرتا ہوں اور اُس سے اپنے قصوروں، گناہوں کی معافی اور مغفرت کی استدعا کرتا ہوں۔

پہلے بھی بار بار بیان کیا جا چکا ہے کہ تسبیح کا مطلب اپنے اس یقین اور عقیدہ کا اظہار ہوتا ہے کہ اللہ تعالےٰ کی ذاتِ عالی ہر عیب اور نقص سے پاک ہے اور حمد کا مطلب ہوتا ہے کہ وہ تمام صفاتِ کمال کا جامع ہے اور ہر طرح کی تعریف اسی کے لیے ہے۔ اور استغفار میں اپنی قصورواری اور گناہ گاری کا اعتراف ہوتا ہے اور اللہ تعالےٰ سے معافی اور مغفرت کی طلبگاری ہوتی ہے۔

(باقی صفحہ ۳۷ پر)

# اپنی ذات اور اہل وعیال پر خرچ کرنا بھی صدقہ اور کارِ ثواب ہے

(از افادات حضرت مولانا شاہ وصی اللہ قدس سرہٗ)

فرمایا کہ ——— اس زمانہ میں یہ گمراہی بھی عام ہوگئی ہے کہ فقراء ومساکین پر خرچ کرنے کو تو لوگ موجب اجر وثواب سمجھتے ہیں لیکن اپنے اوپر اور اپنے اہل وعیال پر خرچ کرنے کو کوئی شخص ثواب نہیں سمجھتا حالانکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات اور احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اہل وعیال پر خرچ کرنا فرض ہے اور اس میں سب سے زیادہ اجر ہے اب ہم ذیل میں انفاق مالی کے متعلق چند احادیث پیش کرتے ہیں جن سے واضح ہوتا ہے کہ اپنے اہل وعیال پر نفقہ میں کس قدر اجر عظیم ہے۔

عن ابی هريرة رضی الله عنه قال جاء رجل الی النبی صلی الله علیه وسلم فقال عندی دینار فقال انفقه علی نفسك قال عندی آخر قال انفقه علی ولدك قال عندی آخر قال انفقه علی اهلك قال عندی آخر قال انفقه علی خادمك قال عندی ا

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک شخص آئے اور عرض کیا کہ میرے پاس ایک دینار ہے آپ نے فرمایا اپنے نفس پر خرچ کرو کہا کہ میرے پاس دوسرا دینار بھی ہے فرمایا اس کو اپنی اولاد پر

آخر قال انت اعلم

رواہ ابوداؤد (مشکوٰۃ شریف)

خرچ کرو۔ عرض کیا میرے پاس ایک دینار اور بھی ہے فرمایا کہ اپنی بیوی پر خرچ کرو۔ عرض کیا کہ ایک دینار اور بھی ہے فرمایا اپنے خادم پر خرچ کرو۔ عرض کیا ایک اور ہے۔ آپ نے فرمایا تم زیادہ جانتے ہو یعنی عزیز و قریب میں جس کو زیادہ مستحق سمجھو دیدو۔

صاحب مرقاۃ نے لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل پر اولاد کو اس لیے مقدم فرمایا ہے کہ اولاد بہ نسبت بیوی کے نفقہ کی زیادہ محتاج ہے کیونکہ بیوی کو اگر شوہر طلاق دیدے تو وہ دوسرے شخص سے نکاح کر کے اپنے نفقہ کا انتظام کر سکتی ہے اور اولاد تو باپ ہی پر ہیں ان کا دوسرا کون کفیل ہو سکتا ہے۔ بہرحال حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے نفقات کی ترتیب میں الاہم فالاہم کو مقدم فرمایا ہے۔ چنانچہ یہاں سب سے پہلے اپنی ذات کو اس کے بعد اولاد اور پھر بیوی اور سب سے آخر میں خادم کو ذکر فرمایا۔

اسی سلسلہ کی ایک دوسری حدیث بھی سنیے :۔

عن ابی مسعود قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا نفق المسلم نفقۃً علی اھلہ وھو یحتسبھا کانت لہ صدقۃ (متفق علیہ)

(مشکوٰۃ شریف)

حضرت ابومسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مسلمان جب اپنی بیوی پر کچھ خرچ کرتا ہے اور اس کو ثواب سمجھتا ہے یہ اس کے لیے صدقہ ہے۔

عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دینار انفقتہ فی سبیل اللہ و دینار انفقتہ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ دینار جس کو تم نے اللہ کی راہ میں خرچ کیا

فی رقبۃ و دینار تصدقت به علی مسکین و دینار انفقته علی اهلك اعظمها اجرا الذی انفقته علی اهلك.
رواہ مسلم (مشکوٰۃ شریف)

اور وہ دینار جس کو تم نے کسی غلام کے آزاد کرانے میں خرچ کیا اور وہ دینار جس کو تم نے کسی مسکین پر صدقہ کیا اور وہ دینار جس کو تم نے اپنے اہل پر صرف کیا ان سب میں اجر میں سب سے بڑھا ہوا وہ دینار ہے جس کو تم نے اپنے اہل پر خرچ کیا۔

قال صاحب المرقاۃ (اعظمها اجرا الذی انفقته علی اهلك) قیل لانه فرض وقیل لانه صدقةٌ وصلةٌ صاحب مرقاۃ نے فرمایا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اہل و عیال پر صرف کرنے کو اجر میں اس لیے بڑھا ہوا فرمایا ہے کہ اہل و عیال کا نفقہ فرض ہے اور ظاہر ہے کہ فرض کا ثواب غیر فرض سے بڑھا ہوا ہے یا اس لیے کہ اس میں دو جہت ہے ایک صدقہ کی دوسرے صلہ رحمی کی اور ظاہر ہے کہ جس میں دو جہتیں ہوں گی اس کا اجر بڑھ جائے گا۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے الصدقة علی المسکین صدقةٌ وهی علی ذی الرحم ثنتان صدقةٌ وصلةٌ یعنی مسکین محتاج پر صدقہ کرنا تو بس صدقہ ہی ہے اور ذی ارحم پر صدقہ کرنے میں دو چیزیں ہیں ایک تو صدقہ اور دوسرے صلہ رحمی۔

نیز اور بہت سی احادیث ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ اپنے بال بچوں پر خرچ کرنے کا ثواب بھی ملتا ہے بلکہ فقراء اور مساکین پر خرچ کرنے سے زیادہ ثواب ملتا ہے کیونکہ اپنے نفس اور اہل و عیال پر خرچ کرنا فرض ہے اور ظاہر ہے کہ فرض کا ثواب نفل سے زیادہ ہے۔ اب یہ کس قدر گمراہی کی بات ہے اور کتنا بڑا احسان ہے کہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے تو اپنی رحمت اور شفقت کی بناء پر یہ آسانی فرما دی کہ اگر تم لوگ انفاق مال کا شرف حاصل کرنا چاہتے ہو تو یہ

سمجھو کہ اپنے نفس اور اہل وعیال پر خرچ کرنا فرض ہے اور ثواب میں سارے نفقات سے بڑھا ہوا ہے اور بال بچوں پر خرچ کرنا تمھارا ایک طبعی تقاضہ بھی ہے اس لیے ان پر خرچ کرنے سے باز تو آؤ گے نہیں پھر کیوں نہیں اسی میں ثواب کی نیت کر لیا کرتے تاکہ یہ تمھاری طبیعت شریعت بن جائے اور عادت عبادت ہو جائے تاکہ اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی حاصل ہو۔

بہرحال ان مذکورہ احادیث سے انفاق میں ترتیب معلوم ہوئی اور الاقرب فالاقرب پر خرچ کرنے کی ترغیب مفہوم ہوئی۔ اب ہم مصارف زکوٰۃ کے سلسلہ میں یہاں پر فقہاء کرام کے ارشادات کو بھی مزید توضیح و تشریح کے لیے درج کرتے ہیں۔ کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات اور آیات قرآنیہ کو جیسا فقہاء نے سمجھا ہے دوسروں کی رسائی وہاں تک نہیں ہو سکتی۔

صاحب مراقی الفلاح مصارف زکوٰۃ کے باب میں تحریر فرماتے ہیں۔

وکرہ نقلها بعد تمام الحول لبلدٍ آخر لغیر قریب واحوج واورع وانفع للمسلمین بتعلیم والافضل صرفها للاقرب فالاقرب من کل ذی رحم محرم منه ثم جیرانه ثم لاهل محلته ثم لاهل حرفته ثم لاهل بلدته۔

سال پورے ہونے کے بعد زکوٰۃ کا دوسرے شہر کی طرف نقل کرنا مکروہ ہے بشرطیکہ دوسرے شہر کے لوگ رشتہ دار اور زیادہ محتاج اور زیادہ پرہیزگار اور مسلمانوں کو تعلیم کے ذریعہ زیادہ نفع بخش ہوں (اور نہ مکروہ نہیں) اور افضل یہ ہے کہ زکوٰۃ کو اپنے رشتہ داروں اقرب فالاقرب پر صرف کرے اس کے بعد اپنے پڑوسیوں کو دے اس کے بعد اپنے محلہ والوں کو اس کے بعد اپنے ہم پیشہ والوں اور اس کے بعد اپنے شہر والوں کو۔

وقال الشیخ ابو الحفص الکبیر

شیخ ابو الحفص کبیرؒ فرماتے ہیں کہ

رحمه الله لا تقبل صدقة لرجل وقرابته محاويج حتى يبدأ بهم فيسد حاجتهم

آدمی کا صدقہ قبول نہیں کیا جاتا جبکہ اس کے رشتہ دار محتاج ہوں تا آنکہ انہی لوگوں سے ابتدا کرے اور ان کی حاجت پوری کرے۔

قال الطحطاوي۔ وقوله كره نقلها۔ اي تحريما ولو الى مسافة القصر وقوله لغير قريب اما نقلها للقريب فلا كراهة فيه لان الدفع الى الفقير منهم فيه صلة وصدقة۔

طحطاوی میں ہے کہ قولہ کرہ نقلها یعنی ایک شہر سے دوسرے شہر میں نقل کرنا مکروہ تحریمی ہے اگرچہ وہ دوسری جگہ مسافت سفر سے کم ہو اور قولہ لغیر قریب اگر دوسرے رشتہ دار ہوں تو نقل کرنا مکروہ نہیں ہے کیونکہ رشتہ دار فقیر کو دینا اس میں دوہرا اجر ہے ایک صلہ رحمی کا دوسرے صدقہ کا۔

وقوله انفع للمسلمين بتعليم قال في المعراج التصدق على العالم الفقير افضل اي من الجاهل الفقير ولا يكره نقلها من دار الحرب الى دار الاسلام ولو مع وجود المصرف هناك

اور قولہ "انفع للمسلمین بتعلیم" معراج میں ہے عالم فقیر پر صدقہ کرنا افضل ہے یعنی جاہل فقیر سے اور زکوٰۃ کا دار الحرب سے دار الاسلام کی طرف نقل کرنا مکروہ نہیں اگرچہ دار الحرب میں بھی مصرف ہو۔

قوله والافضل صرفها للاقرب فالاقرب قال في النهر والاولى صرفها الى اخوته الفقراء ثم اولادهم ثم اعمامه الفقراء ثم اخواله

اور قولہ "والافضل صرفها للاقرب" نہر میں کہا ہے کہ اولیٰ یہ ہے کہ زکوٰۃ کو اپنے محتاج بھائیوں پر صرف کرے پھر ان کی اولاد پر پھر اس کے بعد اپنے محتاج چچا کو اس کے بعد اپنے

ثم ذوی الارحام ثم جیرانه ثم اهل مسکنه ثم اهل ربضه قوله لا تقبل صدقة الرجل ای لا یثاب علیها وان سقط الفرض۔

اپنے ماموؤں کو پھر اس کے بعد دوسرے رشتہ داروں کو اس کے بعد پڑوسیوں کو اس کے بعد محلہ والوں پر اور پھر اپنے شہر والے اور اس کے گرد و نواح والوں پر صرف کرے قولہ لا تقبل الخ
یعنی اس پر ثواب نہ ہوگا اگرچہ فرض ساقط ہو جاوے گا۔

قال الشامی عن ابی هریرة مرفوعاً الی النبی صلی الله علیه وسلم انه قال یا امة محمد صلی الله علیه وسلم والذی بعثنی بالحق لا تقبل الصدقة من رجل وله قرابة محتاجون الی صلته ویصرفها الی غیرهم والذی نفسی بیده لا ینظر الله الیه یوم القیامة اهـ رحمتی

حضرت ابو ہریرہؓ سے مرفوعاً روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے امت محمد صلی اللہ علیہ وسلم قسم ہے اس ذات کی جس نے مجھ کو دین حق لیکر بھیجا اللہ تعالیٰ ایسے آدمی کا صدقہ قبول نہیں فرماتے جس کے رشتہ دار و اہل قرابت محتاج ہوں اس کے صدقہ کے اور وہ غیروں پر خرچ کرتا رہے۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے۔ قیامت میں اللہ تعالیٰ اس کی طرف نظر نہ فرمائیں گے۔

والمراد بعدم القبول عدم الاثابة علیها وان سقط بها الفرض لان المقصود سد خلة المحتاج وفی القریب جمع بین الصلة والصدقة

عدم قبول سے مراد اس پر ثواب نہ ملنا ہے اگرچہ فرض ساقط ہو جائیگا۔ کیونکہ زکوٰۃ سے مقصود محتاج کی حاجت روائی ہے اور قریب میں صلہ اور صدقہ دونوں اکٹھے ہو جاتے ہیں۔

خود سوچیے کہ اتنی توفیق تو کم ہی لوگوں کو ہوتی ہے کہ فقرا اور مساکین کو روپیہ پیسہ دیں اور اگر کوئی دیتا ہے تو نہایت قلیل، زکوٰۃ مفروضہ ہی ادا کر دیں تو بڑی بات ہے لہٰذا کل مال رات دن اپنے بچوں ہی پر صرف ہوتا ہے اور اپنے جہل اور سوء عقیدت کی بنا پر اس میں اجر و ثواب کے معتقد ہی نہیں لہٰذا اس کی نیت بھی نہیں تو گویا نفقہ کے ثواب سے بالکلیہ محروم ہو جاتے ہیں۔ یہ اسی بد اعتقادی کا ثمرہ ہے کہ اہل و عیال پر نفقہ جو فرض ہے اس کی نہ اہمیت ہی قلب میں ہے نہ اسمیں ثواب ہی سمجھتے ہیں بخلاف صدقات نافلہ کے کہ اس کا اہتمام بھی ہے اور اسی میں ثواب سمجھتے ہیں حالانکہ اہل و عیال کا بقدر کفایت بقدر ضرورت نفقہ تو فرض ہے اور اگر اسی میں کسی قدر وسعت کر دی جائے تو اسی قدر نفل بن جائے گا اور فرض اور نفل دونوں کا ثواب مل جائے گا۔

مزید توضیح و تائید کے لیے ایک دوسری حدیث ترمذی شریف سے نقل کرتا ہوں:

عن عون بن ابی جحیفۃ عن ابیہ قال اخی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بین سلمان وابی درداء فزار سلمان ابی الدرداء فرأی ام الدرداء مبتذلۃ قال ماشانک مبتذلۃ قالت ان اخاک ابا الدرداء لیس لہ حاجۃ فی الدنیا قالت فلما جاء ابو الدرداء قرب الیہ طعاما فقال کل فانی صائم قال ما انا باکل حتیٰ تاکل قال

حضرت عون بن ابی جحیفہؓ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت سلمان اور حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہما کے درمیان عقد مواخات قائم فرمادیا تھا۔ ایک دن حضرت سلمانؓ حضرت ابو الدرداء کی زیارت کیلئے گئے وہاں پہنچکر ام الدرداء (یعنی ان کی بیوی) کو نہایت خستہ حال دیکھا تو پوچھا کہ آخر کیوں اس قدر خستہ حال ہو، انھوں نے جواب دیا کہ آپ کے بھائی ابو الدرداء کو دنیا سے کوئی تعلق نہیں ہے (اس لیے

فاكل فلما كان الليل ذهب
ابو الدرداء ليقوم فقال
له سلمان نم فنام ثم ذهب
ليقوم قال له نم فنام فلما
كان عند الصبح فقال سلمان
قم الآن فقاما فصليا فقال
ان لنفسك عليك حقا و
لربك عليك حقا ولضيفك عليك
حقا وان لاهلك عليك حقا فاعط
كل ذي حق حقه فاتيا النبي
صلى الله عليه وسلم فذكرا
ذلك له فقال صدق سلمان
هذا حديث صحيح
(ترمذی شریف جلد ثانی ص۶۶)

ان سب باتوں کی طرف ان کی توجہ
بالکل نہیں رہتی) اس کے کچھ دیر بعد
جب ابو الدرداءؓ تشریف لائے تو
حضرت سلمانؓ کے سامنے کھانا پیش کرکے
کہا کہ آپ (تنہا ہی) نوش فرمائیے اس لیے
کہ میں تو روزے سے ہوں۔ حضرت
سلمانؓ نے فرمایا کہ جبتک آپ (میرے
ساتھ) نہ کھائیں گے میں ہرگز نہ کھاؤنگا
اس کہنے پر حضرت ابودرداءؓ نے
کھانا کھایا پھر جب رات ہوئی تو حضرت
ابو الدرداء نماز پڑھنے کے لیے جانے
لگے تو حضرت سلمان نے ان سے کہا کہ
سوؤ تو وہ سو گئے۔ تھوڑی دیر کے بعد
پھر نماز پڑھنے کے لیے تیار ہوئے تو
حضرت سلمانؓ نے فرمایا کہ ابھی سوؤ (ان کے کہنے سے) سو گئے (جب خوب سو چکے)
اور صبح کا وقت قریب ہوا تو ان سے حضرت سلمان نے فرمایا کہ اب اٹھو ——
—— پس دونوں حضرات اٹھے اور نماز پڑھی اس کے بعد حضرت سلمان نے فرمایا
یقینًا تمہارے نفس کا بھی تم پر حق ہے اور تمہارے پروردگار کا بھی تم پر حق ہے
اور تمہارے مہمان کا بھی تم پر حق ہے اور تمہاری بیوی کا بھی تم پر حق ہے اس لیے
تم کو چاہیے کہ ہر حقدار کے حق کو ادا کرتے رہو۔ اس کے بعد یہ دونوں حضرات نبی کریم صلی اللہ
علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ سے اس معاملہ کو بیان کیا تو آپ
صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سلمان نے ٹھیک کہا۔
دیکھا آپ نے اس حدیث میں کس طرح حقوق بیان کیے گئے ہیں اور ان کے

مراعات کی کیسی تاکید کی گئی ہے۔ یہ ہے اصلاح تدبیر منزل اور یہ ہے تعلیم حسن معاشرت اور یہ بھی سمجھیے کہ اس حدیث سے یہ بات بھی واضح ہو گئی کہ اپنے نفس اور بیوی بچوں کے حقوق کے ساتھ مہمانوں کا بھی حق ہے اور یہ سارے حقوق واجب ہیں تو کیا ان کے ادا کرنے سے ثواب نہیں ملے گا؟ اس حدیث میں حق اللہ اور حق العبد دونوں کا ذکر کیا گیا ہے اور اپنے نفس کو اس کا جائز حق دینا بھی حق العبد کی ادائگی ہے اور اس میں بھی ضرور اجر ملے گا۔ آدمی مکلف بنایا گیا ہے کہ اپنے جسم کی بھی حفاظت کرے کیونکہ وہ عطیہ خداوندی ہے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ فرماتے تھے انی لاحتسب نومتی کما احتسب قومتی یعنی میں جیسے اپنے قیام میں ثواب سمجھتا ہوں ویسے ہی اپنے نوم میں بھی ثواب سمجھتا ہوں۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ قیام تو حق اللہ ہے اور نوم حق النفس اور حق العبد ہے اور دونوں ہی اللہ تعالےٰ کی طرف سے ہیں پھر دونوں کے کرنے میں کیوں نہ ثواب ہو گا۔

حضرت مولانا تھانویؒ فرمایا کرتے تھے کہ میں سر پر تیل اس لیے رکھتا ہوں کہ سرکاری مشین ہے اس کی حفاظت کا ذمہ دار ہوں۔ تو کیا حضرت رحمۃ اللہ علیہ صرف دماغ ہی کی حفاظت کو ضروری سمجھتے تھے؟ نہیں بلکہ سارے اعضاء کی حفاظت کو ضروری خیال فرماتے تھے اور سب کو امانت سمجھتے تھے غذا وغیرہ جو کچھ تناول فرماتے تھے یہی سمجھ کر کہ بدن کی قوت و حفاظت اسی سے ہو سکتی ہے۔ اس لیے حضرت کا کھانا پینا تیل وغیرہ استعمال کرنا سب ہی عبادت تھا۔

بہرحال ان احادیث اور صحابہؓ اور بزرگان دین کے اقوال و افعال سے صاف طور پر یہ معلوم ہوتا ہے کہ آدمی اپنے نفس پر اور اپنے اہل وعیال پر جو کچھ خرچ کرتا ہے سب کا ثواب اس کو ملتا ہے مگر اس کو ثواب کی نیت کرنی چاہیے یہ سمجھ کر کرنی چاہیے کہ اللہ تعالیٰ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم ہے۔ بہت ہی تعجب اور افسوس کی بات ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو آسان سے آسان طریقہ اللہ تعالیٰ تک پہونچنے اور ان کو راضی کرنے کا ہم کو بتا دیں اور ہم اس کی طرف التفات بھی نہ کریں اور خود ساختہ طریقے سے پہنچنے کی لاحاصل کوشش کریں یہ رحمت اور شفقت کی ناقدری ہے اس طرح سے نہ کوئی خدا تک پہنچا ہے نہ پہنچ سکتا ہے۔

اسی سلسلے کی ایک اور حدیث سنیے:۔

عن المقدام بن معد یکرب عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال ما کسب الرجل کسبا اطیب من عمل یدہ وما انفق الرجل علی نفسہ واھلہ وولدہ وخادمہ فھو صدقۃ (ابن ماجہ شریف)

حضرت مقدام بن معد یکرب سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سب سے بہتر کمائی ہاتھ کی کمائی ہے، اور آدمی جو کچھ اپنے نفس پر اور اپنے اہل پر اور اپنے اولاد پر اور اپنے خادم پر خرچ کرتا ہے تو یہ سب صدقہ ہے۔ سبحان اللہ

یہاں پر چند حدیثیں بطور نمونہ کے ذکر کی گئی ہیں ورنہ اس مضمون کی احادیث بکثرت ہیں اب ایک طرف ان احادیث کو دیکھیے اور دوسری جانب اپنے حالات کو دیکھیے تو معلوم ہوگا کہ ہم اپنے جہل و نادانی اور سوءِ عقیدت کی وجہ سے کتنے فضائل اور ثواب سے محروم ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات وافعال ہی ہمارے لیے مشعلِ راہ تھے اور اسی سے ہم کو نجات ہوسکتی تھی اور دونوں جہاں میں سرخرو ہوسکتے تھے۔ یاد رکھو کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت کے بغیر نہ کسی کو راستہ ملا ہے نہ مل سکتا ہے نہ کوئی کامیاب ہوا ہے نہ ہوسکتا ہے۔ ؎

مپندار سعدی کہ راہِ صفا ۔۔۔۔ تواں رفت جز بر پئے مصطفیٰ

(اے سعدی تم یہ نہ سمجھ لینا کہ راہ صفا کا طے کرنا بجز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طریق پر چلے ہوئے ممکن ہے)

خلاف پیمبر کسے رہ گزید ۔۔۔۔ کہ ہرگز بمنزل نخواہد رسید

(رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے راستہ کے خلاف جس شخص نے راہ طے کی تو اس کی منزل مقصود تک رسائی نہیں ہوسکتی۔)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت میں بڑے برکات ہیں آدمی ان کو اختیار کرکے فرشتوں سے بھی بڑھ جاتا ہے ورنہ آخرت کی محرومی کے ساتھ دنیا میں بھی ہر وقت کی ضیق میں مبتلا رہتا ہے۔ (بشکریہ ماہنامہ وصیۃ العرفان، الہ آباد)

مولانا غازی احمد (سابق کرشن لعل)

# ایک نومسلم کی سبق آموز داستان حیات

# من الظلمات الی النور

## منتخبات — یا — جھلکیاں

(۵)

گزشتہ شمارے میں اس سلسلہ کی چوتھی قسط شائع ہوئی تھی جس میں مولانا غازی احمد صاحب کی آپ بیتی "من الظلمات الی النور" کا وہ حصہ نذر ناظرین کیا گیا تھا جس میں موصوف نے اپنے رب کریم کے اس عظیم انعام و احسان کا ذکر کیا ہے جو ۱۹۵۸ء میں سفر حج اور حرمین شریفین کی حاضری کی شکل میں اُن پر ہوا تھا۔ —— اُس کے بعد انھوں نے اس آپ بیتی میں اللہ تعالیٰ کے چند اور ایسے انعامات کا ذکر کیا ہے جو مختلف قسم کی دینی خدمات کی شکل میں ان پر ہوتے رہے۔

اس کے آگے غازی صاحب نے اسلام کی چند اُن اہم تعلیمات کے بارے میں لکھا ہے جن سے وہ خاص طور سے متاثر ہیں اور جو ان کی نظر میں اسلام کا امتیاز اور دوسرے مذاہب و ادیان کے مقابلہ میں اس کی حقانیت اور فضیلت کی روشن دلیلیں ہیں۔ —— انھوں نے ان تعلیمات کے مستقل عنوانات قائم کر کے اُن پر گفتگو کی ہے —— ان میں سے چند عنوانات یہ ہیں:-

حلت و حرمت میں امتیاز ـــــ حقوق العباد کی اہمیت ـــــ باہمی
اخوت و مودت ـــــ فرائض منصبی کی نگہداشت ـــــ اس سلسلہ
بیان میں انھوں نے حضرت بایزید بسطامیؒ کا ایک واقعہ بھی لکھا ہے، ناظرین
کرام اس کو انہی کے الفاظ میں پڑھ لیں۔

## بایزید بسطامیؒ اور عیسائی ہم سفر

اسی اسلام نے حضرت بایزید بسطامیؒ جیسے مقدس لوگ پیدا کیے۔ ایک دفعہ
حضرت بایزید سفر کر رہے تھے ایک عیسائی بھی آپ کے ساتھ ہو لیا۔ جب دوپہر کے
کھانے کا وقت قریب آیا تو حضرت بایزیدؒ نے ساتھی سے کہا، گاؤں قریب ہے
کھانے کا انتظام کر لیں۔ عیسائی ساتھی نے کہا حضرت آپ تو خدا رسیدہ بزرگ
ہیں اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ کھانے کا سامان مہیا کر دے۔

حضرت نے دو نفل ادا کیے اور بارگاہ رب العالمین میں دعا کے لیے ہاتھ
اٹھائے یا اللہ! یہ شخص میرے دین کا امتحان لینا چاہتا ہے۔ اپنے دین کی لاج رکھ
لیں تاکہ مجھے اس کے سامنے ندامت نہ ہو ہمارے لیے کھانے کا انتظام فرما دیجیے۔
حضرت ابھی دعا سے فارغ نہیں ہوئے تھے کہ ایک شخص چار روٹیاں اور سالن
لے کر حاضر ہوا۔ دونوں نے سیر ہو کر کھایا اور سفر پر روانہ ہو گئے۔

شام کو عیسائی ساتھی نے کہا، جناب! شام کے کھانے کا انتظام میں کروں گا۔
عیسائی نے دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے اور ایک شخص آٹھ روٹیاں اور دگنا سالن
لیے حاضر ہوا۔

حضرت بایزیدؒ حیران تھے۔ ساتھی سے پوچھا تم نے کیا دعا مانگی تھی۔ عیسائی
ساتھی نے کہا پہلے تو مجھے مسلمان کیجیے۔ بعد میں دعا کی تفصیل عرض کروں گا۔ حضرت
نے اپنے ساتھی کو مشرف باسلام کیا۔

ساتھی نے بتایا۔ میں نے یہ دعا مانگی تھی اے پروردگار اگر اسلام سچا دین
ہے اور بایزیدؒ تیرا مقبول بندہ ہے۔ تو ہمیں دوپہر کے مقابلے میں دگنا کھانا عطا فرما۔

چنانچہ دعا کا اثر آپ نے دیکھ لیا۔ اسلامی تعلیمات نے امتِ محمدیہ میں لاکھوں نہیں بلکہ کروڑوں ایسے انسان پیدا کیے جن پر انسانیت کو فخر ہے۔

حضرت بایزید بسطامیؒ کا یہ واقعہ ذکر کرنے کے بعد مولانا غازی احمد صاحب نے اسلامی تعلیمات کے سلسلہ ہی میں اس کی سب سے اہم تعلیم توحید کے بارے میں لکھا ہے، ناظرین کرام اس کو بھی انہی کے الفاظ میں پڑھیں۔

## توحید ربانی

اسلامی تعلیمات کا طرۂ امتیاز توحید باری تعالےٰ ہے۔ اس وقت دنیا کے دیگر تمام مذاہب تصورِ توحید سے محروم ہیں۔ کہیں تو اصنام پرستی کو دھرم کی بنیاد تسلیم کیا جاتا ہے، کہیں تثلیث کی حکمرانی ہے، کہیں ثنویت کا نظریہ کارفرما ہے۔ بلکہ روئے زمین کے اکثر حصے پر شرک و کفر کا غلبہ ہے تمام انبیاء کرام سلام اللہ علیہم اجمعین نے اپنی اپنی امتوں کو توحید ربانی کا درس دیا تھا۔ اللہ تعالےٰ کا ارشاد ہے وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِیْ اِلَيْهِ اَنَّهٗ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنَا فَاعْبُدُوْنِ (الانبیاء) یعنی آپ سے پہلے جتنے رسول مبعوث کیے گئے ان سب کو بذریعہ وحی یہی پیغام دیا گیا۔ کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں میری ہی عبادت کرو —— ہر نبی اور رسول نے اپنی امت کو لا الٰہ الا اللہ کا بنیادی پیغام پہنچایا۔ خدائے واحد کے سامنے جھکنے کی تعلیم دی مگر پیغمبر کے دنیا سے رخصت ہونے کے بعد امت کے افراد، تعلیم ربانی کو مسخ کر دیتے۔ ہوائے نفسانی کی اتباع میں شرک و کفر کی تاریک وادیوں میں بھٹکنے لگتے۔ چنانچہ آج کوئی مذہب بھی سوائے اسلام کے یہ دعویٰ نہیں کر سکتا کہ مُنَزَّل من اللہ کتاب ہمارے پاس صحیح و محفوظ صورت میں موجود ہے۔ تورات ہو یا انجیل۔ زبور ہو یا دیگر صحائف تحریف لفظی و معنوی سے محفوظ نہ رہ سکے بلکہ یہود و نصاریٰ نے تورات و انجیل کا حلیہ ہی بگاڑ دیا۔ یہ شرف صرف اور صرف اسلام کو حاصل ہے۔ کہ صرف قرآن کریم ہی اصلی و صحیح صورت میں موجود نہیں ہے بلکہ سید دو عالم کے ارشادات۔ اعمال اور احوال کا ریکارڈ بھی حدیث نبویؐ کی صورت صحیح و سالم اور محفوظ و مصئون طور پر موجود ہے۔ غیر مسلم

اسکالر بھی اس بات کے شاہد ہیں۔ پروفیسر نکلسن لٹریری ہسٹری آف عربیا میں رقمطراز ہیں کہ یہ فخر صرف امتِ محمدیہ کے افراد کو حاصل ہے جو کلام الٰہی کے علاوہ اپنے پیغمبر کے ارشادات بھی سینے سے لگائے ہوئے ہیں اور ان میں کسی قسم کا تغیر و تبدل نہیں آنے دیا۔

ہم فخر سے کہہ سکتے ہیں کہ توحید ربانی کا علمبردار اب صرف اسلام ہی ہے اس توحید کی بنیاد لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ پر استوار ہوتی ہے۔ توحید کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ اپنی ذات وصفات کے لحاظ سے وحدہٗ لاشریک ہیں۔ وہی ذات خالق کائنات اور رب العالمین ہے۔ مخلوق میں کوئی شخص نبی ہو یا رسول، اوتار ہو یا ولی، بادشاہ ہو یا فقیر، حاکم ہو یا محکوم، جاندار ہو یا بے جان اس کی ذات وصفات میں شرکت نہیں رکھتے۔ وہی ہمارا پیدا کرنے والا ہماری مشکلات ومصائب کا ازالہ کرنے والا۔ ہماری حاجت روائی کرنے والا ہمارے کمال وزوال کا مالک اور متصرف فی الامور ہے۔ وہی علیم وخبیر۔ رازدانِ ظاہر وباطن۔ دانائے غیوب اور حاضر وناظر ہے۔ کائنات کی کوئی چیز اس سے پوشیدہ نہیں۔ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَخْفٰى عَلَيْهِ شَيْءٌ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِي السَّمَآءِ (آل عمران ۵)

وہی کائنات کی تمام حقیقتوں کو جاننے والا ہے وہی ذات اس قابل ہے کہ صرف اُس کی عبادت کی جائے اسی کی بارگاہ میں اپنے سر کو نگوں کیا جائے اُسی کے نام کی نذر ونیاز دی جائے اسی کے نام پر چڑھاوے چڑھائے جائیں۔ اس کی رضا کے لیے اسی کے مقدس نام پر صدقہ وخیرات دی جائے دنیا کی تمام مخلوق انسان ہوں یا جن ملائکہ ہوں یا دیگر کوئی مخلوق۔ نبی ہوں یا رسول صحابہ ہوں یا اولیاء شاہ ہوں یا گدا۔ حاکم ہوں یا رعایا سب اسی کے محتاج اور غلام ہیں۔ سورۂ اخلاص میں جسے "ثلث القرآن" فرمایا گیا ہے توحید باری کو کس وضاحت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۝ اَللّٰهُ الصَّمَدُ ۝ لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ ۝ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ۝ (سورۃ الاخلاص)

"کہہ دیجیے وہ اللہ ہے یکتا۔ اللہ سب سے بے نیاز ہے اور سب اس کے محتاج ہیں نہ اس کی کوئی اولاد ہے اور نہ وہ کسی کی اولاد اور کوئی اس کا ہمسر نہیں ہے"۔

جب رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم توحید کی دعوت لے کر اُٹھے تھے۔ اس وقت دنیا کے مذہبی تصورات کیا تھے بت پرست مشرکین ان خداؤں کو پوج رہے تھے۔ جو لکڑی۔ پتھر۔ سونے چاندی وغیرہ مختلف چیزوں کے بنے ہوئے تھے شکل و صورت اور جسم رکھتے تھے۔ دیوی اور دیوتاؤں کی باقاعدہ نسل چلتی تھی۔ کوئی دیوی بے شوہر نہ تھی اور کوئی دیوتا بے زوجہ نہ تھا۔ ان کو کھانے پینے کی ضرورت بھی لاحق ہوتی تھی اور ان کے پرستار ان کے لیے اس کا انتظام کرتے تھے مشرکین کی ایک بڑی تعداد اس بات کی قائل تھی کہ خدا انسانی شکل میں ظہور کرتا ہے اور کچھ لوگ اس کے اوتار ہوتے ہیں۔

عیسائی اگرچہ ایک خدا کو ماننے کے مدعی تھے مگر ان کا خدا بھی کم از کم ایک بیٹا تو رکھتا ہی تھا اور باپ بیٹے کے ساتھ خدائی میں روح القدس کو بھی حصہ دار ہونے کا شرف حاصل تھا۔ حتیٰ کہ خدا کی ماں بھی ہوتی تھی اور اس کی ساس بھی۔

یہودی بھی ایک خدا کو ماننے کا دعویٰ کرتے تھے۔ مگر ان کا خدا بھی مادیت جسمانیت اور دوسری انسانی صفات سے خالی نہ تھا۔ وہ ٹہلتا تھا انسانی شکل میں نمودار ہوتا تھا اپنے کسی بندے سے کشتی بھی لڑ لیتا تھا اور ایک عدد بیٹے عزیر کا باپ بھی تھا۔

ان مذہبی گروہوں کے علاوہ مجوسی آتش پرست اور صابی ستارہ پرست تھے۔ اس حالت میں جب اللہ وحدہٗ لاشریک کو ماننے کی دعوت لوگوں کو دی گئی تو ان ذہنوں میں یہ سوالات پیدا ہوئے کہ وہ رب ہے کس قسم کا جسے تمام ارباب اور معبودوں کو چھوڑ کر تنہا ایک ہی رب اور معبود کو تسلیم کرنے کی دعوت دی جا رہی ہے۔ کلام اللہ کا یہ اعجاز ہے کہ اس نے ان سوالات کا جواب چند الفاظ میں دے کر اللہ کی ہستی کا ایک واضح تصور پیش کر دیا جو تمام مشرکانہ تصورات کا قلع قمع کر دیتا ہے۔

اور اس کی ذات کے ساتھ مخلوقات کی صفات میں کسی صفت کی آلودگی کے لیے کوئی گنجائش باقی نہیں رہنے دیتا۔ (تفہیم القرآن)

صمد اس ذات کو کہا جاتا ہے جو کسی کی محتاج نہ ہو اور باقی سب اس کے محتاج ہوں۔ یہ ذات صرف اللہ کی ہے اور صمد صرف اسی کی صفت ہے۔ سورۂ اخلاص میں تمام ادیانِ کاذبہ کا ابطال موجود ہے۔

اس کے آگے مولانا غازی احمد صاحب نے مقام نبوت ____ ختم نبوت ____ اور ____ قیامت کے عنوانات قائم کر کے اسلام کے ان بنیادی عقائد کے بارے میں صحیح اسلامی تصور کو مدلل طور سے اور وضاحت کے ساتھ بیان کیا ہے ____ اس کے بعد ایک مستقل عنوان صحابۂ کرام قائم کر کے امت میں صحابہ کرام کا جو امتیازی مقام ہے اور اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امانت کتاب و سنت کو امت تک بحفاظت پہنچانے کی جو عظیم خدمت اُن سے لی اس کو بیان کرنے کے ساتھ اس سلسلہ کی ائمۂ دین اور اولیاء امت کی خدمات کا بھی اعتراف اور مختصر تذکرہ کیا ہے۔

مولانا غازی احمد صاحب نے یہ سب بیان کرنے کے بعد "پادری صاحب سے گفتگو" کا عنوان قائم کر کے عیسائیت کے مبلغ ایک پادری صاحب سے طالب علمی ہی کے زمانے میں اپنی ملاقات و گفتگو اور مباحثہ کا ذکر کیا ہے ____ ناظرین کرام اس کو انہی کے الفاظ میں پڑھ لیں

## پادری صاحب سے گفتگو

جب میں طلب علم کے سلسلے میں پنڈی گھیب مدرسہ خادم الشریعت میں مقیم تھا تو تبلیغ کے سلسلے میں ایک عیسائی مشن ایک پادری خادر ولیم صاحب کی سرکردگی میں پنڈی گھیب پہنچا۔ مشن کے ساتھ چرچ کے دو تین مرد اور عورتیں تھیں۔ پنڈی گھیب کے مشرقی جانب کھلے میدان میں انھوں نے خیمے نصب کیے۔ وہاں آنے جانے والوں کو عیسائیت کی تبلیغ کرنے لگے۔ شام کے وقت میں نے ایک دو ساتھی طلبہ کو

ہمراہ لیا اور پادری صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے۔

پادری صاحب نے ہمیں دیکھ کر فرمایا آپ مسلمان ہمارے ساتھ مذاق کرنے آتے ہیں۔ آج صبح سے مسلمان نوجوان ہمارے پاس صرف چائے پینے اور ہماری عورتوں کو گھورنے کے لیے آتے رہے۔ دین کے معاملات کا انھیں ذرا علم نہیں۔ میں اور میری ٹیم کے افراد تھک چکے ہیں۔ آپ کو اگر گفتگو کا شوق ہے۔ تو صبح آجائیے۔

پادری صاحب! ہم طالب علم ہیں صبح کے وقت ہم درس و تدریس میں مصروف ہوتے ہیں دوسری بات یہ ہے کہ ہم نہ تو چائے کے طالب ہیں نہ آپ کی ٹیم کی عورتوں کو دیکھنے کے مشتاق۔ پادری صاحب! میرا نام غازی احمد ہے۔ میں نے ہندو گھرانے میں جنم لیا تھا۔ ۱۹۳۸ء میں اسلام قبول کیا اور اب علوم اسلامیہ کا ابتدائی طالب علم ہوں۔ البتہ اپنے مذہب کے ابجد سے کچھ نہ کچھ واقفیت بھی رکھتا ہوں۔ آپ کی خدمت میں خلوصِ دل سے حاضر ہوا ہوں اگر آپ اسلام کے مقابلے میں عیسائیت کی صداقت ثابت کردیں تو میں بطیب خاطر آپ کا مسلک اپنا لوں گا۔ میری باتیں سن کر پادری صاحب بہت خوش ہوئے ہمیں اپنے مرکزی خیمے میں کرسیوں پر احترام سے بٹھایا۔ ان کی ٹیم کے باقی ممبر بھی آ گئے۔ اور ہماری گفتگو کا آغاز ہوا پادری صاحب! میں آپ سے کچھ سوالات دریافت کرنا چاہتا ہوں اگر آپ نے علمی و عقلی جوابات سے مجھے مطمئن کر دیا تو مجھے آپ کی بات تسلیم کرنے میں کوئی عذر نہ ہوگا۔ میں اسلام کے بنیادی نظریہ کی بات کروں گا اور اسی طرح عیسائیت کے بنیادی عقیدہ کے متعلق کچھ پوچھوں گا۔

میں توحید ربانی کی تشریح کرتا ہوں آپ تثلیث کی توضیح کریں۔ دونوں میں تقابلی بحث سے حق نکھر کر سامنے آجائے گا۔

میں نے قرآنی آیات سے استشہاد کرتے ہوئے نظریہ توحید کی وضاحت کی جس کے ضمن میں عقیدہ تثلیث کا رد بھی موجود تھا۔ پادری صاحب! تثلیث کے

قائلین تین خدا مانتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ، عیسیٰ علیہ السلام اور روح القدس حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کا بیٹا قرار دیتے ہیں اور حضرت مریمؓ کو خدا کی بیوی۔ اس کا منطقی نتیجہ یہ ہے کہ باپ۔ ماں اور بیٹا اپنی تمام خصوصیات میں اشتراک رکھتے ہیں۔ اور ہم جنس ہیں۔ آپ کو معلوم ہے کہ حضرت عیسیٰؑ نے حضرت مریم کے بطن سے جنم لیا۔ اور حضرت مریمؓ بھی عمران کی بیوی کے بطن سے پیدا ہوئیں۔ اللہ تعالیٰ کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے کہ ان کی والدہ کون تھیں۔

پادری صاحب نے فرمایا کہ روح اللہ کو اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت اور کلمہ سے پیدا کیا۔

جناب! پھر تو حضرت عیسیٰ مخلوق ہوئے، روح القدس بھی مخلوق ہوئے ذرا سوچیے۔ مخلوق خالق کے ہم جنس کیونکر ہو سکتی ہے۔

پادری صاحب دوسری بات یہ ہے کہ ہم جنس اشیاء کے افراد کی تمام خصوصیات باہم مشابہت اور مجانست رکھتی ہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام مخلوق تھے۔ انسان تھے۔ بشریت کے تمام تقاضے ان میں موجود تھے۔ کھانے پینے اور سونے کے محتاج تھے۔ تمام انسانی عوارض اور امراض ان کو لاحق ہوئے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ بھی ان تقاضوں۔ عوارض اور امراض وغیرہ سے بری نہیں ہو سکتا ہماری کتاب ایسے خدا کو ماننے کے لیے تیار نہیں۔ جو ہماری طرح کھانے پینے سونے اور صحت برقرار رکھنے کا محتاج ہو۔ ہمیں قرآن کریم اپنے رب کے متعلق بتاتا ہے۔

"لَا تَأْخُذُهُ سِنَةٌ وَلَا نَوْمٌ لَهُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ (البقرہ - ۲۵۵) نہ اُسے اونگھ آتی ہے نہ اُسے نیند کی احتیاج زمین و آسمان میں جو کچھ بھی ہے اس کا مملوک اور غلام ہونے کا دم بھرتا ہے۔ لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ وَهُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ (الشوریٰ: ۱۱) اس کی مثال اور مجانست تو ممکن ہی نہیں وہ تو یکتا۔ بے مثل سمیع و بصیر ہے۔ لیکن آپ کے نظریے کے مطابق آپ کا خدا تمام انسانی ضروریات کا محتاج ہے

پادری صاحب اس سوال کا واضح اور تسلی بخش جواب نہ دے سکے۔ جو

میرے ضمیر کو مطمئن کر سکتا۔ پھر فرمانے لگے اگر آپ خدا کو وحدہٗ لاشریک تسلیم کریں۔ تو نبی اور رسول تو محض انسان ہی ہوں گے۔ اور منصب رسالت پر کیسے فائز ہوں گے۔

## مقام انسانیت

پادری صاحب! آپ تو مقام انسانیت ہی سے آگاہ نہیں ہیں۔ تبھی تو آپ رسالت اور بشریت میں تضاد کے قائل ہیں۔ دنیا میں سب سے پہلے انسان آدم علیہ السلام تھے وہ بشر ہونے کے ساتھ ساتھ رسول بھی تھے۔ آپ کی نسل جوں جوں دنیا میں بڑھتی چلی گئی۔ اسی نسل سے اللہ تعالیٰ نے نبی مبعوث فرماتا رہا۔ حتیٰ کہ سلسلۂ نبوت کے آخری نبی ہمارے رسول تھے۔

انسانیت کا مقام تمام مخلوق میں ممتاز و منفرد اور اعلیٰ و ارفع حیثیت کا حامل ہے۔ آپ کی غلط فہمی کی وجہ یہ ہے کہ آپ اور ہم تمام لوگ اپنے آپ کو کامل انسان خیال کرتے ہیں۔ حالانکہ ہم میں ہزاروں خامیاں اور نقائص موجود ہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ ہم کامل انسان نہیں ہیں ہم اپنے کردار اور اعمال کی وجہ سے انسانیت کے اُجلے دامن پر بدنما داغ ہیں انبیائے کرام انسانیت کی مکمل تصویر تھے۔ جن کی انسانیت اور بشریت میں کسی نقص یا عیب کا شائبہ تک نہیں پایا جاتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے انھیں چادر عصمت میں لپیٹ کر تمام عیوب و نقائص سے دور کر دیا تھا۔

جناب ہر نبی اپنی امت کے لیے نمونہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ اگر نبی امت کی جنس سے نہ ہو تو نمونہ نہیں بن سکتا۔ دیکھیے مثلاً ہمارے آقا نے لوگوں کو روزے رکھنے کا حکم دیا۔ اور خود بھی بھوک اور پیاس برداشت کر کے کثرت سے روزے رکھے۔ لیکن اگر آپؐ میں بھوک اور پیاس کا احساس ہی نہ ہوتا۔ تو شاید افراد امت بھی عرب جیسے گرم ترین ملک میں جون جولائی کے گرم موسم میں کبھی روزہ رکھنے کا اہتمام نہ کرتے۔ آپؐ نے دیانت داری، صداقت، کسب حلال اور برائیوں سے احتراز کی جو تعلیم دی اس پر عمل کر کے دکھایا۔ یہی حال ہمارے نبی عیسیٰ علیہ السلام کا تھا، انھوں نے اپنی امت کے افراد کا شبہ دور کرنے کے لیے طفولیت کے دور میں پنگوڑے میں لیٹے ہوئے فرمایا۔ اِنِّي عَبْدُ اللّٰهِ (مریم : ۳۰) میں اللہ کا بندہ ہوں۔

نیز ارشاد ربانی ہے۔ لَنْ یَّسْتَنْکِفَ الْمَسِیْحُ اَنْ یَّکُوْنَ عَبْدًا لِّلّٰہِ (النساء: ۱۷۲) حضرت عیسٰی علیہ السلام نے بندہ ہونے اور اپنی انسانیت و بشریت کو تسلیم کرنے سے کبھی اعراض نہیں کیا بلکہ آپ اظہار حقیقت کے لیے برملا اس کا اظہار فرمایا کرتے تھے۔

اس بارے میں ہمارے آخرالزمان رسول نے بھی اس حقیقت کو قرآن کی زبان میں واشگاف طور پر بیان فرمادیا۔ کیونکہ اہل عرب بھی بشریت اور رسالت میں منافات کے قائل تھے۔ اللہ تعالےٰ کا ارشاد ہے قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ یُوْحٰٓی اِلَیَّ اَنَّمَآ اِلٰـهُکُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ج (الکهف: ۱۱۰) اے رسول! ان کا شبہ دور کرنے کے لیے بیان فرمادیجیے کہ میں بھی تمہاری ہی جنس کا ایک فرد ہوں۔ اللہ تعالےٰ نے مجھے مقام نبوت سے سرفراز کیا ہے اور میں لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کا پیغام لے کر آیا ہوں جس سے تم غافل اور نابلد ہو چکے تھے۔ سورۃ فصلت آیت نمبر ۶ میں بھی یہی مضمون بیان کیا گیا ہے —— ہر نبی نے اپنے اپنے دور میں اس اشتباہ کا ازالہ کیا۔ ارشاد ربانی ہے قَالَتْ لَهُمْ رُسُلُهُمْ اِنْ نَّحْنُ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَمُنُّ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ (ابراہیم: ۱۱) تمام رسولوں نے اپنی اپنی امت کے افراد پر واضح کردیا کہ ہم انسان ہیں تمہاری ہی جنس سے تعلق رکھتے ہیں۔ اللہ تعالےٰ نے ہمیں نبوت سے سرفراز فرماکر دوسرے انسانوں سے ممتاز اور منفرد فرمادیا ہے۔ دنیا میں نبوت کا اعزاز سب سے بلند اعزاز ہے جو روایات کے مطابق کم و بیش ایک لاکھ چوبیس ہزار حضرات کو نصیب ہوا۔ ہمارے دین کی بنیاد کی خشتِ اول کی حیثیت کلمۂ شہادت کو حاصل ہے جس میں رسول اکرم کی عبدیت کی شہادت موجود ہے۔ اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ۔

پادری صاحب! بشریت انبیاء کے بارے کتاب الٰہی میں بہت سے ارشادات موجود ہیں۔ اب سارے تو مجھے بھی یاد نہیں۔ آپ چاہیں تو میں لکھ کر لاسکتا ہوں۔ جناب! جب عیسٰی علیہ السلام کی بشریت ثابت ہو جاتی ہے تو وہ ہرگز درجۂ الوہیت پر فائز

نہیں ہو سکتے۔ اور تثلیث کے نظریے کے خیالی محلات ریت کی دیواروں کی طرح دھڑام سے گر پڑتے ہیں۔

پادری صاحب کے ساتھ کافی دیر تک بات چیت ہوتی رہی۔ مجھے متاثر کرنے کی بجائے پادری صاحب خود ہی لاجواب اور متاثر دکھائی دیتے تھے۔ اتنے میں ان کا خادم چائے لیکر آگیا مگر ہم نے معذرت پیش کر دی۔ ہم پہلے کہہ چکے ہیں کہ ہم چائے پینے نہیں آئے۔ پھر کبھی پی لیں گے۔ میں نے پادری صاحب کو مسجد میں آنے کی دعوت دی کہ آپ ہمارے ہاں تشریف لائیں ہم آپ کا پورا پورا احترام بجالائیں گے۔ ہم چاہتے ہیں کہ ہمارے استاد مکرم جناب قاضی شمس الدین صاحب آپ سے مذہب کے بارے گفتگو فرمائیں۔ مگر پادری صاحب نے مصروفیت کی بناء پر معذرت کر دی۔

پادری صاحب مجھے دوسرے خیمے میں لے گئے، اور فرمایا آپ بہت اچھے انسان ہیں آپ نے میرے ساتھ سلیقہ مندی سے بات چیت کی ہے۔ میں آپ کی گفتگو سے بہت خوش ہوں۔ اگر آپ عیسائیت کا مطالعہ کرنا چاہیں تو ہمارے پاس کیمبلپو ر چرچ میں تشریف لائیں ہم آپ کے تمام مصارف اور ضروریات کے متحمل ہوں گے۔

میں کیمبلپور پہنچ کر آپ کے تمام سوالات کا جواب لکھ کر ارسال کر دوں گا۔

پادری صاحب! آپ کا شکریہ، میں چونکہ ایک طالب علم ہوں۔ میرے پاس اتنی فراغت نہیں کہ آپ کے ہاں حاضری دے سکوں۔ آپ کے خط کا جواب ضرور دوں گا۔

الحمد للہ! جب میں وہاں سے لوٹا تو میرے ایمان میں کئی گنا اضافہ ہو چکا تھا اسلام کے ساتھ میری محبت اور شیفتگی نے مجھے بے پایاں مسرت عطا کی۔ جب مولانا شمس الدین صاحب کو یہ واقعہ بتایا تو فرمانے لگے کہ تم تو ابھی علوم اسلامیہ کی ابتدائی کتب کے طالب علم ہو ، تمھیں ساتھ لے جاتے۔

پادری صاحب نے چرچ میں پہنچ کر ایک طویل خط لکھا جس میں تثلیث کے بارے تو ایک لفظ بھی نہ تھا۔ البتہ اسلام پر بے جا قسم کے اعتراضات مرقوم تھے۔ میں نے

استاد گرامی کے تعاون سے ان کے وافی وشافی جوابات تحریر کیے اور پادری صاحب کو ارسال کیے۔

تقریباً چھ ماہ تک ہماری باہمی مراسلت جاری رہی۔ پادری صاحب مجھے نظر انداز کرنا نہیں چاہتے تھے۔ ایک دن شام کو ایک کار میں سوار دو نوجوان خواتین تشریف لائیں اور فرمایا کہ ہمیں پادری ولیم صاحب نے آپ کو ساتھ لانے کا حکم دیا ہے۔ تاکہ آپ کچھ روز ہمارے ہاں گزاریں اور سکون کے ساتھ مذہبی گفتگو میں شریک ہوں۔ میں نے معاملے کی حقیقت کو بھانپ لیا کہ ولیم صاحب نے اپنے مذہب کی صداقت کو ثابت کرنے کے لیے جو برہان قاطع اب پیش کی ہے اس کا جواب شاید مجھ سے نہ دیا جا سکے۔

خواتین نے بڑا اصرار کیا آپ ہمارے ساتھ ضرور چلیں وہاں آپ کو کسی قسم کی تکلیف نہ ہوگی۔ فادر ولیم صاحب نے ساتھ لانے کی بہت تاکید کی ہے۔ ان کے اصرار کے باوجود میں نے رفاقت سے معذرت کر دی کہ وہاں جانے سے میرا تعلیمی حرج ہوگا۔ میں خود کسی موزوں وقت پر حاضر ہو جاؤں گا۔ خواتین بادلِ نخواستہ خود ہی تشریف لے گئیں۔

ولیم صاحب نے بذریعہ خواتین تبلیغ کرنے کا طریق اختیار کیا تھا وہ اس حقیقت سے آشنا نہ تھے کہ جس شخص کا دل اپنے آقا سید دو عالم اور نبی رحمت کی ابدی الفت و محبت سے لبریز ہو دولت کی فراوانی یا عورتوں کے حسن و جمال کی رنگینیاں اُسے متاثر نہیں کر سکتیں اور نہ ایسا شخص جادۂ اعتدال سے انحراف کی جرأت کر سکتا ہے۔ اگر اسلام قبول کرنے کا میرا مقصد عورت کا حصول ہوتا تو یہ مقصد میں والدین کے ہاں بھی حاصل کر سکتا تھا۔ جب کہ والدین ایک معزز گھرانے میں رشتے کے متعلق سلسلہ جنبانی کر رہے تھے۔

## سیّدِ دو عالم کا واقعہ

کفارِ عرب نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے تمام دلفریب چیزوں کی پیشکش کی تھی۔ کہ اگر آپؐ کی خواہش ہو تو ہم آپ کے قدموں میں دولت کے انبار لگا دیں۔ اگر آپ سیادت و قیادت کے

آرزومند ہیں تو ہمیں آپ کو اپنا سردار تسلیم کرنے میں کوئی اعتراض نہ ہوگا۔ اگر آپ شادی کے مشتاق ہیں تو ہم آپ کی خدمت میں عرب کی حسین ترین عورت پیش کرنے کو تیار ہیں۔ ہم آپ کا ہر مطالبہ بسر و چشم ماننے کو تیار ہیں۔ اور آپ سے صرف ایک بات کے خواہاں ہیں کہ ہمارے معبودوں کے خلاف تبلیغ کرنا ترک کر دیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جواباً فرمایا مجھے تمھاری کسی پیشکش کی نہ تو خواہش ہے اور نہ ضرورت اللہ تعالیٰ نے مجھے منصب نبوت پر سرفراز فرمایا ہے۔ اور میری یہ ذمہ داری ہے کہ میں اس کا پیغام لوگوں تک پہنچاؤں۔ یہ کام مجھے ہر مخالفت دشمنی اور دباؤ کے باوجود سرانجام دینا ہے۔ مرغوباتِ دنیا کی مجھے کیا حاجت۔

الحمد للہ میں بھی اسی عظیم المرتبت آقا کا غلام ہوں، آقا کی اطاعت ہی میں میری سعادت مضمر ہے، اللہ تعالیٰ دم واپسیں تک مجھے اپنے آقا کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین۔

---

## درس قرآن (صفحہ ۱۳ کا بقیہ)

ہم نے اپنے بزرگوں کو دیکھا ہے کہ یہ کلمے ان کی زبان پر ایسے چڑھے ہوئے تھے کہ مجلس میں باتیں کرنے کے درمیان میں بھی بار بار ہم اُن سے سنتے تھے معلوم ہوتا تھا کہ یہ ان کی فطرت ثانیہ بن گئی ہے ——— یہ کلمے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خاص تبرک اور آپ کا بڑا قیمتی ورثہ ہیں۔ ان کی قدر و قیمت ہم آپ کو انشاءاللہ آخرت میں معلوم ہو گی۔ اللہ تعالیٰ ہم کو ان کلمات طیبات کی قدر نصیب فرمائے ——— یہ بہت مختصر اور بہت ہلکے پھلکے ہیں۔ جن بھائیوں کو یاد نہیں ہیں وہ بس دو چار منٹ میں یاد کر سکتے ہیں ——— اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرمائے۔

سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ أَسْتَغْفِرُكَ وَأَتُوبُ إِلَيْكَ

# ایک مکتوب

[ ذیل میں والد ماجد دامت برکاتہم کا ایک مکتوب پیش کیا جا رہا ہے جو حال ہی میں انھوں نے حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی مدظلہ کے ایک خط کے جواب میں لکھایا تھا، مولانا موصوف پاکستان کے صف اول کے اہل علم میں ہیں جامعہ اسلامیہ کراچی کے استاذ حدیث اور اس کے ماہنامہ "بینات" کے مدیر ہیں۔

امید ہے کہ اس مکتوب کے مطالعہ سے اجتماعی معاملات میں حضرات اہل علم کے نظریاتی اختلافات کی نوعیت اور سطح کو سمجھنے میں مدد ملے گی، واللہ یقول الحق وھو یھدی السبیل ——— مدیر ]

باسمہ سبحانہ وتعالیٰ

صدیقی المحترم حضرت مولانا محمد یوسف صاحب! احسن اللہ تعالیٰ الیکم والینا السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ عنایت نامہ مورخہ ۲۲ر محرم موصول ہو کر موجب منت ومسرت ہوا ——— عریضہ کا جواب یا اطلاع رسید نہ ملنے کی وجہ سے خیال ہو گیا تھا کہ شاید وہ ڈاک سے ضائع ہو گیا اور آپ تک نہیں پہنچ سکا۔ اب گرامی نامہ سے معلوم ہوا کہ آپ پر اللہ تعالیٰ کا یہ انعام ہوا تھا کہ ان دنوں آپ سفر حج میں تھے، اب واپسی پر میرا عریضہ ملاحظہ فرمایا۔ اللہ تعالیٰ آپ کے اس حج اور اس سفر کے عمرات اور ان کے سلسلہ کے تمام مناسک واعمال اور دعوات صالحہ کو اپنی شان عالی کے مطابق قبول فرمائے۔ اور آپ کے لیے اور آپکے اہل تعلق کے لیے مغفرت کا وسیلہ بنائے ——— اور اس کے انوار و برکات آپ کی روح اور جسم میں اس طرح پیوست فرما دے کہ قبر میں بھی ساتھ جائیں۔

---

دارالعلوم دیوبند کے المیہ کے سلسلہ میں حضرت قاری صاحب علیہ الرحمہ کی حیات میں اور ان کے حادثہ وفات کے بعد الفرقان میں جو کچھ لکھا گیا اس کے بارے میں گرامی نامہ

سے جناب کی رائے اور تاثر معلوم کر کے بڑا اطمینان ہوا اور دل کی فکر و تشویش میں کمی ہوئی۔ اور اس کی وجہ سے دل میں کچھ عرض کرنے کا داعیہ پیدا ہوا، ورنہ ہائی بلڈ پریشر کا مریض ہونے کی وجہ سے اب خطوط بہت مختصر ہی لکھتا یا لکھاتا ہوں۔

مولانا! واقعہ یہ ہے کہ جو مقدر تھا وہ ہو چکا لیکن خاص کر ان کی وفات کے بعد سے دل بہت متاثر ہے۔ اور جب خیال آجاتا ہے تو رنج و افسوس ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ مغفرت و رحمت کا خاص معاملہ فرمائے، درجات بلند فرمائے اور اس سلسلہ میں جو غلطیاں ہم سے یا اُن سے ہوئیں اپنی شان کرم سے ان کو معاف فرما دے۔ انہ عفو کریم

مولانا! "بل الانسان علیٰ نفسہ بصیرۃ" مجھے اپنے ظاہری و باطنی عیوب و معاصی کا علم ہے جو ایسے ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ رحم و کرم کا معاملہ نہ فرمائے تو خیریت نہیں ہے اور قاری صاحب مرحوم و مغفور کے تو میں انہی اقدامات کو غلط سمجھتا ہوں جو دارالعلوم کے بارے میں عمر کے بالکل آخری دور میں اُن کی طرف سے ہوئے، بالخصوص دارالعلوم کے دستور اساسی اور اس کی مجلس شوریٰ کو کالعدم قرار دینے کا اقدام جو دارالعلوم کے حق میں یقیناً انتہائی درجہ کی خطرناک بات تھی۔ اور یہ بھی ظاہر ہے کہ یہ چیز ان کی فطرت اور اُن کے عمر بھر کے طرز عمل کے خلاف تھی کچھ لوگوں نے ان کی فطری انتہائی نرم مزاجی اور کبر سنی کی پیدا کی ہوئی کیفیت سے فائدہ اٹھا کر اس غلط اور ناممکن بات کے لیے ان کو تیار کر لیا، وہ خود تو ایسی بات سوچ بھی نہیں سکتے تھے ــــــ یہی چیز اس اختلاف اور خلفشار کی بنیاد بنی اور ہم سب اس آزمائش میں مبتلا ہوئے۔ ــــــ فیما بیننا و بین اللہ دل اس پر مطمئن ہے کہ دارالعلوم کو برے انجام سے بچانے کے لیے ہم ارکان شوریٰ نے جو کیا وہ صحیح بلکہ ہمارا فرض تھا! تاہم ہم بشر ہیں رائے اور فکر کی غلطی سے ہم میں سے کوئی بھی محفوظ نہیں ہے۔

بہرحال میں تو اُن کے صرف انہی اقدامات کو غلط سمجھتا ہوں جو رائے اور فکر کی غلطی بھی ہو سکتی ہے ــــــ لیکن اس کے مقابلہ میں ان کی جن حسنات اور جن کمالات سے واقف ہوں ان کا شمار بھی مشکل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے بچپن ہی میں ان کو حفظ قرآن کی دولت عطا فرمائی، وہ زندگی بھر ان کا وظیفہ رہا۔ پھر وہ علم دین کی نعمت عظمیٰ سے بھی نوازے گئے، ہم نے

آپ نے ان کو دیکھا وہ شرافتِ نفس اور حسنِ اخلاق کا مجسمہ تھے ان کے مواعظ حسنہ سے ہزاروں بندگانِ خدا کو ہدایت ملی ہوگی، نماز روزے کی اور ذکر و تلاوت اور دوسرے اعمالِ خیر کی توفیق ہوئی ہوگی۔ اس سب کے علاوہ خود اپنی قریباً اسّی سال کی مختلف النوع عبادات اور دینی خدمات و حسنات کا بھی ذخیرہ اپنے ساتھ لیکر اس دنیا سے گئے ہیں جس میں دارالعلوم کے اہتمام کی قریباً ساٹھ سالہ خدمت بھی ہے ـــــ اور آخرت میں فیصلہ کسی ایک عمل پر نہیں، بندے کے مجموعہ اعمال پر ہوگا۔ " فمن ثقلت موازینہ فاولئٰك ھم المفلحون " اور " فاما من ثقلت موازینہ فھو فی عیشۃٍ راضیۃ " ظاہر ہے کہ ان کی ان بے شمار حسنات و خدمات کے مقابلہ میں، دارالعلوم کے سلسلہ کی اس غلطی کی کیا حیثیت ہے پھر اللہ تعالیٰ کا منشور رحمت ہے " اِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّئَاتِ " ان سب کو سامنے رکھ کر قریب بہ یقین یہ امید ہوتی ہے کہ وہ انشاء اللہ " اولئك ھم المفلحون " اور " فھو فی عیشۃٍ راضیۃ " والے زمرے میں ہوں گے۔

اور اس کے برعکس یہ عاجز اپنے کو رذائل اور معاصی کا مجسمہ ہی دیکھتا اور سمجھتا ہے ـــــ ہاں اللہ تعالیٰ کا یہ فضل و کرم ہے کہ اپنی اس حالت کا احساس اور اس کی فکر نصیب ہے اور اسی کی طرف سے توبہ و استغفار کی توفیق ملتی رہتی ہے۔ دعائے ماثور " اللھم ان مغفرتك اوسع من ذنوبی ورحمتك ارجیٰ عندی من عملی " کو خاص طور سے اپنے حسبِ حال پاتا ہوں۔ اس لیے غرقِ معاصی ہونے کے باوجود ارحم الراحمین کی رحمت کا امیدوار ہوں۔ اور جیسا کہ جناب نے گرامی نامہ میں تحریر فرمایا ہے اس کی بھی امید رکھتا ہوں اور دعا کرتا ہوں کہ رب کریم ہم کو ان بندوں میں شامل فرمادے جن کے بارے میں ارشاد ہوا " ونزعنا ما فی صدورھم من غلٍ اخوانًا علیٰ سررٍ متقابلین " ........ دعاؤں کا محتاج و طالب اور دعاگو ہوں۔

والسلام محمد منظور نعمانی

۱۶ر صفر ۱۴۰۴ھ

Regd. No. LW/NP-63

Monthly 'ALFURQAN' 31, Naya Gaon West Lucknow-226018

VOL. 51 NO. 12 DECEMBER 1983 Phone : 45547